لحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فہرست مضامین

بابتہ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ جلد ۱ عدد ۴

مقالات

فی پرچہ (۸ سالانہ ۶) تعاون حسب استطاعت

صفوۃ الرحمن صابر نے اعظم اسٹیم پریس سے طبع کرواکر دفتر رسالہ "الحق" دیوڑھی شہریار جنگ متصل ناکہ مغلپورہ حیدرآباد دکن سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں تو حق باطل کا دماغ پاش پاش کر دیتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے۔

فکر و نظر

کثرت کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ اپنی مادی برتری کے بل بوتے کسی طرح قلت کو فنا کر دے۔ زور و زر سے مکر و فریب سے جبر و استبداد غرض ہر ممکنہ تدبیر سے قلت کو پامال کرنا کثرت کا شیوہ رہا اور اصلاح کے عنوان سے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی — انسانوں کے جائز حقوق کی بربادی انسان کے خالق و رب کو ہمیشہ ناپسند رہی، قدرت کی طرف سے ایسے انتظامات ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کے حقوق مکر و فریب سے غصب کرنے والوں کو ہمیشہ زک اٹھانی پڑی۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ کَیْدَ الْخَائِنِیْنَ (یوسف) | اللہ تعالیٰ حق تلفی کرنے والوں کے مکر کو چلنے نہیں دیتے۔

خالق انسان کے اس ارشاد کی صداقت کا ثبوت بیسیوں واقعات سے ملتا رہتا ہے، اللہ جل شانہ نے انسان کو جو ڈھیل دے رکھی ہے اس کو وہ اپنی قوت و طاقت سمجھ کر خالق کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ اور بالآخر انسان کو اپنے مفسدانہ مساعی میں ناکام ہونا پڑتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ (یونس) | اللہ تعالیٰ فسادیوں کے کام بننے نہیں دیتے۔

چشم بصیرت رکھنے والوں کو درس عبرت حاصل کرنے کے لئے مسلم لیگ کی کامیابی اور کانگریس کی ناکامی قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا تازہ ثبوت ہے جب کلام کے مطابق افعال الٰہی ظاہر ہوتے رہتے ہیں تو پھر کلام الٰہی ہونے کا اس سے بہتر اور کیا ثبوت ہونا چاہیئے۔

SV02

ایک ہمسایہ قوم عددی برتری اور کثرت دولت کے اعتماد پر حدود انسانیت سے باہر ہوتی جا رہی تھی اور اس اقلیت کے مقابلہ میں صف آرا ہو گئی جو اگرچہ اللہ کی فرماں بردار "مسلم" کہلا کر بہت کچھ نافرمانی کی مرتکب ہے مگر پھر بھی اپنی نسبت غلامی رکھتی ہے کہ حفاظت کتاب و سنت کا کام ہنوز ان ہی غلاموں سے لیا جا رہا ہے۔ مبارزت نامہ یہ تھا کہ "مسلم رہنا ہے تو ہندستان چھوڑ دو ورنہ ہندستانی ہو کر رہو" دجل و فریب کے مختلف جال پھیلا کر اس کوشش میں پوری قوت صرف کی گئی خون پسینہ ایک کیا گیا، پانی کی طرح دولت استعمال کی گئی کہ ہندستانی قومیت کا یہ غلط تصور مسلمانوں میں پیدا ہو جائے کہ وہ پہلے ہندستانی ہیں اور بعد "مسلم" بالفاظ دیگر تھوڑی بہت اللہ سے غلامی کی جو نسبت قائم ہے وہ بھی ختم ہو جائے اور یہ اقلیت بالکلیہ ہم رنگ ہم نشین ہو کر اپنی امتیازی قومیت کو فنا کر دے۔ اس سیاسی چال پر برطانوی اقتدار سے رہائی حاصل کرنے کا خوشنما پردہ ڈال کر مسلم جماعت کے اکابر کا تعاون حاصل کیا گیا مگر بفضل الٰہی دور رس نگاہوں نے بہت جلد تاڑ لیا۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش   من انداز قدت را می شناسم

آزادی کے لئے متحدہ کوشش اور وحدت ہند کے مسلم کش نظریہ کو فوراً ترک کر کے پاکستان کا نعرہ بلند کر دیا گیا اور تائید الٰہی حق و باطل کو ایک سطح پر قائم کرنے اور حق و باطل کو ایک نظر سے دیکھنے کی تمام شیطانی تدابیر ملیامیٹ ہو گئیں، اکھنڈ ہندستان کا منصوبہ خاک میں مل گیا، تلاش حق کے مصنف جنہوں نے افترائی حق کی فرضی روشنی میں ایک اندھیر مچا رکھا ہے ان کو اس صداقت کا اعتراف کرنا چاہیے

إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (النحل) | بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں وہ بامراد نہ ہونگے

غیر حق کو حق کہنے والوں کی پر فریب مساعی قدرت کی طرف سے بالآخر پامال کر دی جاتی ہیں۔
اس تجربہ اور مشاہدہ کے بعد بھی اگر وہ حق کی طرف رجوع نہ ہونگے تو یہ حقیقت بھی بالآخر ان کے مشاہدہ میں آ کر رہے گی اور اس وقت اعتراف حق مفید نہ ہوگا۔

لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ | نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اور جن کو یہ لوگ بے علمی سے گمراہ کر رہے تھے ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑیگا

پاکستانی ہم دین کے علمبرداروں، مسلمانوں کی امامت و پیشوائی کے دعویداروں کی سرکردگی میں نہیں بلکہ ایک غیر الہٰی قانون کے ماہر کی قیادت میں (جو دین اسلام سے متعلق اپنی بے بضاعتی کے خود ہی معترف ہیں) منزل مقصود کو پہونچی، دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کا سینہ اسلام کے لئے کھولدیں کہ یہی ان کے مساعی کی بہترین جزا ہے اور اسی میں فلاح دارین مضمر ہے ۔ لیگی سربرآوردہ حضرات اپنی کامیابی پر مسرور و شاداں ہیں چاروں طرف سے تہنیت و مبارک باد کے پیام وصول ہو رہے ہیں حالانکہ لیگ اس وقت جس منزل میں داخل ہو رہی ہے وہ دراصل اس کے لئے ایک زبردست امتحان گاہ ہے اس لئے مسرت سے زیادہ فکر و اندیشہ لاحق ہونا چاہئے، حکومت الہی قائم، قوانین الہٰی نافذ کرنے کے لئے چند قطعات ارضی حاصل ہو جانا قدرت کی طرف سے سخت ابتلا و آزمائش ہے اس وقت لیگ کو بڑی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونا ہے سنت الہٰی یہ ہے

قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۔ (الاعراف)	موسیٰ نے کہا کہ جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیں گے اور تمکو اس زمین کا مالک بنا دیں گے پھر تمہارا طرز عمل دیکھیں گے

خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہے کہ وراثت ارضی عطا کر کے یہ امتحان لیا جاتا ہے کہ آیا طاغوتی نظام زندگی اختیار کیا جائیگا یا الہٰی ۔

جس دین کے نام پر جان و مال کی بازی کھیلی گئی تھی، ایثار و قربانی کی گئی تھی اب اس دین کو اختیار و نافذ کرنے قول و عمل سے ثابت کرنے کا موقعہ عطا فرمایا گیا ہے، اچھی طرح ذہن نشین رہنا چاہئے کہ حیات و موت کا یہ ہنگامہ و سکون نیک و بد کو آزمانے کے لئے اور دار و گیر کی ہنگامہ آرائی کے لئے ہے ۔

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۔ (الملک)	جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھا عمل کرتا ہے ۔

مالک یوم الدین کے روبرو حاضر ہونا یقینی ہے اور جو اہم ذمہ داری قبول کی گئی ہے اس کی جواب دہی کرنا ہے اس حقیقت سے غافل نہ ہونا چاہئے ۔

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۔ (بنی اسرائیل)	بے شک کان، آنکھ، دل، ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی ۔

جہاں حق سبحانہ تعالیٰ کا یہ اعلان ہے

اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ | میں بڑی مغفرت اور رحمت والا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی یہ لرزہ بر اندام کر دینے والا اعلان بھی ہے۔

وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ۔ | اور یہ کہ میری سزا دردناک سزا ہے۔

اعلان مغفرت و رحمت ان ہی دانشمندوں کے لئے ہے جو رحمت کو غنیمت سمجھ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور انھوں نے اپنی اصلاح کر لی، دین و ایمان کی بگڑی ہوئی حالت کو درست کر لیا۔

لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (النحل) | ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال درست کر لئے تو آپ کا رب بڑی مغفرت و رحمت کرنے والا ہے۔

پاکستانی نظام کی اساس اور اس کا دستور قطعاً اسلامی ہونا چاہئے کسی غیر اسلامی عنصر کو اس میں شامل نہ کرنا چاہئے ایک غیر صالح انسانی نظام کو دیکھ کر جس کے افکار و خیالات پر محض دنیا ہی کا مفاد چھایا ہوا ہے ایک ایسے صالح و عادلانہ الٰہی نظام کے کسی اصول کو ترک نہ کرنا چاہئے جو اپنی اساس و بنیاد میں حیات بعد الموت کا بلند اور وسیع نظریہ رکھتا ہے اور جو انسانوں کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے رب و مولا کے حضور میں فرماں بردار کی حیثیت سے حاضر ہوں تاکہ بے پایاں اور غیر محدود انعامات الٰہی سے سرفراز کئے جائیں کہ یہی فطرت انسانی کا اصلی مطالبہ ہے۔ اس نصب العین کے تحت اسلامی نظام کی روش اور مسلک میں مفاد دنیا مرجح نہیں ہوتا مفاد آخرت مرجح ہوتا ہے۔ زندگی کی تعمیر میں اخلاق و کردار کی تعمیر مقدم ہوتی ہے ترکی اور مصر کی غلطی کو نظریہ نہ بنانا چاہئے کہ غلطی نظیر نہیں ہو سکتی۔ امت محمدیہ کے ہر فرد پر اس حکم کی تعمیل ہر زمانہ میں فرض ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (الجاثیہ) | پھر ہم نے آپ کو دین کے خاص طریقہ پر کر دیا بس آپ اسی طریقہ پر چلئے اور جو لوگ (اس دنیا کے انجام کو) نہیں جانتے ان کی خواہش کا اتباع نہ کیجئے۔

اگر کسی خاندان یا جماعت کو اقتدار و خود مختاری حاصل ہو جائے اور پھر بھی وہ احکام الٰہیہ کو نافذ نہ کرے تو ان کی جو حکومت ہوگی اس میں حقوق انسانی کی حقیقی صیانت نہ ہوگی بلکہ حقوق انسانی کا اتلاف و بربادی ہوگی حقوق انسانی کا جو تعین خالق انسان نے کر دیا ہے وہی دراصل حقوق کی صحیح حفاظت ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (سورۃ المائدہ)

حقوق کو متعین کرنے میں اللہ سے زیادہ کون اچھا ہو یقین کرنے والوں کے نزدیک۔

اس کے خلاف جو طریقہ عمل بھی ہوگا وہ ظلم کا مترادف ہوگا۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ (المائدہ)

اور جو شخص خدا کے نازل کئے ہوئے (حکم) کے موافق حکم جاری نہ کرے تو ایسے لوگ ستم ڈھا رہے ہیں۔

اور یہ کوئی معصیت نہیں ہے بلکہ صریحاً کفر ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔

جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے (حکم) کے مطابق حکم جاری نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔

ایمان کے ساتھ کفر ہو تو تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور خسران آخرت یقینی ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (المائدہ)

اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کریگا تو اس کا عمل غارت ہو جائیگا اور وہ آخرت میں بالکل زیاں کار ہوگا۔

ان لوگوں کا کوئی مشورہ قبول نہیں کرنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور انجام آخرت کو بھلا بیٹھے ہیں اور خواہش نفسانی کی پیروی میں حدود انسانیت سے باہر ہو گئے ہیں۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۔

اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر رکھا ہے اور وہ نفسانی خواہشات پر چلتا ہے اور اس کی حالت حد سے گذر گئی ہے

وہی قلب غافل ہے جس کے افکار و خیالات پر دنیا ہی مسلط ہے جس کا دل و دماغ فکر عقبیٰ و شوق لقاء رب سے بالکل خالی ہے دنیا کے چند روزہ ضرر سے تو وہ بہت گھبراتا ہے، مگر اللہ جل شانہ کی ناراضی اور زیان آخرت کے خیال سے اس قلب میں جنبش تک پیدا نہیں ہوتی وہ رضائے حق کا جویا نہیں ہوتا صرف حظ نفس اور خوشنودی خلق کا طالب رہتا ہے جس کو اعتماد

و بھروسہ مادی اسباب پر ہوتا ہے مسبب پر نہیں ہوتا۔

غیر الہٰی نظام کے کسی جزو کو بھی از قبیل فلم سازی، مسکرات فروشی، سودی کاروبار مخلوط تعلیم، بے پردگی، مساوات مرد و زن کا غیر فطری نظریہ و غیرہم کو اختیار کیا جائیگا تو اسکی مثال ایسی ہوگی کہ عمارت تو بہت خوشنما اور دیدہ زیب تعمیر کی جائے مگر اس کے گوشہ گوشہ میں نجاست بھر جائے۔

قرآن کو حیات انسانی کا واحد دستور العمل دنیا سے منوانے والوں کے لئے یہی موقعہ ہے کہ وہ قرآن کی مندرجہ ذیل ہدایت پر لفظاً لفظاً عمل کریں اور اپنی قرآنی زندگی سے قرآن کی صداقت کی شہادت دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج)

یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو نماز کو قائم کریں زکواۃ ادا کردیں اور نیک کام کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں۔

اس آیۂ کریمہ کی روشنی میں پاکستانی حکومت کا اولیں فرض یہ ہوگا کہ نماز کی پابندی کو حکماً لازم اور خلاف ورزی کی شرعی سزا مقرر کردے اور بیت المال قائم کرکے وصول زکواۃ کا کام باضابطہ طریقہ پر آغاز کردے، اسلامی نظام میں نماز اور زکواۃ کی جو اہمیت ہے اور امراض نفسی و قلبی کا جو مؤثر علاج ہے وہ محتاج بیان نہیں، قوم کے اخلاق و اعمال کی درستی اور اس کی معاشی خوشحالی اسی کے مضمرات ہیں قرآنی تصور یہ ہے کہ جو نماز اور زکواۃ کی ادائی کا پابند نہیں وہ اسلامی برادری کا فرد نہیں۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (البقرہ)

اگر یہ لوگ توبہ کرلیں اور نماز قائم کرلیں اور زکواۃ دیا کریں تو وہ ہمارے دینی بھائی ہو جائیں گے۔

اس کے بعد زندگی کے تمام شعبوں میں اوامر و نواہی کو تدریجاً نافذ کیا جاسکتا ہے۔ نماز کو حکماً قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ امامت ایک باعزت خدمت قرار دی جائے اور اس کی تنخواہ کے معیار کو بلند کرکے قابل اور متقی افراد کو مامور کیا جائے۔

اجر و معاوضہ سے زیادہ صبر پر میں حق تعالیٰ کا محبوب قرار پاتا ہوں، وہ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں! وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ — وہ میرا ساتھ دیتے ہیں وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ میں ان کی نگاہوں کے سامنے ہو جاتا ہوں: وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔ اور رحمت عام و رحمت خاص میرے ساتھ مختص ہو جاتی ہے: أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ۔ جب میں درد، گریزپا، سریع الزوال، فانی درد کو صبر کے ساتھ برداشت کر لیتا ہوں تو مجھے اس کے معاوضہ میں کیا کیا مل رہا ہے؟ کن کن چیزوں کا وعدہ ہو رہا ہے؟ اور کون وعدہ کر رہا ہے؟ اگر میرے دل میں ایمان کی شمع روشن ہے، اگر وہ غلاف میں نہیں باندھ دیا گیا ہے، اگر وہ زندہ ہے اور ادراک کی قوت رکھتا ہے تو کیا درد و غم اس کے لئے نعمت بے بہا نہیں؟ کیا وہ اس سے متلذذ نہیں ہوگا، اس کا مشتاق نہیں ہوگا اور فرط اشتیاق میں یہ چیخ اس کی زبان سے نہیں نکلے گی:-

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کیا اس کی آرزو نہ ہوگی کہ

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے!

میں جانتا ہوں کہ حزن و غم کا زمانہ اپنی مدت کو ختم کر کے گذر ہی جاتا ہے جس طرح رات گذر کر دن نکل آتا ہے، سردی کا موسم ختم ہو کر گرمی کا زمانہ آ جاتا ہے!

"لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ وَلِكُلِّ بَلِيَّةٍ غَايَةٌ وَمُنْتَهًى وَنَفَاذٌ"

اے دل صبور باش و مخور غم کہ عاقبت ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود! (حافظ)

میرا ایمان ہے کہ صبر دنیا و آخرت دونوں عالم میں ہر خیر و سلامتی کی اصل ہے اور بندۂ مومن صبر ہی کے ذریعہ رضا و موافقت مولیٰ کے مقام تک عروج کرتا ہے اور انہی کے افعال افعال الٰہیہ میں فنا ہو جاتے ہیں، اب نہ اس کا کوئی ارادہ باقی رہ جاتا ہے نہ کوئی خواہش نہ فعل نہ اختیار، وہ ارادہ و فعل حق میں غائب و فنا ہو جاتا ہے۔

آمد خبرے ز آمد او من بعد خبر نماند ما را

فحصلت له الراحة الكبرىٰ والجنة المعجلة في الدنيا والآخرة (فتح)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید فی الالوہیت

از:- جناب مولوی دلاور علی صاحب ضابطہ گاؤں وغاف

اسلام کا رکن اول کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے یعنی اس کلمہ کے الفاظ ومعنی ومفہوم کا زبان سے اقرار اور اُس کی دل سے تصدیق تمام ارکان واحکام اسلام میں متقدم ہے۔

یہی کلمہ توحید ذات وصفات باری تعالیٰ ورسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع ہے۔ اس کلمہ میں جس توحید کی تعلیم دی جا رہی ہے وہ توحید فی الالوہیت ہے اور یہی توحید تمام انبیاء علیہم السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وہدایات کی اصل اصول اور دین اسلام کی بنیاد ہے۔ دین وشریعت کے تمام عقائد صحیحہ واعمال صالحہ اس کی فروع اور شاخیں ہیں جیسا کہ خود حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۔ (ابراہیم ع ۴ پ ۱۳)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان فرمائی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت ہے جس کی جڑیں مضبوط ہیں اور اس کی شاخیں بلندی میں آسمان کی طرف ہیں اور وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت اپنا میوہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے واسطے مثالیں بیان فرماتا کہ وہ خوب سمجھیں اور نصیحت حاصل کریں۔

ان آیات بینات میں کلمہ طیبہ کو ایک درخت سے مثال دی گئی ہے جس کی جڑ یعنی تصدیق و ایمان قلب مومن میں ہے اور اس کی شاخیں یعنی اعمال صالحہ آسمان پر ہیں جو بندہ بہار ہیں اور ہر وقت

اس کے ثمرات۔ اجر حسنہ و قرب الٰہی کی صورت میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمہ جنت کی کنجی ہے (بخاری) اور فرمایا کہ جس نے اس کلمہ کا اقرار کیا وہ خدا کی پناہ میں آگیا اور فرمایا کہ جس نے اس کلمہ کا اقرار کیا اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ حرام فرما دیتے ہیں (مسلم) اور فرمایا کہ جس کا آخری کلام یہ کلمہ ہوگا وہ جنتی ہے (ابوداؤد) اور فرمایا کہ جو شخص خلوص قلب سے اس کلمہ کو کہیگا وہ قیامت میں سب سے زیادہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا (بخاری) اور فرمایا کہ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ ہے (ترمذی ابن ماجہ)

ابتدائے اسلام میں جس وقت کفار عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت لیکر حضرت ابوطالب کے پاس گئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک کلمہ (یعنی کلمہ طیبہ) پیش کرتا ہوں۔ اگر یہ مان لیں تو عرب و عجم کے مالک بن جائیں۔

غرضکہ اس کلمہ کے اقرار لسانی و تصدیق قلبی سے ایک انسان مسلمان مومن بن جاتا ہے اور اس کا حسن خاتمہ بھی اسی کلمہ پر موقوف ہے۔ اس لئے اس کلمہ کے مفہوم کو جو نہ جانتے ہوں ان پر جاننا فرض ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد ع پ) پس جان لو کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی الٰہ نہیں ہے اور جو جانتے ہوں ان کو اس کے مفہوم میں تفکر و تصدیق قلبی میں تکرار ضروری ہے۔

جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تم اپنے ایمان کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے تازہ کرتے رہو

کلمہ طیبہ کے لغوی معنی | اس کلمہ کے معنی یہ ہیں کہ۔ نہیں ہے کوئی الٰہ بجز اللہ کے۔ لفظ "الٰہ" اَلَهَ سے ماخوذ ہے جسکے معنی عَبَدَ عِبَادَةً یعنی پرستیدن" کے ہیں اور ہر پرستیدہ جس کی پوجا اور پرستش کی جائے اس کے پوجنے والے کے پاس وہ "الٰہ" ہے۔ چنانچہ اہل عرب اپنے معبودوں کو الٰہ کہتے تھے اس لئے یہ لفظ واحد اور جمع استعمال ہوتا ہے جیسے

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا (الانبیاء ع پ) کیا ان کے معبود ہیں جو ہمارے سوا عذاب سے ر[illegible] قرآن میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے۔

وَقَالُوْا لَاتَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَاتَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَاسُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (نوح ۲ ع پ ۲۹)

اور انہوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو اور نہ ود و سواع و یغوث و یعوق و نسر کو چھوڑو۔

کہا جاتا ہے کہ لفظ "اللہ" بھی اصل میں اَلْاِلٰہ تھا۔ ہمزہ کو حذف کرکے الف و لام داخل کیا گیا تو "اللہ" ہوگیا اور یہ ذات باری تعالیٰ کے لئے اسم خاص ہوگیا "الٰہ" حق تعالیٰ کو اس معنی میں کہتے ہیں کہ اُن کی عبادت کی جاتی ہے اور حقیقت میں وہی مستحق عبادت ہیں اُن کے سوا کائنات میں کوئی مستحق عبادت نہیں ہے لیکن کفار و مشرکین تمام ذوات خلق غیر اللہ کو الٰہ بناکر ان کی عبادت، پرستش اور پوجا کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ اسلئے تمام ذوات خلق سے الوہیت کی نفی کی جاکر "اللہ" سے اثبات کی ضرورت ہوئی جو اس کلمہ میں کی جا رہی ہے۔

لفظ الٰہ کا قرآنی مفہوم الٰہ کے لغوی معنی جیسا کہ ذکر ہوا معبود کے ہیں لیکن قرآن حکیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ معبودیت کے ساتھ ایک وسیع مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے اور کلمہ طیبہ جو نفی و اثبات پر مشتمل ہے اسی مفہوم کے ساتھ ذوات خلق سے اُن تمام امور و صفات کی نفی کرکے ذات حق میں ثابت کرتا ہے جو حقیقت میں اُسی ذات واجب الوجود کی ہیں اور جن کی سزاوار صرف ہستی باری تعالیٰ ہی ہے لیکن ان تمام امور و صفات میں جن کی نفی و اثبات کیجا رہی ہے حق تعالیٰ کے چار صفات۔ معبودیت، ربوبیت، مالکیت اور حاکمیت۔ نفی و اثبات میں مقدم ہیں اور یہی صفات علم عقائد قرآنی میں بمنزلہ امور موضوعہ کے ہیں۔ ان صفات کا یا ان کی اشتراکیت افراد خلق حق تعالیٰ کی ذات میں ہونا مسلّم ہے لیکن مشرکین نادانی و جہالت و ضد اور ہٹ سے ان صفات کو افراد خلق سے منسوب کرتے ہیں اور انہیں اپنا معبود و مستعان و مالک و حاکم سمجھکر انہیں کی عبادت انہیں سے استعانت کرتے ہیں اور انہیں کی بندگی و اطاعت میں رہتے ہیں۔

قرآن حکیم نے تفصیلی طریقہ پر ان صفات کی ذوات خلق سے نفی کرکے اُن کو ذاتِ حق میں ثابت کیا ہے اور ان چاروں صفات کی اثبات کے لئے ہستی حق تعالیٰ کی بے ہمتائی اور

اور دیگر صفات باری تعالیٰ کی یکتائی کے عقائدِ مسلّمہ کو بطور دلائل قطعیہ و براہین واضحہ کے پیش کیا ہے

ذاتِ باری تعالیٰ کا اپنی ہستی لایزالی و صفات لم یزلی مثلاً حیات و علم و قدرت و ارادہ و سماعت و بصارت و کلام اور خالقیت و قیومیت ارواح و ملائک و جواہر و اعراض و اجرام و اجسام و افعال و ترزیق و تربیتِ موجودات و مجرّدات کونیہ میں منفرد ہونا اور ذوات عالم کا اپنے وجود و بود و نمود و بقا و ارتقار کمالِ طبعی و اکتسابی و فنا و زوال میں صرف ذات باری تعالیٰ کی محتاج ہونا تمام اہل مذاہب اور ہستی باری تعالیٰ کے ماننے والوں کے نزدیک ایک حد تک مسلّم ہے لیکن باوجود اس کے اہل کتاب اور دیگر اہل مذاہب ہستی باری تعالیٰ کے علاوہ ذوات خلق کو بھی جو خود ان کے ماننے والوں کی طرح محتاجِ ذات باری تعالیٰ ہیں۔ معبود و مستعان و مالک و حاکم سمجھتے ہیں۔

کلمہ طیبہ اجمالاً اور قرآن حکیم تفصیلاً ان صفات کی تمام ذوات خلق سے نفی و تجرید کر کے حق تعالیٰ کی ذات کے لئے اُن کو ثابت کرتا ہے۔

قرآن کی روشنی میں اس کلمہ کا مفہوم یہ ہے کہ موجودات عالم اعلیٰ و اسفل میں بجز ہستی باری تعالیٰ کے کوئی معبود و مستعان و مالک و حاکم نہیں ہے۔

هُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۔ (الزخرف ۷ ع)

یعنی ذات باری تعالیٰ زمین میں بھی الٰہ ہے اور آسمان میں بھی۔

اس بیان کی وضاحت کے لئے حسب ذیل آیات پر غور فرمائیے۔

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۔ (ہود ۴ ع پ ۱۲)

اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (الانبیاء ۲ ع پ ۱۷)

ہم نے آپ کے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس یہ وحی نہیں بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس میری ہی عبادت کیا کرو۔

ان آیات میں نفی معبودیت خلق و اثبات معبودیت حق ہے اور یہاں الٰہ کا مفہوم بھی ظاہر ہے کہ معبود ہے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔ (القصص ۹ ع پ ۲۰)

اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو نہیں ہے کوئی معبود و مستعان بجز اس کے ہر چیز فنا ہونے والی ہے بجز اسکی ذات کے اسی کا حکم (تمام عالم میں) نافذ ہے اور (تمام مخلوقات) اُسی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۔ (النمل ۵ ع پ ۱۹)

(اس کے سوا) کون ہے جو بے قرار آدمی کی (دعا و ندا) سنتا ہے جبکہ وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی مصیبت دور کرتا ہے اور تمکو زمین پر نائب بناتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود و مستعان ہے مگر تم لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو

ان آیات میں ذوات خلق سے معبودیت کے ساتھ مستعان ہونے کی نفی کی گئی ہے اور یہاں الٰہ کا مفہوم "معبود مستعان" ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ ۔ (الاعراف ۲۰ ع پ ۹)

اے محمد کہہ دیجئے کہ اے (دنیا کے) لوگو اگر میں تم سب لوگوں کی طرف زمین و آسمان کے بادشاہ و مالک کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں نہیں ہے کوئی معبود و مالک بجز اس کے جو زندگی عطا کرتا ہے اور موت طاری کرتا ہے

اس آیت میں مالکیت ذوات خلق کی نفی اور حق تعالیٰ سے اسکا اثبات ہے اور یہاں الٰہ کا مفہوم معبود مالک ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۔ (الانبیاء ۲ ع پ ۱۷)

اگر زمین و آسمان میں بجز اللہ کے دوسرے معبود حاکم ہوتے تو (انتظام آسمان و زمین) درہم برہم ہو جاتا۔

اس آیت میں حاکمیتِ ذواتِ خلق کی نفی کی گئی ہے اور یہاں الٰہ کے مفہوم میں حاکمیت بھی داخل ہے۔

غرضکہ الوہیت کے مفہوم میں معبودیت کے ساتھ ربوبیت و مالکیت و حاکمیت بھی داخل ہے اور

بجز حق تعالیٰ کے کسی ذات خلق میں صفت ربوبیت نہیں ہے یعنی مخلوق احتیاجاتِ نشوونما و بقاو ارتقا طبعی و اکتسابی کی

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ان چاروں اعتبارات کی نفی ذوات خلق سے کرکے حق تعالیٰ کی ذات میں اثبات ثابت کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں سے یہ اقرار لیتا ہے کہ بجز حق تعالیٰ کے کسی کی عبادت اور کسی سے استعانت نہ کی جائے اور کسی کی مالکیت وحاکمیت تسلیم نہ کی جائے اور حق تعالیٰ کی عبودیت میں رہ کر اپنے عابد و مربوب و مستعین و مملوک ومحکوم ہونے کی نسبتیں حق تعالیٰ کی ذات سے قائم کی جائیں۔ کسی ذاتِ خلق سے قائم نہ کی جائیں۔

اس مفہوم کی مزید وضاحت کے لئے عبودیت کے ان چاروں اعتبارات یعنی عبادت و استعانت ومملوکیت ومحکومیت کی حقائق پر قرآنی آیات کی روشنی میں علیحدہ علیحدہ بھی غور فرمائیے کیونکہ قرآن ہی جو علم اللہ ہے عقلِ انسانی کے لئے نور بصیرت اور انسان کے لئے رہنمائے حق وحقیقت وضامن کامیابی دنیا و آخرت ہے۔

حقیقتِ عبادت | عبودیت کا پہلا اعتبار عبادت ہے۔ عبادت عَبَدَ یَعْبُدُ کا مصدر ہے اور اس کے لغوی معنی ذلت اختیار کرنا۔ خدمت کرنا۔ اطاعت کرنا ہیں اور اسی مفہوم کے حامل اصطلاحی معنی پرستش وبندگی اور پوجا ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطالبۂ ایمان پر فرعون اور اس کے ساتھیوں نے جواب دیا تھا کہ

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔ (المؤمنون ۳ ع پ ۱۸) کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں (حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام) پر ایمان لائیں حالانکہ انکی قوم کے لوگ ہمارے مطیع غلام پجاری ہیں۔

ایک دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و فرعون کے مکالمہ میں فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے احسانات جتانے لگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی تکمیل میں صرف ذات باری تعالیٰ کی محتاج ہے اس لئے بجز ذات باری تعالیٰ کے کوئی ذات خلق حوائج دنیوی واخروی میں مستعان نہیں ہوسکتی۔ جو رب ہوتا ہے، وہی مستعان بھی ہوتا ہے وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ (الانبیاء ع پ ۱۷) افراد انسان کے مابین باہمی معاونت جو دراصل عدل و احسان کا مبادلہ ہے استعانت سے علیحدہ امر ہے اور کسبیات سے متعلق ہے۔ کسبیات میں معاونت نیکی وتقویٰ پر مبنی ہو تو بالکل جائز۔ اگر اثم و عدوان پر ہو تو قطعاً ناجائز۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۱۲

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ - (الشعراء ع ۲ پ ۱۹)
اور وہ نعمت جس کا احسان تو مجھ پر جتاتا ہے یہ ہے کہ تم نے بنی اسرائیل کو ذلیل اور غلام بنا رکھا ہے۔

اسلام کا اولین مطالبہ اور بنیادی دعوت یہی ہے کہ تمام مخلوق کی ذلت و غلامی و اطاعت سے نکل کر حق تعالیٰ کی غلامی و اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور اس کے سامنے اظہار ذلت کو قبول کر لو۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ - (سورہ براءت)
مگر اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ الٰہ واحد کی پرستش و اطاعت کرو بجز ذات باری تعالیٰ کے کوئی الٰہ نہیں ہے اور وہ ذات مشرکین کے شرک سے پاک و منزہ ہے۔

الٰہ واحد کے علاوہ مخلوق کے افراد کے سامنے اظہار ذلت اور ان کی غلامی ہی شرک فی العبادۃ ہے جو حق تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (مریم ۱۲ ع پ ۱۶) اور حق تعالیٰ کی پرستش و غلامی میں کسی کو شریک کرو۔

حقیقت استعانت عبودیت کا دوسرا اعتبار استعانت ہے اور استعانت کے لغوی معنی اعانت طلب کرنا اور مدد چاہنا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ه (الاعراف ۱۵ ع پ ۹)
حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور ثابت قدم رہو۔

حقیقت میں استعانت عبادت کا ہی ایک جزو ہے۔ کیونکہ ذلت وہیں اختیار کی جاتی ہے جہاں سے کچھ مدد کی اور نفع کی توقع ہو۔ یا جس کے قہر و عتاب سے نقصان پہونچنے کا خوف ہو۔

دوسرے تمام مذاہب کی عبادتوں اور پرستشوں پر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ (عبادت) انہیں دو امور کا نام ہے۔ ایک اظہار ذلت دوسرے طلب اعانت۔

دیگر اہل مذاہب اپنے تمام الٰہ باطلہ کے ساتھ یہی دو امور کرتے ہیں۔ یعنی اُن کے سامنے جھکتے ہیں اور اپنے حوائج دنیوی و اُخروی میں ان سے مدد مانگتے ہیں۔

اسلام کی بنیاد صرف اسی پر ہے کہ مخلوق کے سامنے جھکنے اور اُن سے اس ذلت کے ساتھ

مانگنے سے روکا جائے اور انسان کو صرف اللہ واحد کے سامنے جھکایا جائے اور اس سے مدد مانگنے پر آمادہ کیا جائے۔ عقل وفطرت انسانی کا یہی تقاضا ہے۔

لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (یونس ۱۱ع پ ۱۱)

اللہ کے سوا کسی (غیر اللہ مخلوق) کو نہ پکار وجو تجھکو نہ کوئی نفع پہونچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر تو ایسا کریگا تو مشرکین سے ہوجائیگا۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھکو کوئی مصیبت میں رکھے تو اس کو کوئی (غیر اللہ) دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھکو بھلائی ونفع پہونچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی (غیر اللہ) روکنے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے بھلائی پہونچاتا ہے اور وہی مغفرت ورحم والا ہے۔

اللہ کے ساتھ ذوات خلق میں سے کسی کی استعانت ہونے پر آخرت کی تباہی کی سخت دھمکی دی گئی ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ (الشعراء ۱۱ع پ ۱۹)

اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو مت پکارو ورنہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہوجائیگا۔

اسلام کے طرق عبادت انہیں دو امور یعنی اظہار ذلت وطلب امداد پر موقوف ہیں۔ یعنی مسلمان صرف اللہ واحد کے سامنے جھک کر اُسی سے اپنے حوائج دنیوی واخروی طلب کرتا ہے اور صرف ہدایات الٰہی کو فلاح دارین کے لئے کافی سمجھتا ہے۔

نماز پر غور کیجئے کہ اس میں یہی دو امور ہیں ایک اظہار ذلت جس پر قیام ورکوع وسجود مبنی ہے۔ دوسرے طلب مدد جو قراءت قرآن خصوصًا سورۂ الفاتحہ کی آیات ذیل میں مرکوز ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔

(اے خدا) ہمکو سیدھا راستہ دکھائیے۔ ان لوگوں کا راستہ (دکھائیے) جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ ان لوگوں کا راستہ نہ (دکھائیے) جن پر آپ کا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کا راستہ دکھائیے۔

اظہار ذلت وطلب امداد کا اختصاص ذات باری تعالیٰ کے ساتھ بطور حصر کے صریحاً واضح ہے۔
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں (کسی دوسرے سے نہیں)

حقیقت ملوکیت | عبودیت کا تیسرا اعتبار ملوکیت ہے۔ زمین و آسمان اور تمام اشیاء عالم حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور نسبت تخلیق کے ساتھ اُن پر حق تعالیٰ کی ملکیت کی نسبت بھی قائم ہے۔ پیدا کرنے والا ہی اپنی تمام پیدا کردہ اشیاء کا مالک ہوگا جس کے متعلق غافل قلوب کو قرآن حکیم میں بار بار چونکایا گیا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی ملک ہے اور
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (النساء ع ۱۸ پ ۵) ہر شئے پر حق تعالیٰ کی احاطت قائم ہے۔
تَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ بزرگی برکت و عزت اُسی ذات کے لئے ہے جس کے قبضۂ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ قدرت میں زمین و آسمان کی تمام اشیاء کی ملکیت و بادشاہت
عِلْمُ السَّاعَةِ (الزخرف ع ۷ پ ۲۵) ہے اور قیامت کا علم اُسی ذات کو ہے۔

حق تعالیٰ نے تمام دنیا کی چیزیں انسان کے لئے ہی پیدا فرمائی ہیں اور دنیا کی ہر شئے انسان کی کسی نہ کسی ضرورت کو پورا کر رہی ہے اور ان اشیائے عالم پر انسان کا بالواسطہ یا بالراست تصرف بھی ہے۔ لیکن یہ سب اشیاء اور خود ذات انسان حق تعالیٰ کی مملوک ہیں اور جن اشیاء پر انسان کا قبضہ و تصرف ہے وہ حق تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں۔ مگر جاہل یا غافل انسان خود کو یا اپنے جیسے کسی دوسرے انسان کو ان اشیاء کا مالک سمجھتا ہے اور کچھ نہ ہو تو کم سے کم اپنے نفس و روح اور اعضاء و جوارح کا خود کو مالک سمجھتا ہے مالکیت کے اس تصور باطل کے تحت ان تمام اشیاء پر جو اس کا تصرف ہوتا ہے وہ خلاف حق ہونے کی وجہ سے غاصبانہ و ظالمانہ ہے اس لئے حق تعالیٰ نے ان تمام اشیاء اور خود انسان کے اعضاء و جوارح کی ملوکیت کھول کھول کر بیان فرمائی ہے تاکہ مومن کے قلوب سے ملکیت غیر حق کا تصور مٹ جائے اور ہر آن تمام اشیائے جہان کی ملوکیت و حق تعالیٰ کی مالکیت ملحوظ و مشاہد رہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ (اے محمد مشرکین سے) کہئے کہ زمین اور زمین کی تمام مخلوقات
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ اگر تم جانتے ہو تو (کہو کہ) کس کی ہیں تو وہ کہیں گے اللہ ہی کی

قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ۔ (المؤمنون ع۵ پ۱۸)

تو پھر کہئے کہ تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے کہئے کہ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا کون مالک ہے وہ کہیں گے اللہ ہی ہے تو پھر کہئے کہ تم کیوں اُس سے نہیں ڈرتے۔ کہئے کہ ہر شئے کی ملکیت وحکومت کس کے ہاتھ میں اور جو ہر ایک کو پناہ و مدد دیتا ہے اور اُس کو کوئی پناہ و مدد نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو تو کہو، وہ کہیں گے اللہ ہی ہے تو پھر کیوں تم دیوانے اور سحر زدہ ہو کر بھٹک رہے ہو۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

کہئے کہ زمین و آسمان سے تم کو رزق کون دیتا ہے اور کون تمھاری سماعت اور بصارتوں کا مالک ہے۔

غرض کہ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اشیائے عالم سے ملکیت غیر حق کی نفی کی جاکر ملکیت حق کا اثبات کیا گیا ہے اور مومن سے مطالبہ ہے کہ وہ تمام اشیاء کی نسبت ملکیت حق کا ادراک اپنے قلب میں قائم کرے اور اُن اشیاء کو جو اُس کے قبضہ وتصرف واستعمال میں ہیں حتیٰ کہ اعضاء وجوارح وقلب ودماغ وروح اور تمام قوائے علمی وعملی کو حق تعالیٰ کی امانت سمجھ لے تاکہ ان اشیاء پر اُس کا تصرف اور انکا استعمال درست اور حسب منشائے حق ہو۔

حقیقت محکومیت | عبودیت کا چوتھا اعتبار محکومیت ہے۔ یہ بالکل مسلم ہے کہ تمام کائنات لے اعتبار تکوین حق تعالیٰ کی مطیع ومنقاد ہے اور کسی ذرہ مخلوق کی مجال نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے امر تکوین کے خلاف حرکت کر سکے اور حق تعالیٰ کا حکم کائنات کے ذرہ ذرہ پر نافذ ہے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ہاں اُسی کے لئے تخلیق و نفاذ امر ہے:

وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور زمین وآسمان کی تمام اشیاء خوشی وناخوشی سے طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران ع۹ پ۳) اس کی مطیع ہیں اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔

لیکن انسان چونکہ مکلف پیدا کیا گیا ہے اور کسب کا اختیار بھی عطا ہوا ہے اس لئے اُس پر

لازم کیا گیا ہے کہ اس حاکمیت حق کو تسلیم کرکے امر تشریعی کا بھی مطیع و محکوم بن جائے جو انبیا علیہم السلام کے ذریعہ اس کے پاس بھیجا گیا ہے تاکہ حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی محکومیت کی نسبت صحیح طور پر قائم ہوجائے اور اسلام کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کے قلب سے تمام ذوات خلق کی حاکمیت کو فنا کرکے اُس کو صرف ایک حاکم حقیقی کا مطیع بنایا جائے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا۔ (النساء ۱۵اع پ ۵)

اُس کا دین کیا ہی اچھا ہے جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرماں بردار بنادیا اور حضرت ابراہیم کی راست و درست طریقۂ دین کی پیروی کی

ملت ابراہیم بھی یہی ہے کہ انسان مخلوق کی اطاعت و غلامی سے نکل کر خالق کل و حاکم مطلق کا مطیع و محکوم بن جائے۔ اس عالم میں انسان کی حقیقی آزادی یہی ہے کہ وہ افراد خلق کی غلامی سے نکل کر حق تعالیٰ کی اطاعت و غلامی اختیار کرے اور انبیا علیہم السلام کی دعوت الی الحق کا مقصد یہی ہے کہ انسان اپنے مالک و حاکم حقیقی کی غلامی میں آجائے اور انبیا علیہم السلام کی اطاعت بھی اس لئے فرض ہے کہ انسان اُن کے نقش قدم پر چل کر حق تعالیٰ سے اپنی غلامی کی نسبت مستحکم کرلے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے جن متبعین نے اس غلامی کی نسبت کو حق تعالیٰ سے مستحکم فرمالیا ہے ان کی محبت و اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام اور انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کی پابندی کا عملی نمونہ ہیں اور ان کے ذریعہ سے احکام الٰہی اور طریقۂ نبوی کے پابندی کے طریقے طالبان حق کو معلوم ہوتے ہیں اور یہ ان سے سبق ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن کسی نبیؑ اور مامور من اللہ اور ان کے کسی سچے متبع کی کبھی یہ خواہش نہیں ہوئی کہ انسان ان کا غلام بن جائے اور حق تعالیٰ کو چھوڑ کر یا حق تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی پوجا کرے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ

کسی ایسے آدمی کے لئے جس کو ہم نے کتاب وحکمت اور نبوت عطا کی ہے سزاوار نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہے اللہ کے سوا میرے پجاری و غلام بن جاؤ جیسا کہ تم کتاب الٰہی کو

قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۔ (المؤمنون ع۵ پ۱۸)

تو پھر کہیے کہ تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ کہیے کہ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا کون مالک ہے وہ کہیں گے اللہ ہی ہے تو پھر کہیے کہ تم کیوں اس سے نہیں ڈرتے۔ کہیے کہ ہر شے کی ملکیت و حکومت کس کے ہاتھ میں اور جو ہر ایک کو پناہ و مدد دیتا ہے اور اس کو کوئی پناہ و مدد نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو تو کہو، وہ کہیں گے اللہ ہی ہے تو پھر کیوں تم دیوانے اور سحر زدہ ہو کر بھٹک رہے ہو۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

کہیے کہ زمین و آسمان سے تم کو رزق کون دیتا ہے اور کون تمہاری سماعت اور بصارتوں کا مالک ہے۔

غرض کہ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اشیائے عالم سے ملکیت غیر حق کی نفی کی جا کر ملکیت حق کا اثبات کیا گیا ہے اور مومن سے مطالبہ ہے کہ وہ تمام اشیاء کی نسبت ملکیت حق کا ادراک اپنے قلب میں قائم کرے اور اُن اشیاء کو جو اس کے قبضہ و تصرف و استعمال میں ہیں حتیٰ کہ اعضاء و جوارح و قلب و دماغ و روح اور تمام قوائے علمی و عملی کو حق تعالیٰ کی امانت سمجھ لے تاکہ ان اشیاء پر اس کا تصرف اور ان کا استعمال درست اور حسب منشائے حق ہو۔

حقیقت محکومیت | عبودیت کا چوتھا اعتبار محکومیت ہے۔ یہ بالکل مسلم ہے کہ تمام کائنات اپنے اقبال تکوین حق تعالیٰ کی مطیع و منقاد ہے اور کسی ذرہ مخلوق کی مجال نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے امر تکوین کے خلاف حرکت کر سکے اور حق تعالیٰ کا حکم کائنات کے ذرہ ذرہ پر نافذ ہے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ہاں اسی کے لئے تخلیق و نفاذ امر ہے۔

وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران ع۹ پ۳) اور زمین و آسمان کی تمام اشیاء خوشی یا ناخوشی سے اس کی مطیع ہیں اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔

لیکن انسان چونکہ مکلف پیدا کیا گیا ہے اور کسب کا اختیار بھی عطا ہوا ہے اس لئے اس پر

لازم کیا گیا ہے کہ اس حاکمیت حق کو تسلیم کرکے امر تشریعی کا بھی مطیع و محکوم بن جائے جو انبیا علیہم السلام کے ذریعہ اس کے پاس بھیجا گیا ہے تاکہ حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی محکومیت کی نسبت صحیح طور پر قائم ہو جائے اور اسلام کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کے قلب سے تمام ذوات خلق کی حاکمیت کو فنا کرکے اس کو صرف ایک حاکم حقیقی کا مطیع بنایا جائے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ (النساء ۱۵ اع پ ۵)

اس کا دین کیا ہی اچھا ہے جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرماں بردار بنایا اور حضرت ابراہیم کی راست و درست طریقۂ دین کی پیروی کی۔

ملت ابراہیم بھی یہی ہے کہ انسان مخلوق کی اطاعت و غلامی سے نکل کر خالق کل و حاکم مطلق کا مطیع و محکوم بن جائے۔ اس عالم میں انسان کی حقیقی آزادی یہی ہے کہ وہ افراد خلق کی غلامی سے نکل کر حق تعالیٰ کی اطاعت و غلامی اختیار کرے اور انبیا علیہم السلام کی دعوت الی الحق کا مقصد یہی ہے کہ انسان اپنے مالک و حاکم حقیقی کی غلامی میں آجائے اور انبیا علیہم السلام کی اطاعت بھی اس لئے فرض ہے کہ انسان اُن کے نقش قدم پر چل کر حق تعالیٰ سے اپنی غلامی کی نسبت مستحکم کرلے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے جن متبعین نے اس غلامی کی نسبت کو حق تعالیٰ سے مستحکم فرمالیا ہے ان کی محبت و اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام اور انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کی پابندی کا عملی نمونہ ہیں اور ان کے ذریعہ سے احکام الٰہی اور طریقۂ نبوی کے پابندی کے طریقے طالبان حق کو معلوم ہوتے ہیں اور یہ ان سے سبق ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن کسی نبیؐ اور مامور من اللہ اور ان کے کسی سچے متبع کی کبھی یہ خواہش نہیں ہوئی کہ انسان ان کا غلام بن جائے اور حق تعالیٰ کو چھوڑ کر یا حق تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی پوجا کرے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ

کسی ایسے آدمی کے لئے جس کو ہم نے کتاب و حکمت اور نبوت عطا کی ہے سزاوار نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہے اللہ کے سوا میرے پجاری و غلام بن جاؤ جیسا کہ تم کتاب الٰہی کو

لُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ
رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ سَيَقُوْلُوْنَ
لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ قُلْ مَنْۢ
بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ
وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ (المؤمنون ع ۵ پ ۱۸)
قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

تو پھر کہیے کہ تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ کہیے کہ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا کون مالک ہے وہ کہیں گے اللہ ہی ہے تو پھر کہیے کہ تم کیوں اُس سے نہیں ڈرتے۔ کہیے کہ ہر شے کی ملکیت و حکومت کس کے ہاتھ میں ہے اور جو ہر ایک کو پناہ و مدد دیتا ہے اور اُس کو کوئی پناہ و مدد نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو تو کہو، وہ کہیں گے اللہ ہی ہے تو پھر کیوں تم دیوانے اور سحر زدہ ہو کر بھٹک رہے ہو۔

کہیے کہ زمین و آسمان سے تم کو رزق کون دیتا ہے اور کون تمھاری سماعت اور بصارتوں کا مالک ہے۔

غرض کہ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اشیائے عالم سے ملکیت غیر حق کی نفی کی جا کر ملکیت حق کا اثبات کیا گیا ہے اور مومن سے مطالبہ ہے کہ وہ تمام اشیاء کی نسبت ملکیت حق کا ادراک اپنے قلب میں قائم کرے اور اُن اشیاء کو جو اُس کے قبضہ و تصرف و استعمال میں ہیں حتیٰ کہ اعضاء و جوارح و قلب و دماغ و روح اور تمام قوائے علمی و عملی کو حق تعالیٰ کی امانت سمجھ لے تاکہ ان اشیاء پر اُس کا تصرف اور انکا استعمال درست اور حسب منشائے حق ہو۔

حقیقت محکومیت | عبودیت کا چوتھا اعتبار محکومیت سے ہے۔ یہ بالکل مسلم ہے کہ تمام کائنات ایجاباً تکوین حق تعالیٰ کی مطیع و منقاد ہے اور کسی نوع مخلوق کی مجال نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے امر تکوین کے خلاف حرکت کر سکے اور حق تعالیٰ کا حکم کائنات کے ذرہ ذرہ پر نافذ ہے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ہاں اُسی کے لئے تخلیق و نفاذ امر ہے۔

وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور زمین و آسمان کی تمام اشیاء خوشی و ناخوشی سے
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران ع ۹ پ ۳) اس کی مطیع ہیں اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔

لیکن انسان چونکہ مکلف پیدا کیا گیا ہے اور کسب کا اختیار بھی عطا ہوا ہے اس لئے اُس پر

لازم کیا گیا ہے کہ اس حاکمیت حق کو تسلیم کرکے ہر شئی کا بھی مطیع و محکوم بن جائے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اس کے پاس بھیجا گیا ہے تاکہ حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی محکومیت کی نسبت صحیح طور پر قائم ہو جائے اور اسلام کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کے قلب سے تمام ذوات خلق کی حاکمیت کو فنا کرکے اس کو صرف ایک حاکم حقیقی کا مطیع بنایا جائے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ (النساء ۱۵ع پ ۵)

اس کا دین کیا ہی اچھا ہے جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرماں بردار بنا لیا اور حضرت ابراہیم کی راست و درست طریقہ دین کی پیروی کی

ملت ابراہیم بھی یہی ہے کہ انسان مخلوق کی اطاعت و غلامی سے نکل کر خالق کل و حاکم مطلق کا مطیع و محکوم بن جائے۔ اس عالم میں انسان کی حقیقی آزادی یہی ہے کہ وہ افراد خلق کی غلامی سے نکل کر حق تعالیٰ کی اطاعت و غلامی اختیار کرے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت الی الحق کا مقصد یہی ہے کہ انسان اپنے مالک و حاکم حقیقی کی غلامی میں آجائے اور انبیاء علیہم السلام کی اطاعت بھی اس لئے فرض ہے کہ انسان اُن کے نقش قدم پر چل کر حق تعالیٰ سے اپنی غلامی کی نسبت مستحکم کرے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے جن متبعین نے اس غلامی کی نسبت کو حق تعالیٰ سے مستحکم فرما لیا ہے ان کی محبت و اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام اور انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کی پابندی کا عملی نمونہ ہیں اور ان کے ذریعہ سے احکام الٰہی اور طریقۂ نبوی کے پابندی کے طریقے طالبان حق کو معلوم ہوتے ہیں اور یہ ان سے سبق ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن کسی نبیؑ اور مامور من اللہ اور ان کے کسی سچے متبع کی کبھی یہ خواہش نہیں ہوئی کہ انسان ان کا غلام بن جائے اور حق تعالیٰ کو چھوڑ کر یا حق تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی پوجا کرے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ

کسی ایسے آدمی کے لئے جس کو ہم نے کتاب و حکمت اور نبوت عطا کی ہے سزاوار نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہے اللہ کے سوا میرے پجاری و غلام بن جاؤ جیسا کہ تم کتاب الٰہی کو

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔
تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔ (آل عمران ع ۸ پ ۳)

قرآن حکیم میں متعدد جگہ اس بات کی سخت تاکید کی گئی ہے کہ غیر اللہ اور سارا فرادِ خلق کے احکام کی اطاعت نہو اور اللہ واحد کی اطاعت کی جائے۔ وحی الٰہی اور اس کی شرح سنت نبوی کو اپنا حکم بنایا جائے انہیں صاحبانِ امر کی اطاعت کی جائے جو احکام الٰہی لوگوں میں نافذ کرتے ہیں اور کسی والیِ امر کو اس کا حق نہیں ہے کہ احکام الٰہی و سنت نبوی کو چھوڑ کر اپنے ذاتی علم یعنی ہوائے نفس کو جاری و نافذ کرے۔

البتہ جن معاملات میں قرآن و سنت میں تصریح نہو، قرآن و سنت سے استنباط احکام کے لئے اجتہاد کی اجازت دی گئی ہے، اور اس اجتہاد میں بھی بین المجتہدین و متبعین اختلاف ممکن ہے جس کے تصفیہ کے لئے پھر کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء ع ۸ پ ۵)

اے ایمان والو تم اللہ اور رسول اور اپنے صاحبان امر کی اطاعت کرو اور باہم کسی امر میں اختلاف ہو تو (اس کے تصفیہ کے لئے) اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہو۔

غرض کہ ان چاروں اعتبارات عبودیت کی توضیح سے جو قرآنی آیات میں کی گئی ہے ظاہر ہے کہ دعوت لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے انسان کو اس طرف بلایا جارہا ہے کہ مخلوق کی معبودیت و ربوبیت و مالکیت و حاکمیت کی نفی اور انکار کرکے الوہیت کے ان چاروں اعتبارات کی نسبت ذات حق سے قائم کی جائے اور اپنے کو حق تعالیٰ کا عابد و مستعین و مربوب و مملوک و محکوم علماً و عقیدۃً اور عملاً و مجاہدۃً بنالے تاکہ وہ حق تعالیٰ کا محبوب و مرحوم و منصور و مغفور ہوکر دین و دنیا کی کامیابی حاصل کرسکے۔

اسلام اور دیگر مذاہب کے عقیدۂ ذات باری تعالیٰ میں فرق

اسلام اور دیگر مذاہب کا بنیادی فرق عقیدۂ ذات باری تعالیٰ کے اختلاف پر مبنی ہے اور یہ اختلاف ذات باری تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے تعدد کے بارہ میں نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ اختلاف اللہ واحد کی الوہیت میں مخلوق کو

شریک کرنے اور نہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک یکا شرک بھی ذات باری تعالیٰ کو جو خالق کائنات ہے ایک ہی کہنا ہے جیسا کہ شاہدۂ اور خود قرآن کی توضیحات سے ظاہر ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (الزمر ع ۴ پ ۲۴) اور اگر تو ان سے پوچھے کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ (الزخرف ۷ ع پ ۱۵) اور اگر تو ان سے پوچھے کہ اُن کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یہ کہیں گے اللہ ہی نے پیدا کیا ہے تو وہ پھر کدھر بھٹک رہے ہیں

حتیٰ کہ مشرکین سے اگر پوچھا جائے کہ زمین و آسمان کی تمام اشیاء کا کون مالک ہے تو وہ کہتے ہیں اللہ ہی ہے۔ اور پوچھا جائے کہ زمین و آسمان سے تمہیں کون رزق پہونچاتا ہے اور تمہارے اعضا و جوارح کا کون مالک ہے، مخلوق کی موت و حیات کا خالق کون ہے اور تمام عالم کا کون انتظام کرتا ہے تو وہ ان سب سوالوں کے جواب میں اللہ ہی کہتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے وہ حق تعالیٰ کی الوہیت میں افراد خلق کو بھی شریک کرتے ہیں۔ یعنی ان کو اپنا معبود و مستعان و مالک و حاکم سمجھتے ہیں اور انہیں چاروں اعتبارات کے لحاظ سے وہ مخلوق کو بھی الٰہ بنا لیتے ہیں اور وہ اس کا سبب اپنے علم باطل کے زور پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ افراد خلق حق تعالیٰ کے پاس ہمارے شفیع اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ و وسیلہ ہیں اور وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہمارے کاروبار دین و دنیا میں ولی و کارساز بھی ہیں۔

حضرت شاہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

مشرکین عرب کا شرک یہ تھا کہ بعض بندگان خدا کی نسبت اُن کو الوہیت کا گمان تھا اور جس طرح کوئی عظیم الشان بادشاہ اپنے خاص بندوں کو اطراف ملک میں بھیجتا ہے اور تا وقتیکہ کوئی حکم صریح صادر نہ کرے امور جزئیہ میں اُن کو مختار و متصرف گردانتا ہے اور خود بندوں کے امور جزئیہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے اور اپنی رعایا کو ان کے تحت حکم دیدیتا ہے اور ان کے خدام و متوسلین کے بارہ میں اُن احکام کی سفارش قبول کرتا ہے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ اپنے بعض

بندوں کو خلعت الوہیت سے سرفراز کیا ہے اور ان کی خوشنودی یا ناخوشنودی کا اثر بندوں پر پڑتا ہے اس لئے وہ ضروری سمجھتے تھے کہ ان بندگان خاص کا تقرب حاصل کیا جائے تاکہ ملک علی الاطلاق کی قبولیت کی شائستگی ان میں پیدا ہو جائے اور ان کے معاملات میں خدا تعالیٰ کے پاس ان کی سفارش قبول ہو جائے۔ اس لئے وہ ان کی طرف سجدہ کرتے تھے اور ان کے نام کی قسم کھاتے تھے اور امور جزیہ میں ان کی استعانت کو جائز سمجھتے تھے، اس کے لئے انہوں نے ان بندگان خدا کی مورتوں کو تراش کر ان کی ارواح کو اپنا قبلہ توجہ بنا لیا تھا اور بعد میں رفتہ رفتہ جہلا بالذات ان کو الٰہ و معبود سمجھنے لگے تھے۔ (الفوز الکبیر)

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ الآیہ (یونس ۲ ع پ ۱۱)

اور وہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہونچا سکتی ہیں اور نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفَىٰ۔ الآیہ (الزمر ۱ ع پ ۲۳)

اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اوروں کو اپنا مددگار ٹھیرایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش و پوجا صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمکو اللہ کے قرب پر پہونچا دیں۔

ان ہر دو آیات سے واضح ہے کہ مشرکین افراد غیر اللہ یعنی ذوات خلق کو جن کی وہ پرستش کرتے تھے خدا نہیں سمجھتے تھے اور نہ وہ متعدد خداؤں کے قائل تھے بلکہ ان معبودوں کو وہ غیر اللہ ہی سمجھتے تھے، البتہ ان کے متعلق یہ گمان تھا کہ معبودان غیر حق شفیع عند اللہ اور وسیلہ تقرب الی اللہ ہیں[ع] اور وہ اسی زعم باطل

[ع] بعض بندگان خدا کی نسبت ابن اللہ اور بعض کی نسبت ذات باری تعالیٰ کے ان میں حلول کرنے کا اعتقاد بھی تھا جیسے وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ ۵ ع پ ۱۰) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ ۱۰ ع پ ۶) ان اعتقادات سے وہ ایک طرف ذات باری تعالیٰ کو صفات بشریہ ناقصہ سے منسوب کرکے الحاد کے مرتکب ہو رہے تھے تو دوسری طرف اپنے کو ان کا عابد و تسیین بنا کر شرک میں مبتلا اور رحمت حق سے دور تھے ۱۲۔

کی وجہ سے اُن کی عبادت و استعانت کرکے اُن کو الٰہ بنا لیتے تھے جس کی وجہ سے وہ مغضوب بارگاہ خداوندی تھے۔

مشرکین نے افرادِ خلق میں کس کس کی الوہیت تسلیم کی ہے مشاہدہ سے بھی اور قرآن حکیم سے بھی ظاہر ہے کہ اہل کتاب اور دیگر مشرکین نے ہر نوع ذواتِ خلق کو الوہیت کے چاروں اعتبارات مذکورہ میں سے کسی نہ کسی اعتبار سے اپنا الٰہ تسلیم کرلیا ہے اور موجوداتِ عالم میں کوئی مرئی اور غیر مرئی مخلوق ایسی باقی نہیں رہی کہ جس کے آگے ذلت سے انہوں نے سر نہ ٹیکا ہو اور اپنی حاجت براری کے لئے اس کو قبلۂ توجہ نہ بنایا ہو۔ ہمسایہ اقوام کی پرستشوں پر غور کیا جائے تو یہ امر بالکل روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ قرآن حکیم سے بھی مستنبط ہوتا ہے کہ مشرکین نے ہر قسم کی مخلوق کے آگے سر نیاز خم کیا ہے اور اُن کے الٰہ نہ صرف پتھروں اور دھاتوں کی مورتیں ہوتی ہیں بلکہ ہر قسم کی ذی روح وغیر ذی روح افرادِ خلق اُن کے "الٰہ" ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی الوہیت افرادِ خلق میں انبیاء علیہم السلام کی ذواتِ قدسیہ سب سے افضل و مکرم گذری ہیں اور حق تعالیٰ نے ان حضرات کے ذریعہ بہت سے مافوق العادت امور یعنی معجزات کو بھی ظاہر فرمایا ہے اور لوگوں کو معتدبہ منافع اُخروی و دنیوی ان حضرات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی طرف سے پہونچے ہیں جس کی بناء پر کوتاہ فہمی سے ان ذواتِ مقدسہ کی نسبت الوہیت کا گمان کیا جاسکتا ہے چنانچہ لوگوں نے یہی کیا اور یہ حضرات اپنی حیاتِ بابرکات میں جس شدت کے ساتھ غیر اللہ کی الوہیت کے عقیدہ کی ممانعت فرماتے رہے اور اس تعلیم کی اشاعت کے لئے جس خلوص و انہماک کے ساتھ انہوں نے اپنی زندگیاں وقف فرمادی تھیں۔ ان کے بعد لوگوں نے اسی شدت و انہماک کے ساتھ غیر اللہ کی الوہیت کا عقیدہ اپنے قلوب میں راسخ کرکے خود اُن ذواتِ قدسیہ کو اپنا الٰہ و رب بنالیا اور اس عقیدہ باطلہ پر جمنے کے لئے ایک دوسرا عقیدۂ باطلہ بھی دلوں میں جمالیا کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم یہی تھی کہ ان کو اپنا الٰہ و رب بنالیا جائے۔ جس کی تردید قرآن حکیم میں کی گئی کہ

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ	کسی ایسے آدمی کے لئے جس کو ہم نے کتاب و حکمت دی
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ	اور نبوت عطا کی ہے سزاوار نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے
كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ	کہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میرے غلام بن جاؤ مگر وہ

كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ۔ (آل عمران ع ۸ پ ۳)

یہ کہے گا کہ تم اللہ والے بن جاؤ جیسا کہ تم کتاب پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ اور نہ وہ یہ حکم دیگا کہ تم ملائکہ اور انبیاء کو اپنا الٰہ و رب بنا لو کیا وہ تم کو کفر کا حکم دیگا جبکہ تم مسلمان ہو چکے ہو؟

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام کی الوہیت کا بھی ذکر قرآن میں موجود ہے۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ۔ الآیہ (انعام ع ۱۵ پ ۷)

اور جب اللہ تعالیٰ (قیامت میں) عیسیٰ بن مریم سے پوچھے گا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو الٰہ بنالو تو عیسیٰ کہیں گے کہ تیری ذات منزہ ہے مجھے کیسے سزاوار ہوتا کہ میں وہ بات کہتا جس کا میں مستحق نہیں تھا

علماء اور راہبوں کی الوہیت

اسی طرح عیسائیوں نے اپنے بزرگان دین ومذہب یعنی عالموں، پادریوں، فقیروں، درویشوں کی حاکمیت تسلیم کرکے اس اعتبار سے ان کو اپنا الٰہ و رب بنالیا تھا اور یہ لوگ وحی الٰہی و اوامر حق کی اطاعت کو چھوڑ کر ان بزرگان دین کی ہوائے نفسانی کی پیروی و پوجا کر رہے تھے اور ان ہوا پرست علماء اور فقیروں کے احکام کی تعمیل میں شرک اور دیگر مصیبتوں میں مبتلا ہو رہے تھے جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے اور جس سے اطاعت غیر حق کا باطل ہونا بھی ثابت ہے۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ

ان لوگوں نے اپنے علماء اور فقیروں کو اللہ کے سوا اپنا رب و الٰہ بنا لیا ہے اور مسیح کو حضرت الٰہ واحد (یعنی اللہ) کی عبادت و اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے بجز اس کے کوئی الٰہ

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبہ ا اع پ ۱۰)　　نہیں ہے اس کی ذات مشرکوں کے شرک سے پاک ہے۔ [1]

صالحین اولیاء کی الوہیت | اسی طرح اہل کتاب نے انبیاء کے پاک متبعین یعنی صالحین و اولیاء کو بھی اپنا الٰہ بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی جو اب تک جاری ہے اور ان کی عادت میں داخل ہو گیا کہ انبیاء و صالحین کی وفات کے بعد اُن کے قبور پر بڑی بڑی عمارتیں بنا کر ان عمارتوں کو آراستہ کیا جائے اور ان کی تعظیم کے لئے قبور کو سجدہ کیا جائے اور ان کی ارواح کو قبلہ توجہ بنا کر ان سے حاجتیں طلب کی جائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مرض میں حضرت ام سلمہ وحضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے جو ملک حبش جا کر آئیں تھیں وہاں کے ایک کنیسہ کا جس کو ماریہ کہتے تھے ذکر فرمایا اور اس کی آرائش و تصاویر کی خوبیاں بیان کیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر فرمایا کہ

اُولٰئِكَ اِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ۔ (مشکوٰۃ باب التصاویر)

یہ وہ لوگ ہیں۔ جب ان میں سے کوئی نیک مرد مر جاتا ہے تو اُس کی قبر پر عبادت سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں اور اس میں اُن تصاویر کو نقش کرتے ہیں اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین آدمی ہیں۔

اسی طرح آپ نے ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ

اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ　آگاہ ہو کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ انبیاء و صالحین کے قبور پر عبادت گاہیں بناتے تھے۔ خبردار

---

[1] ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ لوگ احبار و رہبان کی پوجا نہیں کرتے لیکن ان کی اطاعت کرتے ہیں اور جس چیز کو یہ حلال کہہ دیتے ہیں وہ اس کو حلال سمجھتے ہیں اور یہ جس چیز کو حرام کہہ دیتے ہیں وہ اُس کو حرام ٹھیراتے ہیں (خازن، جمع الفوائد تفسیر سورہ برأت)

اَفَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّیْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ قبور کو عبادت گاہ نہ بنانا۔ میں نے تم کو اس سے
(رواہ مسلم عن جندب مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ) منع کر دیا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت
قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت
الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے قبور کو سجدہ گاہ
مَسَاجِدَ (متفق علیہ) (مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ) بنالیا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی اسی قبر پرستی اور انبیاء و صالحین کے اس طرح "الٰہ" بن جانے کو دیکھکر آپنے دعا فرمائی کہ

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ اِشْتَدَّ اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت نہ بنا کہ وہ پوجی
غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ جائے۔ اللہ تعالیٰ اس قوم پر سخت غضبناک
اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (رواہ مالک مرسلاً عن ہوتا ہے جنہوں نے اپنے انبیا کی قبور کو
عطا بن یسار۔ مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ) سجدہ گاہ و عبادت گاہ بنالیا۔

یہود و نصاریٰ اسی قبر پرستی کے سلسلہ میں ان قبور پر زیارت کے لئے میلے جاتے تھے اور یوم عید مناتے تھے۔ جس کو پیش نظر رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ اور میری قبر پر میلہ مت جماؤ اور مجھ پر درود بھیجو۔
صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ (رواہ النسائی عن اس لئے کہ تم جہاں کہیں ہو وہاں سے تمھارا
ابی ہریرۃ مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی) تحفۂ درود میرے پاس پہونچ جائیگا۔

غیر مرئی مخلوق کی الوہیت اسی طرح مشرکین نے غیر مرئی انواع خلق کو بھی اپنا الٰہ بنایا جن میں ملائکہ اور اجنہ قابل ذکر ہیں۔ جن کا قرآن حکیم میں بھی ذکر موجود ہے۔

۱۔ **ملائکہ** = یہ حق تعالیٰ کی ایسی غیر مرئی و نوری مخلوق ہے جس کے افراد حق تعالیٰ کی طرف سے

انتظامات عالم پر مامور ہیں اور بحکم الٰہی بہت سی طاقتوں اور قوتوں کی مظہر ہیں اور ان کی اسی باطنی روحانی طاقتوں کی وجہ سے ان کی نسبت گمان الوہیت ہو سکتا تھا چنانچہ نا سمجھ لوگوں نے یہی کیا کہ انکو اپنا "الٰہ" ورب سمجھ لیا اور ان کی پوجا شروع کر دی۔ اس بنا پر قرآن حکیم میں اس عقیدہ عملی کو رد کیا گیا

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا۔ الایہ (آل عمران ۸ ع پ ۳) اور وہ تم کو ملائکہ اور انبیاء کو اپنا الٰہ و رب بنانے کا حکم نہیں دیگا۔

۲۔ الجنّا = خدائے تعالیٰ کی ایک دوسری مخلوق جن ہے اور یہ نوع مخلوق بھی اپنی پوشیدہ طاقتوں کی وجہ سے بعض مشرکین کیلئے "الٰہ" بن گئی اور انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد انہیں کی پرستش پر رکھی۔

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ (السبا ۵ ع پ ۲۲) بلکہ وہ جنوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر آدمی ان پر ایمان لائے تھے۔

دوسری جگہ ہے

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ (الانعام ۱۳ ع پ) اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرالیا ہے۔

دیگر افراد خلق کی الوہیت اسی طرح چند افراد انسانی نے چاند سورج اور ستاروں کو اپنا اَلٰہ بنالیا۔ قرآن حکیم میں ہے کہ

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (حٰم السجدہ ۱۹ ع پ ۲۴) چاند وسورج کو سجدہ نہ کرو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم صرف اسی کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔

ہوائے نفس کی الوہیت اسلام کی دعوت یہ ہے کہ جملہ ذوات خلق سے الوہیت کی نفی کی جاکر حق تعالیٰ سے اس کا اثبات کیا جائے یعنی ان کی عبادت واستعانت "غلامی و اطاعت سے انکار کیا جاکر حق تعالیٰ ہی کی عبودیت کو تسلیم و قبول کرلیا جائے۔ ذوات خلق میں خود انسان کا نفس بھی ہے اس لئے اسلام کی تعلیم ہے کہ اس کی بھی الوہیت کا انکار کر دیا جائے اور اس کے علم ذاتی یعنی ہوائے

أَفَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ — قبور کو عبادت گاہ نہ بنانا۔ میں نے تم کو اس سے منع کر دیا ہے۔
(رواہ مسلم عن جندب مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (متفق علیہ) (مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ) — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے قبور کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی اسی قبر پرستی اور انبیاء و صالحین کے اس طرح "الٰہ" بن جانے کو دیکھ کر آپ نے دعا فرمائی کہ

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَىٰ قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (رواہ مالک مرسلاً عن عطا بن یسار۔ مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ) — اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت نہ بنا کہ وہ پوجی جائے۔ اللہ تعالیٰ اس قوم پر سخت غضبناک ہوتا ہے جنہوں نے اپنے انبیا کی قبور کو سجدہ گاہ و عبادت گاہ بنالیا۔

یہود و نصاریٰ اسی قبر پرستی کے سلسلہ میں ان قبور پر زیارت کے لئے میلے جماتے تھے اور یوم عید مناتے تھے۔ جس کو پیش نظر رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ (رواہ النسائی عن ابی ہریرۃ مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی) — اور میری قبر پر میلہ مت جماؤ اور مجھ پر درود بھیجو۔ اس لئے کہ تم جہاں کہیں ہو وہاں سے تمہارا تحفہ درود میرے پاس پہونچ جائیگا۔

غیر مرئی مخلوق کی الوہیت | اسی طرح مشرکین نے غیر مرئی انواع خلق کو بھی اپنا الٰہ بنالیا جن میں ملائکہ اور اجنہ قابل ذکر ہیں۔ جن کا قرآن حکیم میں بھی ذکر موجود ہے۔

۱۔ ملائکہ = یہ حق تعالیٰ کی ایسی غیر مرئی و نوری مخلوق ہے جس کے افراد حق تعالیٰ کی طرف سے

لاقات عالم پر مامور ہیں اور بحکم الٰہی بہت سی طاقتوں اور قوتوں کی مظہر ہیں اور ان کی اسی باطنی
ںانی طاقتوں کی وجہ سے ان کی نسبت گمان الوہیت ہو سکتا تھا چنانچہ نا سمجھ لوگوں نے یہی کیا کہ
انہیں "الٰہ" و رب سمجھ لیا اور ان کی پوجا شروع کر دی۔ اس بنا پر قرآن حکیم میں اس عقیدہ عمل کو ذکر کیا گیا ہے
لَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِکَۃَ وَالنَّبِیّٖنَ اور وہ تم کو ملائکہ اور انبیاء کو اپنا الٰہ و
رَبًا بًا۔ الایہ (آل عمران ۸ ع پ ۳) رب بنانے کا حکم نہیں دیگا۔
اَلْجِنَّۃُ = خدائے تعالیٰ کی ایک دوسری مخلوق جن ہے اور یہ نوع مخلوق بھی اپنی پوشیدہ طاقتوں
وجہ سے بعض مشرکین کیلئے "الٰہ" بن گئی اور انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد انہیں کی پرستش پر رکھی۔
ںکَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَکْثَرُھُمْ بِھِمْ بلکہ وہ جنوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں
مُّؤْمِنُوْنَ (السبا ۵ ع پ ۲۲) اکثر آدمی ان پر ایمان لائے تھے۔

دوسری جگہ ہے

وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَاءَ الْجِنَّ (الانعام ۱ ع پ) اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھیرالیا ہے۔

دیگر افراد خلق کی الوہیت | اسی طرح چند افراد انسانی نے چاند سورج اور ستاروں کو اپنا الٰہ بنالیا۔ قرآن حکیم میں ہے کہ
لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا چاند و سورج کو سجدہ نہ کرو بلکہ اسی کو سجدہ
لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم صرف
(حٰم السجدہ ۱۹ ع پ ۲۴) اسی کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔

ہوائے نفس کی الوہیت | اسلام کی دعوت یہ ہے کہ جملہ ذوات خلق سے الوہیت کی نفی کی جاکر
حق تعالیٰ سے اس کا اثبات کیا جائے یعنی ان کی عبادت و استعانت" غلامی و اطاعت سے انکار
کیا جاکر حق تعالیٰ ہی کی عبودیت کو تسلیم و قبول کر لیا جائے۔ ذوات خلق میں خود انسان کا نفس بھی ہے
اس لئے اسلام کی تعلیم ہے کہ اس کی بھی الوہیت کا انکار کر دیا جائے اور اس کے علم ذاتی یعنی ہوائے

أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ (رواہ مسلم عن جندبؓ مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ) قبور کو عبادت گاہ نہ بنانا۔ میں نے تم کو اس سے منع کر دیا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (متفق علیہ) (مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے۔

یہود ونصاریٰ کی اسی قبر پرستی اور انبیاء وصالحین کے اس طرح "الٰہ" بن جانے کو دیکھ کر آپ نے دعا فرمائی کہ

اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَىٰ قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (رواہ مالک مرسلاً عن عطاء بن یسار۔ مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ) اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت نہ بنا کہ وہ پوجی جائے۔ اللہ تعالیٰ اس قوم پر سخت غضبناک ہوتا ہے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ وعبادت گاہ بنا لیا۔

یہود ونصاریٰ اسی قبر پرستی کے سلسلہ میں ان قبور پر زیارت کے لئے میلے جاتے تھے اور یوم عید مناتے تھے۔ جس کو پیش نظر رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ (رواہ النسائی عن ابی ہریرہؓ مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی) اور میری قبر پر میلہ مت جماؤ اور مجھ پر درود بھیجو۔ اس لئے کہ تم جہاں کہیں ہو وہاں سے تمہارا تحفہ درود میرے پاس پہونچ جائیگا۔

غیر مرئی مخلوق کی الوہیت اسی طرح مشرکین نے غیر مرئی انواع خلق کو بھی اپنا الٰہ بنایا جن میں ملائکہ اور اجنہ قابل ذکر ہیں۔ جن کا قرآن حکیم میں بھی ذکر موجود ہے۔

۱۔ ملائکہ = یہ حق تعالیٰ کی ایسی غیر مرئی و نوری مخلوق ہے جس کے افراد حق تعالیٰ کی طرف سے

انتظامات عالم پر مامور ہیں اور بحکم الٰہی بہت سی طاقتوں اور قوتوں کی مظہر ہیں اور ان کی اسی باطنی وروحانی طاقتوں کی وجہ سے ان کی نسبت گمان الوہیت ہو سکتا تھا چنانچہ نا سمجھ لوگوں نے یہی کیا کہ انکو اپنا "الٰہ" ورب سمجھ لیا اور ان کی پوجا شروع کردی۔ اس بنا پر قرآن حکیم میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا گیا

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا۔ الآیہ (آل عمران ۸ ع پ ۳) اور وہ تم کو ملائکہ اور انبیاء کو اپنا الٰہ و رب بنانے کا حکم نہیں دیگا۔

۲۔ الجِنَّة = خدائے تعالیٰ کی ایک دوسری مخلوق جن ہے اور یہ نوع مخلوق بھی اپنی پوشیدہ طاقتوں کی وجہ سے بعض مشرکین کیلئے "الٰہ" بن گئی اور انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد انہیں کی پرستش پر رکھی۔

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ (السبا ۵ ع پ ۲۲) بلکہ وہ جنوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر آدمی ان پر ایمان لائے تھے۔

دوسری جگہ ہے

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ (الانعام ۱۳ ع پ ۷) اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھیرالیا ہے۔

دیگر افراد خلق کی الوہیت اسی طرح چند افراد انسانی نے چاند سورج اور ستاروں کو اپنا الٰہ بنالیا۔ قرآن حکیم میں ہے کہ

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (حم السجدہ ۱۹ ع پ ۲۴) چاند و سورج کو سجدہ نہ کرو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم صرف اسی کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔

ہوائے نفس کی الوہیت اسلام کی دعوت یہ ہے کہ جملہ ذوات خلق سے الوہیت کی نفی کی جاکر حق تعالیٰ سے اس کا اثبات کیا جائے یعنی ان کی عبادت واستعانت "غلامی و اطاعت سے انکار کیا جاکر حق تعالیٰ ہی کی عبودیت کو تسلیم و قبول کرلیا جائے۔ ذوات خلق میں خود انسان کا نفس بھی ہے اس لئے اسلام کی تعلیم ہے کہ اس کی بھی الوہیت کا انکار کردیا جائے اور اس کے علم ذاتی یعنی ہوائے

نفس کی حکمرواری سے علیحدہ ہوکر صرف خالق کی اطاعت کی جائے اور حقیقت میں اس نفس اور اس کی ہوا کی پیروی ہی اصل گمراہی ہے۔ انسان جو اتنے کثیر التعداد آلہہ غیر حق کو تسلیم کر لیا ہے وہ ہوائے نفس کی اتباع کی وجہ سے ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی ہویٰ کو الٰہ بنا لیا ہے۔

اس لئے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ تو ہویٰ کی پیروی مت کرو وہ تجھے اللہ کے راستے سے ہٹا دیگی۔ (ص ۲ع پ ۲۳)

غرض کہ انسان نے ہر نوع مخلوق کو اپنا "الٰہ" بنا لیا اور اس نے کوئی ایسی چیز "الٰہ" بنانے سے نہیں چھوڑی جس میں اس نے اپنے علم باطل کی بنا پر کسی نہ کسی جہت سے نفع و ضرر و تاثیر واثر کا ظہور دیکھا ہو۔ دراں حالیکہ ذات باری تعالیٰ ہی نافع وضار و موثر ہے اور تمام اشیاء عالم اس کے نفع و ضرر واثر کا محل و مظہر واقع ہوئے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی بنیادی دعوت دنیا میں انسان اپنے اعمال و اخلاق کے لحاظ سے جو بگڑتا ہے اور ان بگڑے ہوئے اعمال و اخلاق سے اپنے گھر۔ شہر ملک۔ دنیا میں جو فتنہ و فساد کا باعث ہوتا ہے اور آخرت میں اپنے اعمال قبیحہ کی وجہ سے جزائے بد کا مستحق بنتا ہے اس کی اصل وجہ وعلت افراد خلق میں سے کسی نہ کسی کی پوجا اور غلامی و اطاعت ہے جو شرک فی الالوہیت ہے اسلئے جب کسی بگڑی ہوئی قوم میں کوئی نبی حق تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا ہے تو اس نے سب سے پہلے اسی شرک کے خلاف صدا بلند کی ہے۔

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۔ یعنی اے میری قوم تم اللہ ہی کی پرستش، اطاعت و غلامی اختیار کرو اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود و مستعان و مالک حاکم نہیں ہے اور نہ بن سکتا ہے

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اصل مقصد یہی ہے کہ وہ انسان کو افراد خلق کی عبودیت یعنی ان کی پرستش، غلامی اور اطاعت سے نکال کر حق تعالیٰ کی الوہیت کے تحت کر دے۔ اس لئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہر نبی کو پہلا پیغام ہدایت وحی کے ذریعہ یہی دیا گیا اور اسی نور بصیرت سے اس کا قلب منور کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نوع خلق و ذات خلق "الٰہ" نہیں ہو سکتی کہ انسان جس کی غلامی و اطاعت کرے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء ۲ ع پ ۱۷)

اے محمد آپ سے پہلے ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا ہے اس پر بھی وحی نازل کی ہے کہ یقیناً ہمارے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے لہٰذا میری ہی پرستش و غلامی و اطاعت کرنی چاہئے

حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے صاحب شریعت نبی ہوئے ہیں ان کی بعثت ایسے زمانہ میں ہوئی ہے جبکہ ان کی قوم بگڑ گئی تھی اور اس کے بگڑنے کی بنیاد بھی یہی تھی کہ انہوں نے اپنے صالحین اور بزرگوں کے نام بت قائم کرکے ان کی پوجا اور اپنی ہوائے نفس کی اطاعت شروع کر دی تھی چنانچہ مفسرین نے آیۃ

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا۔ (سورۂ نوح ۱ ع پ ۲۹)

اور ان لوگوں نے (اپنی قوم سے) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو اور نہ وَدّ۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق و نسر کو چھوڑو۔

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ودّ و سواع و یغوث و یعوق و نسر صالحین کی ایک جماعت کا نام ہے جو حضرت آدم و نوح علیہم السلام کے درمیانی زمانے میں گذرے ہیں اور جب یہ لوگ مر گئے تو ان کے متبعین نے شیطان کے بہکانے سے ان کے مجسمے بنائے اور انہیں مسلمان صالحین کے نام سے ان مجسموں کو موسوم کرکے بطور یادگار کے رکھا اور رفتہ رفتہ ان کو پوجنے لگے۔ ؏

امام بخاریؒ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت بیان کی ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ودّ قبیلہ بنی کلب کا بت تھا جو مقام دومۃ الجندل میں اور سواع قبیلہ ہذیل کا بت تھا اور یغوث پہلے بنی مراد کا بت تھا اس کے بعد بنی غطیف کا ہو گیا جو بمقام جرف تھا جو سبا کے نزدیک ہے اور یعوق

؏ - قصاص القرآن [illegible]

بنی ہمدان کا بت تھا اور نسر بنی حمیر کا بت تھا جو ذی الکلاع کی اولاد تھے اور یہ سب قوم نوحؑ کے صالحین کے نام تھے جب وہ لوگ مرگئے تھے تو اُن کے رشتہ داروں کو شیطان نے بہکایا کہ جن جن مقامات میں یہ بزرگ بیٹھتے تھے وہاں ان کے نام کا ایک ایک بت (بطور یادگار) کے قائم کردو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن اس وقت اُن کی پوجا نہیں کی جاتی تھی حتیٰ کہ جب وہ لوگ مرگئے اور علم جاتا رہا تو بعد کے لوگوں نے ان کی پوجا شروع کردی۔

جب حضرت نوحؑ کی بعثت ہوئی ہے تو سب سے پہلے اپنی قوم کو اسی شرک فی الالوہیت سے ڈرا کر توحید فی الالوہیت کی طرف بلایا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ۔ (ہود ۳ ع پ)	اور ہم نے نوح کو ان کی طرف بھیجا انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میں اس بات سے صاف طور پر تمہیں ڈرانے والا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی پوجا و بندگی نہ کرو میں تم پر دکھناک دن کے عذاب کے نازل ہونے سے ڈرتا ہوں۔

اسی طرح حضرت ہودؑ جب اپنی قوم عاد میں مبعوث ہوئے ہیں تو سب سے پہلے اپنی قوم کو یہی دعوت دی کہ يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی پرستش و بندگی کرو اللہ کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت صالحؑ و حضرت شعیبؑ و دیگر انبیاء علیہم السلام کی پہلی ندائے حق یہی ہے کہ تمام ذوات خلق کی الوہیت کا انکار کرکے حق تعالیٰ کی الوہیت تسلیم کرلو۔ یعنی بلا شرکت افراد خلق حق تعالیٰ ہی کی عبودیت و اطاعت و غلامی میں داخل ہو جاؤ۔

توحید فی الالوہیت مطابق فطرت ہے فطرت انسانی پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ وہ کبھی اپنے سے کمتر درجہ نوع مخلوق یا اپنی ہی نوع کے افراد کی پوجا۔ بندگی۔ اطاعت اور غلامی کی ذلت گوارا نہیں کرسکتی لیکن خیالات باطلہ و اوہام فاسدہ و جہالت موروثی اور رسم و رواج خاندانی انسان کی اس آزاد فطرت کو دبا کر اس کو ذلت کے گوارا کرنے پر آمادہ و مجبور کردیتے ہیں اور یہی ماحولی اثرات تسلیم فطری کے قبول کرنے میں مانع و مزاحم بھی ہوتے ہیں۔

اسلام جو دین فطرت ہے، انسان کی فطرت کے مطابق تعلیم پیش کرتا ہے کہ انسان کسی ذات خلق کا پجاری و ذلیل مطیع و غلام نہیں بن سکتا کیونکہ وہ کائنات میں اشرف ہے اور یہ تمام کائنات اسی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ وہ کسی کا عابد و مستعین و محکوم و غلام ہو سکتا ہے تو صرف اپنے خالق کل ہی کا ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ کسی ذات خلق میں نفع و ضرر یا نیک و بد اثر ظاہر کرنے کی قدرت ہی نہیں ہے اور یہ قدرت صرف ذات باری تعالیٰ ہی میں ہے جس کے حکم کے بغیر دنیا کا کوئی ذرہ حرکت نہیں کر سکتا اور جس کی مشیت کے بغیر نہ کوئی دے سکتا ہے نہ دلا سکتا ہے۔ اور ذات صمدیت کے پاس بغیر اس کے حکم کے کوئی سفارش و شفاعت بھی نہیں کر سکتا۔ انبیاء علیہم السلام کی شفاعت بھی اسی کے حکم اور اذن پر موقوف ہے۔ انسان کی تمام احتیاجات دنیویہ و اخرویہ کی تکمیل اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ افراد خلق میں انسان کسی کا محتاج نہیں ہے۔ ذلت و افتقار کی نسبت صرف ذات باری تعالیٰ ہی سے قائم کی جانی چاہیئے اور اسی کو اپنا مالک، معبود و مستعان و حاکم بنا کر اسی کی غلامی و اطاعت اختیار کرنی چاہیئے ورنہ انسان اس امتحان گاہ عالم میں ناکام ہو کر آخرت میں برباد ہو جائے گا۔

تمام دوسرے مذاہب انسان کو ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کے آگے ذلیل و رسوا کرنے کے لئے بلا رہے ہیں، دین حق اس کو دونوں جہاں میں سربلندی عطا کرنے کے لئے بلا رہا ہے۔

جو انسان فطرت سلیمہ رکھتے ہیں وہ اسلام کی اس بنیادی تعلیم اور لا الٰہ الا اللہ کے اس صحیح مفہوم قرآنی کو سن کر ہی پکار اٹھتے ہیں کہ بے شک اسلام دین حق ہے اور مطابق فطرت ہے اور انسان کو وہ کھوئی ہوئی عزت دیتا ہے جو اس کا وہ مستحق ہے اور جس نے یہ تعلیم لائی ہے وہ نبی برحق ہے

(بقیہ صفحہ ۴) اشرفی ہو قطع ید کا وجوب پیدا نہیں ہوتا اور اس نصاب سے کمی کی صورت میں طریقہ تعزیر حسب رائے قاضی ہوگا اور سرقہ کی صورت ہائے ذیل قطع ید سے امام ابو حنیفہ کے پاس مستثنیٰ ہیں۔

(۱) اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہو۔ (۲) نادان بچہ کا سرقہ (۳) زوجین کا سرقہ ایک دوسرے کے مال میں (۴) قرابت قریبہ والے مثلاً چچا، بھائی وغیرہ کے مال کا سرقہ (۵) اگر سرقہ کے بعد سارق مال مسروقہ کا بذریعہ ہبہ یا بیع مالک ہو جائے۔ (۶) غیر مذہب والے پر جو مستامن ہو کر عملداری اسلام میں رہتا ہو۔ (۷) قرآن مجید کا سرقہ (۸) لکڑی یا جلد خراب ہونے والی چیز کا سرقہ۔ (۹) بچہ کا سرقہ باپ کے مال میں۔ (باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قانون کا حقیقی تصور

اور

انسانی آزادی

از:- جناب مولوی جمیل الدین احمد صاحب

(سلسلہ نمبر ۴)

قوم حضرت شعیبؑ کو جواب دیتی ہے۔

قَالُوْا يَا شُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ط اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ۔ (ہود ع ۸ پ ۱۲) اے شعیب کیا تمھاری نماز نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنکی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے اور ہم اپنے مال میں جسطرح چاہیں تصرف کریں تم تو بڑے سمجھدار اور رشید ہو

ہم اس موقع پر اس عذاب کی تفصیل بیان کرنا نہیں چاہتے جو انبیاءؑ کی تعلیم سے اعراض کرنے کی وجہ سے ان قوموں پر نازل ہوا ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ جرائم خواہ وہ موثر بہ جسم و جان و مال ہوں یا موثر بہ عزت و وقار انسانی ان کی تعبیر قانون فطرت نے فساد فی الارض سے کی ہے اسی فتنہ و فساد کو (جو درحقیقت قانون فطرت سے صریحاً انکار کا نتیجہ ہے) دنیا سے مٹانے کیلئے قانون فطرت نے اپنے متبعین کو قتال کی اجازت دی ہے کیونکہ جیسا کہ ہم کہتے ہیں تبرۃ و تو فتنہ و فساد کا استیصال تقاضائے عدل و انصاف ہے نہ کہ جبر و تعدی (اس موضوع پر آئندہ بحث کی جائیگی) الغرض ان جرائم کا مبداء بغاوت (یعنی مالکیت و حاکمیت الٰہیہ کا انکار (کفر) اور مالکیت و حاکمیت الٰہیہ پر اصرار (شرک) ہے جیسا کہ ان قوموں کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ یا فسق (یعنی مالکیت و حاکمیت الٰہیہ کا اقرار و تصدیق تو ہے لیکن یہ تصدیق ایسی مضمحل و کمزور ہے کہ مالکیت و حاکمیت نفسی ہمیشہ مستولی رہتی ہے جس کی وجہ سے ان جرائم کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

لیکن فرق صرف اس قدر ہوتا ہے کہ یہ جرائم بغاوت کی حد تک نہیں پہونچتے جیسے حکومت انسانی کی تعزیرات کی رو سے بھی وہ اشخاص جو جرائم موثر بہ جسم وجان ومال وغیرہ کے تو مرتکب ہوتے ہیں لیکن کوئی مالکانہ وحاکمانہ تصور نہیں رکھتے اس لئے باغی نہیں کہلاتے کہ ان کے ذہن میں حکومت کے قوانین کا انکار نہیں ہوتا اور نہ ان کو اپنی ذاتی حکومت کے قیام اور اس کے تحت دستور سازی کا تصور رہتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم لَا یَزْنِی الزَّانِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَنْتَھِبُ نُھْبَۃً یَرْفَعُ النَّاسُ اِلَیْہِ فِیْھَا اَبْصَارَھُمْ حِیْنَ یَنْتَھِبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَغُلُّ اَحَدُکُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاِیَّاکُمْ اِیَّاکُمْ

(مشکاۃ المصابیح باب الکبائر)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ زانی بحالت ایمان زنا نہیں کرتا اور نہ چور بحالت ایمان چوری کرتا ہے اور نہ شراب خوار بحالت ایمان خمر پیتا ہے اور نہ کوئی لوٹنے والا مومن ہونے کی حالت میں لوٹ کھسوٹ کرتا ہے جس کی طرف لوگ اپنی نظریں اٹھا کر دیکھیں اور نہ کوئی شخص تم میں کا خیانت کرتا ہے مومن ہوتے ہوئے پس بچو تم بچو تم

ارشاد بارگاہ رسالت سے واضح ہوتا ہے کہ بحالت ارتکاب جرائم ایمان بدرجۂ کمال باقی نہیں رہتا جس کی وجہ سے حیا وخوف رحمت وشفقت اور دیانت وعفت جو مقتضائے ایمان ہے رخصت ہو جاتی ہے گویا نقص ایمان ان جرائم کا باعث ہوتا ہے جو قتل وزنا وغیرہ سے تعزیرات میں موسوم ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کلمہ توحید (مالکیت وحاکمیت الٰہیہ) پیش کرکے ان امراض وجرائم کا انسداد بوجہ اول فرماتے ہیں اور یہ طریقہ علاج روحانی ہے۔

اور بمرتبہ آخر فطرت کے تعزیری قوانین سے نفس انسانی کی اصلاح فرماتے ہیں (جس کی تفصیل ہم آئندہ کریں گے) اور یہ طریقہ علاج جسمانی ہے۔

اب ہم متقنین یورپ وامریکہ سے سوال کرتے ہیں جن کی اندھی تقلید میں ایشیائی قومیں

ان کے قوانین کو مشعل ہدایت بنائی ہوئی ہیں) کہ کیا ان کے قوانین میں کوئی ایسی دفعہ موجود ہیں کہ قانون فطرت الٰہیہ کی یہ پہلی دفعہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (مالک وحاکم ورب) نہیں ہے اور اس کی ربوبیت ازلی وابدی ہے صرف اس سرائے فانی (دنیا) کی حد تک محدود نہیں ہے جس کا خوف قلب انسانی کو روز روشن ہی میں ارتکاب جرائم سے نہیں روکتا بلکہ شبہائے تاریک میں بھی جرائم سے اسی طرح مانع ومزاحم ہوتا ہے بخلاف اس کے غیر الٰہی قانون کا پابند صرف شہادت کے خوف سے تو جرائم سے رکتا ہے لیکن تنہائی کی شب تاریک میں جہاں شہادت کا فقدان ہو ارتکاب جرائم سے کبھی نہیں چوکتا۔

اب ہم قانون فطرت کے تعزیری قوانین کی تفصیل کرتے ہیں۔

قانون فطرت کے اصلاحی طریقے | قانون فطرت نے جو طریقے تہذیب نفس وتدبیر منزل وسیاست مدن کے بتلائے ہیں ان کی ترتیب بھی فطری ہے اور طریقہ آخر طریقہ اول پر موقوف ہے۔

اصلاح نفس واصلاح منزل | وہ پہلے اپنے نفس اور بعد اہل وعیال کی اصلاح کا حکم دیتا ہے۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ (ع ۲ پ ۲۸ التحریم) تم اپنے نفس اور اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (شعراء ع ۱۱ پ ۱۹) پہلے اپنے قریب کے کنبے کو ڈراؤ۔

کیونکہ جب تک انسان اپنے نفس کا تزکیہ کرکے اس کو مہذب وشائستہ نہ بنالے دوسرے انسان کی اصلاح نہیں کرسکتا۔ ع خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے کو بھولتے ہو وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ حالانکہ تم تلاوت کررہے ہو کتاب کی پھر کیا تم (ع ۵ پارہ ۱۔ بقرہ) اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

تم شیخ بنو مغل بنو خان بنو
پہلے یہ ضرور ہے کہ انسان بنو
اسلام کی تبلیغ پہ کافر نے کہا
حضرت تم آپ مسلمان بنو
(امجد)

اصلاح تمدن | اور چونکہ افراد انسانی کا اجتماع ہی تمدن کی صورت پیدا کرتا ہے اس لئے قانون فطرت یہ حکم دیتا ہے کہ

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ تم میں ایک جماعت ہونی چاہئے جو امر بالمعروف و نہی
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران ۱۰۴ پ ۴) عن المنکر (نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے) کا کام کرے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

قانون فطرت کی عمومیت | یہ قانون کسی خاص زمین کی آبادی یا کسی خاص قوم و نسل کی صلاح و فلاح کے لئے مخصوص نہیں ہے (جیسا کہ دوسری ایشیائی یا مغربی اقوام کے قوانین میں خصوصیت ہے) بلکہ تمام دنیا کے بسنے والے انسانوں کو وہ دعوت دیتا ہے کہ خود بھی حیات طیبہ حاصل کریں اور دوسرے انسانوں کو بھی اخلاق حسنہ سے آراستہ کریں کیونکہ انسانیت اور بنی نوع کی ہمدردی کا تقاضہ یہی ہے کہ جس نعمت سے خود استفادہ کر رہا ہو اسکو دوسروں تک بھی پہونچائے اور جس مصیبت و بلا سے خود محفوظ ہو گیا ہو اُس سے دوسرے بھائیوں کو بھی مصئون و مامون رکھنے کی کوشش کرے۔

سعدیؒ

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی

افادیت قانون فطرت کے مدارج | قانون فطرت نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مدارج بھی مختلف مقرر کئے ہیں۔

(۱) پہلا زینہ علم حق (مالکیت و حاکمیت الٰہیہ) کے قبول کا ہے جو ایمان و توحید سے موسوم ہے اور یہی علم تمام امراض قلبی اور جرائم سے انسان کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے اور جس طرح امراض و جرائم سے علم حق محفوظ رکھتا ہے اسی طرح تمام کمالات انسانی صبر و شکر قناعت و توکل اور رضا و تسلیم اور حصول قرب الٰہی کی اساس بھی یہی عقیدۂ مالکیت و حاکمیت الٰہیہ ہے جب تک یہ بنیاد قلب انسانی میں مستحکم نہ ہو نفس انسانی نہ تو مہذب ہو سکتا ہے اور نہ انسان کی زندگی شائستہ ہو سکتی ہے اور نہ حقیقی آزادی میسر ہو سکتی ہے۔ اس لئے قانون فطرت علم حق کے آثار و نتائج تبلا کر ہر انسان کو اس کے اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اس دعوت میں حکمت اور موعظت حسنہ کے استعمال کا امر کرتا ہے
ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ

ان کے قوانین کو مشعل ہدایت بنائی ہوئی ہیں) کہ کیا ان کے قوانین میں کوئی ایسی دفعہ موجود ہے کہ
قانون فطرت الٰہیہ کی یہ پہلی دفعہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (مالک وحاکم ورب) نہیں ہے۔
اور اس کی ربوبیت ازلی و ابدی ہے صرف اس سرائے فانی (دنیا) کی حد تک محدود نہیں ہے
جس کا خوف قلب انسانی کو روز روشن ہی میں ارتکاب جرائم سے نہیں روکتا بلکہ شبہائے تاریک میں
بھی جرائم سے اسی طرح مانع ومزاحم ہوتا ہے بخلاف اس کے غیر الٰہی قانون کا پابند صرف شہادت
کے خوف سے تو جرائم سے رکتا ہے لیکن تنہائی کی شب تاریک میں جہاں شہادت کا فقدان ہو
ارتکاب جرائم سے کبھی نہیں چوکتا۔

اب ہم قانون فطرت کے تعزیری قوانین کی تفصیل کرتے ہیں۔

قانون فطرت کے اصلاحی طریقے | قانون فطرت نے جو طریقے تہذیب نفس وتدبیر منزل وسیاست
مدن کے بتلائے ہیں ان کی ترتیب بھی فطری ہے اور طریقہ آخر طریقہ اول پر موقوف ہے۔

اصلاح نفس و اصلاح منزل | وہ پہلے اپنے نفس اور بعد اہل وعیال کی اصلاح کا حکم دیتا ہے۔

قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔ (ع ۲ پ ۲۸ التحریم) تم اپنے نفس اور اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ
وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (شعراء ع ۱۱ پ ۱۹) پہلے اپنے قریب کے کنبے کو ڈراؤ۔

کیونکہ جب تک انسان اپنے نفس کا تزکیہ کرکے اس کو مہذب وشائستہ نہ بنالے دوسرے
انسان کی اصلاح نہیں کرسکتا ع خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے کو بھولتے ہو
وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ حالانکہ تم تلاوت کررہے ہو کتاب کی پھر کیا تم
(ع ۵ پارہ ۱۔ بقرہ) اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

تم شیخ بنو مغل بنو خان بنو — پہلے یہ ضرور ہے کہ انسان بنو
اسلام کی تبلیغ پہ کافر نے کہا — حضرت تم آپ مسلمان بنو
امجد

اصلاح تمدن | اور چونکہ افراد انسانی کا اجتماع ہی تمدن کی صورت پیدا کرتا ہے اس لئے قانون فطرت
یہ حکم دیتا ہے کہ

وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو امر بالمعروف و نہی وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران ۔ ع پ ۴) عن المنکر (نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے) کا مرکز ہو اور یہی لوگ کامیاب ہیں

قانون فطرت کی عمومیت یہ قانون کسی خاص زمین کی آبادی یا کسی خاص قوم و نسل کی صلاح و فلاح کے لئے مخصوص نہیں ہے (جیسا کہ دوسرے ایشیائی یا مغربی اقوام کے قوانین میں خصوصیت ہے) بلکہ تمام دنیا کے بسنے والے انسانوں کو وہ دعوت دیتا ہے کہ خود بھی حیات طیبہ حاصل کریں اور دوسرے انسانوں کو بھی اخلاق حسنہ سے آراستہ کریں کیونکہ انسانیت اور بنی نوع کی ہمدردی کا تقاضہ یہی ہے کہ جس نعمت سے خود استفادہ کر رہا ہو اسکو دوسروں تک بھی پہونچائے اور جس مصیبت و بلا سے خود محفوظ ہو گیا ہو اس سے دوسرے بھائیوں کو بھی مصئون و مامون رکھنے کی کوشش کرے۔

سعدیؒ
بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی

افادیت قانون فطرت کے مدارج قانون فطرت نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مدارج بھی مختلف مقرر کئے ہیں۔

(۱) پہلا زینہ علم حق (مالکیت و حاکمیت الٰہیہ) کے قبول کا ہے جو ایمان و توحید سے موسوم ہے اور یہی علم تمام امراض قلبی اور جرائم سے انسان کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے اور جس طرح امراض و جرائم سے علم حق محفوظ رکھتا ہے اسی طرح تمام کمالات انسانی صبر و شکر قناعت و توکل اور رضا و تسلیم اور حصول قرب الٰہی کی اساس بھی یہی عقیدۂ مالکیت و حاکمیت الٰہیہ ہے جب تک یہ بنیاد طبع انسانی میں مستحکم نہ ہو نفس انسانی نہ تو مہذب ہو سکتا ہے اور نہ انسان کی زندگی شائستہ ہو سکتی ہے اور نہ حقیقی آزادی میسر ہو سکتی ہے۔ اس لئے قانون فطرت علم حق کے آثار و نتائج بتلا کر ہر انسان کو اس کے اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اس دعوت میں حکمت اور موعظت حسنہ کے استعمال کا امر کرتا ہے
ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ

الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۔ بلاؤ اور ان سے ایسے طریقہ پر بحث ومباحثہ
(نحل ۱۵ ع پ ۱۴) کرو جو بہتر ہو (یعنی اس میں سختی اور بدکلامی نہ ہو)

قبول ایمان وتوحید کے لئے کوئی | اس قانون کی کوئی دفعہ ایسی نہیں ہے کہ اس کے قبول کرنے پر
انسان مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ | کسی انسان کو مجبور کیا جائے بلکہ وہ صلائے عام دیتا ہے کہ
جس کا جی چاہے یہ علم قبول کرے اور جس کا جی چاہے اس سے اعراض و انکار کرے چنانچہ
اس کا یہ اعلان عام ہے۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ دین میں جبر نہیں ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی
مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ تو جو کوئی شیطان کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان
بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لائے تو اس نے ایک مضبوط کڑی پکڑ لی ہے جس کو
لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ کسی طرح شکستگی نہیں اور اللہ خوب سننے والے
(رکوع (۳۴) بقرہ) اور خوب جاننے والے ہیں۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف ع ۴ پ ۱۵) جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے

ان مذکورہ بالا دفعات قانون فطرت سے وہ مغالطہ بھی رفع ہو جاتا ہے جو بعض متعصب
مصنفین یورپ نے عامۃ الناس میں اسلام سے تنفر پیدا کرنے کے لئے یہ الزام دیا ہے کہ دین اسلام تلوار کے
ذریعہ پھیلا۔ ان تصنیفات کا مقصد کیا ہے ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔

اقبالؒ: تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

(۲) لیکن جہاں اس علم کے انکار یا اس علم پر یقین کی کمزوری سے جس کی تعبیر قانون فطرت نے
کفر و شرک، نفاق و فسق سے کی ہے اور جس کا مبدا ہوا ثبات نفسی (انکار مالکیت و حاکمیت الٰہیہ اور
اثبات مالکیت و حاکمیت نفسی یا مالکیت و حاکمیت الٰہیہ کے عقیدے میں تذبذب یا اس سے مختلف
امراض قلبی (کبر و حسد وغیرہ) اور جرائم کا وقوع ہونے لگے تو اس کے لئے اس قانون میں دو
صورتیں بتلائی گئی ہیں۔

الف۔ اگر جرائم کا ظہور اجتماعی حیثیت سے نہو بلکہ انفرادی حیثیت سے انکا وقوع ہونے لگے خواہ وہ ایسے انسان سے وقوع میں آئیں جس نے علم حق تو قبول کیا ہے لیکن عمل صالح سے بالتبدل یا ایسے انسان سے وقوع میں آئیں جس نے علم حق کے قبول کرنے سے ہی انکار کیا تو قانون فطرت نے ان جرائم کے لئے حدود و تعزیرات متعین کر دئے ہیں خواہ وہ کسی کافر مشرک سے صرزد ہوں یا مومن فاسق سے قانون فطرت اپنے منکر اور مومن کے لئے ایک ہی سزا تجویز کرتا ہے اور اپنا دامن کسی کی رو و رعایت سے آلودہ نہیں کرتا اور ان کی سزائیں بھی جرائم کی مناسبت و حیثیت سے جداگانہ مقرر کی ہیں اور کسی انسان کو یہ حق نہیں ہے کہ ان میں افراط و تفریط سے کام لے مثلاً غور فرمائیے کہ قتل ناحق کی صورت میں قصاص اور سرقہ کی صورت میں قطع و برید دست و پا بہ ترتیب مقررہ اور زنا کی صورت میں رجم (سنگساری) یا سزائے تازیانہ حدود الٰہیہ ہیں۔ ان حدود معینہ الٰہیہ کی معافی یا ان میں کسی قسم کے رد و بدل کا حق کسی پیغمبر کو بھی حاصل نہیں۔

وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (نور ع پ ۱۸) اور تمہیں ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے

جب فاطمہ بنت اسد کو حضور صلعم کے بارگاہ میں سرقہ کے الزام میں گرفتار کر کے پیش کیا گیا تو قریش نے اس خوف سے کہ رسول خدا صلعم کہیں ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر نہ فرمائیں سفارش کیلئے حضور صلعم کے محبوب ترین شخص حضرت اسامہ بن زید کو بھیجا مگر آپ نے ان کی سفارش پر ارشاد فرما کر رد کر دی کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ کم درجہ کے لوگوں پر تو تعزیر کا حکم جاری کرتے تھے اور معزز لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے پھر جوش میں آکر فرمانے لگے۔

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا (بخاری و ابن ماجہ) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر محمد صلعم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتیں تو میں اسکا ہاتھ کاٹ دیتا

ان قوانین میں جو حکومت نے مدون کر لیا ہے بعض جرائم کی کوئی سزا ہی مقرر نہیں ہے مثلاً شراب خواری

الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن بلاؤ اور ان سے ایسے طریقہ پر بحث مناظرہ کرو جو بہتر ہو یعنی اس میں سختی اور بدکلامی نہ ہو) (نحل ۱۵ع پ ۱۴)

قبول ایمان و توحید کے لئے کوئی انسان مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ | اس قانون کی کوئی دفعہ ایسی نہیں ہے کہ اس کے قبول کرنے پر کسی انسان کو مجبور کیا جائے بلکہ وہ صلائے عام دیتا ہے کہ جس کا جی چاہے یہ علم قبول کرے اور جس کا جی چاہے اس سے اعراض و انکار کرے چنانچہ اس کا یہ اعلان عام ہے۔

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم۔ (رکوع ۳۳ بقرہ) دین میں جبر نہیں ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی تو جو کوئی شیطان کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک مضبوط کڑی پکڑ لی ہے جس کو کسی طرح شکستگی نہیں اور اللہ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔

فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (کہف ع ۴ پ ۱۵) جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے

ان مذکورہ بالا دفعات قانون فطرت سے وہ مغالطہ بھی رفع ہو جاتا ہے جو بعض متعصب مصنفین یورپ نے عامۃ الناس میں اسلام سے تنفر پیدا کرنے کے لئے یہ الزام دیا ہے کہ دین اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا۔ ان تصنیفات کا مقصد کیا ہے ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔

اقبالؒ: تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

(۲) لیکن جہاں اس علم کے انکار یا اس علم پر یقین کی کمزوری سے جس کی تعبیر قانون فطرت نے کفر و شرک، نفاق و فسق سے کی ہے اور جس کا مبدا ہوائے نفسی (انکار مالکیت و حاکمیت الٰہیہ اور اثبات مالکیت و حاکمیت نفسی یا مالکیت و حاکمیت الٰہیہ کے عقیدے میں تذبذب یا اس سے تعلق رکھنے والے امراض قلبی (کبر و حسد وغیرہ) اور جرائم کا وقوع ہونے لگے تو اس کے لئے اس قانون میں دو صورتیں بتلائی گئی ہیں۔

الف ۔ اگر جرائم کا ظہور اجتماعی حیثیت سے نہو بلکہ انفرادی حیثیت سے انکا وقوع ہونے لگے خواہ وہ ایسے انسان سے وقوع میں آئیں جس نے علم حق تو قبول کیا ہے لیکن عمل صالح سے بانودلی یا ایسے انسان سے وقوع میں آئیں جس نے علم حق کے قبول کرنے سے ہی انکار کیا تو قانون فطرت نے ان جرائم کے لئے حدود و تعزیرات متعین کر دیئے ہیں خواہ وہ کسی کافر، مشرک سے سرزد ہوں یا مومن فاسق سے قانون فطرت اپنے منکر اور مومن کے لئے ایک ہی سزا تجویز کرتا ہے اور اپنا دامن کسی کی رو و رعایت سے آلودہ نہیں کرتا اور ان کی سزائیں بھی جرائم کی مناسبت و حیثیت سے جداگانہ مقرر کی ہیں، اور کسی انسان کو یہ حق نہیں ہے کہ ان میں افراط و تفریط سے کام لے مثلاً غور فرمایئے کہ قتل ناحق کی صورت میں قصاص، اور سرقہ کی صورت میں قطع و برید دست و پا بہ ترتیب مقررہ اور زنا کی صورت میں رجم (سنگساری) یا سزائے تازیانہ حدود الٰہیہ ہیں۔ ان حدود معینہ الٰہیہ کی معافی یا ان میں کسی قسم کے رد و بدل کا حق کسی پیغمبر کو بھی حاصل نہیں۔

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (نور ع ۱ پ ۱۸) اور تمہیں ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہیئے اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو

جب فاطمہ بنت اسد کو حضور صلعم کے بارگاہ میں سرقہ کے الزام میں گرفتار کر کے پیش کیا گیا تو قریش نے اس خوف سے کہ رسول خدا صلعم کہیں ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر نہ فرمائیں سفارش کیلئے حضور صلعم کے محبوب ترین شخص حضرت اسامہ بن زید کو بھیجا۔ مگر آپ نے ان کی سفارش ارشاد فرما کر رد کر دی کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ کم درجہ کے لوگوں پر تو تعزیر کا حکم جاری کرتے تھے اور معزز لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے پھر جوش میں آکر فرمانے لگے۔

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا (بخاری و ابن ماجہ) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر محمد صلعم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتیں تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا

ان قوانین میں جو حکومت نے مدون کر لیا ہے بعض جرائم کی کوئی سزا ہی مقرر نہیں ہے مثلاً شراب خواری

یا زنا بالرضا قوانین حکومت میں جرم نہیں ہے اس لئے ان جرائم کی کوئی سزا مقرر نہیں ہے اور بعض جرائم کی سزا تو مقرر ہے لیکن حدود معینہ الٰہیہ سے مختلف ہے مثلاً سرقہ کی سزا حکومت انسانی کے قانون میں قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں معین کی گئی ہے لیکن قطع ید کی سزا نہیں ہے جس طرح کہ حکومت الٰہیہ کے قانون میں معمولی سرقہ کی سزا حسب رائے حاکم تعزیر ہے اور نصاب معینہ کے سرقہ کی صورت میں قطع ید کی سزا مقرر ہے۔

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ٭ (مائدہ ۵ ع ۶ پ ۶)

اور جو مرد و عورت چوری کرے تو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض بطور سزا اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اللہ بڑے قوت حکمت والے ہیں

اور ارتکاب زنا کی صورت میں زانی اور مزنیہ ہر دو کو سو درے لگانے کے احکام ہیں اور اگر وہ شادی شدہ ہوں تو رجم و سنگساری کی سزا مقرر ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (نور ۱ ع پ ۱۸)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ہر ایک کو سو درے مارو۔

اور غیر الٰہی حکومتوں کے مجوزہ قوانین میں زنا مخصوص اشکال میں قابل تعزیر ہے۔

(۱) اگر عورت کی ناراضی سے یہ جرم وقوع میں آئے یا یہ کہ

(۲) شوہر استغاثہ پیش کرے ان صورتوں کے علاوہ زناکاری زیادہ سے زیادہ ایک اخلاقی جرم ہے کسی قانونی گرفت میں نہیں آسکتا۔

منکرین قانون فطرت کا اعتراض قانون فطرت کی تعزیرات کا جب قوانین حکومت انسانی سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون فطرت سے اختلاف کرنے کی صورت میں نہ تو عدل کا تصور باقی رہتا ہے اور نہ مخلوق کو عبرت ہوتی ہے اور نہ انسداد جرائم کا مقصد پورا ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ نعائص متعنتین حکومت غیر الٰہی یہ الزام لگاتے ہیں کہ قانون الٰہی کی مجوزہ سزائیں جیسے سرقہ میں قطع ید اور جروح میں قصاص وحشیانہ اور تقاضائے انسانیت سے بعید ہیں لہٰذا ہم اس شبہ کے رفع کرنے کیلئے کچھ ضروری اور مختصر بحث اغراض تعزیر اور اسکے نتائج سے کرنا چاہتے ہیں تاکہ عوام الناس کا مغالطہ دور ہو۔

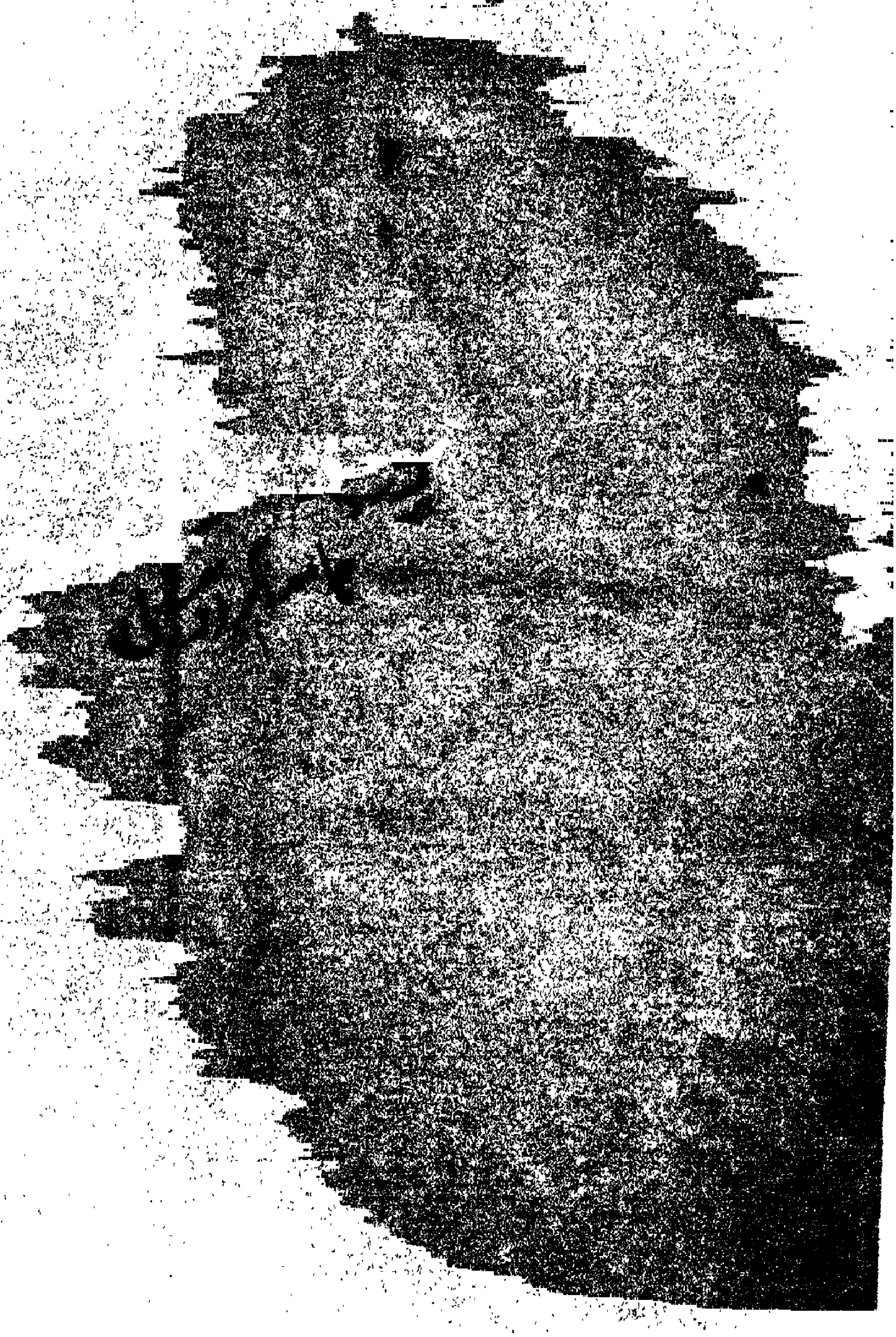
اول تو یہ تصور غلط ہے کہ ہر قسم کے سرقہ میں الزاماً قطع ید کی سزا دیجاتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے پاس جب تک مال مسروقہ کا نصاب کم از کم ایک دینار (اشرفی) نہو اور دیگر ائمہ کے پاس جب تک ربع دینار

باقی صفحہ ۴۳

...الرحمٰن الرحیم

...ہے کہ بعض یاس و گمان ذہن انسانی کی خیر
...ی معصیت سے محفوظ رہنے کے لیے اس واقعہ کو ظاہر کر دیا جاتا
...کی اصل بد وضع حقیقی اخراجات دین کی صحیح تعلیم و تربیت
...رہے گی بہ توفیق الٰہی و بحمد مرتب رسالہ کی ذات
...کا اصل سے مستفید نہ ہوگی جس یہ مالی تعاون کی دعوات
...ہے بلکہ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ اہل خیر ہی
کار خیر کا اجر پائیں گے



فلاسفۂ یونانی کا تذکرہ

مترجمہ

... الرحمن صابر

(۲۶)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

فہرست مضامین

بابتہ ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۷ھ جلد ۱ عدد

فی پرچہ (۸ر، سالانہ ۲ے) تعاون حسب استطاعت

صفوۃ الرحمٰن صابر نے اعظم اسٹیم پریس سے طبع کرواکر دفتر رسالہ "الحق" دیوڑھی شہریار جنگ محلہ سلطان شاہی حیدرآباد دکن سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُہٗ فَاِذَا ھُوَ زَاھِقٌ

ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں تو حق باطل کا دماغ پاش پاش کر دیتا ہے اور باطل مٹنے کو تھا ہے

فکر و نظر

مسلم ماہران سیاست کی انتھک و مسلسل کوششوں کے بعد کہا جا رہا ہے کہ مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا ہو گیا۔ قائدین بھی اپنے اس کارنامہ پر نازاں ہیں کہ انہوں نے مردہ قلوب میں سیاسی حرکت پیدا کر دی اور قوم مسلم بھی خوش ہے کہ وہ خم ٹھوک کر میدان سیاست میں اتر آئی ہے اور اپنے قائدین کی شخصیت سے اتنی مسحور ہوئی جا رہی ہے کہ رسائل و اخباروں کے صفحات یا گھر کے محراب، در و دیوار ان کی تصاویر سے مزین کئے جاتے ہیں اور جو قائدین سفر حیات کو ختم کر چکے ہیں ان کے مزاروں پر جا کر ملک و قوم کے لئے جان و مال کی قربانی کا حلف بھی اٹھایا جاتا ہے ع۔ بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا۔ قبر پرستی اور شخصیت پرستی میں معناً کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ قابل پرستش ہستی سے بے تعلقی یہاں بھی پائی جاتی ہے وہاں بھی۔ درمیان میں یہ ایک سخن گسترانہ بات آ گئی مقصد گذارش یہ ہے کہ ان خاک کے تودوں میں ع مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے (اقبال) جو حرکت اور بیداری نظر آ رہی ہے اور جس کو سیاسی شعور سمجھا جا رہا ہے کہیں حرکت و بیداری ع ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں کا مصداق تو قائدین یوں کہ ان کے پیر پھسل جاتے تو یہی کہا کہ اسلام میں سیاست ... نہیں کیا ہے ہمارا دین ہی سیاست اور سیاست ہی دین ہے کیا یعنی اللہ

رگو بج ہے یا اس میں کوئی معنویت بھی ہے؟ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف الفاظ کا
ب طومار ہے جس کے معنی و مفہوم سے کہنے والے اور سننے والے دونوں کے دماغ نا آشنا
ں اور لفظ "تسلیم" کی طرح ان الفاظ کے معنی و مفہوم پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں
رمائی گئی کیونکہ ماہران سیاست ان حضرات کے متعلق جو دین کی دعوت دیتے ہیں
ا تامل فرما دیتے ہیں کہ یہ بیچارے سیاست کیا جانیں ادھر وہ مذہبی طبقہ جو دین کی
لمبرداری کر رہا ہے سیاست سے بے تعلق ہو کر اور سیاست کو مذہب سے بے دخل
رکے یہ سمجھ رہا ہے کہ دین و سیاست علیحدہ علیحدہ ہے۔ سیاسی و مذہبی طبقہ کی ذہنیت
ے اس انتشار پر نظر کرتے گستاخی معاف اگر یہ عرض کیا جائے کہ دین اسلام کی صحیح
علیمات اور اس کی حقیقت سے یہ بھی کورے ہیں اور وہ بھی کورے لینے والے کہنے کو تو
ہہ دیتے ہیں کہ دین و سیاست ایک ہے مگر سیاسی بیداری میں مذہبی جمود و تعطل دینی بے شعوری
ین سے علماً و عملاً بے تعلقی دین کا جو چرچا زبانوں پر ہے وہ عمل میں نہیں اور عمل میں جو ہے
وہ دین نہیں مذہب و سیاست کو ایک سمجھنے کے بعد غور فرمائیے کہ یہ تضاد کس قدر مضحکہ
انگیز ہے اور شیطان کے لئے کس قدر قابل مسرت ہے کہ مذہب و سیاست ایک دوسرے
سے علیحدہ ہونے کے شیطانی نظریہ کو قولاً نہیں تو کیا علماً و عملاً مسلمانوں نے قبول کر لیا
اور جسد بے روح ہو کر رہ گئے فکر و نظر کی اس کوتاہی کو دیکھکر مرحوم اقبال کا یہ شعر یاد آتا ہے

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

شعر کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اگر مسلمان کسی غیر فطری شیطانی نظریہ کے تحت ترقی کر کے
رزق و معاش کے اسباب و وسائل حاصل اور اپنی مردہ زندگیوں میں کچھ جان پیدا کر لیں
تو یہ زندگی چونکہ دین و ایمان حق و صداقت کی موت ہے اس لئے ایسی زندگی سے یہ موت
بہتر ہے کہ اپنے موروثی الٰہی نظریۂ حیات طریقۂ زندگی کو اختیار کرنے کی جدوجہد آغاز کرنے کے
سلسلہ میں تن من دھن کی بازی کھیلتے ہوئے ختم ہو جائیں تاکہ اپنے رب و مولا کے حضور
میں ذلت و حقارت کے بجائے عزت و اکرام کے ساتھ حاضر ہوں۔

دین اسلام کا دعوتی کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جب ... چ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں تو حق باطل کا دماغ پاش پاش کر دیتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے

فروغ

مسلم ماہران سیاست کی انتھک و مسلسل کوششوں کے بعد کہا جا رہا ہے کہ مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا ہو گیا۔ قائدین بھی اپنے اس کارنامہ پر نازاں ہیں کہ انہوں نے مردہ قلوب میں سیاسی حرکت پیدا کر دی اور قوم مسلم بھی خوش ہے کہ وہ خم ٹھوک کر میدان سیاست میں اتر آئی ہے اور اپنے قائدین کی شخصیت سے اتنی مسحور ہوئی جا رہی ہے کہ رسائل و اخباروں کے صفحات یا گھر کے محراب، در و دیوار ان کی تصاویر سے مزین کئے جاتے ہیں اور جو قائدین سفر حیات کو ختم کر چکے ہیں ان کے مزاروں پر جا کر ملک و قوم کے لئے جان و مال کی قربانی کا حلف بھی اٹھایا جاتا ہے ع۔ بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا۔ قبر پرستی اور شخصیت پرستی میں معناً تو کوئی فرق نہیں پایا جاتا! قابل پرستش ہستی سے بے تعلقی یہاں بھی پائی جاتی ہے وہاں بھی۔ درمیان میں یہ ایک سخن گسترانہ بات آگئی مقصد گذارش یہ ہے کہ ان خاک کے تودوں میں ع مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے۔ (اقبال) جو حرکت اور بیداری نظر آ رہی ہے اور جس کو سیاسی شعور سمجھا جا رہا ہے کہیں یہ حرکت و بیداری ع ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں" کا مصداق تو نہیں قائدین ہوں کہ ان کے پیرو فرماتے تو یہی ہیں کہ اسلام میں سیاست اور مذہب جدا نہیں ہے ہمارا دین ہی سیاست اور سیاست ہی دین ہے، کیا یہ محض الفاظ کی گردن

اور گورکھ دھندا ہے یا اس میں کوئی معنویت بھی ہے؟ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف الفاظ کا ایک طومار ہے جس کے معنی و مفہوم سے کہنے والے اور سننے والے دونوں کے دماغ ناآشنا ہیں اور لفظ "مسلم" کی طرح ان الفاظ کے معنی و مفہوم پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی گئی کیونکہ ماہران سیاست ان حضرات کے متعلق جو دین کی دعوت دیتے ہیں بلا تامل فرما دیتے ہیں کہ یہ بیچارے سیاست کیا جانیں ادھر وہ مذہبی طبقہ جو دین کی علمبرداری کر رہا ہے سیاست سے بے تعلق ہو کر اور سیاست کو مذہب سے بے دخل کر کے یہ سمجھ رہا ہے کہ دین و سیاست علیحدہ علیحدہ ہے۔ سیاسی و مذہبی طبقہ کی ذہنیتوں کے اس انتشار پر نظر کرتے گستاخی معاف اگر یہ عرض کیا جائے کہ دین اسلام کی صحیح تعلیمات اور اس کی حقیقت سے یہ بھی کورے ہیں اور وہ بھی کورے کہنے والے کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں کہ دین و سیاست ایک ہے مگر سیاسی بیداری میں مذہبی جمود و تعطل دینی بے شعوری دین سے علماً و عملاً بے تعلقی دین کا جو چرچا زبانوں پر ہے وہ عمل میں نہیں اور عمل میں جو ہے وہ دین نہیں مذہب و سیاست کو ایک سمجھنے کے بعد غور فرمائیے کہ یہ تضاد کسقدر مضحکہ انگیز ہے اور شیطان کے لئے کسقدر قابل مسرت ہے کہ مذہب و سیاست ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کے شیطانی نظریہ کو قولاً نہیں تو کیا علماً و عملاً مسلمانوں نے قبول کر لیا اور جسد بے روح ہو کر رہ گئے فکر و نظر کی اس کوتاہی کو دیکھکر مرحوم اقبال کا یہ شعر یاد آتا ہے

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ۔۔۔ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

شعر کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اگر مسلمان کسی غیر فطری شیطانی نظریہ کے تحت ترقی کر کے رزق و معاش کے اسباب و وسائل حاصل اور اپنی مردہ زندگیوں میں کچھ جان پیدا کر لیں تو یہ زندگی چونکہ دین و ایمان حق و صداقت کی موت ہے اس لئے ایسی زندگی سے یہ موت بہتر ہے کہ اپنے موروثی الٰہی نظریۂ حیات طریقۂ زندگی کو اختیار کرنے کی جدوجہد آغاز کرنے کے سلسلہ میں تن من دھن کی بازی کھیلتے ہوئے ختم ہو جائیں تاکہ اپنے رب و مولا کے حضور میں ذلت و حقارت کے بجائے عزت و اکرام کے ساتھ حاضر ہوں۔

---

* دین اسلام کا دعوتی کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جس کو

ایک مذہبی پیام سمجھا جاتا ہے اور ایسا سمجھنے کے اسباب خواہ کچھ ہی ہوں وہ پیام در حقیقت سیاسی شعور کی اساس و بنیاد ہے۔ قبل ازیں کہ اس اجمال کی مختصر تشریح و تفصیل عرض کی جائے لفظ سیاست کا مفہوم و منشاء اور تخلیق آدم کی غرض و غائت کا صحیح تعین کیا جاتا ہے۔

سیاست کے لغوی معنیٰ ہیں "خود آزاد رہ کر دوسروں کو اپنا محکوم و غلام بنانا" چاہے یہ عمل ایک قوم کا دوسری قوم کے ساتھ ہو یا کسی قوم کے خاص خیال و فکر رکھنے والے افراد کا اپنی قوم کے دیگر افراد کے ساتھ ہو۔ دوسرے معنی ہیں "رعیت پروری کردن" جس کا مطلب یہ ہے کہ جن انسانوں پر غلبہ و اقتدار حاصل کیا جاتا ہے اور ان کو اپنا مطیع و محکوم بنا کر رکھا جاتا ہے اندرونی و بیرونی خطرات سے ان کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کرنا۔ ان کی اخلاقی و معاشی حالت کو درست رکھنا اور ان پر اس طرح حکومت کرنا کہ بغاوت و سرکشی کا تصور ان میں پیدا نہ ہو اور شریر النفس افراد کو اپنے فاسدانہ خیالات کا موقع نہ ملے جو عموماً حکومت کے وقار اور بقا کے لئے مہلک ہوا کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ حاکم بن کر رہنا اور اپنی حکومت کو قائم رکھنا ہی سیاست ہے۔ تدبر اس طریقہ حکمرانی کا نام ہے جو سیاست کے متذکرہ صدر منشاء کو کما حقہ پورا کر سکتا ہے۔ حکومت کا تدبر جس قدر ناقص ہوگا اس کی سیاست بھی اسی قدر کمزور ہوگی۔ سیاسی قوت کے مفہوم میں وہ تمام ذرائع داخل ہیں جن کو اختیار کر کے غلبہ و اقتدار حاصل اور اس کو باقی رکھا جاتا ہے۔ کسی قوم کے افراد میں جب یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے محکوم و زیر اقتدار نہیں رہیں گے بلکہ حکومت کرنا خود ان کا فطری حق ہے تو اسی جذبہ کو سیاسی شعور سے تعبیر کرتے ہیں۔ سیاست کی اس مختصر توضیح کے بعد جس سے غالباً سیاست کا صحیح مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ تخلیق انسانی کی غرض و غائت بیان کی جاتی ہے انسان کو بنانے والے کا ارشاد ہے

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ط میں زمین پر اپنی طرف سے ایک حکومت کرنے والے نائب کو بنانا ہوں

اولاد آدم کو اسی منصب خلافت کی یاد دہی فرمائی جا رہی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ   اور اسی اللہ نے تم کو زمین پر صاحب اختیار بنایا۔

حکومت کا جذبہ ہر شخص کی فطرت میں داخل ہے، اپنے اعضاء و جوارح، اہل و عیال اور ماتحتین پر ہر شخص حکومت کرتا ہے، جمادات، نباتات، حیوانات سب ہی پر انسان کو اقتدار و تصرف حاصل ہے۔ کلام الٰہی سے بطور وجدان و مشاہدہ ثابت ہے کہ انسان کی غرض تخلیق یہی ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق پر اللہ کی زیر ہدایت حکومت کرے، جس دین کی تعلیم یہ ہو کہ خالق انسان نے انسان کو اپنی مخلوق پر نیابتاً حکومت کرنے کے لیے بنایا ہے، اس دین سے سیاست کو خارج سمجھنا کسقدر نادانی ہے۔ حاملانِ دینِ متین کی پستی و تنزل کے جو اسباب و وجوہ اس وقت تک بیان کئے گئے ہیں وہ بجائے خود صحیح ہوں کہ غلط مگر واقعہ یہ ہے کہ صدیاں گذر گئیں دینی تعلیمات میں زہد و تقویٰ پر اس انداز سے توجہ فرمائی جاتی رہی کہ مسلمانوں کے ذہن سے سیاست کا شعور جو انسان کی جبلت میں داخل ہے اور ایک مسلم و مومن کا بنیادی تصور ہے زائل ہوتا گیا جس کا لازمی نتیجہ یہی ہوا کہ غلبہ و اقتدار کی باگ ان کے ہاتھوں سے نکل گئی اور مذہبی اشخاص کے دماغوں میں سیاسی قابلیت نہیں رہی اغیار نے مسلمانوں کی ناواقفیت دینی سے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنے باطل و ناقص ادیان کی بنا پر سیاست و مذہب میں تفریق کرکے مسلمانوں کو ان کے دین حق سے جس میں سیاست و دین جزو لاینفک ہیں برگشتہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یہ ناقابل انکار واقعہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت کے ذہن میں یہ تصور جاگزیں ہے کہ دین سیاسی ترقی میں خارج و مانع ہے۔ جس دین فطرت کے دعوتی کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا مفہوم و منشاء یہی ہے کہ نفس و شیطان ہو کہ جن و ملک و انسان ان کی محکومی و اطاعت ننگ انسانیت ہے، فطری حریت و آزادی کے منافی ہے اللہ کا خلیفہ اللہ کی اطاعت و بندگی سے ۔ ہر آزاد ہو کر نفس و شیطان جن و انس کا غلام و تابعدار ہو جاتا ہے تو شرافت انسانی کو زائل کر دیتا ہے، ہمیشہ کے لئے ذلت و خواری حزن و الم اس کی قسمت بن جاتے ہیں اس کی شرافت و عزت توقیر و تکریم اور عافیت و آسودگی کا راز یہی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے مالک اصلی

عالم مطلق کی بندگی و محکومی کو اختیار کرکے نفس و شیطان اور اس کی تمام مخلوق اور اس کے
نافرمان بندوں پر اس کے عادلانہ دستور مملکت کے تحت حکومت کرے۔ یہی وہ عبدیت ہے
جو اس عالم میں حقیقی آزادی ہے اور جس کی جزا وہ فطری مطلق العنانی ہے جس کی تعبیر قرآن میں
لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ (ان کو اپنے رب کے پاس سے جو چاہیں گے ملے گا)
سے کی گئی ہے، یہی وہ فقیری ہے جس میں کونین کی بادشاہی ہے، یہی وہ سرافگندگی ہے جس میں
ابد الآباد تک سرفرازی ہی سرفرازی ہے اس ذات اعلیٰ و عظیم حاجت روائے ہر دو جہاں
فقر و احتیاج کی نسبت عارضی و ابدی سرور و راحت، عشرت شادمانی کا سرمایہ ہے۔ اسی
در کی جبیں سائی میں سربلندی ہے عزت و غلبہ ہے غور فرمائیے چند مختصر الفاظ سے جو حقیقت
و صداقت کا مظہر ہیں سیاست و حکومت کا کتنا زبردست شعور پیدا ہو جاتا ہے جس دین
کی بنیاد ہی میں سیاسی شعور کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اس دین کو سیاسی ترقی میں مانع
و حارج سمجھ کر اختیار نہ کرنا علمائے کرام سے فتویٰ مطلوب ہے کفر ہے کہ ایمان؟
نیز دین کی ایسی تعلیم دینا جس سے سیاست کا فطری جذبہ بیدار نہ ہو کیا دین کی صحیح خدمت
ہو سکتی ہے؟ اس واقعہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جس تدبر و سیاست کے آگے بڑے بڑے
ارباب سیاست و مدبر حکمرانوں نے سر جھکا دیا وہ اسی دین حق کا فیضان تھا جس کو
قبول و اختیار کرنے والوں نے اجسام پر حکومت نہیں کی قلوب پر حکومت کی ان کی
رعیت کے دل توپ و تفنگ سے خائف نہیں تھے بلکہ ان کے حسن سلوک کے
گرویدہ تھے وہ ان کی حربی قوت سے نہیں بلکہ تقویٰ و پارسائی کی طاقت سے مرعوب
تھے وہ انکی چالبازیوں کے معترف نہیں تھے بلکہ عدل و احسان کے معترف تھے۔ اس دین
کی صحیح تعلیمات سے انسان میں جو فراست و دانائی اور جامعیت پیدا ہو جاتی ہے
اس کا مقابلہ اس علم سے بے بہرہ رہ کر دیگر علوم و فنون والے نہیں کر سکتے۔ معلم حکمت صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے

اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ ڈرو مومن کی فراست سے وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

غرض اللہ سے عبدیت و غلامی کی نسبت سیاسی قوت کا وہ غیر فانی مبدا ہے جس کو کبھی زوال
نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر مادی قوت اسی ذاتِ قوی و قدیر کے اشارۂ کُن کے تحت کام کر رہی ہے۔

إِنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝ تمام قوت حق تعالیٰ کی ہے۔

یقیناً یہ وہ ایمانی توانائی ہے جس کے مقابل جوہری توانائی رکھنے والی ہر قوت سرنگوں ہو کر
رہے گی اور غلبہ و اقتدار اسی جماعت کو نصیب ہوگا جو ایمانی توانائی رکھتی ہے۔

فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ۔ اللہ کی جماعت بلاشبہ غالب رہنے والی ہے

ایمانی توانائی رکھنے والی جماعت کے مقابلہ میں اس جماعت کو جو اپنے مالکِ
حقیقی حاکم مطلق سے روگرداں ہے اور مخلوق کے تعلق و نسبت سے اپنے دل کو قوی
رکھتی ہے جس کا نام اصطلاح قرآن میں حزب الشیطان ہے ذلیل و پست رکھنا اس
ذاتِ قوی و قدیر کا اٹل قانون ہے۔

أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ یقین رکھو شیطانی گروہ برباد ہونے والا ہے
إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ جو لوگ اللہ رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ ذلیل و خوار لوگوں میں ہیں۔

پشتیں گذر گئیں کہ دین کی تعلیم اس نہج سے دکھائی رہی کہ مردانِ زاہد تو بہت
پیدا ہوتے گئے مگر مردانِ مجاہد کا قحط ہو گیا حالانکہ دین کی تعلیم دونوں صفات کی جامع ہے
انفرادی حیثیت سے ہر سچا مسلم بیک وقت اللہ کا عبدِ مخلص و زاہد و متقی اور جاں باز
مجاہد ہوتا ہے۔ افرادِ قوم کی یہ انفرادیت اس کی اجتماعیت کو اتنا پرشکوہ بنا دیتی ہے کہ
مسلم اور مخلوق کی غلامی دو متضاد چیزیں ہو جاتی ہیں جو بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں، اپنے
عزیز اور چہیتے بچے کو دشمنوں کے قبضہ میں دیدینا اگر کسی غیرت مند باپ کی محبت و غیرت کا
اقتضاء نہیں ہو سکتا تو ناممکن و محال ہے کہ اپنے مخلص و اطاعت کیش بندوں پر باغی و سرکش
اور ظالم بندوں کو مسلط کر دینا غیرتِ الٰہی گوارا کرے۔ کمزوری اور پست ہمتی کو دور اور
برتری کے جذبہ کو قائم، سیاسی شعور کو بیدار رکھنے کے لئے کسقدر موثر اور شفقت آمیز

تاکید فرمائی جارہی ہے۔
وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ تم ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان پر قائم رہے۔

ایمانی توانائی پیدا کرنے والی اس بصیرت افروز ہدایت کے اولین مخاطب جماعت صحابہ کرامؓ اور ان کے متبعین تھے جن کی ایمانی توانائی کے تصور سے آج بھی جوہری توانائی رکھنے والے اہل باطل کے قلوب دہل جاتے ہیں وہ کن افکار و خیالات اور علم و عمل و احساسات و جذبات کے حامل تھے اس پر غور فرما کر ہم ان کنتم مومنین کا صحیح مفہوم سمجھ سکتے ہیں اور خود کو اس سے آراستہ کر کے آج بھی وہ ایمانی توانائی فضل الٰہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔

دورِ حاضر میں دین کے جو مختلف مکاتب کام کر رہے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کہیں دینی تعلیم اس نہج کی ہوتی ہے کہ اس مکتب کے تعلیم یافتہ لوگوں میں تقویٰ و پارسائی تو نظر آتی ہے مگر سیاسی شعور پایا نہیں جاتا ان میں کوئی مجاہدانہ جذبہ نظر نہیں آتا اور کہیں تعلیم کا انداز یہ ہے کہ وہ دنیوی حکومت کی فوج کے سپاہی تو معلوم ہوتے ہیں مگر حزب اللہ معلوم نہیں ہوتے سیاسی شعور پایا جاتا ہے تو عبد و رب کی نسبت اور وہ قلبی تعلق مضمحل و مفقود نظر آتا ہے جو ایک عبد کو اپنے رب و مولا سے ہونا چاہیئے اور نہ وہ ادب و تمیز پائی جاتی ہے جو مقام عبدیت کا اقتضاء ہے آخر الذکر کو دیکھ کر بیرونی دشمن سے محفوظ رہنے کا دفاعی مورچہ ہونے کا تو گمان ہوتا ہے مگر اندرونی دشمن نفس و شیطان سے محفوظ نہیں پائے جاتے اور اول الذکر نفس و شیطان سے محفوظ نظر آتے ہیں مگر بیرونی دشمن کو پامال کرنے کا حوصلہ اور ہمت ان میں پائی نہیں جاتی۔ اگر اندرونی دشمن نفس و شیطان مغلوب نہیں ہوتے ہیں اور بیرونی دشمنوں سے سخنے درمے قدمے صرف اللہ واحد کے بھروسہ و اعتماد پر نمٹنے کی ہمت نہیں ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ ایمان عالم طفولیت میں ہے۔ بچوں کی جماعت کھیل تماشا تو خوب کر سکتی ہے شہرت و ناموری اور روٹی کپڑے کے لئے جان و مال کی قربانی بھی کر سکتی ہے مگر دین و ایمان کی حفاظت اور رضائے الٰہی کے لئے جان کی بازی

ین کھیل سکتی وہ ہر مخالف قوت کے آگے جھک جائیگی مگر اس میں ہر قوت کو پامال کرنیکی
ا شہادت کا مرتبہ پانے کی ہمت نہوگی' دین کی اسی تعلیم کو صحیح اور کتاب وسنت کے تحت
یا جائیگا جس سے آراستہ ہونے کے بعد نفس وشیطان جو بجز ایمانی توانائی کے کسی اور
توانائی کے دشمن نہیں ہیں فنا نہیں بلکہ مغلوب وتابع ہوجائیں کیونکہ ان کا فنا ہونا محال ہے
ور ان کو مغلوب وتابع رکھنا کمال ہے۔ نفس وشیطان کا غلبہ وتسلط نہونے کی علامت
یہ نہیں ہے کہ کوئی گناہ ہی نہو۔ انسان فرشتہ نہیں ہے بلکہ ان کے غلبہ وتسلط کی علامتیں ہیں
مخلوق اور اپنی تدبیر پر اعتماد وتوکل' مخلوق کا خوف مفارقت دنیا کے خیال سے' موت سے
وحشت' حب دنیا بہر آن دنیاوی مال ومتاع لذات وشہوات کی طلب' حیات آخرت
سے غفلت اور بے توجہی یعنی حرص دنیا غالب، تصور آخرت مضمحل' بے صبری ناشکری
غرور علمی دولت وامارت یا تقدس وپارسائی کا گھمنڈ' کبر وریا' حسد وکینہ' خواہش
نام ونمود' اصرار علی المعصیت لغزش عملی ہو تو اعتراف گناہ توبہ وندامت
کے بجائے عذر گناہ اور لغزش علمی ہو تو توجیہہ وتاویل۔ علمی لغزش عملی لغزش سے
زیادہ مہلک ہوتی ہے غرض بلحاظ علوم صالحیت وشہادت وصدیقیت جس کے
مختلف اقسام ہیں تسلط شیطان کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ ۔ اس کا قابو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

شرک کی دو قسمیں ہیں جلی وخفی اس کے لحاظ سے ان کی علامات وہی امراض ہیں جو
سطور بالا میں درج ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے جس کا مخاطب شیطان ہے۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۔ میرے فرماں بردار بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا۔

لفظ "عبادی" میرے بندے کہنے والے کی شانِ جمالی وجلالی اس کی عظمت وکبریائی
اس کی ابدی ومطلق فرماں روائی پر نظر رکھکر غور فرمائیے کہ اس نسبت عبدیت میں
جو بے اندازہ عزت وشرافت فخر وناز ہے جو بے انتہا فرحت وانبساط ہے سرور ونشاط ہے
جو بے پایاں کیف ومستی ہے اس کو وہی قلوب محسوس کرسکتے ہیں جو عبد ورب کا

تاکید فرمائی جا رہی ہے۔
وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ تم ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو اور تم ہی غالب
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ رہو گے اگر تم ایمان پر قائم رہے۔

ایمانی توانائی پیدا کرنے والی اس بصیرت افروز ہدایت کے اولین مخاطب جماعت صحابہ کرامؓ اور ان کے متبعین تھے جن کی ایمانی توانائی کے تصور سے آج بھی جوہری توانائی رکھنے والے اہل باطل کے قلوب دہل جاتے ہیں وہ کن افکار و خیالات اور علم و عمل و احساسات و جذبات کے حامل تھے اس پر غور فرما کر ہم ان کنتم مومنین کا صحیح مفہوم سمجھ سکتے ہیں اور خود کو اس سے آراستہ کر کے آج بھی وہ ایمانی توانائی فضل الٰہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔

دور حاضر میں دین کے جو مختلف مکاتب کام کر رہے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہیں دینی تعلیم اس نہج کی ہوتی ہے کہ اس مکتب کے تعلیم یافتہ لوگوں میں تقویٰ و پارسائی تو نظر آتی ہے مگر سیاسی شعور پایا نہیں جاتا ان میں کوئی مجاہدانہ جذبہ نظر نہیں آتا اور کہیں تعلیم کا انداز یہ ہے کہ وہ دنیوی حکومت کی فوج کے سپاہی تو معلوم ہوتے ہیں مگر حزب اللہی معلوم نہیں ہوتے سیاسی شعور پایا جاتا ہے تو عبد و رب کی نسبت اور وہ قلبی تعلق مضمحل و مفقود نظر آتا ہے جو ایک عبد کو اپنے رب و مولا سے ہونا چاہئے اور نہ وہ ادب و تمیز پائی جاتی ہے جو مقام عبدیت کا اقتضا ہے آخر الذکر کو دیکھ کر بیرونی دشمن سے محفوظ رہنے کا دفاعی مورچہ ہونے کا تو گمان ہوتا ہے مگر اندرونی دشمن نفس و شیطان سے محفوظ نہیں پائے جاتے اور اول الذکر نفس و شیطان سے محفوظ نظر آتے ہیں مگر بیرونی دشمن کو پامال کرنے کا حوصلہ اور ہمت ان میں پائی نہیں جاتی۔ اگر اندرونی دشمن نفس و شیطان مغلوب نہیں ہوتے ہیں اور بیرونی دشمنوں سے سخت ورے قدمے صرف اللہ واحد کے بھروسہ و اعتماد پر نمٹنے کی ہمت نہیں ہے تو سمجھنا چاہئے کہ ایمان عالم طفولیت میں ہے۔ بچوں کی جماعت کھیل تماشا تو خوب کر سکتی ہے، شہرت و نام و نمود اور روٹی کپڑے کے لئے جان و مال کی قربانی بھی کر سکتی ہے مگر دین و ایمان کی حفاظت اور رضائے الٰہی کے لئے جان کی بازی

نہیں کھیل سکتی وہ ہر مخالف قوت کے آگے جھک جائیگی مگر اس میں ہر قوت گویا مآل کی عبدیت میں شہادت کا مرتبہ پانے کی ہمت نہ ہوگی' دین کی اسی تعلیم کو صحیح اور کتاب و سنت کے تحت کہا جائیگا جس سے آراستہ ہونے کے بعد نفس و شیطان جو بجز ایمانی توانائی کے کسی اور توانائی کے دشمن نہیں ہیں فنا نہیں بلکہ مغلوب و تابع ہو جائیں کیونکہ ان کا فنا ہونا محال ہے اور ان کو مغلوب و تابع رکھنا کمال ہے۔ نفس و شیطان کا غلبہ و تسلط نہ ہونے کی علامت یہ نہیں ہے کہ کوئی گناہ ہی نہو۔ انسان فرشتہ نہیں ہے بلکہ ان کے غلبہ و تسلط کی علامتیں ہیں مخلوق اور اپنی تدبیر پر اعتماد و توکل، مخلوق کا خوف مفارقت دنیا کے خیال سے' موت سے وحشت' حب دنیا بر آن دنیاوی مال و متاع لذات و شہوات کی طلب' حیات آخرت سے غفلت اور بے توجہی یعنی حرص دنیا غالب' تصور آخرت مضمحل' بے صبری ناشکری غرور علمی دولت و امارت یا تقدس و پارسائی کا گھمنڈ' کبر و ریا' حسد و کینہ' خواہش نام و نمود' اصرار علی المعصیت لغزش عملی ہو تو اعتراف گناہ توبہ و ندامت کے بجائے عذر گناہ اور لغزش علمی ہو تو توجیہہ و تاویل۔ علمی لغزش عملی لغزش سے زیادہ مہلک ہوتی ہے غرض بلحاظ علوم صالحیت و شہادت و صدیقیت جس کے مختلف اقسام ہیں تسلط شیطان کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ۔ اس کا قابو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

شرک کی دو قسمیں ہیں جلی و خفی اس کے لحاظ سے ان کی علامات وہی امراض ہیں جو سطور بالا میں درج ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے جس کا مخاطب شیطان ہے۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ۔ میرے فرماں بردار بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا۔

لفظ "عبادی" میرے بندے کہنے والے کی شانِ جمالی و جلالی اس کی عظمت و کبریائی اس کی ابدی و مطلق فرماں روائی پر نظر رکھکر غور فرمائیے کہ اس نسبت عبدیت میں جو بے اندازہ عزت و شرافت فخر و ناز ہے جو بے انتہا فرحت و انبساط ہے سرور و نشاط ہے جو بے پایاں کیف و مستی ہے اس کو وہی قلوب محسوس کر سکتے ہیں جو عبد و رب کی

ظاہری و باطنی ابتدائی و انتہائی نسبتوں کو تحت تعلیمات نبوی قائم کر چکے ہیں یہی وہ نسبت ہے جو اندرونی دشمن نفس و شیطان کے مورچہ پر حملہ آور ہو کر اس کو پارہ پارہ کرتی رہتی ہے یہ جہاد بالنفس والشیطان ہی پہلا مجاہدانہ قدم ہے۔

وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ (بیہقی شعب الایمان) مجاہد حقیقی وہ ہے جس نے جدوجہد کی اپنے نفس سے اللہ کی فرماں برداری میں۔

انفس نفس و شیطان کے شرور سے پاک کئے بغیر آفاق کو اللہ کے دشمنوں سے پاک نہیں کیا جا سکتا اور اس کے بغیر جو سعی کی جائیگی وہ مشکور نہ ہوگی اور جو قدم اٹھایا جائیگا وہ "تو درونِ درچہ کردی کہ برون خانہ آئی" کا مصداق ہوگا۔ اشیاء عالم میں قدرت کی جو قوتیں پوشیدہ ہیں اور ان کا پتہ لگا کر جو آلات حرب ایجاد ہو رہے ہیں وہ بیم و زر اور عددی برتری سیاست و حکومت کے مادی ذرائع ہیں اور ان ہی کے تعلق سے جرارت و حوصلہ پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق بندوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ ان مادی ذرائع و وسائل کے آثار و افعال کا ظہور بالکلیہ اسی ذات یکتا و یگانہ کے اختیار میں ہے۔

بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ اس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ ذات قوی و قدیر یہ قدرت رکھتی ہے کہ اشیاء کی قوت آثار و افعال کو جس وقت چاہے ظاہر کرے اور جس وقت چاہے ظاہر نہ کرے کیونکہ وہ علیم و حکیم بھی ہے اس لئے اشیاء کے آثار و افعال کا ظہور بالکلیہ مصلحت و حکمت الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔ اس بے پناہ اور بے اندازہ و بے حساب قدرت رکھنے والی ذات مومن و مسلم یعنی اس کی غلامی اطاعت و فرماں برداری کے نظام فکر و عمل کو قبول و اختیار کرنے والوں کی حامی و مددگار رہتی ہے گویا فرماں بردار بندوں کی حقیقی سیاسی قوت یہ مادی ذرائع نہیں ہیں بلکہ ان ذرائع کو پیدا کرنے والا ہے۔ حق و صداقت کے اس علم و یقین کے بعد قلب میں جو قوت پیدا ہوتی ہے اور جو اطمینان خاطر نصیب ہوتا ہے وہ ان کو حاصل نہیں ہو سکتا جو حق و صداقت کی اس دولت سے محروم، نفس و شیطان کے

محکوم ہیں اور مخلوقات کی طاقت و قوت پر بھروسہ رکھتے ہیں لیکن عبدیت و غلامی کی نسبت قائم ہو جانے کے بعد علم ویقین حق و صداقت کی وہ باطنی قوت ہے ایمانی توانائی جس کا نہایت صحیح اور موزوں نام تجویز ہوا ہے اور جس سے قلب مومن جری و مطمئن رہتا ہے۔
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ۔ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔

مزید تاکید بھی فرمائی گئی کہ اللہ ہی کی نسبت سے جمعیت خاطر نصیب ہوتی ہے۔
اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ یقین رکھو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے
یہاں ذکر سے ذکر لفظی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے وہ علم دین و عرفان حق مراد ہے جس کو حاصل کر کے عبد ضعیف اپنے قادر مطلق قوی و عزیز آقا کے دامن رحمت سے وابستہ ہو جاتا ہے اور اس میں وہ شجاعت و بہادری پیدا ہو جاتی ہے جسکو جرأت ایمانی کہتے ہیں یہ کیفیت جب انسان میں پیدا ہو جاتی ہے تو دوسروں پر اس کا قدرتی اثر یہ ہوتا ہے کہ ہر ارشان و شوکت ساز و سامان رکھنے کے باوجود ان کے دلوں میں رعب بٹھا دیا جاتا ہے سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ہم جلد ڈالدیتے ہیں ہول انکار کرنیوالوں کے دلوں میں

اسلام کے کلمۂ دعوتی سے جو فطری سیاسی شعور پیدا ہوتا ہے اس کا ایک رخ تو وہ ہے جو سطور بالا میں عرض کیا گیا ہے اور جس کا تعلق دنیائے سعی و عمل سے ہے۔ اس کے دوسرے رخ کا تعلق عالم جزا سے ہے جس کا تصور الوہیت کے مفہوم میں داخل ہے اللہ جل شانہ کی فرماں روائی و شہنشاہی اس کی ذات کی طرح لازوال باقی رہنے والی ہے۔
وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ تیرے پروردگار کی ذات صفات جلالیہ و جمالیہ کے ساتھ باقی رہنے والی ہے۔
وہ ایسا حاکم ہے جس کی مرضی کے خلاف زندگی بسر کر کے انسان اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا دنیائے سعی و عمل کو آباد و قائم رکھنے والے فرماں روا کی شان سے بعید ہے کہ عالم جزا کو آباد و قائم نہ کرے اللہ کے متعلق ایسا بے اختیار فرماں روا ہونے کا

خیال کوئی صحیح العقل انسان نہیں کرسکتا مطلق فرماں روا ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ جب دنیائے سعی وعمل کا ہنگامہ ختم کر دیا جائیگا تو میزان عدالت قائم کی جائیگی اور عالم جزا آباد کیا جائیگا اس کی بادشاہی اس دنیا کی حد تک محدود و مقید نہیں ہے اور نہ اس کی حاکمیت عبث ہو جائیگی لیل و نہار کا انقلاب، خواب و بیداری کا سلسلہ اور اشیاء کے نمو و بقا کے ناقابل تغیر قوانین کی خلاف ورزی کے نتائج، سزا و جزا کے متعلق انسان کے فطری جذبات خالق فطرت کی فرماں روائی کے عبث ہونے کا ابطال کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ الخ۔ — اے رب آپنے یہ عالم عبث نہیں بنایا آپکی ذات فعل عبث کے عیب سے پاک ہے۔

انسان جو موت کو فنا سمجھ کر اپنی تخلیق کو بے نتیجہ اور عبث سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس کو پیدا کرنے والے حاکم حقیقی کے روبرو جزا و سزا کے لئے پیش نہیں کیا جائیگا اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اللہ کی حکومت کو بھی اس دنیا کے بادشاہوں کی حکومت کی طرح زوال پذیر سمجھتا ہے جو محض جہل کا نتیجہ ہے۔ کسی حکومت پر حکومت کا اطلاق اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک عدل و انصاف اور جزا و سزا کا ایک مکمل نظام بھی وہ نہ رکھتی ہو تو پھر مالک ارض و سما، حاکم مطلق جس کے قوانین قدرت کی خلاف ورزی کی جائے تو حیات و بقائے حیات اور نشو و نمائے انسانی کا نظام درہم برہم ہو جائے اس کو اپنے احکام و ہدایات جو اخلاقیات و معاشیات و سیاست کا مجموعہ ہیں اور جن کو علماً و عملاً قبول و اختیار کرنا ہی اس کی بندگی و عبادت کا شرف حاصل کرنا ہے ان کی پابندی اور ان کا انکار و خلاف ورزی کرنے والوں کو صلہ و جزا دینے پر قادر نہ سمجھنا اور جزائے اعمال کے لئے ایک غیر محدود عالم کے موجود ہونے کا انکار کرنا ذہن انسانی کی ایک طفلانہ حرکت ہے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ فتعالى الله — کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم کو یوں ہی مہمل عبث ہم نے پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس

الملک الحق ۔ نہیں لائے جاؤ گے حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت ہی عالی شان
حقیقی بادشاہ ہے ۔

حق تعالیٰ کی فرمان روائی مجازی نہیں حقیقی ہے اس کی ذات، صفات، افعال
اور حکومت لا فانی غیر محدود ہے وہ جو صلہ اور جزا دیتا ہے وہ بھی ابدی اور غیر محدود
ہوتی ہے یہ محدود عالم جو انسان کی سعی و عمل کا مقام ہے غیر محدود صلہ و جزا کا مقام نہیں
ہو سکتا ایک غیر محدود و لافانی عالم جزا کی تخلیق اللہ کی لازوال حکومت کے لئے لازمی اور
ور ذات کی طرح برحق ہے ۔ حیات بعد الموت کے وہ حقائق جو واحد آسمانی کتاب
" القرآن " کے سوا کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہیں (البتہ کچھ اشارے دیگر محرفہ
تب میں پائے جاتے ہیں) جب تک انسان ان کو تسلیم نہ کریگا اللہ کو رب و الٰہ واحد
انے اور اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کے صحیح نظام فکر و عمل دین اسلام کو سمجھنے
ور اس کی افادیت کو تسلیم کرنے کی قابلیت اس میں پیدا نہ ہوگی اور قلب انسانی ہمیشہ
مخالفت ہی پر آمادہ رہے گا اور حدود عبدیت سے باہر ہو کر منزل حیات کو طے کرنے کیلئے اپنے آپکو
پنے مالک و حاکم حقیقی سے بے نیاز سمجھتا رہے گا جس کو کبر سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

لٰهكم إلٰهٌ واحدٌ فالذين لا يؤمنون بالآخرة قلوبهم منكرة وهم مستكبرون ۔

(اے بنی آدم) تمہارا الٰہ (مالک و حاکم معبود و مستعان) ایک ہی الٰہ ہے پس جو لوگ حیات آخرہ پر یقین نہیں رکھتے ان کے قلوب (فطری دعوت کے) منکر ہیں اور وہ اپنے رب سے تکبر کرتے ہیں

اللہ کی مالکیت و حاکمیت اور عالم جزا کی صداقت و حقیقت کو سمجھ کر انسان جب
قبول و تسلیم کر لیتا ہے تو اس کا اقتضاء یہی ہے کہ وہ نہ نفس و شیطان کی اتباع کو پسند کرتا ہے
اور نہ کسی انسان کی تابعداری و غلامی اور بے تعلق نفع و ضرر کسی کے آگے سرنگوں ہونے کو
گوارا کرتا ہے وہ اولاً نفس و شیطان کی اتباع سے اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین عزیز
و اقارب دوست احباب کو علماً و عملاً آزاد رکھنے کی امکانی کوشش کرتا رہیگا اور
تمام طاقتوں کے مقابلہ و مقاطعہ کا عزم و حوصلہ اس میں پیدا ہو جائیگا جو اس خوشگوار

خیال کوئی صحیح العقل انسان نہیں کر سکتا۔ مطلق فرماں روا ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ جب دنیائے سعی و عمل کا ہنگامہ ختم کر دیا جائیگا تو میزان عدالت قائم کی جائیگی اور عالم جزا آباد کیا جائیگا اس کی بادشاہی اس دنیا کی حد تک محدود و مقید نہیں ہے ورنہ اس کی حاکمیت عبث ہو جائیگی لیل و نہار کا انقلاب، خواب و بیداری کا سلسلہ اور اشیاء کے نمو و بقا کے ناقابل تغیر قوانین کی خلاف ورزی کے نتائج، سزا و جزا کے متعلق انسان کے فطری جذبات خالق فطرت کی فرماں روائی کے عبث ہونے کا ابطال کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ الخ۔ — اے رب آپنے یہ عالم عبث نہیں بنایا آپکی ذات فعل عبث کے عیب سے پاک ہے۔

انسان جو موت کو فنا سمجھ کر اپنی تخلیق کو بے نتیجہ اور عبث سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس کو پیدا کرنے والے حاکم حقیقی کے روبرو جزا و سزا کے لئے پیش نہیں کیا جائیگا اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اللہ کی حکومت کو بھی اس دنیا کے بادشاہوں کی حکومت کی طرح زوال پذیر سمجھتا ہے جو محض جہل کا نتیجہ ہے۔ کسی حکومت پر حکومت کا اطلاق اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک عدل و انصاف اور جزا و سزا کا ایک مکمل نظام بھی وہ نہ رکھتی ہو تو پھر مالک ارض و سماء حاکم مطلق جس کے قوانین قدرت کی خلاف ورزی کی جائے تو حیات و بقائے حیات اور نشو و نمائے انسانی کا نظام درہم برہم ہو جائے اس کو اپنے احکام و ہدایات جو اخلاقیات و معاشیات و سیاست سب کا مجموعہ ہیں اور جن کو علماً و عملاً قبول و اختیار کرنا ہی اس کی بندگی و عبادت کا شرف حاصل کرنا ہے ان کی پابندی اور ان کا انکار و خلاف ورزی کرنے والوں کو صلہ و جزا دینے پر قادر نہ سمجھنا اور جزائے اعمال کے لئے ایک غیر محدود عالم کے موجود ہونے کا انکار کرنا ذہن انسانی کی ایک طفلانہ حرکت ہے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۞ فَتَعَالَى اللّٰهُ — کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم کو یوں ہی مہمل عبث ہم نے پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس

اَلْمَلِکُ الْحَقُّ - نہیں لے جاؤ گے حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت ہی عالی شان حقیقی بادشاہ ہے -

حق تعالیٰ کی فرمان روائی مجازی نہیں حقیقی ہے اس کی ذات، صفات، افعال اور حکومت لافانی غیر محدود ہے وہ جو صلہ اور جزا دیتا ہے وہ بھی ابدی اور غیر محدود ہوتی ہے یہ محدود عالم جو انسان کی سعی و عمل کا مقام ہے غیر محدود صلہ و جزا کا مقام نہیں ہو سکتا ایک غیر محدود و لافانی عالمِ جزا کی تخلیق اللہ کی لازوال حکومت کے لئے لازمی اور ذات کی طرح برحق ہے - حیات بعد الموت کے وہ حقائق جو واحد آسمانی کتاب "القرآن" کے سوا کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہیں (البتہ کچھ اشارے دیگر محرفہ کتب میں پائے جاتے ہیں) جب تک انسان ان کو تسلیم نہ کریگا اللہ کو رب واللہ واحد ماننے اور اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کے صحیح نظام فکر و عمل کو دین اسلام کو سمجھنے اور اس کی افادیت کو تسلیم کرنے کی قابلیت اس میں پیدا نہ ہوگی اور قلب انسانی ہمیشہ مخالفت ہی پر آمادہ رہے گا اور حدودِ عبدیت سے باہر ہو کر منزل حیات کو طے کرنے کیلئے اپنے آپکو اپنے مالک و حاکم حقیقی سے بے نیاز سمجھتا رہے گا جس کو کبر سے تعبیر کیا گیا ہے -

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ -

(اے بنی آدم) تمہارا الٰہ (مالک، حاکم معبود و مستعان) ایک ہی الٰہ ہے پس جو لوگ حیات آخرہ پر یقین نہیں رکھتے ان کے قلوب دعوتِ فطری کے منکر ہیں اور وہ اپنے رب سے تکبر کرتے ہیں

اللہ کی مالکیت و حاکمیت اور عالم جزا کی صداقت و حقیقت کو سمجھ کر انسان جب قبول و تسلیم کر لیتا ہے تو اس کا اقتضا یہی ہے کہ وہ نہ نفس و شیطان کی اتباع کو پسند کرتا ہے اور نہ کسی انسان کی تابعداری و غلامی اور بہ تعلق نفع و ضرر کسی کے آگے سرنگوں ہونے کو گوارا کرتا ہے وہ اولاً نفس و شیطان کی اتباع سے اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین عزیز و اقارب دوست احباب کو علماً و عملاً آزاد رکھنے کی امکانی کوشش کرتا رہیگا اور تمام ان طاقتوں کے مقابلہ و مقاطعہ کا عزم و حوصلہ اس میں پیدا ہو جائیگا جو اس ناخوشگوار

فرض کی انجام دہی میں مانع و مزاحم ہوتی ہیں۔ نفس و شیطان کے تسلط سے آزاد ہونے کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ اعمال ظاہری سے متعلق جو احکام الٰہی ہیں انسان ان پر عامل ہو جائے بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ قضا و قدر کے ظہور پر چیں بہ جبیں نہ ہو، اللہ پر اعتراض نہ ہو، اس کا اظہار بطور شکوہ و شکایت نہ ہو اور اطاعت و فرماں برداری میں کوئی فرق نہ آئے اور کوئی حرکت اقرار ربوبیت کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ یہ تمام امور اس عہد عبدیت و بندگی کے منافی ہیں جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ذریعہ کیا گیا ہے اور جو دراصل دین و ایمان و اخلاص کی موت ہے۔ نفس و شیطان کے تسلط سے آزاد ہوتے ہی فطری حریت و آزادی کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ باد مخالف کے جھونکے جن کو فرو نہیں کر سکتے بلکہ اور تیز کر دیتے ہیں، یہی ہے وہ اسلامی سیاسی بیداری اور سیاسی شعور جسکو روبہ عمل لانے کے آغاز ہی میں انسان فریس، دانشمند و مدبر، نیک نفس پاک باطن، وسیع النظر، منکسر المزاج، سلیم الطبع، بے لوث، جری و بلند حوصلہ بنا دیا جاتا ہے اس میں وہ جامعیت پیدا ہو جاتی ہے جو انسانیت کا طرۂ امتیاز ہے اور اسکی انفرادی و اجتماعی منزلی و تمدنی زندگی میں عدل و احسان کا جذبہ کارفرما ہو جاتا ہے کیونکہ عبد کو رب و مولا نے یہی تاکید فرمائی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ الخ بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم فرماتے ہیں

جس سیاست کی بنیاد عدل و احسان پر ہو اس کو اس سیاست و سیاسی بیداری سے کیا مناسبت ہے جسکی بنیاد ظلم و تعدی، مکر و فریب، نمود و دولت و عددی برتری ہو جو اجسام کو طوق و زنجیر میں جکڑ سکتی ہے مگر قلوب کو اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتی سروں کو اپنے آگے جھکا سکتی ہے مگر دلوں کو نہیں جھکا سکتی اجسام پر حکومت کر سکتی ہے دلوں پر حکومت نہیں کر سکتی اسکی ظاہری شان و شوکت تو حاصل ہو سکتی ہے مگر حق و صداقت کی طاقت، اس کا رعب و دبدبہ نہیں حاصل ہو سکتا اور اس طرح چند روزہ غیر اطمینان بخش دنیاوی فوائد حاصل کر کے ابدی زندگی کو برباد کرنا دانشمندانہ فعل نہیں ہے۔ افتراقی ادیان کے پیرو مذہب و سیاست کو ایک دوسرے سے علیحدہ سمجھنے پر مجبور ہیں جو ان کے غیر الٰہی دین ہونے کا ناقابل تردید

ثبوت ہے مگر دین اسلام رکھنے والے کے نزدیک دین ہی سیاست ہے، افسوس کہ ناقص تعلیمات کی وجہ سے دین کے اس حقیقی مفہوم سے دماغ آشنا نہیں رہے جس کا دماغ اس نور الٰہی سے روشن نہیں ہے وہ اپنے فطری جذبۂ سیاست کا غلط استعمال کرکے امن و سلامتی کی پاک دنیا آباد کرنیکے بجائے فتنہ و فساد کی ناپاک دنیا کو آباد کریگا نہ اس کو منزلی زندگی میں آسودگی و راحت نصیب ہوگی اور نہ مدنی زندگی خوشگوار ہوگی۔ اس کے سینے میں ایک آگ سی لگی رہے گی جس سے اس کے دل و دماغ جلتے بھنتے رہیں گے جو در اصل آگ نہیں ہے بلکہ اس کرۂ نار کا عکس ہے جو حدود عبدیت و انسانیت سے متجاوز ہونے والوں کا آخری ٹھکانا ہے جو شخص دین اسلام کا پیرو ہونے کا مدعی بھی ہے اور سیاست کو دین سے علیحدہ بھی سمجھتا ہے اس کو چاہیئے کہ زندگی کی اولیں ساعت میں اس لغزش و فاش غلطی کے انجام آخرت پر دنیاوی فوائد سے قطع نظر کرکے غور کرے۔

تصریحات صدر سے واضح ہوگا کہ دین اسلام کا پیرو بشرطیکہ اس نے دین کی صحیح تعلیم حاصل کی ہو اپنے اسلامی افکار و خیالات اعمال و کردار کے لحاظ سے نظام اسلام کے سوا کسی اور نظام کی محکومیت کو بطیب خاطر برداشت نہیں کرسکتا۔ دین اسلام کو قبول و اختیار کرنے کا اقتضا یہی ہے ہر ظلمت کو نور سے ہر ناپاکی کو پاکی سے اور ہر باطل کو حق سے بدل دینے کی کوشش سنجنے قدمے درمے زندگی کا اولیں فریضہ ہو جائے۔ دین کی صحیح تعلیم حاصل کرکے اس کے اصول و فروع پر حتی الامکان عامل ہو جانا اور جلوت و خلوت میں گھر میں مجالس میں ان ہی خیالات کا اظہار کرتے رہنا اپنے متعلقین اور اہل و عیال کے دل و دماغ کو اسی نور سے منور کرتے رہنا باطل کو حق سے ظلمت کو نور سے بدلنے کا فرض انجام دینا ہے اور یہی طریقہ طریقۂ مصطفوی ہے اس کے خلاف جو اقدام بھی کیا جائیگا وہ خلاف پیغمبر ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہوگا۔ سنت نبوی کی پیروی میں جو قدم اٹھیگا وہی منزل مقصود کو پہونچے گا۔

وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا۔　　تم (رسول کی) اطاعت کرو راہ پر جالگوگے۔

فرض کی انجام دہی میں مانع و مزاحم ہوتی ہیں۔ نفس و شیطان کے تسلط سے آزاد ہونے کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ اعمال ظاہری سے متعلق جو احکام الٰہی ہیں انسان ان پر عامل ہو جائے بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ قضا و قدر کے ظہور پر چیں بہ جبیں نہ ہو، اللہ پر اعتراض نہ ہو، اس کا اظہار بطور شکوہ و شکایت نہ ہو اور اطاعت و فرماں برداری میں کوئی فرق نہ آئے اور کوئی حرکت اقرار ربوبیت کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ یہ تمام امور اس عہد عبدیت و بندگی کے منافی ہیں جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ذریعہ کیا گیا ہے اور جو در اصل دین و ایمان و اخلاص کی موت ہے۔ نفس و شیطان کے تسلط سے آزاد ہوتے ہی فطری حریت و آزادی کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں یا مخالف کے جھونکے جن کو فرو نہیں کر سکتے بلکہ اور تیز کر دیتے ہیں، یہی ہے وہ اسلامی سیاسی بیداری اور سیاسی شعور جس کو رو بہ عمل لانے کے آغاز ہی میں انسان فریس، دانشمند و مدبر، نیک نفس پاک باطن، وسیع النظر، منکسر المزاج، سلیم الطبع، بے لوث، جری و بلند حوصلہ بنا دیا جاتا ہے اس میں وہ جامعیت پیدا ہو جاتی ہے جو انسانیت کا طرۂ امتیاز ہے اور اس کی انفرادی و اجتماعی منزلی و تمدنی زندگی میں عدل و احسان کا جذبہ کارفرما ہو جاتا ہے کیونکہ عبد کو رب و مولا نے یہی تاکید فرمائی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ الخ بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم فرماتے ہیں

جس سیاست کی بنیاد عدل و احسان پر ہو اس کو اس سیاست و سیاسی بیداری سے کیا مناسبت ہے جس کی بنیاد ظلم و تعدی، مکر و فریب، نمود و دولت و عددی برتری ہو جو اجسام کو طوق و زنجیر میں جکڑ سکتی ہے مگر قلوب کو اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتی سروں کو اپنے آگے جھکا سکتی ہے مگر دلوں کو نہیں جھکا سکتی اجسام پر حکومت کر سکتی ہے دلوں پر حکومت نہیں کر سکتی اس سے ظاہری شان و شوکت تو حاصل ہو سکتی ہے مگر حق و صداقت کی طاقت، اس کا رعب و دبدبہ نہیں حاصل ہو سکتا اور اس طرح چند روزہ غیر اطمینان بخش دنیاوی فوائد حاصل کر کے ابدی زندگی کو برباد کرنا دانشمندانہ فعل نہیں ہے۔ افتراقی ادیان کے پیرو مذہب و سیاست کو ایک دوسرے سے علیحدہ سمجھنے پر مجبور ہیں جو ان کے غیر الٰہی دین ہونے کا ناقابل تردید

ثبوت ہے مگر دین اسلام رکھنے والے کے نزدیک دین ہی سیاست ہے، افسوس کہ ناقص تعلیمات کی وجہ سے دین کے اس حقیقی مفہوم سے دماغ آشنا نہیں رہے جس کا دماغ اس نور الٰہی سے روشن نہیں ہے وہ اپنے فطری جذبہ سیاست کا غلط استعمال کرکے امن وسلامتی کی پاک دنیا آباد کرنے کے بجائے فتنہ وفساد کی ناپاک دنیا کو آباد کریگا نہ اس کو منزلی زندگی میں آسودگی وراحت نصیب ہوگی اور نہ مدنی زندگی خوشگوار ہوگی۔ اس کے سینے میں ایک آگ سی لگی رہے گی جس سے اس کے دل و دماغ جلتے بھنتے رہیں گے جو دراصل آگ نہیں ہے بلکہ اس کرۂ نار کا عکس ہے جو حدود وعبدیت وانسانیت سے متجاوز ہونے والوں کا آخری ٹھکانا ہے جو شخص دین اسلام کا پیرو ہونے کا مدعی بھی ہے اور سیاست کو دین سے علیحدہ بھی سمجھتا ہے اس کو چاہیئے کہ زندگی کی اولیں ساعت میں اس لغزش وفاش غلطی کے انجام آخرت پر دنیاوی فوائد سے قطع نظر کرکے غور کرے۔

تصریحات صدر سے واضح ہوگا کہ دین اسلام کا پیرو بشرطیکہ اس نے دین کی صحیح تعلیم حاصل کی ہو اپنے اسلامی افکار وخیالات اعمال وکردار کے لحاظ سے نظام اسلام کے سوا کسی اور نظام کی محکومیت کو بطیب خاطر برداشت نہیں کرسکتا۔ دین اسلام کو قبول و اختیار کرنے کا اقتضاء یہی ہے ہر ظلمت کو نور سے ہر ناپاکی کو پاکی سے اور ہر باطل کو حق سے بدل دینے کی کوشش سخنے قدمے درمے زندگی کا اولیں فریضہ ہو جائے۔ دین کی صحیح تعلیم حاصل کرکے اس کے اصول وفروع پر حتی الامکان عامل ہو جانا اور جلوت وخلوت میں گھر میں مجالس میں ان ہی خیالات کا اظہار کرتے رہنا اپنے متعلقین اور اہل وعیال کے دل و دماغ کو اسی نور سے منور کرتے رہنا باطل کو حق سے ظلمت کو نور سے بدلنے کا فرض انجام دینا ہے اور یہی طریقہ طریقۂ مصطفوی ہے اس کے خلاف جو اقدام بھی کیا جائیگا وہ خلاف پیغمبر ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہوگا۔ سنت نبوی کی پیروی میں جو قدم اٹھیگا وہی منزل مقصود کو پہونچے گا۔

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا۔ تم (رسول کی) اطاعت کروراہ پر جالگوگے۔

دنیاوی مشاغل کی وجہ سے اگر اس فرض کی ادائی کے لئے فرصت نہیں ہوتی ہے تو "وَالآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا" (اور آخرت درجات و فضیلت کے لحاظ سے بہت بڑی ہے) کو پیش نظر رکھکر تقلیل کو اختیار کرنا چاہیئے کہ یہی ایک سمجھدار مسلم کے لئے امور یہ ہے اس سے بے اعتنائی کو معمولی فروگذاشت نہیں سمجھنا چاہیئے عند اللہ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

تَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ تم اسکو ہلکی بات سمجھتے ہو وہ اللہ کے نزدیک بھاری بات ہے

یہی شعور سیاسی شعور اور یہی بیداری سیاسی بیداری ہے ہمارے ہاتھوں اس کی بنیاد آنے والی نسلوں کے مستقبل کو شاندار بنا سکتی ہے۔ جن مسلمانوں کے دل و دماغ پر غیر اسلامی افکار یعنی مفاد دنیا مسلط ہے جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور جن کے اعمال و کردار میں غیر اسلامی عناصر شامل ہیں اور باطل ماحول میں امن و چین کی زندگی گذارنے کو بخوشی گوارا کئے ہوئے ہیں اور اسلام کی تائید کرنے کے لئے کسی ضرر دنیوی کو برداشت نہیں کر سکتے وہ حسب ارشاد پیغمبر علیہ السلام اعراب المسلمین گنوار مسلمان ہیں اگرچہ وہ اپنی موجودہ تہذیب و تمدن اور جدید تعلیم سے کتنے ہی آراستہ کیوں نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اللہ رسول کی نظر میں جو گنوار ہو آخرت کی عظیم الشان زندگی میں اس گنوار کی کیا عزت و تکریم ہو سکتی ہے اور وہ کن درجات عالیہ کا مستحق ہو سکتا ہے؟ آخرت کے درجاتِ بلند کی طلب نہ ہونے کا خیال فریب نفس ہے دنیا کا کونسا مرتبہ و درجہ ہے جس کی طلب و تمنا و حسرت نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں یہ گذارش بھی گوش گذار کی جاتی ہے کہ دین اسلام توریثی یا تقلیدی دین نہیں ہے بلکہ ایجابی و تحقیقی دین ہے ہر بالغ عاقل مرد پر فرض ہے کہ اس کو سمجھ بوجھ کر قبول و اختیار کرے انسان کو سمع و بصر و فواد کی قوتیں اکتساب دین، علم دین کے حصول ہی کے لئے دی گئی ہیں دیگر علوم و فنون حاصل کرنے کا حکم در اصل دین ہی کے اغراض و مصالح کے لئے ہے دیگر علوم و فنون کی طرح دین بھی ایک مستقل

فن ہے اسلئے یہ فن بھی بغیر کسی ماہر فن کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا وہ کونسا علم ہے جو محض اس فن کی کتابیں پڑھنے سے حاصل ہو جاتا ہے جب تک اس کو کسی فنداں سے حاصل نہ کیا جائے، دین کا ماہر وہی ہے جو اس کے کلمہ دعوی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ماہر ہے

قلندر جز دو حرف لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

وہ قلندر ہی جس کے مضمرات میں دو جہاں کی بادشاہی ہے اسی کلمہ کی تاثیر ہے، یہی کلمہ عرفان حق و رب اور حق و صداقت کا منبع ہے اس کلمہ کا جو ماہر ہے اس پر حق و صداقت اظہر من الشمس ہے وہی ماہر فطرت ہے وہی ماہر نفسیات ہے علوم عمرانی معاشیات اخلاقیات اور سیاست کا ماہر ہے اس لئے کلمہ کے زبانی اقرار کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس کو جاننے ماننے کا حکم دیا گیا۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اس حقیقت کو) جانو (سمجھو) کہ اللہ کے سوا کوئی مالک و حاکم نہیں ہے

اس کلمہ کے علوم و اسرار سے واقف ہونے کے لئے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (اہل حق و صداقت کی صحبت اختیار کرو) کی تاکید بھی فرمائی گئی اور یہی سنت الٰہی سنت نبوی سنت صحابہ ہے اگر محض ادب و انشا کے ذریعہ دین کا احیاء و تجدید فطرتِ انسانی کا اقتضاء ہوتا تو صرف آسمانی کتاب نازل کر دی جاتی تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کے لئے معلم کتاب و الحکمہ کو مبعوث نہ فرمایا جاتا۔ جب تک اس فن کو کسی ماہر فن سے حاصل نہ کیا جائیگا دل و دماغ میں وہ روشنی پیدا نہیں ہو سکتی جس سے زندگی کا ہر تاریک گوشہ روشن ہو جاتا ہے اور نہ اسلام کی صحیح نمائندگی کرنے کی قابلیت پیدا ہو سکتی ہے جو زندگی کا اولین فریضہ ہے اور نہ باطل کو مغلوب کرنے کا عزم و حوصلہ پیدا ہو سکتا ہے جو اسلامی سیاسی شعور ہے اور نہ نظروں میں دین و ایمان کے مقابلہ میں دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں حقیر ہو سکتی ہیں اور نہ وہ ایمانی توانائی پیدا ہو سکتی ہے جو پیرو اسلام کی سیاسی قوت ہے جس کے آگے سر جھکے ہوئے نہیں ہوتے ہیں دل جھکے ہوئے ہوتے ہیں جو غریبوں کے لئے سایۂ عاطفت ہے تو سرکشوں کے لئے تیغ بے نیام۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم = دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان (اقبال)

علم دین کی طرف سے بے توجہی کا جو نقصان عظیم اخروی و ابدی زندگی میں پہونچیگا وہ ناقابل تلافی ہوگا اور اس کے حصول و اشاعت کی جدوجہد میں جو نقصان قلیل اس دنیا کی زندگی میں پہونچے گا وہ بے حد و بے حساب انعامات الہی کا مستحق بنا دیگا۔

متذکرہ صدر معروضہ پر غور فرما کر تصفیہ کیجئے کہ جس سیاسی شعور و بیداری پر آج ہم مطمئن و مسرور ہیں وہ کتنا بڑا شیطانی فریب ہے جس میں ہم دانستہ یا نادانستہ مبتلا ہیں۔ ہماری سیاسی بیداری یہ ہے کہ ہم رب و مولا کے عبد و مملوک و محکوم بن کر دوسروں پر حکومت کریں یہی ہماری زندگی ہے اس کو ترک کر کے رب و مولا سے منہ موڑ کر اگر کچھ دنیاوی ترقی و اقتدار حاصل بھی ہو جائے تو زندگی نہیں موت ہے عزت نہیں ذلت ہے دانشمندی نہیں بے عقلی ہے شرافت نہیں تحقیر انسانیت ہے۔

خدا کا پیام انس و محبت لا الٰہ الا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ کی صحیح تعلیم کے بغیر نہ ناموس انسانیت کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور نہ کوئی انسان راعی ہو کر رعیت اپنے اس مقصد حیات کو پا سکتا ہے جو اس کی فطرت کا اصلی مطالبہ ہے۔ دین کی غیر صحیح تعلیم نے مسلمانوں کو جس پستی و زبوں حالی میں مبتلا کر دیا ہے اور صحیح تعلیم کس انداز سے ہونی چاہئے اس کا ایک دھندلا خاکہ اقبال مرحوم کے اشعار ذیل سے واضح ہوتا ہے۔

مسلماں ہیں توحید میں گرم جوش
گر دل ابھی تک ہیں زنار پوش

تمدن تصوف شریعت کلام
بتان عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد
محبت میں یکتا حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

شراب کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا

خرد کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاد کر

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طمانیت و جمعیت نفس و اعتماد

از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب (جامعہ عثمانیہ)

تجرید نفسی کے ساتھ جب میں اپنے اندر دیکھتا ہوں تو حق تعالیٰ کو موجود پاتا ہوں! ان کی باطنیت کا احساس مجھے سکون، طمانیت و جمعیت قلب عطا کرتا ہے! وہ میرے ساتھ ہیں، میرا قلب ان کی تجلی گاہ ہے! ان کی معیت سے مجھے علوئے تمکین حاصل ہے!

اَنتُمُ الاَعلَونَ وَاللّٰہُ مَعَکُم (۱)

ان کی یاد، ان کی یافت وشہود سے مجھے وہ لذت و سرور حاصل ہے جس کے مقابلہ میں تمام جہان کی لذتیں ہیچ ہیں۔

کاے بلبل جاں مست بیادِ تو مرا | وی پایہ غم پست بیادِ تو مرا
لذات جہاں راہمہ در پا فگند (جامی) | ذوقیکہ دہد دست بیادِ تو مرا

محض اس تصور سے کہ وہ میرے ساتھ ہیں اور میری زندگی ان ہی کی توجہ سے قائم ہے اور ان ہی کی نظر عنایت کی وجہ سے ان نعمتوں سے محظوظ ہو رہا ہوں جو ہر روز ہر ساعت مجھ پر بارش کی طرح برس رہی ہیں، میرے قلب کو سکون ہے، میرے نفس کو جمعیت و طمانیت حاصل ہے، میری روح کو سرور نصیب ہے!

اَلَّذِینَ اٰمَنُوا وَتَطمَئِنُّ قُلُوبُھُم بِذِکرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکرِ اللّٰہِ تَطمَئِنُّ القُلُوبُ (۲)

---

(۱) اور تم ہی غالب رہوگے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے

(۲) مطلب اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے انکے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے، خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے

میرا قیام ذات حق میں ہے اور میں حق تعالیٰ کی حول وقوت سے اپنے تمام فرائض بخوبی کیساتھ انجام دے سکتا ہوں اور بحمداللہ دے رہا ہوں۔ تمام مزاحمتیں میری راہ سے دور ہو رہی ہیں اور ہر لحظہ میری قوتوں میں اضافہ ہو رہا ہے کیونکہ حق تعالیٰ میرے ساتھ ہیں اور میری اعانت فرمارہے ہیں ان کی معیت ونصرت کی وجہ سے میں زندگی کے کسی واقعہ سے خوف زدہ نہیں ہوتا، نہ کوئی حادثہ مجھے پریشان کرسکتا ہے۔

اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ[1] (پ۱۲ ع۷)

دامن او گیر اے یار دلیر کو منزہ باشد از بالا و زیر

او بر آرد از کدورت ہا صفا (رومی) بر جفا ہائے ترا گیرد وفا

میں جانتا ہوں کہ میری زندگی کا ہر واقعہ اس مقصد کی تکمیل کر رہا ہے جو حق تعالیٰ کے علم میں ہے، راحت وغم، بلا وطرب، لذت والم مجھے اپنا سلوک طے کرنے میں مدد دے رہے ہیں! دونوں میرے لئے خیر ہیں، میں ان میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتا ع ہر چہ از دوست می رسد نیکوست!

بس زبون وسوسہ باشی دلا

گر طرب باز دانی از بلا (رومی)

میں صبر واستقلال کے ساتھ، سکون واطمینان کے ساتھ مردانہ وار میدان زندگی میں قدم اٹھا رہا ہوں:

شوق میری لَے میں ہے شوق میری نَے میں ہے - نغمہ اللہ ھو میری رگ پے میں ہے! (اقبال)

میں مردانہ وار آگے بڑھے جا رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مجھے ابدی زندگی عطا ہوئی ہے اور یہ عالم، یہ ہنگامہ رنگ وصوت "میری آخری منزل نہیں! سعی وکوشش، عمل مجاہدہ کے لئے میں یہاں بھیجا گیا ہوں اور چونکہ حق تعالیٰ ہر جگہ حاضر وموجود ہیں، کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں حق تعالیٰ حاضر وموجود نہیں اس لئے میں ہر وقت حق تعالیٰ ہی کے حضور میں ہوں اور ان کی لامتناہی قوت پر اعتماد کرسکتا ہوں، ہر وقت ان ہی کی حول وقوت سے کام لے سکتا ہوں

---

[1] میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا۔

وہی میری قوت بازو ہیں، میرے معین و مددگار ہیں، میرے مولا و نصیر ہیں۔

اللّٰھُمَّ بِکَ اُحَاوِلُ وَبِکَ اُصَاوِلُ اَنْتَ عَضُدِیْ وَاَنْتَ نَاصِرِیْ

دارم شب و روز کار یارب یارب تحلم نفس ست و بار یارب یارب

کار دو جہاں شود بیک یارب راست (ابو سعیدؒ) یارب یارب ہزار بار یارب یارب

حق تعالیٰ میرے مولیٰ ہیں میرے آقا ہیں، مجھ پر رحیم ہیں، ذوالفضل العظیم ہیں، ان کی محبت و رحمت کا یقین اپنے دل میں لئے ہوئے میں مردانہ وار آگے بڑھا جا رہا ہوں! مجھے کون زیر کر سکتا ہے، کون شکست دے سکتا ہے جب حق تعالیٰ میرے ساتھ ہیں جب میں حق تعالیٰ کا ہاتھ تھاما ہوا ہوں! ان ہی کا ہاتھ میرے لئے کام کر رہا ہے اور کون نہیں جانتا کہ وہ "غالب و کار آفریں، کار کشا و کار ساز" ہوتا ہے!

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے! (اقبال)

جو لفظ بھی میرے منہ سے نکلتا ہے اس میں حق گوئی اور بے باکی ہوتی ہے، میں حق تعالیٰ کی قوتوں کا مظہر ہوں، میری قوتیں اس لئے نامتناہی ہیں، ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا! حق کے مقابل کون آسکتا ہے! اور جو آتا ہے منہ کی کھاتا ہے!

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی! (اقبال)

میری زندگی کا حق تعالیٰ کے علم میں کوئی مقصد ضرور ہے اور میرا ہر لفظ اس مقصد پر اعتماد ظاہر کرتا ہے! حق تعالیٰ کا ہر کام اچھا ہی ہوتا ہے! وہ اچھے ان کا ہر کام اچھا ع

جامی از یار پسندیدہ ہنر بد حاشا!
کاں پسندیدہ بجز کار پسندی نہ کند!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قانون کا حقیقی تصور

اور

انسانی آزادی

از:- جناب مولوی جمیل الدین احمد صاحب

(سلسلہ نمبر ۴)

جو کچھ تفصیلات ہم نے اس وقت تک پیش کی ہیں ان کا ایک اجمالی نقشہ اس لئے پیش کرتے ہیں کہ متلاشی حق و طالب صدق پر یہ واضح ہو جائے کہ توحید کے مدارج اور آثار و برکات کیا ہیں اور شرک یا کفر جو مبدء جرائم اور فتن و فسادات ہے اس کے درکات کی کیا تفصیل ہے اور نشارۃ انسانی پر ان کا کیا اثر ہے اور کلمہ توحید کے کس پہلو سے ان کا ربط و تعلق ہے۔ اس نقشہ کے ذہن نشین کرنے کے لئے چند اصول درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

(۱) ہر شئے اپنی ضد سے متمیز ہوتی ہے "تعرف الاشیاء باضدادھا" اسلئے فہم توحید کے لئے شرک کی حقیقت ہی جاننا ضروری ہے۔

(۲) توحید شرک کی ضد ہے اور شرک و کفر میں لزوم کا علاقہ ہے۔ فرق ہے تو یہ کہ شرک الوہیت نفسی کا ایجابی پہلو ہے اور کفر الوہیت باریتعالیٰ جل شانہ کا سلبی پہلو۔ فی الحقیقت ہر شرک کے لئے کفر اور ہر کفر کے لئے شرک لازم و ملزوم ہے مثلاً فرعون کا اپنے کو رب اعلیٰ سمجھنا شرک تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کی الوہیت کی اس کو دعوت دی تو اس نے انکار کر دیا اور اس کا یہی انکار کفر سے موسوم ہوا۔

(۳) **تعریفات**

توحید	حق تعالیٰ ہی کو معبود یعنے مالک و حاکم اور تمام صفات کمالیہ کا مستحق سمجھنا توحید ہے

[illegible] اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کو معبود مستحق عبادت جاننا شرک ہے۔

[illegible] پیغامبر حق جل شانہ (ذات محمدیہ صلعم) کی رسالت و عبدیت کا انکار کفر ہے جس کا [illegible] معبودیت (مالکیت و حاکمیت الٰہیہ) کا انکار ہے کیونکہ رسالت میں حق تعالیٰ کی الوہیت کا علم ہے پس رسالت کی نفی الوہیت باریتعالیٰ کی نفی ہے۔

ایمان | الوہیت باریتعالیٰ جل شانہ اور عبدیت و رسالت محمدیہ صلعم کی تصدیق ایمان ہے

علم انسانی کے اعتبارات

(۴) ذہن یا عقل انسانی میں یا باصطلاح قانون فطرت قلب انسانی میں جو علم آتا ہے

تصدیق | الف اگر اس کا جانب مخالف پیدا نہ ہو تو اس کو اذعان و یقین و تصدیق کہتے ہیں اور اس وجہ سے کلمہ طیبہ کی تصدیق بزبان قانون فطرت ایمان سے موسوم ہوتی ہے۔

ظن و وہم | (ب) اگر جانب مخالف کوئی علم پیدا ہو تو اس کے غالب پہلو کو ظن کہتے ہیں اور مغلوب پہلو کو وہم۔

شک | اگر دونوں پہلو برابر ہوں تو اس کی تعبیر شک سے کی جاتی ہے۔

قانون فطرت میں ظن و وہم و شک کی تمام صورتیں اور اقرار لسانی بلا تصدیق قلبی کو نفاق سے موسوم کیا جاتا ہے مثلاً پیغمبر کی یہ دعوت کہ "اللہ کے سوا کوئی شے قابل عبادت نہیں ہے"

(۱) اگر سامع کے قلب میں استحکام و رسوخ پیدا کرے اور اس کے خلاف کوئی علم نہ آئے تو یہ صورت یقین و تصدیق سے موسوم ہوتی ہے۔

(۲) اگر یہ دعوت قلب سامع میں راسخ نہ ہو بلکہ اس کا مخالف علم راسخ ہو جائے جس سے دعوتِ پیغمبر کی نفی ہو مثلاً یہ علم کہ آفتاب قابل عبادت ہے اور عبادت اللہ ہی کے لئے مختص نہیں ہے تو ایجابی پہلو کو شرک اور اس علم کو جو نافی دعوت پیغمبر ہے کفر کہتے ہیں۔

دعوت پیغمبر کے خلاف علم تو آئے لیکن قلب میں رسوخ پیدا نہ کرے تو پھر اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) اگر دعوت پیغمبر اور اس کا مخالف پہلو ہر دو مساوی ہوں مثلاً یہ کہ الوہیت کا علم ذات باریتعالیٰ اور ذاتِ آفتاب ہر دو میں دائر ہوا اور کوئی پہلو غالب نہ ہو تو یہ شک ہے

(۲) اگر دعوتِ پیغمبر کا علم غالب ہو یا آفتاب کی الوہیت کا علم غالب ہو تو غالب پہلو کو ظن

(۳) اور اس علم کو جو مغلوب ہو خواہ دعوت پیغمبر کا ہو یا آفتاب کی الوہیت کا اس کو وہم کہتے ہیں۔

(۴) علم حق جو دعوت پیغمبر پر مبنی ہو اور علم باطل (جو نفس انسانی کی اقتضا سے پیدا ہوتا ہے اور جس کی تعبیر قانون فطرت میں (ہوی) سے کی گئی ہے) کی مختلف اشکال جو ایک دوسرے کے مقابل و ضد ہیں ان کی تفصیل بھی بغرض سہولت درج ذیل کیجاتی ہے

علم حق کے منازل			علم باطل کے منازل
(۱)	توحید	شرک	
(۲)	ایمان	کفر	
(۳)	صدق	نفاق	
(۴)	استقامت	ارتداد	
(۵)	سنت (اتباع نبوت) علماً عملاً	بدعت (اختراع ذہن انسانی)	
	حسنہ (نیکی)	معصیت وفسق	
	ذکر (یاد الٰہی)	غفلت	
	استغراق بحق	استغراق بخلق	

(۵) ذات اور جمیع صفات الٰہیہ کا ایک نقطۂ الٰہ ہے۔

اور ذات خلق اور اس کے تمام اعتبارات ملوکیت و محکومیت و عبودیت وغیرہ کا ایک نقطہ ذاتِ محمدیہ صلعم ہے۔

ان ہر دو نقاط اور ان کے تحت جو اجزائے ایمانیہ درج نقشہ کی گئی ہیں ان کی تصدیق ہر فرد انسانی کے لئے قانون فطرت نے لازم قرار دی ہے۔

(۶) مالکیت و حاکمیت الٰہیہ اور عبدیت و رسالت محمدیہ صلعم کی تصدیق خواص کے لئے بدیہی ہے اور عوام کے لئے یہ نقاط اور اجزائے ایمانیہ نظری محتاج غور و فکر ہیں اور

بطور مبادیات قابل تسلیم و یقین جیسے فن ریاضی میں نقطہ اور خط اور سطح کی اصطلاحات اصول مسلمات سے ہیں اگرچہ یہ مبتدی طالب فن کے لئے ان کے حقائق فہم و ادراک سے باہر ہوتے ہیں لیکن جب وہ اپنے فن میں مرتاض ہو جاتا ہے تو ان حقائق کو واقعی اور نفس الامری سمجھنے لگتا ہے اور ان سے انکار نہیں کر سکتا۔

اسی طرح قانون فطرت نے نقطۂ الوہیت اور عبدیت و رسالت محمدیہ کو جو دیگر انبیاء و رسل کی عبدیت و رسالت پر مشتمل ہے مبادیات قانون فطرت اور اصول مسلمہ قرار دیا ہے اور انسان کو ان حقائق نفس الامری پر ایمان بالغیب رکھنے پر مکلف کیا ہے جو علم قرب سے متحقق ہونے کے بعد بدیہی ہو جاتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو نقشہ صفحہ مابعد پر)

مشورہ

حیاتِ نو ہفتہ وار مدیر جناب مولوی صلاح الدین صاحب صدیقی مقام اشاعت نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن

(۱) خرابِ کہن کو جام نو میں پیش کیا جارہا ہے تعلیم یافتہ طبقہ کی جانب سے خدمت حق کا مستحسن اقدام ہے الحمد للہ ان حضرات کے لئے جو "دین فطرت" کو فلسفیانہ و منطقیانہ استدلال سے سمجھنا چاہتے ہیں اس کے مضامین کا مطالعہ یقیناً مفید ہے۔

(۲) پانچ چھ صدی سے اسلامی تعلیمات کا سلسلہ اس انداز سے جاری ہے کہ اس سے دل میں سرور و مستی اور اور بیخودی و شکستگی تو پیدا ہو جاتی ہے مگر قلب میں حرارت و گرمی جوش و ولولہ جرأت و بے باکی نہیں پیدا ہوتی اس کا ردعمل یہ ہوا کہ اہل حق کی جانب سے تجدید و احیاء دین کے جو مختلف مساعی جدید اصولوں پر آغاز کی گئی ہیں ان سے جوش و ولولہ جرأت و ہمت پیدا ہوتی ہے مگر کیف و سرور اور بیخودی و شکستگی نہیں پیدا ہوتی انسان کا دل وہ آئینہ ہے ع جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں۔ حق کی تعلیم کیف و سرور و مستی و شکستگی اور جرأت و گرمی جوش و ولولہ دونوں کی جامع ہے۔ انسان کو حق و صداقت کا علمبردار بنانے اور انسانیت کی تعمیر میں دونوں کا مساوی حصہ ہے۔

(۳) توحید کی تعلیمات سے اگر حیات آخرہ اور وہاں کے لوازم حیات کا قرآنی تصور اور اور توحید سے اس کا ربط و تعلق دل نشین ہو تو خدمت حق صحیح ہو گی (ممکن ہے یہ میرا قصور فہم ہو)

نقشہ

پیام حق وصداقت

لا الٰہ الا اللہ
محمد رسول اللہ

اللہ - معبود رب - مالک - حاکم
انسان - عبد - مربوب - مملوک - محکوم

اجزاء ایمانیہ

- ایمان باللہ — علم توحید — اللہ کی ذات وصفات وافعال وآثار کا علم
- وبہ ملائکہ — منتظمین کائنات
- وکتب — آسمانی کتابیں دستور انسانیت
- ورسل — رہنمایان حق ومعلمان کتاب
- ویوم آخر — روز قیامت ویوم پرسش اعمال
- تقدیر — موازنہ الٰہی
- بعث بعد الموت — حیات اخروی ابدی

منازل علم حق ایمان وتوحید
اقرار وتصدیق علم حق

- صالحیت — تزکیہ نفس
- شہادت — تصفیہ قلب
- صدیقیت — تجلیہ روح وتکمیل روحانیت

اعمال

قلبی: شکر - توکل - صبر - خوف و رجا - توبہ و دعا - تسلیم ورضا ذکر

بدنی و مالی: نذر و منت - امتثال اوامر اجتناب نواہی - انفاق فی سبیل اللہ

نتائج دنیوی
۱- حریت و آزادی
۲- مکارم اخلاق سے آراستگی۔
۳- احترام انسانیت
۴- ربط وتعلق بحق
۵- قرب حق

نتائج اخروی
۱- جنت (ابدی سرور وراحت کی زندگی)
۲- درجات عالیہ جنت
۳- لقاء و دید رب۔

اجتماعی نتائج
نیکی - صداقت - راستبازی - باہمی یگانگت - محبت جرائم کی قلت

منازل ہوی علم باطل شرک وکفر یعنی
انکار علم حق یا ضعف تصدیق علم حق جو مورث امراض قلبی ہے۔

کبر عجب ریا طمع حسد بغض کینہ وغیرہ جو مورث جرائم ہیں

جرائم

موثر بہ جسم وجان — موثر بہ مال وجائداد — موثر بہ عزت وآبرو

نوٹ ۱- ان کا صدور انکار علم حق کے ساتھ ہو تو اس کی تعبیر قانون فطرت نے سرکشی وبغاوت سے کی ہے۔ ضعف تصدیق علم حق کی وجہ سے ہو تو فسق ومعصیت سے کی ہے۔

نوٹ ۲- یہ جرائم انفرادی حیثیت سے واقع ہوں تو علاوہ تعزیر- اجتماعی حیثیت سے ہوں تو جہاد بالسیف ہے۔

نتائج دنیوی
۱- سلب آزادی - نفس و شیطان ودیگر مخلوق کی غلامی۔
۲- لذات وشہوات میں انہماک
۳- مکارم اخلاق کا فقدان
۴- شر البریہ یعنی بدترین مخلوق ہونا۔
۴- حق سے بعد وغفلت

اجتماعی نتائج
شقاوت بے رحمی - نیکی و پارسائی کا فقدان۔
جرائم کی کثرت
قومی ہلاکت

نتائج اخروی
۱- ابدی نار بوجہ کفر وشرک
۲- عارضی نار بوجہ بدعت
۳- امکان دخول نار بوجہ فسق
۴- نقصان درجات بوجہ معصیت وشرک خفی واخفیٰ

نقشہ صدر کے فہم سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جرائم خواہ انفرادی حیثیت سے ہوں یا اجتماعی کفر و شرک وضعف تصدیق سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے درمیان واسطہ امراض قلبی کا ہوتا ہے اور کمالات انسانی علم توحید سے پیدا ہوتے ہیں جس میں ذات وصفات و افعال و آثار الٰہیہ واسطہ ہیں۔

نظام فطرت کا ناقابل تغیر و انکار ہونا یہ وہ الٰہی نظام ہے اور ایسے فطری اصول ہیں کہ ان کا انکار کسی طرح نہیں کیا جا سکتا نہ اس نظام میں کوئی تغیر ہو سکتا ہے لاتبدیل لخلق اللّٰہ لن تجد لسنۃ اللّٰہ تبدیلا۔ مثلاً اگر روز جزا کا انکار کیا جائے تو انسان کے دنیاوی اعمال خیر و شر کا عبث و مہمل ہونا لازم آئیگا اور یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ حق تعالیٰ جل شانہ کی ربوبیت دائمی نہیں ہے صرف حیات دنیاوی تک حق تعالیٰ کا تصرف انسان پر ہے اور بعد موت انسان اس کے تصرف سے باہر ہے اور اسکی قدرت میں عجز لازم آئیگا اور جنت و دوزخ کو ڈھکوسلا کہنا پڑیگا۔ تقدیر کا اگر انکار کیا جائے تو یہ انکار حق تعالیٰ کے علم ازلی و ابدی کی تکذیب کریگا اور علیم مطلق کو صفت جہل سے متصف تسلیم کرنا پڑیگا۔

انسانی حکومت غیر الٰہی کا نظام انسان کے خود ساختہ نظام حکومت میں بھی اس نظام الٰہی کا اثر پایا جاتا ہے کہ بعض اجزائے ایمانی کی مشابہت و مماثلت نظام حکومت کے لئے لازمی قرار دی گئی ہے۔

حکومت کا اپنے جور سرکشی کی حد تک مالک حاکم ہونا۔ نظام حکومت کے لئے جو منتظمین مقرر کئے گئے ہیں ان کا ناقابل انکار ہونا اور قوانین اور منتظمین قوانین کا مسلمہ ہونا اور قانون مرتبہ حکومت کی رو سے جو سزا و جزا رعایا کے اعمال پر مقرر کی گئی ہے اس کی پابندی بقائے حکومت کے لئے لازمی اجزاء ہیں۔ ورنہ سیاست میں تعطل کا پیدا ہونا اور نظام حکومت کا درہم برہم ہونا اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ غیر الٰہی نظام کو مطابق عقل سمجھنا اور الٰہی نظام پر جو اصلی اور حقیقی ہے اعتراضات کی بوچھار کرنا کیا دانشمندی پر مبنی سمجھا جا سکتا ہے یہ منکرین قانون فطرت کے لئے نہایت ہی اہم اور غور طلب مسئلہ ہے۔

انبیائی ادیان میں اجزائے ایمانیہ کا ثبوت اگرچہ امتداد زمانہ سے ان اجزائے ایمانیہ کا پتہ سابقہ انبیاء کے ادیان میں اس وقت چلانا دشوار ہو کیونکہ انسانی عقل بد اندیش کے دخل نامعقول اور تحریف و تصحیف سے یہ عقائد متاثر ہو گئے ہیں اور ان عقائد کی صورتیں مسخ ہو گئی ہیں جیسے ہندو مذہب میں جزا و سزا کا عقیدہ جو بعض حکماء کی فلاسفی سے متاثر ہو گیا اور اسی عالم کون و فساد میں انسان کے عملی حیثیات کے لحاظ سے بار بار جنم لینے کا خیال تواتر کے ساتھ پایا جاتا ہے وہ خود اصلی انبیائی مذہب کے ان اصول کا منافی معلوم ہوتا ہے لیکن مذہب

مذہب کی کتابوں میں ہی امتدادِ زمانہ اور فلسفیانہ افکار کے دخیل ہونے کے باوجود یہ عقیدہ صحیحہ جن کا ذکر ہم نے نقشہ میں کیا ہے جستہ جستہ پائے جاتے ہیں اور بیچارہ متبعین دین الٰہی اور دانش فلسفی کے متضاد مسائل سے دوچار ہو کر کوئی تسکین حاصل نہ کر سکا اور بالآخر مجموعہ روایات قدیم کا نام شاستر رکھ کر رسم و رواج کی تعبیر قانون سے کرنے لگا۔ ہندو مذہب کی کتابوں میں آریا کے پیش کردہ عقائد کے الفاظ ملتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے تنزیہی اعتبار کا نام "نراکار" پایا جاتا ہے۔ اور لفظ اوتار یعنی نبی یا رسول بھی ملتا ہے لیکن وحدت وجود باری کے غلط تصور و تعلیم نے یہ عقیدہ پیدا کر دیا ہے کہ خدا ہی انسانی صورت میں ہدایت کے لئے ظاہر ہوا ہے اور چونکہ حفاظت الٰہی ان ادیان کی باقی نہ رہی تھی اس لئے غلط تصورات نے اصلی صورت عقیدہ کو مسخ کر دیا "مہاپورلی" یعنی قیامت اور پاپ و پن یعنی ثواب و عذاب اور بیکنٹھ و نرگ یعنی جنت و دوزخ اور "پرالبد" یعنی تقدیر الٰہی ایسے الفاظ ہیں جو اس امر کا پتہ دیتے ہیں کہ بموجب دستور الٰہی "مَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ" اصلی اور نفس الامری عقائد پیغامبران وقت اپنے اپنے زمانہ میں پیش کرتے رہے لیکن دست برد عقول انسانی سے یہ عقائد اصلی حالت میں محفوظ نہ رہ سکے۔ اور تحریف و تصحیف کا شکار بن گئے۔

اعجاز قرآن جو قانون فطرت ہے

قانون فطرت (قرآن حکیم) کی فصاحت و بلاغت اور اس کے معجز ہونے کا واقعہ قرآن حکیم نے عرب کے مدعیان فصاحت و بلاغت کے سامنے اس دعویٰ کے ساتھ پیش کر دیا ہے کہ تم اور تمہاری ساری جماعت کلام الٰہی کے مقابل ایک ہی آیت پیش کرو۔ " فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ " کے بعد تمام فصحائے عرب جن کو اپنی زبان آوری اور بلاغت پر یہ گھمنڈ تھا کہ وہ اپنے مقابلہ میں دوسری اقوام کو (عجمی) گونگا سمجھتے تھے، اعتراف کرنا پڑا کہ " ما هذا كلام البشر " یہ انسانی کلام نہیں ہے۔

ہم بلاغت کا یہ دوسرا معجزہ پیش کرتے ہیں کہ کلمہ توحید میں سات لفظ ہیں

لا - الٰہ - الا - اللہ - محمد - رسول - اللہ -

جن میں لفظ اللہ مکرر واقع ہوا ہے حقیقۃً چھ لفظ ہیں۔ جو انسان کی حیات دنیاوی اور اخروی کے جملہ قوانین فوجداری، دیوانی، ملکی و مالی پر مشتمل ہیں اور جس کی تفصیل

کتاب وسنت میں درج ہے۔

گویا کلمہ طیبہ ایک تخم ہے کہ پورا درخت اور اس کے پتے پھول پھل سب اس میں مندرج ہیں اور آفرینش انسانی سے اس کی اخروی ابدی زندگی پر محیط و مشتمل ہے اور پورا قرآن حکیم واحادیث نبوی صلعم اسی ایک کلمہ کی تفصیل ہے۔ اسی طرح قانون فطرت نے جو نظام قانون تہذیب اخلاق۔ تدبیر منزل سیاست مدنیہ کا پیش کیا ہے وہ ایسا جامع و مانع ہے کہ حکمائے وفلاسفہ و مقننین حکومت غیر الٰہی نے بڑے بڑے قوانین کے پشتارے مدون کئے لیکن پھر بھی ان کے مدونہ قوانین حکومت کو نہ وہ جامعیت نصیب ہوئی جو قانون فطرت کو حاصل ہے اور نہ وہ نقائص ومعائب سے پاک وصاف و محفوظ رہ سکتے۔

شریعت محمدیہ صلعم کے نفاذ کے بعد حکمائے متاخرین نے تو حکمائے متقدمین کی حکمت علمی کی تعلیم وتعلم سے دست برداری کرلی جس کی تصریح ہم نے الحق رسالہ نمبر (۳) صفحہ (۳۷) پر کی ہے۔

اب ہم حکومت غیر الٰہی کے مقننین کی محنتوں اور کاوشوں کا نتیجہ پیش کرتے ہیں۔

ان مقننین نے نظام سیاست کے لئے عام تعزیرات کے علاوہ مختلف قوانین مختص الامر۔ مختص المقام کے عنوان سے مرتب کئے جن کا منشاء یہ تھا کہ جرائم کا انسداد ہو۔ لیکن کثرت جرائم کا یہ حال ہے کہ امریکہ جیسے مہذب ملک میں اخبار پانیر نے لکھا تھا کہ "امریکہ میں سالانہ اوسطاً ایک لاکھ ڈاکے پڑتے ہیں اور پانچ لاکھ کے قریب چوریوں کی تعداد ہے۔ پانیر الہ آباد۔ ۱۱ر جنوری سنہ ۱۹۳۰ء۔

۱۹۳۱ء میں یکرشم کمشنر نے جو رپورٹ امریکہ کے متعلق حکومت کے آگے پیش کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ چوریوں۔ نقب زنیوں۔ جعل سازیوں۔ غبن وغیرہ جرائم کی تحقیقات کے سلسلہ میں حکومت پونے تین ارب روپیہ خرچ کرتی ہے" سچ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۳۱ء۔

قانون فطرت کی تمام تفصیلات پیش کرنے کا یہ محل نہیں ہے۔ ہم صرف جرائم موثر بہ جسم وجان کے متعلق مقنن فطرت نے جو جامع اصول عطا فرمایا ہے جس کو صفحات ماقبل میں پیش کیا گیا ہے اس کا اعادہ کرتے ہیں۔

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ ۔۔۔ برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔

ان الفاظ کی جامعیت اور وسعت قتل عمد اور ضرر جسمانی کی تمام اشکال اور انکی سزاؤں پر حاوی ہے متقنین حکومت غیر الٰہی نے جرائم کی جتنی صورتیں تبلائی ہیں اور ان کی سزاؤں کی جسقدر تفصیل کی ہے ان سب پر یہ چار لفظی قاعدہ حاوی ہے اور اس کے ساتھ ہی عدل کے نقطہ معتدل کو جس خوبی سے اس جملہ میں واضح فرمایا ہے اس سے یہ صاف واضح ہوتا ہے انسانی عقل و دماغ کا اس میں دخل نہیں ہے غیر الٰہی حکومت کے قانون میں عدل کا یہ معیار عنقا کی طرح معدوم ہے۔ پھر اس اجمالی قاعدہ کی یہ تفصیل کر دی۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ۔ (مائدہ ع ۶ پ ۶)

اور ہم نے ان پر توریت میں یہ بات فرض کی ہے کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے

قانون فطرت کی تلاوت سے واضح ہوتا ہے کہ وقوع جرائم سے پہلے ہی جرائم کی سبیل بند کرتا ہے۔ اور اس باب میں ایک خاص نظام ہے۔ بعض تنظیمات تو ایسی ہیں کہ انسانی حکومتیں بھی ان کو خوب جانتی ہیں کہ ان کا اجرا نہایت ضروری ہے لیکن ہوائے نفسی اور اغراض ذاتی کے تحت ان کو نظر انداز کرتی ہیں۔

شعبہ عدلیہ کا ہر کام کرنے والا جانتا ہے اور اس کا یہ تجربہ ہے کہ جرائم کے وقوع میں شراب و دیگر مسکرات کو بڑا دخل ہے اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ فی صدی (۵۰) جرائم مسکرات کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں۔

اور اکثر جرائم پیشہ ارتکاب جرائم میں سہولت پیدا کرنے کے لئے مسکرات کا استعمال کرتے ہیں کیونکہ عقل و حواس ارتکاب جرائم میں مانع و مزاحم ہیں اور مسکرات عقل و حواس کو زائل کرتی ہیں اور ازالہ عقل کے بعد قوت غضبی اور شہوی کو اپنی کارفرمائی کا اچھا موقع ملتا ہے۔ اسی لئے قانون فطرت نے شرب خمر پر (۸۰) درے تک حد مقرر فرمادی ہے اور دیگر مسکرات میں بھی تعزیر مقرر کی ہے جو (۳۹) دروں (تازیانہ) تک

دی جا سکتی ہے۔

واضعان قوانین حکومت انسانی اس روز مرہ تجربہ کے بعد بھی شراب اور دیگر مسکرات کے استعمال پر کوئی سزا مقرر نہیں کرتے کیونکہ اس سے ملک کی آمدنی متاثر ہوتی ہے

یہ مسئلہ بھی واضعان قوانین حکومت انسانی پر کھلا ہوا ہے کہ جرائم زنا میں انسان کی نظر کو بڑا دخل ہے۔ اس لئے قانون فطرت نے مردوں کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنی نظر نیچی رکھیں اور غیر محرم عورتوں پر نہ ڈالیں تاکہ نفس کی خیانتوں کی روک تھام ہو۔

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم — مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں
ویحفظوا فروجھم ذالک — اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں اس میں
ازکیٰ لھم (النور ۔ ع) — ان کے لئے (نفس کی) پاکی ہے۔

اور عورتوں کو بھی پابند کیا ہے کہ وہ بے پردہ گھر سے باہر نہ نکلیں۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ — تم اپنے گھروں میں رہو اور قدیم دستور جاہلیت
تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (الاحزاب ع) — کے موافق مت پھرو۔

یہ تو وہ قوانین ہیں جن کو حکومت غیر الٰہی کے مقنن جانتے ہیں لیکن اغراض ذاتی اور ہوائے نفسی کے تحت ان کو جاری نہیں کیا جاتا۔ عموماً جرائم مالی کا وقوع طمع زر کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے قانون فطرت نے ہر ذی استطاعت پر سالانہ زکوٰۃ کی شرط عائد کی ہے اور صدقات و خیرات کی پر اثر ترغیب دلائی جس کا خاصہ یہ ہے کہ طمع و ہوس کا مرض قلوب انسانی سے زائل کرے اور غرباء و مفلسین کو فاقہ کشی سے نجات دلائے تاکہ وہ بھی جرائم سے محفوظ رہیں اور چونکہ سود خواری موجب زیادتی طمع مال تھی اس لئے اس کو اور اس کے تمام اشکال کو قطعاً حرام قرار دیا۔

فواحش و منکرات کا ظہور جن کی اصل کبر و عجب و ریا ہے انسان کے اپنے الوہیت و مالکیت و حاکمیت کے تصور سے پیدا ہوتا ہے اس لئے قانون فطرت نے نماز فرض قرار دی ہے اور اس کا خاصہ صاف طور پر بیان کیا ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ — نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

تاکہ انسان اپنی عاجزی و بے بسی کا روزانہ پانچ مرتبہ مطالعہ خود اپنی فطرت میں کرے اور خوف وخشیت الٰہی کا غلبہ اعمال قبیحہ کے ارتکاب سے اس کو باز رکھے۔ اپنے اعمال کی جوابدہی کا احساس بھی انسان کے اخلاق کو بہت درست رکھتا ہے اس لئے یوم آخر یعنی پرسش و جزائے اعمال ہر انسان کے لئے قانون فطرت نے لازمی قرار دیا ہے اور قانون فطرت میں جابجا اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے۔ یہ وہ تدابیر حفظ ما تقدم ہیں جو مقننین حکومت غیر الٰہی کی نظروں سے اوجھل ہیں۔

الغرض حکومت انسانی کا یہ دعویٰ کہ قانون بہبودی خلائق کے لئے موضوع ہے کسی طرح ان قوانین سے ثابت نہیں کیا جا سکتا نہ ان میں قبل وقوع جرائم کوئی انسدادی طریقہ مقرر ہے نہ بعد وقوع جرائم تجویز سزا میں عدل کا ایسا معیار کہ انسانی ارتکاب جرائم پر جسارت نہ کر سکے کیونکہ غیر الٰہی نظام میں اکثر سزائیں قید کی ہیں اور تجربہ اس کا شاہد ہے کہ قیدی جب جیل خانہ کا عادی ہو چکتا ہے اور ایک دفعہ سزا پا لیتا ہے تو ارتکاب جرائم میں اور دلیر ہو جاتا ہے۔ فطرت انسانی کے مطالعہ سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سزائے قید اصلاح عمل و عبرت خلائق کے لئے قطعاً مفید نہیں ہے بلکہ محرک جرائم ہے اس لئے قانون فطرت میں مخصوص اشکال کے سوا سزائے قید نظر نہیں آتی۔

انسانی آزادی | قانون فطرت کے جو احکام اس وقت تک ہم نے پیش کئے ہیں ان کا تعلق انسداد جرائم اور استیصال فتن و فساد سے تھا اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ان جرائم و فسادات کا اصلی مبدء کفر و شرک ہے جن کا استیصال بغیر ایمان و توحید ناممکن ہے۔ اب ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آزادی کا حصول بھی ایمانیات کی استقامت اور اس کے عمل پر موقوف ہے اور شرک و کفر جو اضداد ایمان و توحید ہیں غلامی کی اساس و بنیاد ہیں پس شرک و کفر کا استیصال غلامی کا استیصال ہے اور توحید و ایمان کا حصول آزادی کا حصول ہے۔

اب دو امر تنقیح طلب ہیں ایک یہ کہ آزادی جس کے حصول کے لئے آج دنیا بے چین ہے اس کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ حصول آزادی کا طریقہ کیا ہے۔

مفہوم آزادی کے تعین کے لئے ہم کو انسان کی باہم نسبتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے

انسانی نسبتیں | انسان جب دنیا میں آتا ہے تو مختلف نسبتیں اس کی ولادت کے ساتھ ہی وابستہ ہوتی ہیں۔ اس کو اپنے خالق کے ساتھ بھی نسبت ہے اور ساری کائنات سے بھی نسبت ہے مثلاً خالق کے ساتھ اس کو مخلوق کا اور مربوب ہونے کی حیثیت سے ربوبیت کا اور مملوک ہونے کی حیثیت سے ملک کا علاقہ ہے اور اسی طرح اس کی ان گنت نسبتیں اپنے خالق سے وابستہ ہیں۔

اور دیگر مخلوقات سے بھی اس کی نسبتیں ہیں مگر ہم کو ان نسبتوں سے بحث ہے جو خود اس کی اپنے بنی نوع کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مثلاً وہ اپنے بنی نوع میں کسی کا بیٹا ہے تو کسی کا بھتیجا ہے۔ جب وہ سن رشد و تمیز کو پہنچتا ہے تو کسی کا شوہر ہے اور کسی کا باپ۔ جب وہ معاملات کی دنیا میں آتا ہے تو کسی کا دائن ہے اور کسی کا مدیون کسی کا موصی ہے تو کسی کا موصی لہٗ اور وصی۔ کہیں راہن ہے تو کہیں مرتہن۔ کسی کا امیر ہے تو کسی کی رعایا۔ ان نسبتوں و اضافتوں کی کوئی تحدید و تقیید نہیں پیدائش سے لیکر اس عالم فانی سے رخصت ہونے تک ہزاروں نسبتوں میں مقید ہے اور ہر نسبت کے لحاظ سے قانون کے جدا گانہ احکام اس سے متعلق ہیں۔

حق و فرض | اور ہر نسبت اس کو ایک حق عطا کرتی ہے اور ایک فرض و ذمہ داری اس پر عائد کرتی ہے اور یہی حق و فرض تمام قوانین تمدن کے اصول موضوعہ میں ہے جس کو قوانین دیوانی و فوجداری و مالگذاری و بین الاقوامی سے حکومتوں نے موسوم کیا ہے۔ یہی نسبتیں مفہوم آزادی کے تعین کے لئے نہایت اہم ہیں۔

ان نسبتوں کی تقسیم و تجزی کی جائے تو جملہ نسب و اضافات کی تقسیم یوں کیجا سکتی ہے

(۱) انسان کی نسبت اس کے خالق سے (۲) انسان کی نسبت مخلوق سے۔

پھر قسم دوم کی بھی دو نسبتیں ہیں۔

(۱) انسان کی نسبت خود اپنے بنی نوع سے (۲) انسان کی نسبت دیگر مخلوقات ارضی و سماوی سے

اگر آزادی کا مفہوم یہ لیا جائے کہ انسان ان تمام قیود و نسبتوں سے باہر ہو جائے تو یہ انقطاع خود انسان کے عدم و فنا کی طرف منجر ہوگا اور یہ محال ہے کیونکہ انسان خود متعین و محدود ہے

رنگ روپ شکل و صورت مکان و زمان سے اور ان قیود سے جدا ہونے کی سعی نہ کی جاسکتی ہے اور نہ یہ مقصود قوم ہے۔

اگر آزادی ان معنوں میں تصور کی جائے کہ ہر فرد انسانی اپنے بنی نوع اور دیگر مخلوقات سے کوئی نسبت و تعلق نہ رکھے تو یہ صورت بھی ناممکن ہے اگرچہ وہ رہبانیت و جوگیت اختیار کرکے صحرائی زندگی کیوں نہ بسر کرے۔ اس لئے کہ لق و دق صحرا میں بھی کم از کم اس کا ہوا، پانی، زمین آسمان سے تعلق ہے اور یہ تعلق منقطع نہیں ہوسکتا۔ یہ صورت بھی مقصود قوم نہیں ہے۔ کیونکہ جس آزادی کی تلاش ہے وہ انسان کی اپنی حاکمانہ زندگی سے ہے اور قانون فطرت نے انسان پر یہ واضح کر دیا ہے کہ تمام ارضیات و فلکیات انسان کی خادم ہیں

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (لقمٰن ع) کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔

اور مشاہدہ و تجربہ انسانی بھی یہی واقعہ ثابت کرتا ہے کہ انسان اس کائنات ارضی و سماوی میں مخدوم ہے خادم نہیں حاکمانہ زندگی بسر کرنا اس کی شان ہے محکومانہ اور غلامانہ زندگی اختیار کرنا اس کا پوزیشن نہیں۔ اس مقام سے ایک بحث پیدا ہوتی ہے کہ جب ساری کائنات انسان کے لئے ہے تو پھر انسان کس کے لئے ہے۔ قانون فطرت نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ انسان اللہ ہی کا عبد ہے اور اسی کی غلامی کے لئے مختص ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ نہیں پیدا کیا میں نے جن و انس کو مگر میری بندگی (غلامی) کے لئے۔

اور فطرت انسانی کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ایسے آقا کی غلامی اختیار کی جائے جس کی ربوبیت و پرورش سے ایک لمحہ کے لئے بھی جدائی کا تصور کیا جائے تو اس کی بقا محال ہو۔ اور محض یہی نہیں بلکہ رحمٰن بھی ہو رحیم بھی ہو۔ عفو بھی ہو کریم بھی ہو۔ اگر آزادی کا مفہوم یہ لیا جائے کہ تمام افراد انسانی دولت میں مساوی ہو جائیں اور سرمایہ داری نظام دنیا میں باقی نہ رہے تو اس کا نتیجہ قوائے فکری و عملی کا تعطل ہوگا اور انسانی جذبات رحم و کرم ایثار و محبت اور حصول تفوق و ترجیح بین الناس فنا ہونگے جس کا نظارہ حامیان فنائے

نظام سرمایہ داری (ہیگل مارکس و اسٹالین) دیکھ چکے ہیں اگر آزادی کا مفہوم یہ فرض کیا جائے کہ انسان کا ہر فرد مقتدر اعلیٰ بن جائے اور کسی حکومت کے زیر سایہ نہ رہے تو اس کا نتیجہ نظام تمدن کا ابطال ہوگا۔ اور یہ بھی محال ہے کیونکہ انسان بالطبع مدنی واقع ہوا ہے اور طبعی نظام سے جدا ہو نا خود اپنے ہاتھوں اپنی موت کے سامان فراہم کرنا ہے۔

اس غور و فکر سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ خالق و مخلوق سے جتنی نسبتیں ہیں ان نسبتوں سے انقطاع تعلق مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود اصلی یہ ہے کہ یہ نسبتیں جو واقعی اور نفس الامری ہیں ان کی تصحیح کی جائے کہ انسان کی نسبت اس کے خالق سے کیا ہے اور دیگر مخلوقات سے کیا اور ان نسبتوں اور ان کے احکام میں فطرت کے خلاف کوئی تصادم نہ ہو۔ یعنی یہ کہ

(۱) خالق کی نسبتوں میں مخلوق کو شریک نہ کرے (۲) مخلوق کی نسبتوں میں نہ خالق کو شریک کرے اور نہ خالق کا ربط و تعلق زائل کرے۔

لہذا آزادی کا صحیح مفہوم یہ ہوا کہ کائنات کی ہر شے اپنے محل پر صحیح ہے۔ انسانیت کا فرض صرف یہ ہے کہ ان نسبتوں میں جو غلطیاں واقع ہو رہی ہیں ان کے قید و بند سے محفوظ رہے۔ یہی اس کی آزادی ہے۔

ہر انسان کی یہ خواہش ہے کہ مصائب و آفات مشکلات دنیاوی و اخروی میں کوئی قوت اس کی راہ نما معین و مددگار رہے اور یہ بھی اس کا جذبہ ہے کہ اپنے مساوی یا اپنے سے کمتر کی غلامی و بندگی سے محفوظ رہے

قانون فطرت نے ان ہی جذبات کے مطابق اس کو یہ حکم دیا ہے کہ

اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (سورۂ یوسف ۵ ع)　　اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی راست دین ہے۔

پس لازمی طور پر ہم کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ انسان کو ایک ایسی ازلی و ابدی ذاتِ قدسی صفات کی غلامی ضروری ہے کہ جس کے قید میں داخل ہونے کے بعد کسی اور کی غلامی باقی نہیں رہتی حتیٰ کہ وہ اپنے ذاتی خیال کی قید و بند سے آزاد ہو جاتا ہے۔

سلطان بے نیازم چوں سرو سرفرازم　　ہم بندہ کیستم مثل کمان خمیدہ

لیکن حق کے ساتھ باطل نور کے ساتھ ظلمت جمالیات کے ساتھ جلالی تجلیات جب تک باہم گر دست و گریباں نہ ہوں حسن باطن جلوہ گر نہیں ہو سکتا اس لئے ہر زمانہ میں حق کے ساتھ باطل دوش بدوش رہا ہے۔ حضرت آدمؑ کے ساتھ ابلیس نے نہ جنت میں ساتھ چھوڑا نہ دنیا میں۔

ہر زمانہ میں حضرات انبیا علیہم السلام نے یہی تعلیم دی تھی کہ انسان آزاد ہے اگر غلام ہے تو صرف ایک اللہ واحد و قہار ہی کا لیکن نفس و شیطان ان جذبات آزادی کو انبیا پرستی اولیا پرستی ملائک پرستی یا حیوانات و نباتات کی پوجا پاٹ میں فنا کرتے رہے۔

دور حاضر کے انسان نے باوجود ادعائے تہذیب و شائستگی و مطالبہ آزادی زمانہ کی جدت کے ساتھ بت تراشی میں بھی جدت کی اور اپنے آبا و امہات سے کہدیا کہ

بیزارم از آں کہنہ خدائے کہ تو داری۔

اور دو نئے بت قوم و وطن کے تراش لئے۔ اب خدا پرستی کے نام سے عرقِ انفعال میں غرق ہو جاتا ہے اور وطن پرستی و قوم پرستی پر اس کو فخر و ناز ہے۔

رپٹ لکھوائی گئی یا روئے جا کے یہ تھانہ میں کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

اقوامِ سلف کی تاریخ تو یہی سبق دیتی ہے کہ آزادی ہمیشہ شرک سے چھین لی جاتی ہے اور انسانوں کی غلامی کا طوق انسان کی گردن میں ڈالا جاتا ہے اور فقط غلامی ہی نہیں بلکہ انسان جس کی قدر کے مقابلہ میں فرشتہ بھی حقیقت نہیں رکھتا چارپایہ بن کر رہ جاتا ہے۔

اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ یہ لوگ چارپایہ بلکہ اس سے بھی بدتر ہیں۔

عاد و ثمود کے تاریخی واقعات پر نظر ڈالئے دور کیوں جائیے اسی عصر جدید میں جرمنی کی ہٹلریت اور جاپان کی شہ پرستی اور تمام یورپ کی تباہی و بربادی ان ہی آنکھوں نے دیکھا ہے جو مالکیت و حاکمیت نفسی کے نتائج تھے۔

ان واقعات کو بھی تھوڑا عرصہ گذر چکا ہے۔ موجودہ ہندستان کی فضا جو آپ کے سامنے ہے کتنی تاریک ہے اس پر غور فرمائیے کہ اس کے اسباب و علل کیا ہیں۔ کیا یہ نتائج حقیقتاً شوراج سے پیدا ہوئے ہیں یا سوراج کا اثر تھا یا ایک ہی اللہ واحد و قہار کی

مالکیت و حاکمیت کی تسلیم و تصدیق کا۔

سو ابتک نام نہاد آزادی کے حصول سے پہلے جبکہ انگریزی حکومت کی غلامی میں ہندوستان زندگی بسر کر رہا تھا لیگ اور کانگریس دست بہ گریباں تھے کہ اپنی اپنی جماعتوں کے اعداد و شمار کے لحاظ سے حکومت قومی کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں۔ سکھ۔ پارسی۔ ہریجن۔ عیسائی بھی اپنا اپنا مقام دائرہ حکومت میں تلاش کر رہے تھے۔

اکثریت یہ جانتی تھی کہ کثرت تعداد ہمارے حق میں فیصلہ کرے گی۔ لیکن

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً
بہت سی تھوڑی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب ہو گئیں۔

کے استشعار سے ذہن خالی تھا اور "دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند و دہ درویش در گلیمے بخسپند" کا مقولہ ان جماعتوں کے ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا تھا۔

اکثر و بیشتر لیڈران قوم کا نظریہ تو یہ تھا کہ حصول آزادی میں مانع و مزاحم اختلافات ملی و قومی کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے اس لئے تجویز حصول آزادی یہ تھی کہ ہندو مسلم، سکھ، پارسی، ہریجن، عیسائی کا لیبل ہر فرد قوم اپنے ماتھے سے نکال کر پھینک دے اور صرف دھرتی ماتا کا سپوت بن کر رہے ہر شخص کا یہی ایک مذہب ہو کہ وہ ہندوستانی ہے نہ مسلمان کو اسلام سے مطلب رہے نہ ہندو کو دھرم سے غرض نہ سکھ کا تعلق گرنتھ سے ہو نہ عیسائی کو انجیل سے جو محض ایک سیاسی چال تھی اور اسی کو فلاح و بہبودی کا واحد ذریعہ سمجھا گیا مگر واقعات پیش آمدہ بتا رہے ہیں کہ فلاح و صلاح، امن و سکون، راحت و آسائش کے بجائے ارض ہند میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں اور ہندوستان انسانوں کی نہیں بلکہ درندوں کی آبادی معلوم ہو رہی ہے۔ ستر سال کی ان تھک کوششوں کے بعد چند مہینہ کی آزادی میں جو نتائج برآمد ہوئے ہیں وہ اس امر کا اعلان کر رہے ہیں کہ مقدس مہاتماؤں اور عالموں و لیڈران قوم نے آزادی کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے بغیر کوشش جاری رکھی تھی اور یہ نتائج اس ذہنی غلامی کے تھے جس کو قانون فطرت نے کھول کھول کر بتایا تھا کہ

مالکیت و حاکمیت الٰہی کے سوا دوسرے کی مالکیت و حاکمیت ہوائے نفس ہے اور یہی بندگی نفس مانع آزادی ہے تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں ہمیشہ نظام حکومت دو قسم کا رہا ہے۔

الف نظام حکومت الٰہیہ (ب) نظام حکومت غیر الٰہی

نظام حکومت الٰہی میں مالکیت و حاکمیت کا حق حقتعالیٰ جل شانہ کے لئے مختص ہے اور خلیفہ مظہر حکومت الٰہی ہوتا ہے جس کا انتخاب قوم دین و تقویٰ کے لحاظ سے کرتی ہے اور اس کو بھی صرف وہی حق حاصل ہوتا ہے جو رعایا کو حاصل رہتا ہے۔ وہ عام رعایا سے کوئی زیادہ حق نہیں رکھتا۔

غیر الٰہی نظام میں حکومت ایک ہی فرد انسانی کی ہوتی ہے خواہ وہ خاندانی ہو یا جمہوری اور جمہوری حکومت میں بھی عوام کی رائے یا تو صدر میں ضم ہو جاتی ہے یا صدر کی رائے عوام میں ضم ہو کر وہی صدر کی رائے قرار پاتی ہے یعنی ایک انسان دوسرے انسانوں پر حکومت کرتا ہے بنیادی و اصولی فرق صرف اس قدر ہوتا ہے کہ حکومت الٰہی کا نظام عادلانہ و حکیمانہ و مصلحانہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ عادل و حکیم و خبیر کا نافذہ ہوتا ہے اور غیر الٰہی نظام حکومت جاہلانہ، خود غرضانہ، ظالمانہ و مفسدانہ ہوتا ہے

آزادی کی بنیاد مساوات کی نسبت ہے | اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ آزادی کی حقیقی اساس و بنیاد کیا ہے۔

ہر انسان کو اپنے خالق و مالک حقیقی سے جو نسبتیں ہیں ان میں ایک نسبت بندگی کی ہے کہ تمام افراد انسانی اسی ایک ذات واحد لاشریک لہٗ کے بندے ہیں اور اس نسبت میں تمام افراد انسانی مساوی ہیں کسی کو کسی پر فضیلت و ترجیح نہیں ہے خواہ وہ گورے ہوں یا کالے عربی الاصل ہوں یا ہندی نژاد، یورپ و امریکہ کے باشندے ہوں یا ایشیا و افریقہ کے بسنے والے۔

سب کے سب ایک ہی خط مساوات پر ہیں اس نسبت سے باہم افراد انسانی میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

حضرت پیغمبر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔

الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے

اسی لئے مقنن فطرت (حق تعالیٰ جل شانہ) نے عبادات میں بھی مساوات و یکسانیت کے احکام دیئے ہیں تاکہ انسانی ذہن مساوات کی نسبت سے خالی نہ ہو۔

نماز روزہ حج زکوٰۃ تمام افراد انسانی پر یکساں فرض کئے گئے ہیں اور پھر ان عبادات کی اجتماعی حیثیت بھی مساوات سے خالی نہیں ہے کہ تمام افراد انسانی بحالت نماز و حج باہم گردوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں خواہ وہ آقا ہوں یا غلام۔ کسی آقا کی مجال نہیں ہے کہ اپنے غلام کو اپنی صف میں اپنے برابر جگہ دینے سے باز رکھے۔

مال و دولت فقر و امارت نسب و خاندان کا اس نسبت میں کوئی مقام نہیں ہے شاہ ہوں یا گدا سب برابر ہیں۔

له ملك السموات والارض۔ آسمان و زمین میں اسی کی حکومت و شاہی ہے

یاایها الناس انتم الفقراء الی الله اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ

والله هو الغنی الحمید۔ بے نیاز اور قابل ستائش ہیں۔

مساوات انسانی کی شہادت | یہ تاریخی شہادت ہے کہ قانون فطرت کے آئینہ میں تمام دنیا کی قوموں میں عرب کے پیروان صحیفہ فطرت نے جس طرح بلا لحاظ قوم و نسل انسانی مساوات کے جذبات کی صحیح تصویر کھینچی ہے دنیا کی کسی قوم نے فطرت کی ایسی آئینہ داری نہیں کی۔

سیدنا عمرؓ نے جب معرکہ جنگ قادسیہ میں حضرت سعد کو امیر جنگ بنا کر بھیجا تو روزانہ سورج نکلتے مدینہ سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے ایک دن معمول کے موافق نکلے ادھر سے ایک شتر سوار آرہا تھا بڑھ کر پوچھا کہ کہاں سے آتے ہو وہ سعد کا قاصد تھا اور نوید فتح لیکر آرہا تھا جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کئے اس نے کہا کہ خدا نے مسلمانوں کو فتح و کامیابی عطا فرمائی۔ حضرت عمرؓ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے تھے۔

شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جو شخص سامنے آتا ہے آپ کو امیر المومنین کے

لقب سے یاد کرتا ہے۔ ڈر سے کانپ اٹھا اور کہا کہ حضرت نے مجھکو اپنا نام کیوں نہ بتایا
کہ میں گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا فرمایا کچھ ہرج نہیں تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو چنانچہ اسی طرح
رکاب کے ساتھ ساتھ دولت خانہ تک آئے مدینے پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری
سنائی اور ایک نہایت پر اثر تقریر کی جس کا آخری فقرہ یہ تھا کہ مسلمانو میں بادشاہ
نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہوں میں خود خدا کا بندہ ہوں البتہ خلافت کا بار میرے سر پر ہے
اگر میں اسی طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھر میں سو سکیں تو میری سعادت ہے اور
اگر میری خواہش یہ ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے میں تم کو
تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے اور یہ واقعہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا
مشہور ہے کہ سفر بیت المقدس میں نصف راستہ خود اونٹ پر سوار ہوتے ا
نصف راستہ غلام کو سوار کراتے۔ محکمہ عدالت میں شاہ و گدا امیر و غریب بر
سمجھے جاتے تھے اور خلیفہ ممدوح مساوات کے تجربہ و امتحان کے لئے خود مدعا علیہ
بن کر جاتے تھے اور اپنے فریق کے برابر بیٹھ جاتے تھے۔

جبلہ بن الایہم غسانی شام کا مشہور رئیس تھا جس نے قانون فطرت
قبول کر لی تھی۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں
آگیا جبلہ نے غصہ سے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اس شخص نے بھی برابر کا جوا
جبلہ غصہ سے بے تاب ہو گیا اور حضرت عمرؓ خلیفہ وقت سے شکایت کی حضرت
فرمایا کہ تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم
کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہ
حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام (قانون فطرت) نے
سب کو ایک کر دیا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے کہ جس میں شریف
کی کچھ تمیز نہیں ہے تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا
عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی خاطر سے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔

اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ (باقی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ

حقیقت یہ ہے کہ بعض تمام اس رسالہ کی آمدنی ذرائع آمدنی [illegible]

ہیں ذہنی معصیت سے محفوظ رہنے کیلئے اس واقعہ کو ظاہر کیا جاتا

کی آمدنی بعد وضع حقیقی اخراجات دین کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے وقف

توفیق الٰہی وبحمدہ مرتب رسالہ کی ذات رسالہ کی آمدنی سے مستفید نہ

لئے مالی تعاون کی درخواست نہیں ہے بلکہ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ

[illegible] کار خیر کا اجر پائیں گے۔

لقب سے یاد کرتا ہے۔ ڈر سے کانپ اٹھا اور کہا کہ حضرت نے مجھکو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا فرمایا کچھ ہرج نہیں تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو چنانچہ اسی طرح رکاب کے ساتھ ساتھ دولت خانہ تک آئے مدینے پہونچکر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی اور ایک نہایت پر اثر تقریر کی جس کا آخری فقرہ یہ تھا کہ مسلمانو میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہوں میں خود خدا کا بندہ ہوں البتہ خلافت کا بار میرے سر پر ہے اگر میں اسی طرح تمھارا کام کروں کہ تم چین سے گھر میں سو سکیں تو میری سعادت ہے اور اگر میری خواہش یہ ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے میں تمکو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے، اور یہ واقعہ بھی حضرت عمرؓ کا بہت مشہور ہے کہ سفر بیت المقدس میں نصف راستہ خود اونٹ پر سوار ہوتے اور نصف راستہ غلام کو سوار کراتے۔ محکمہ عدالت میں شاہ و گدا امیر و غریب سب ہم مرتبہ سمجھے جاتے تھے اور خلیفہ ممدوح مساوات کے تجربہ و امتحان کے لئے خود عدالتیں فریق مقدمہ بن کر جاتے تھے اور اپنے فریق کے برابر بیٹھ جاتے تھے۔

جبلہ بن الایہم غسانی شام کا مشہور رئیس تھا جس نے قانون فطرت کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا جبلہ نے غصہ سے اس کے منہ پر تھپیڑ کھینچ مارا۔ اس شخص نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ غصہ سے بیتاب ہوگیا اور حضرت عمرؓ خلیفہ وقت سے شکایت کی حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس مرتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام (قانون فطرت نے) پست و بلند کو ایک کردیا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے کہ جس میں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں ہے تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی خاطر سے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔

اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ (باقی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ

حقیقت یہ ہے کہ بعض قیاس و گمان ذہنِ انسانی کی غیر صحیح حرکت ہیں ذہنی معصیت سے محفوظ رہنے کیلئے اس واقعہ کو ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ رسالہ کی آمدنی بعد وضع حقیقی اخراجات دین کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے وقف رہیگی بہ توفیق الٰہی و بحمدہٖ مرتب رسالہ کی ذات رسالہ کی آمدنی سے مستفید نہ ہوگی اس لئے مالی تعاون کی درخواست نہیں ہے بلکہ فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَیۡرًا فَهُوَ خَیۡرٌ لَّهٗ اہل خیر ہی کارِ خیر کا اجر پائیں گے۔

لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم

تحقیق ہم نے تمھاری طرف کتاب بھیجی ہے اس میں تمھارا ذکر ہے

ماہنامہ

فطرتِ انسانی کا تذکرہ

مرتبہ

صفوۃ الرحمٰن صابر

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فہرست مضامین

بابتہ ماہ صفر ۱۳۶۷ھ جلد ۱ عدد ۸

فی پرچہ (۸ر - سالانہ ؏لے) تعاون حسب استطاعت

صفوۃ الرحمٰن صابر نے اعظم اسٹیم پریس سے طبع کرواکر دفتر رسالہ "الحق" دیوڑھی شہریار جنگ محلہ سلطان شاہی حیدرآباد دکن سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں تو حق باطل کا دماغ پاش پاش کر دیتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے

شذرات

دین کی طرف دعوت دیتے ہی بلا تامل سوال کیا جاتا ہے کہ کیا دنیا کو ترک کر دیا جائے؟ دین کے اعتبارات اور اسلامی تعلیمات کو سنتے ہی کہدیتے ہیں کہ تسبیح و تہلیل کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ دنیا و دین کے علیحدہ علیحدہ ہونے کا فرسودہ خیال تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ دین دار اور دین سے بیزار سب ہی کے دماغوں میں اس شدت سے جاگزیں ہے کہ دین کا نام زبان سے نکالتے ہی یہ تصور قائم ہو جاتا ہے کہ دنیا سے ہٹ کر کوئی علیحدہ بات کہی جا رہی ہے واقعہ یہ ہے کہ دین و دنیا کی تفریق افترائی ادیان کے پیرؤوں کے دماغ کی پیداوار ہے جس کو افسوس ہے کہ دین حق کے متبعین نے بھی اس طرح قبول کر لیا کہ بالکل ان کے ہمنوا ہو گئے دین کی صحیح تعلیم و تربیت نہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ نہ صرف دین حق کے پیرو اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے بلکہ غیر مسلم صدہا سال کی ہم نشینی کے باوجود بھی اسلام کو نہ سمجھ سکے۔

زندگی پر خیالات کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے تفریق دین و دنیا کا باطل خیال دماغوں پر مسلط ہو جانے سے مسلمانوں کی زندگی سے اسلام کا ایک ایک جزو خارج ہوتا گیا ٹھنڈے دل سے اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو بہ یک نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ جو خیال و عمل اسلامی ہے۔ ہم اس کے

تارک نہیں اور جو امور غیر اسلامی بشعائر شریعت خلاف کتاب و سنت ہیں ان پر عامل اور شدت سے اس کے پابند ہیں اور زمانہ کی آب وہوا سے اس کی جڑیں اس قدر مضبوط ہوتی جارہی ہیں کہ ادعائے دین و ایمان کے باوجود ان غیر اسلامی عناصر کے خلاف زبان ہلانے والے کی بات ناگوار خاطر ہوتی ہے۔ غرض دین و دنیا کی تفریق اور خداشناسی و خداپرستی کے لئے ترک دنیا کا لزوم شیطانی خیال ہے، شیطانی تعلیم ہے، خدا کی تعلیم نہیں ہے جو لوگ اس کو خدا کی تعلیم سمجھتے ہیں وہ صریحاً خدا پر جھوٹ باندھ کر اپنی ذات پر اور اپنے پیروؤں پر ظلم کر رہے ہیں یعنی انسان کو اس کے فطری حق سے محروم کر رہے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔ ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔

انسان کو اس کے فطری حق سے روکنا انسان کو پیدا کرنے والے کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسے ظالموں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ سن لو کہ ایسے ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

لعنت الٰہی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ تلاش حق کے باوجود ہدایت حق نصیب نہیں ہوتی۔ اور یہ لعنت اس وقت تک برستی رہتی ہے جب تک اعتراف قصور کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع نہ ہو۔

انسان دنیا میں خدا کا نائب و خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ میں بناؤں گا زمین پر ایک نائب۔

بحر و بر آب و ہوا دشت و جبل پر انسان کا تصرف کلام الٰہی کی صداقت کا ناقابل تردید ثبوت ہے دیگر مخلوقات ارضی و سماوی شمس و قمر نباتات و جمادات حیوانات جو انسان کی بقاء حیات کے لئے ممد و معاون ہیں اور جن کے ذریعہ انسان کی طبعی و اکتسابی قوتوں کی نشو و نما ہو رہی ہے اور تمام ضروریات زندگی پوری ہو رہی ہیں الغرض کائنات کی ہر شئے جو انسان کی خدمت میں مصروف ہے کیا اس امر کی عینی شہادت نہیں ہے کہ وہی دین دین حق ہے جو انسان کو اس عالم سے کماحقہٗ استفادہ کا حکم دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اسی ذات نے پیدا کیا تمہارے لئے وہ سب کچھ جو زمین پر ہے۔

گویا صحیح طریقہ پر اس عالم سے مستفید ہونا ہی دین ہے، ایمان و تقویٰ ہے۔ صالحیت ہے، اور غیر صحیح طریقہ سے استفادہ کرنا بے دینی ہے کفر و شرک ہے فسق و فجور ہے۔ حیات آفریں کی ہدایت کے مطابق سفر حیات کو طے کرنا سلامت روی ہے دین داری ہے اور فرائض زندگی کو اس کی ہدایت کے خلاف انجام دینا گمراہی و بدبختی ہے۔

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی۔ جو اللہ کی ہدایت پر عمل کریگا وہ نہ غلط طریقہ زندگی اختیار کریگا اور نہ بدبخت ہوگا۔

دین اسلام کی دعوت یہی ہے کہ خدا کی مخلوقات جس میں انسان کے اعضاء و جوارح دل و دماغ بھی داخل ہیں ان پر تحت احکام الٰہیہ حکومت کرنا خدا شناسی اور خدا پرستی ہے اور جب تک انسان خود کو نہ پہچانے خدا کو پہچان سکتا ہے اور نہ خدا کا خلیفہ ہو کر دنیا پر حکومت کر سکتا ہے اور نہ اس عالم میں زندگی سکون و اطمینان سے گذار سکتا ہے۔

قرآن کریم اور احادیث شریف میں دنیا کی جو مذمت بیان فرمائی گئی ہے اس کا مطلب ترک دنیا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کو مطلوب و محبوب نہ بنانا چاہیئے۔ حب دنیا و حرص دنیا سے قلب کو پاک کرنا مقصود ہے۔ کتاب و سنت میں دنیا کی برائی جو بشدت و بتکرار بیان کی گئی ہے اس سے مراد یہی ہے کہ انسان لذات و شہوات میں مبتلا ہو کر اپنے نصب العین اور مقصد حیات کو فراموش نہ کردے۔ لقاء رب کے قابل اور غیر فانی، لازوال انعامات الٰہی کا مستحق ہونا ہی انسان کا وہ حقیقی مقصد زندگی ہے جو انسان کی فطرت کا اصل مطالبہ ہے۔ مال و زر کی کثرت مقصد حیات سے غافل کر دیتی ہے اور کثرت کے مطالبہ کی بنیاد حب و حرص ہے۔ حب و حرص کی جو انسان کی جبلت میں داخل ہے دین اسلام نے اس کی بیخ کنی نہیں کی بلکہ ان فطری جاذبات کا رخ متذکرہ صدر مقصد حیات کی طرف پھیر دیا۔ مندرجہ ذیل آیۃ میں دنیا کا جو تصور پیش فرمایا گیا ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ کہیئے کہ دنیا حقیر و کمتر ہے۔

اس کا صاف و صریح منشا یہی ہے کہ وہ آنے جانے والی ہے فنا پذیر ہے پس جو قلیل ہے اسکو قدرے قلیل اختیار کرنے کی جانب توجہ دلائی گئی ہے تاکہ بروز حساب ان نعمتوں کا چونکہ حساب بھی لیا جائیگا اس لئے وقت حساب میں انسان کو زیادہ ٹھیرنا نہ پڑے۔

قِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ (الحدیث) مال کا کم ہونا حساب کی کمی کا باعث ہے۔

قلب مومن کو مال و زر جاہ و شہرت کی محبت و حرص سے محفوظ رکھنے کی اس لئے تاکید فرمائی گئی ہے کہ حب دنیا ہی تمام خرابیوں کا مبدا ہے یعنی انسان کو اسکے حقیقی مقصد حیات سے غافل کرکے اس کی ہلاکت و بربادی کا موجب ہوجاتی ہے۔

فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ۔ (حدیث)

قسم ہے اللہ کی میں تم پر محتاجی کا خوف نہیں رکھتا لیکن تم پر اس بات کا خوف رکھتا ہوں کہ دنیا تم پر ایسی فراخ کی جیسے تم سے پیشتر کے لوگوں پر فراخ ہوئی پھر تم اس میں رغبت کرو جیسے انہوں نے رغبت کی تھی اور وہ تم کو ہلاک کرے جیسے ان کو ہلاک کیا۔

علم حق کی روشنی میں تلاش کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اقوام گذشتہ نے دین حق سے جو انحراف و اعراض کیا وہ حب دنیا ہی کا نتیجہ تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ۔ یہ اس سبب سے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے معاملہ میں عزیز رکھا۔

حب دنیا ہی کی وجہ سے انسانی لذات و شہوات کا گرویدہ ہوجاتا ہے اور دین جیسی نعمت کو ضائع کرکے یعنی فطری جاذبات کا استعمال غلط صحیح طریقہ سے کرکے رحمت حق سے دور ہوجاتا ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی سو عنقریب یہ خرابی دیکھیں گے۔

اور بالآخر اس طغیان و سرکشی کی پاداش میں ان اقوام کو ہلاک کر دیا گیا۔
فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ۔ پھر ہم نے انکو انکے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا۔

جس زاہدانہ زندگی کی تعلیم شارع علیہ السلام نے دی ہے وہ دراصل دنیا کی آرزوں کو کم کرنا ہے کہ عمداً خراب کپڑے پہننا اور خراب کھانا یعنی زاہد وہ ہے جو دنیائے فانی و قلیل کا حریص نہیں ہے۔

لَيْسَ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا بِلُبْسِ الْغَلِيْظِ وَالْخَشِنِ وَاَكْلِ الْجَشِبِ اِنَّمَا الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا قِصَرُ الْاَمَلِ (حدیث)
دنیا میں بے رغبتی موٹا کپڑا اگر می کا لباس پہننے اور سوکھی روٹی کھانے سے نہیں ہے بلکہ دنیا میں بے رغبتی آرزو کا کم کرنا ہے۔

ارشاد نبوت ہے کہ امت کی فلاح و درستی یقین اور دنیا میں کم رغبتی ہے اور امت کا پہلا فساد حرص و بخل ہے۔

اَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَاَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ۔
اس امت کی اولین درستی یقین و زہد ہے اور پہلی خرابی بخل و حرص دنیا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ بنظر غائر کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اخروی زندگی کا یقین جوں جوں مضمحل ہوتا گیا اور دنیا کی حرص بڑھتی گئی مسلمانوں کی خستہ حالی میں اضافہ ہوتا گیا یہ دنیا ہی کی حرص و محبت ہے کہ آج مسلمان موت سے اتنے ڈرنے لگے کہ اس کے تصور سے گھبرا جاتے ہیں جو ایمان کے ضعیف اور مومن کے بزدل ہونے کی علامت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَيَقْذِفَنَّ فِي قُلُوْبِكُمْ
قریب ہے کہ اقوام عالم تم پر ایک دوسرے کو ایسی دعوت دیں جس طرح چند کھانے والے کھانے کے برتن پر ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں ایک پوچھنے والے نے پوچھا کیا اس کا باعث اس زمانہ میں ہماری تعداد کی کمی ہے آپ نے فرمایا نہیں تمھاری کثرت ہوگی لیکن

لوَهَنُ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللہ
مَا الوَهنُ قَالَ حُبُّ الدُّنیَا وَ
كَرَاهِيَةُ الموْتِ۔

تمہاری حیثیت سیلاب کے جھاگ جیسی ہوگی اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینے سے تمہارا رعب نکال دیگا اور تمہارے دلوں میں "وہن" ڈالدیگا۔ سائل نے پوچھا "وہن" کی حقیقت کیا ہے آپ نے فرمایا دنیا کی محبت، موت کی ناپسندیدگی۔

ارشاد بالا پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے کہ مخبر صادق صلعم نے جو خبر دی ہے وہ اس وقت ہم پر صادق آتی ہے کہ نہیں اور آج دنیا کے عیش و آرام لذات، آرائش و زینت نمود و نمائش میں اسقدر انہماک پیدا ہوگیا ہے کہ ایک مسلم اور غیر مسلم کی زندگی میں کوئی فرق بظاہر نظر نہیں آتا یعنی ممکنہ طریقہ سے انجام آخرت سے غافل ہوکر اکتساب مال و دولت کی ایسی دھن ہے کہ دل و دماغ کو کسی آن فرصت نہیں جس کا نتیجہ وہی ظہور میں آرہا ہے جس کی خبر دی گئی ہے آج دنیا کا کونسا گوشہ ہے جہاں مسلمان پر دائرۂ حیات تنگ نہیں کیا جارہا ہے ہمسایہ اور حکمراں اقوام کی متفقہ کوشش یہی ہے کہ مسلمان زندہ نہ رہے کیا اس کا علاج بجز اس کے کچھ اور ہوسکتا ہے کہ قلب کو دنیا کی محبت و حرص سے پاک کرکے اس کو ایمان و یقین کی دولت سے آراستہ کیا جائے اور جسمانی و دماغی قوتوں کو مقصد حیات فطری مطالبات کو سمجھنے اور ان کو حاصل کرنے میں صرف کرکے جرأت ایمانی پیدا کی جائے تاکہ باطل کی کثرت سے کوئی خوف و اندیشہ دامنگیر نہو اور حق کے آگے باطل سرنگوں رہے مومن کی یہی وہ بے جگری ہے جس کے متعلق اقبال مرحوم کہتے ہیں ع دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

حب دنیا کی علامت یہ ہے کہ کھانا کپڑا اگر مرضی کے مطابق ملے نفس کی ہر خواہش پوری ہوتی رہے تو خوش ورنہ خدا سے ناراض خدا کی شکایت و شکوہ یہ حالت دراصل جو دنیا کا بندہ ہوتا ہے اس کی ہوتی ہے اللہ کے بندے کی یہ حالت نہیں ہوتی۔

تَعِسَ عَبْدُ الدُّنیَا رِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ
وَعَبْدُ الْخَمِيْصَةِ اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ
وَاِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ۔ (حدیث)

ہلاک ہو دنیا کا بندہ درہم کا بندہ لباس کا بندہ اگر دیا جائے تو راضی نہ دیا جائے تو ناخوش۔

دنیا کی برائی اور مذمت بیان کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ اس کی طلب میں قلب اللہ جل شانہ پر معترض اور ان سے ناراض نہو اور افعال ربوبیت کو بہرحال و بہرصورت اپنے لئے بہتر جانے کہ یہی واقعہ نفس الامری ہے امور یہی دین و ایمان کی حقیقی علامت ہے نیز دنیا کی طلب میں دین کا نقصان نہ کیا جائے مثلاً اکتساب رزق میں حلال و حرام کا کوئی امتیاز و احساس نہ رہے کہ ناجائز طریقوں سے دنیا تو حاصل ہوجائیگی مگر آخرت کا نقصان ابدی قطعی ہے یا دنیا کی مصروفیت و انہماک مومن کو دین کی تعلیمات حاصل کرنے اور اکی اشاعت و ریجا آوری احکام الٰہی سے باز رکھے طاعات و عبادات میں دلچسپی نہو کیونکہ مومن و مسلم کا وصف تو یہ بیان کیا گیا کہ

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ۔

ایسے لوگ جو خرید و فروخت میں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں بالخصوص نماز و زکواۃ سے اور وہ ایسے دن (یوم حساب) سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

دنیا کی حرص و رغبت سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ دنیا دراصل منزل نہیں ہے سفر ہے عشرت گاہ نہیں ہے امتحان گاہ ہے دار العمل ہے دار الجزا نہیں ہے مسافرخانہ ہے رہنے کی جگہ نہیں ہے امتحان گاہ اور مسافرخانہ کا ساز و سامان جو زوال پذیر ہے یا جس کو یہیں چھوڑ کر جانا ہے وہ سزاوار تمنا نہیں ہوسکتا اس لئے زیادہ تر کوشش اور جد وجہد تعیشات دنیا میں نہونی چاہئے بلکہ زیادہ توجہ اس طرف ہونی چاہئے کہ طریقہ زندگی حسب منشائے الٰہیہ صالحانہ ہوجائے تاکہ دنیا کی حکومت دنیا کے لوٹ صالح بندوں کے ہاتھ میں آجائے اور خدا کی مخلوق ظلم و زیادتی فتنہ و فساد سے محفوظ ہوجائے اس صالحانہ طریقہ زندگی کے صلہ میں عیش و تنعم کا جو سامان اخروی زندگی میں عطا کیا جائیگا وہی قابل تمنا ہے اور فطرت کا اصلی مطالبہ ہے۔

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا۔

مال و اولاد حیات دنیا کی رونق ہے اور اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں جو تیرے رب کے نزدیک بدل اور آرزو کے لحاظ سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔

آیت متذکرہ صدر کا یہ منشا نہیں ہے کہ مال و اولاد کو چھوڑ دیا جائے بلکہ منشا یہ ہے کہ

مال و اولاد کی طلب و آرزو اور اس کے استعمال میں خیال و فکر کردار و عمل علم وحی و رسالت کے خلاف نہ ہونا چاہیئے دین و ایمان و تقویٰ ہی وہ متاع عزیز ہے جس کی حفاظت و اشاعت کے لئے جان، مال، اولاد، عزت و ناموس سب ہی کچھ قربان کر دینا مومن کا شعار رہے اور اسی کے صلہ میں جن نعمتوں کے سرفراز کرنے کا وعدہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جس کی تمنا ہر انسان کی فطرت میں ہے اسی کے متعلق یہ حکم دیکر حب و حرص کا رخ بدل دیا۔

وَذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۔ اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہیے

نفس انسان کا میلان چونکہ لذات و شہوات کی طرف ہے اور لذات و شہوات میں انہماک فرائض سے غافل کر دیتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے نصب العین کو فراموش کر کے اس عالم میں حیات غیبیہ سے محروم ہو جاتا ہے جو نقصان آخرت کا موجب ہے اس لئے لذات و شہوات کی طلب و آرزو میں تقلیل و تقصیر کی ترغیب دلائی گئی اور بطور خاص اس کی ہدایت دی گئی جس کا مطلب اس سے زیادہ نہیں ہے کہ سامان اکل و شرب و زیب و زینت سے اس حد تک استفادہ کرنا چاہیئے کہ فرائض کی انجام دہی یعنی قیام دین حق کے اغراض کے لئے جسمانی اور دماغی قوتیں برقرار رہیں ع خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است۔

قیام دین حق کا پہلا مقام و محل خود انسان کی اپنی ذات ہے جس پر نفس و شیطان کا تسلط ہے جو انسانیت کے دشمن ہونے کی حیثیت سے انسان کو منزل مقصود یعنی آخرت سے غافل کر کے دنیاوی راحتوں اور لذتوں کا گرویدہ بنا دیتے ہیں اور دین حق کے قیام میں مانع و مزاحم ہوتے رہتے ہیں اس لئے مومن کو چاہیئے کہ دنیاوی ساز و سامان سے استفادہ کرنے میں ہر اس لذت و راحت سے محرومی کو گوارا کرے جس کے حصول کی جد و جہد میں وہ شیطانی وساوس پر عمل کر کے اپنے فرض کو بھول جاتا ہے تاکہ اولاً دل و دماغ اعضاء و جوارح پر ان کے حقیقی مالک اللہ جل شانہ کی حکومت قائم ہو جائے اور نفس و شیطان کی غلامی سے نکلکر اپنے حقیقی آقا کی غلامی میں آجائے جو حقیقتاً بادشاہی ہے اگر متاع قلیل کی محبت و حرص میں مومن اس فرض کو بھول جائے تو اس سے سوال کیا جائیگا۔

اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۔ کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہو

اگر وہ خواب غفلت سے بیدار نہ ہو تو خسران آخرت کی وعید اس سے متعلق ہو جائے گی۔

تصریحات بالا سے واضح ہو گا کہ دیندار ہونے کا مطلب یہی ہے کہ امن و سلامتی، عدل و احسان کے ساتھ انفرادی و اجتماعی منزلی و تمدنی زندگی کے کاروبار کو انجام دیا جائے تحت علم حق لوازم بشری اور فطری مطالبات کو پورا کرنا ہی دین حق کو اختیار کرنا ہے اس چند روزہ زندگی میں بھی زن و فرزند مال و متاع کی خواہشات لوازم بشری ہیں اور خالق فطرت سے وابستگی اسی کی اطاعت و بندگی اس کی دید و ملاقات کا شوق اور عزت و سربلندی حریت و آزادی اور بالآخر بلا قید و بند ایک پرمسرت، لازوال، غیر محدود زندگی، لقاء رب فطری مطالبات ہیں اولیت فطری مطالبات کو حاصل ہے یہی قابل ترجیح ہیں اور ان اغراض فطرت کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک علم حق سے بہرہ ور ہو کر ایمان اور عمل صالح کی دولت سے خود آراستہ ہونا اور دوسروں کو آراستہ کرنا انسان کی زندگی کے فرائض نہ ہو جائیں اور اس فرض سے غافل و باز رکھنے والی ہر شئے سے اجتناب نہ کیا جائے۔ یہی زندگی "حیات طیبہ" ہے "متاع حسنہ" ہے ورنہ زندگی معیشۃً ضنکا ہے متاع غرور ہے فطری مطالبات سے محروم ہو جانا ہے اور اس محرومی کی وجہ سے جس درد و اذیت میں انسان ہمیشہ کے لئے مبتلا رہے گا وہی "نار جہنم" ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقتضاء یہی ہے کہ انسان بجز خالق انسان کسی اور کا محکوم و غلام نہ رہے یہی انسان کی فطری خواہش ہے اور یہی مطالبات فطرت کی تکمیل کا واحد ذریعہ ہے۔ اسی فطری جذبہ کو بیدار رکھنے اور بروئے عمل لانے کے لئے اس عالم کے استغناء ضروری ہے اگر اس عالم سے استفادہ کرنے میں یہ جذبہ پامال یا مضمحل ہو جاتا ہے تو یہی دراصل بے دینی یا دین و ایمان کی کمزوری ہے اور وہ دنیا ہے جس کی مذمت و برائی کتاب و سنت میں کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیام حق صداقت وقت کے اہم اجزائے علم و عمل

از مولوی ولادر علی صاحب ضابط

گذشتہ مضامین "دین حق" اور توحید فی الالوہیت میں جو امور بیان کئے گئے ہیں ور اصل وہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شرح تھی اور یہی ایمان کا اہم و بنیادی جزو ہے۔ اس کے علاوہ حسب ذیل امور اجزائے ایمان ہیں جو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

ملائکہ۔ کتب الٰہی۔ انبیاء۔ یوم آخرت و بعثت بعد موت۔ قدر خیر و شر۔

ایک مرتبہ بحکم الٰہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام۔ ایمان۔ احسان اور قیامت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات فرمائے تھے۔ تاکہ امور دین کا بالاختصار احصا ہو جائے اور صحابہ کرامؓ اس سے واقف ہو جائیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایمان کے متعلق دریافت فرمایا تو آنحضرت صلعم نے جواب میں ارشاد فرمایا

اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ قَالَ صَدَقْتَ (مشکوٰۃ۔ باب الایمان روایت حضرت عمر بن الخطاب)

اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے انبیاء اور یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر یقین رکھنا ایمان ہے۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ آپ نے سچ فرمایا۔

جب ان سوالات اور جوابات کے بعد حضرت جبرئیلؑ واپس تشریف لے گئے تو آنحضرت صلعم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے ارشاد فرمایا کہ

فَاِنَّهٗ جِبْرَائِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ۔ یہ جبرائیل تھے تمہارے پاس تمہیں دین کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے ۔

ملائکہ | اللہ تعالیٰ کی یہ ایک ایسی غیر مرئی و غیر محسوس مخلوق ہے جس کی خلقت نور سے ہے اور جس کے افراد بے حد و حساب انتظامات عالم اعلیٰ و اسفل پر مامور ہیں اور یہ تمام ملائکہ حق تعالیٰ کے احکام کی سرتاپا تعمیل ہیں اور وہ حق تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی حرکت نہیں کر سکتے اور جو حکم ملتا ہے اس کے مطابق بے چون وچرا ان سے افعال کا ظہور ہوتا ہے ۔ انسانوں نے غلطی و جہل سے اللہ کی اس محکوم محض مخلوق کو اللہ کی الوہیت میں شریک قرار دیا ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دیگر مخلوق کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہیں اوصاف الوہیت سے قطعًا خالی ہیں ۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم ع ۱ پ ۲۸) وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے جو حکم دیا جاتا ہے اُس کی تعمیل کرتے ہیں ۔

انبیاء و صحف الٰہی | حق تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش عالم سے نوع انسان کی اصلاح کے لئے ہزاروں انبیاء کو مبعوث فرمایا اور ان پر وحی کے ذریعہ اپنے صحیفے نازل فرمائے جن میں سے اس وقت صرف تین کتابیں توریت ۔ زبور ۔ وانجیل دنیا میں موجود ہیں ۔ جن کا ذکر قرآن حکیم میں ہے ۔ لیکن ان کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے اور وہ تعلیمات و ہدایتِ الٰہیہ اصلی حالت پر باقی نہیں رہے جو حضرت موسیٰ ۔ حضرت داؤد و حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم السلام پر نازل ہوئے تھے ۔ ان کتب پر صرف اس حد تک ایمان رکھنا ضروری ہے کہ وہ کتب الٰہی ہیں ۔

جن انبیاء کا ذکر قرآن میں ہے اُن کی نبوت کا ایقان ضروری ہے ۔ لیکن دنیا کے مختلف مقامات اور ہر خطۂ عالم میں جو دوسرے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں ان کا ذکر اور ان کے ناموں کی صراحت قرآن میں نہیں ہے اس لئے کسی خاص شخصیت کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یقینی نبی ہے ۔ تمام کتب منزلہ لفظاً و معنًا کلام الٰہی و احکام خداوندی ہیں

وہ انسانی علوم کی آمیزش سے پاک ہیں مگر اس وقت بجز قرآن کے کوئی کتاب لفظاً و معناً حالت اصلی میں نہیں ہے اور یہی آخری آسمانی کتاب ہے جو تمام کتب سابقہ کی جامع ہے اور تمام انبیاء علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے عبد و رسول تھے۔ وصفِ الوہیت ان کے لئے ثابت نہیں۔

تقدیر و خیر و شر تقدیر و خیر و شر کے من اللہ ہونے پر یقین و ایمان رکھنا ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بھلے بُرے واقعات زندگی جو اس عالم میں پیش آتے رہتے ہیں ان کو حق تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں اور وہ علم الٰہی کے مطابق باذنِ الٰہی ظاہر ہوتے ہیں تاکہ انسان کو جمعیت خاطر نصیب ہو اور اس کو اپنی عقل و تدبیر وسعی پر اعتماد و غرور نہ پیدا ہو۔ ایمان بالقدر کو ترک عمل کا بہانہ بنانا سخت غلطی ہے اور دین کی صحیح تعلیم نہیں ہے مسئلہ قدر بے عملی کے لئے نہیں بے فکری کے لئے ہے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں بحث و مباحثہ کی سخت ممانعت ہے اس لئے اس بارے میں احتراز واجب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم ایک مرتبہ مسئلہ قدر میں مباحثہ اور منازعہ کر رہے تھے اور آنحضرت صلعم ہمارے پاس آئے اور آپکا چہرہ غصہ سے ایسا سرخ ہو گیا گویا آپ کے رخساروں پر انار کے دانے پڑے ہیں اور آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو صرف اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور کیا میں صرف اسی بات کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ تم سے پہلے کے لوگ جب اس مسئلہ میں مباحثہ کئے تو ہلاک ہو گئے لہٰذا میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ اس بارے میں منازعہ و مباحثہ مت کرو (مشکوٰۃ۔ باب الایمان بالقدر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممانعت کے باوجود آپ کے بعد آپ کی امت کے جن افراد نے اس مسئلہ میں بحث و مباحثہ کیا ان میں سے ایک فریق قدری اور دوسرا جبری ہو کر سنت نبوی سے ہٹ گیا۔

آپ کی سنت یہی ہے کہ بلا چون و چرا اس عقیدہ کو تسلیم کر لیا جائے اور اس پر

فَاِنَّهُ جِبْرَائِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ۔ یہ جبرائیل تھے تمہارے پاس تمہیں دین کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔

ملائکہ اللہ تعالیٰ کی یہ ایک ایسی غیر مرئی و غیر محسوس مخلوق ہے جس کی خلقت نور سے ہے اور جس کے افراد بے حد وحساب انتظامات عالم اعلیٰ و اسفل پر مامور ہیں اور یہ تمام ملائکہ حق تعالیٰ کے احکام کی سراپا تعمیل ہیں اور وہ حق تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی حرکت نہیں کرسکتے اور جو حکم ملتا ہے اس کے مطابق بے چون وچرا ان سے افعال کا ظہور ہوتا ہے۔ انسانوں نے غلطی و جہل سے اللہ کی اس محکوم محض مخلوق کو اللہ کی الوہیت میں شریک قرار دیا ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دیگر مخلوق کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہیں اوصاف الوہیت سے قطعاً خالی ہیں۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم ا ع پ ۲۸) وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرسکتے جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

انبیاء وصحف الٰہی حق تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش عالم سے نوع انسان کی اصلاح کے لئے ہزاروں انبیاء کو مبعوث فرمایا اور ان پر وحی کے ذریعہ اپنے صحیفے نازل فرمائے جن میں سے اس وقت صرف تین کتابیں توریت۔ زبور۔ وانجیل دنیا میں موجود ہیں۔ جن کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔ لیکن ان کتابوں میں تحریف ہوچکی ہے اور وہ تعلیمات و ہدایت الٰہیہ اصلی حالت پر باقی نہیں رہے جو حضرت موسیٰ۔ حضرت داؤد وحضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم السلام پر نازل ہوئے تھے۔ ان کتب پر صرف اس حد تک ایمان رکھنا ضروری ہے کہ وہ کتب الٰہی ہیں۔

جن انبیاء کا ذکر قرآن میں ہے ان کی نبوت کا ایقان ضروری ہے۔ لیکن دنیا کے مختلف مقامات اور ہر خطۂ عالم میں جو دوسرے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں ان کا ذکر اور ان کے ناموں کی صراحت قرآن میں نہیں ہے اس لئے کسی خاص شخصیت کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ وہ یقینی نبی ہے۔ تمام کتب منزلہ لفظاً ومعناً کلام الٰہی و احکام خداوندی ہیں

وہ انسانی علوم کی آمیزش سے پاک ہیں مگر اس وقت بجز قرآن کے کوئی کتاب لفظاً ومعناً حالت اصلی میں نہیں ہے اور یہی آخری آسمانی کتاب ہے جو تمام کتب سابقہ کی جامع ہے اور تمام انبیاء علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے عبد ورسول تھے۔ وصفِ الوہیت ان کے لئے ثابت نہیں۔

تقدیر وخیر وشر تقدیر وخیر وشر کے من اللہ ہونے پر تیقین وایمان رکھنا ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بھلے برے واقعات زندگی جو اس عالم میں پیش آتے رہتے ہیں ان کو حق تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں اور وہ علم الٰہی کے مطابق باذنِ الٰہی ظاہر ہوتے ہیں تاکہ انسان کو جمعیت خاطر نصیب ہو اور اس کو اپنی عقل وتدبیر وسعی پر اعتماد وغرور نہ پیدا ہو۔ ایمان بالقدر کو ترک عمل کا بہانہ بنانا سخت غلطی ہے اور دین کی صحیح تعلیم نہیں ہے مسئلہ قدر بے عملی کے لئے نہیں بے فکری کے لئے ہے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں بحث ومباحثہ کی سخت ممانعت ہے اس لئے اس بارے میں احتراز واجب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم ایک مرتبہ مسئلہ قدر میں مباحثہ اور منازعہ کررہے تھے اور آنحضرت صلعم ہمارے پاس آئے اور آپکا چہرہ غصہ سے ایسا سرخ ہوگیا گویا آپ کے رخساروں پر انار کے دانے پڑے ہیں اور آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو صرف اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور کیا میں صرف اسی بات کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ تم سے پہلے کے لوگ جب اس مسئلہ میں مباحثہ کئے تو ھلاک ہوگئے لہٰذا میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ اس بارے میں منازعہ ومباحثہ مت کرو (مشکوٰۃ۔ باب الایمان بالقدر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممانعت کے باوجود آپ کے بعد آپ کی امت کے جن افراد نے اس مسئلہ میں بحث ومباحثہ کیا ان میں سے ایک فریق قدری اور دوسرا جبری ہوکر سنت نبوی سے ہٹ گیا۔

آپ کی سنت یہی ہے کہ بلا چون وچرا اس عقیدہ کو تسلیم کرلیا جائے اور اس پر

ایمان لایا جائے مگر اس کی حقیقت و کنہ تک مباحثہ سے پہونچنے کی فکر نہ کی جائے۔ کوئی مسلمان ایمان باللہ میں مستقیم ہو جائے تو کچھ تعجب نہیں ہے کہ حق تعالیٰ اس مسئلہ کے اسرار و دقائق اس پر کھول دیں۔

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ یعنی جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضانِ ہدایت اسکے قلب میں ہوتا ہے

یوم آخرت اور حیات بعد الموت انسان مرنے کے بعد قیامت میں پھر اسی جسم کے ساتھ زندہ کیا جائیگا اور اپنے اعمال نیک و بد کی جزا بارگاہِ رب العزت سے پائیگا۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ (البقرہ ۳۸ ع پ ۳)

اور اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے اور ہر شخص نے جو کچھ کیا ہے اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔

جو شخص مومن و مطیع حق ہے وہ جنت میں داخل ہوگا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیگا اور جو شخص کافر و سرکش و نافرمان حق ہے وہ دوزخ میں داخل ہوگا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیگا۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (والنازعات ۲ ع پ ۳۰)

اور جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو (آخرت) پر ترجیح دی تو یقیناً اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

غرضکہ یوم آخرت اور حیات بعد الموت پر یقین۔ ایمان میں داخل ہے اور اسی طرح مرنے کے بعد سوال منکر نکیر و عذاب و ثواب قبر۔ میزان۔ پل صراط۔ حساب و کتاب نامۂ اعمال شفاعت و دیدار الٰہی وغیرہ تمام امور غیبی جن کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی جلی یا خفی سے دی ہے اور جن کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے حق ہیں اور ان سب پر ایمان و یقین رکھنا ضروری ہے کیونکہ یہ سب موت کے بعد پیش آنے والے ہیں اور اس پر یقین کامل کے بغیر نہ اصلاح حال ممکن ہے نہ امراض قلبی دفع ہو سکتے ہیں

اور نہ دین و ایمان کے درجات عالیہ پر انسان فائز ہو سکتا ہے اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے اولاً زندگی کا صحیح تصور اور مقصد حیات، نصب العین زندگی کا تعین لازم و ضروری ہے اس کے بغیر نہ اسلام کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ اس کی افادیت کو تسلیم کر کے اس کو اختیار کرنے کا شوق پیدا ہو سکتا ہے اور نہ قلب خدا کی طرف رجوع ہو سکتا ہے دین کی تعلیمات میں اگر اس جزو کو قرآنی طریقہ پر شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا جائے تو دین کی تعلیم صحیح نہ ہو گی۔

ایمان باللہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ان تمام اجزائے ایمانیہ کا زبان و دل سے اقرار و تصدیق کرتا ہے وہ مومن ہے اور ان تمام اجزائے ایمان میں حقیقت کلی ایمان باللہ و رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کو جان کر اور سمجھ کر ماننا ہی ایمان باللہ ہے یعنی یہ سمجھنا کہ کائنات عالم۔ ذوات خلق اور افراد انواع مخلوق میں کوئی معبود و مستعان و مالک و حاکم نہیں ہے اور صرف ایک ذات لایزالی و ذوالجلالی معبود و مستعان و مالک و حاکم ہے کیونکہ تمام مخلوق اس کی مملوک و محکوم اور تحت قدرت ہے اور تمام عالم میں صرف اسی کی ذات نافع و ضار و موثر ہے اور اس کے حکم بغیر دنیا کے کسی ذرہ کو حرکت نہیں ہو سکتی اور دنیا کی تمام قدرتیں صرف اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور کسی مخلوق سے اس کے بے مشیت و ارادہ اور حکم کے کوئی طاقت و قدرت و قوت ظاہر نہیں ہو سکتی اور دنیا کے تمام کام اسی کے حکم پر موقوف ہیں اور ہر ذات عالم اس کے سامنے بے ارادہ ہے اور اس کے حکم و اذن کے بغیر کوئی ہستی اس ذات ذوالجلال کے سامنے سفارش بھی نہیں کر سکتی اور قیامت میں انبیاء علیہم السلام اور اولیا و صالحین امت مرحومہ رحمہم اللہ اجمعین جو گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے وہ بھی موقوف اجازت ذات باریتعالیٰ ہے۔

حق تعالیٰ نے عام گنہ گاران امت کی شفاعت قبول کرنے کا جو وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے اس شفاعت کا ظہور بھی باذن حق ہو گا اور حقتعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جب شفاعت کی اجازت دیں گے تو اس وقت آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے لیکن جس شخص نے حق تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہے اس کے لئے قطعاً اس شفاعت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا (اخرجہ الثلاثۃ والترمذی تلخیص ج ۵ ص۲۷۹) مشکوٰۃ کتاب الدعوات۔

ہر پیغمبر کی ایک دعا مقبول ہے اور ہر نبی نے اس اپنی دعا میں جلدی کی اور میں نے اپنی دعائے شفاعت امت کے لئے قیامت کے دن کے واسطے پوشیدہ رکھی ہے اور انشاء اللہ اس شفاعت کا اثر میری امت کے ہر اس شخص کو پہونچیگا جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیرایا۔

نتائج ایمان جب مومن کے دل میں مذکورہ اجزائے ایمان کے اقرار و تصدیق سے ایمان کا جلوہ ہوجاتا ہے اور الوہیت حق میں کسی شرک کی آمیزش نہیں ہوتی ہے تو پھر اس کے لئے امن و سلامتی ہے اور وہ راہ ہدایت پر گامزن ہوجاتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ (الانعام ۹ ع پ ۷)

جن لوگوں نے ایمان لایا اور اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں کی ہے ان کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں پر بہت شاق گذرا اور کہنے لگے کہ بھلا ہم میں کون ایسا شخص ہے جو اپنے نفس پر ظلم نہیں کرتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم سے یہ مراد نہیں ہے بلکہ ظلم سے شرک مراد ہے۔ کیا تم نے لقمان کا وہ قول نہیں سنا جو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ

يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ (سورۂ لقمان ۲ع پ ۲۱)

اے بیٹے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو شریک مت کر یقیناً شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

قلب مومن میں جب ایمان بلا آمیزش شرک نفوذ کر جاتا ہے تو حق تعالیٰ کی طرف سے

حکم ہے کہ اُس کو میرے فضل کبیر کی بشارت دے دو تاکہ وہ مسرور و شاد کام ہو جائے اور یہ مسرت و شادکامی اُس کے ایمان میں ثابت قدمی کا باعث بنے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۔ (الاحزاب ۶ع پ ۲۲) اہل ایمان کو بشارت دیجیئے کہ ان کیلئے حق تعالیٰ کی طرف سے فضل کبیر ہے۔

اور ایسے مومن کو ہر وقت حق تعالیٰ کی معیت حاصل ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے

اور ایسے مومن کی نصرت حق تعالیٰ پر واجب ہے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم پر اہل ایمان کی نصرت واجب ہے۔

اور ایسے مومن پر حق تعالیٰ اور ان کے فرشتوں کی رحمت کا نزول ہوتا رہتا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۔ (الاحزاب ۶ع پ ۲۲) وہی (یعنی اللہ تعالیٰ) اور اس کے ملائکہ تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ تم کو ظلمت سے نور کی طرف لیجائیں اور وہ اہل ایمان پر مہربان و رحیم ہے۔

اور یہی مومن محبوب حق ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُؤْمِنِينَ ۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت رکھتے ہیں۔

اور اسی مومن کے حق تعالیٰ ولی ہیں۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا الآیہ۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ولی و دوست ہیں جو ایمان لائے

اور یہی مومن مغفور حق ہو کر تمام معاصی سے دور ہو جائیگا اور حق تعالیٰ خود اس کے اعمال کی اصلاح فرمائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (الاحزاب ۹ع پ ۲۲) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور درست اور مضبوط بات کہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے اعمال کی صلاح فرما دیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دینگے۔

اس آیت میں اللہ سے اتقا کے معنی محض علم رسالت کی ایسی تصدیق قلبی مراد ہے جس میں کسی ریب وشک کا گذر نہ ہو جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ۔ (الزمر ع پ ۲۴) اور جس نے صداقت (یعنی دعوت حق و قرآن حکیم) لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی متقی ہیں۔

یہ تصدیق اقرار وشہادت کلمہ طیبہ کے ساتھ جب قلب مومن میں متمکن ہو جاتی ہے تو حق تعالیٰ کے طرف سے اصلاح اعمال کا فیضان شروع ہو جاتا ہے۔ اور ایسے ہی مومن پر ختم الرسالت روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ورحمت رہتی ہے۔ اور ایسے ہی مومن کے لئے آپ کی شفاعت بے ریب ہے۔

بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۔ (یونس ۱۶ ع پ ۱۱) آنحضرت اہل ایمان کے ساتھ شفقت ومہربانی رکھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ان افکار واعمال کو بھی بیان کردیا جاتا ہے جو منافی توحید وایمان ہیں یا جن سے توحید وایمان کی افادیت کم ہو جاتی ہے۔

انواع معاصی قرآن حکیم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جن انواع معاصی کا ذکر ہے اور جو ایمان وعمل صالح کی ضد ہیں وہ یہ ہیں۔

کفر ۔ شرک ۔ نفاق ۔ ارتداد ۔ بدعت ۔ سیآت ۔

ان میں سے اول الذکر چار انواع ایسی ہیں کہ جن کے وجود پر ایمان کا فقدان ہے۔ یہ سمجھلو کہ یہ حق تعالیٰ کی حکومت میں سنگین جرائم ہیں جن کا بدلہ بجز دنیا وآخرت کی بربادی کے نہیں ہے۔

بدعت اصول دین اور قوانین حکومت الٰہی اور اس کے نفاذ میں رخنے پیدا کرنے والا جرم ہے۔ سیآت احکام حق کی چھوٹی بڑی خلاف ورزیاں ہیں جن کی تفصیل انشاء اللہ قریب میں آئے گی۔

کفر ونتائج کفر حق تعالیٰ نے اپنی طرف بلانے کے لئے جو دعوت انبیاء علیہم السلام

کے ذریعہ سے اپنے بندوں کے پاس روانہ کی تھی اور جس کو سب سے آخر میں ختم الرسالت روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا پر پیش کیا گیا ہے وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ میں ہے جس کی شرح قرآن حکیم اور اس کا عملی نمونہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اس دعوت یا اُس کی شرح کو کلاً یا جزاً یا اُس دعوت کی افادیت کو نہ ماننا یا اس کے من اللہ ہونے کو زبان و دل سے انکار کر دینا کفر ہے اور یہی کفر انکارِ حق۔ عداوت حق و بغاوت حق ہے اور یہی انکار اثبات باطل و موافقت باطل اور اطاعت باطل ہے اور یہی اثبات باطل دنیا میں ظلم و ستم کذب و افترا اور فتنہ و فساد کی بنیاد و اشاعت ہے۔ اس لئے کا فرانِ دعوتِ حق و منکرین تعلیم صداقت پر حق تعالیٰ اور اُس کی پاک مخلوق یعنی ملائکہ وغیرہ کی ہمیشہ لعنت برستی رہے گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

یقیناً جن لوگوں نے انکار کیا اور وہ اسی حالت انکار میں مر گئے تو ان پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت برستی رہتی ہے۔

(البقرہ ۱۹ ع پ ۲)

اُن کے اعمال دینی و دنیوی ہمیشہ برباد رہیں گے۔

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (ہود ۲ ع پ ۱۲)

وہ دنیا میں جو اعمال کریں گے وہ برباد ہو جائیں گے اور ان کے تمام اشغال باطل ہو جائیں گے

عقبیٰ میں ان کی کچھ عزت و وجاہت نہ ہوگی۔ وہ ہمیشہ عذاب خداوندی میں مبتلا ہو کر نار دوزخ میں رہیں گے اور ہمیشہ کے لئے نجات سے محروم ہو کر جنت اور اس کی آسائشوں سے بے نصیب ہو جائیں گے۔

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (اعراف ۱۱ ع پ ۸)

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور کبر سے ان کا انکار کیا وے دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

ان کی یہ چند روزہ زندگی خواہ شان و شوکت سے گذرے یا افلاس و نکبت میں، وہ ان کیلئے

حق تعالیٰ کی طرف سے مہلت ہے۔ جب وہ حق تعالیٰ کی طرف لوٹیں گے تو سرکشی و عداوت حق اور اطاعت و موافقت باطل کی وجہ سے دردناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے، اور یہی لوگ حق تعالیٰ کی نظر میں شر البریہ ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ۔ — اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے (حق) کا انکار کیا ہے یقیناً وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور وہی بدترین مخلوق ہیں (پ ۳۰ ع ۲۳)

شرک و نتائج شرک دعوت لا الٰہ الا اللہ کے خلاف حق تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود و مستعان و مالک و حاکم سمجھنا شرک ہے اور معبودیت و ربوبیت و مالکیت و حاکمیت کے اعتبارات کسی ذات خلق سے علماً و عقیدۃً متعلق ہونے سے شرک ذاتِ حق پیدا ہوتا ہے کیونکہ انواع خلق و اصناف انسان میں سے کوئی ذات مخلوق اور کوئی فرد بشر حق تعالیٰ کی ان صفات میں شریک نہیں ہو سکتا اور تمام مخلوق حق تعالیٰ کی مملوک و محکوم و مربوب و عبد ہے۔

کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم ع ۶ پ ۱۶) — یعنی زمین و آسمان کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے غلام ہو کر آئے گی۔

لیکن انسان کا گمان ناقص و رائے ضعیف عباد اللہ کی مالکیت و حاکمیت و معبودیت و ربوبیت کا عقیدہ قلب میں پیدا اور راسخ کر دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ (یوسف ع ۱۲ پ ۱۳) — یعنی اکثر لوگ اللہ پر ایمان لا کر بھی اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

اس لئے علم الٰہی سے ایمان کی تصحیح کی سخت ضرورت ہے۔

وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا (الکھف) — اور اپنے پروردگار کی پوجا اور غلامی میں کسی کو شریک مت کر۔

لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا — اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مت پکار جو

يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ۔ (یونس ۱۱ ع پ ۱۱)

تجھکو نہ نفع پہونچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اور اگر تو ایسا کرے گا تو مشرکین سے ہو جائیگا۔

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا۔ (الکہف ۴ ع پ ۱۵)

اللہ نے اپنے اقتدار مطلق میں کسی کو شریک نہیں بنایا۔

وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ (الفرقان ۱ ع پ ۱۸)

اور اس کی حکومت وسلطنت وملکیت میں کوئی شریک نہیں ہے۔

اور عقیدہ شرک ذات حق پر ہی سب سے بڑا ظلم ہے جو انسان اپنی ذات پر کرتا ہے۔

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان ۲ ع) بے شک شرک ہی سب سے بڑا ظلم ہے۔

یہی ظلم انواع مظالم کی اصل اور جڑ ہے اور اسی کے استیصال کے لئے دعوت حق وربانیت حق ہے اور انفس کی امن وسلامتی اسی کے استیصال پر موقوف ہے اور آفاق میں حق وصداقت کی اشاعت اسی پر منحصر ہے۔

اس لئے حق تعالیٰ کی نظر میں شرک فی الالوہیت ہی ایسا سنگین جرم ہے کہ وہ کبھی بخشا نہیں جائیگا۔ باوجودیکہ حق تعالیٰ کی رحمت کو اُس کے غضب پر مسابقت حاصل ہے مگر اس جرم کے مجرم کو اس کی رحمت میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا (النساء ۷ ع پ ۵)

بیشک اللہ تعالیٰ کبھی اس کو معاف نہیں کریگا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے سوا جو چاہیگا معاف کردے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا اُس نے گناہ کا ارتکاب کرکے اللہ پر جھوٹ باندھا۔

اور شرک ایسی نجاست قلبی ہے تاوقتیکہ اُس کو ماء توحید سے پاک نہ کیا جائے قلب نجس رہے گا۔ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (التوبہ ۴ ع پ ۱۰) اور ایسے قلب پر نظر رحمت نہیں ہوتی ہے کیونکہ شرک کے بعد تمام نیک اعمال بھی برباد وضائع

ہو جاتے ہیں۔ سورۃ الانعام کے ۱۰ ویں رکوع میں جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کا ذکر فرما کر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ — اگر (بالفرض) یہ حضرات بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال بھی برباد ہو جاتے۔

ذلت حقیقی اگر پوچھو تو یہی شرک ہے جو دنیا میں ہر ذاتِ خلق اور ہر کس و ناکس کی پوجا غلامی و اطاعت سے مشاہدتاً و ظاہراً اور قلباً و باطناً پیدا ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ذلت تمام مخلوق کے آگے رسوائی و عذاب الیم کی صورت میں ظاہر ہوگی اور ہمیشہ کے لئے رحمت حق سے دور کرکے رویت حق سے محجوب کردیگی اور مشرک کا ٹھکانہ دوزخ ہو جائیگا جہاں سے کبھی نجات نہیں ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (المائدہ ۱۰ ع پ ۶) — جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس پر جنت حرام فرما دیتے ہیں اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو جاتا ہے اور مشرکین کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

نفاق و نتائج نفاق

دعوتِ لا الٰہ الا اللہ اور تعلیمات قرآنی و رسالتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور ان کے من اللہ ہونے کے ظاہری اقرار کے اندر دل میں انکار و شک ہو تو یہ نفاق حق ہے۔ یعنی ظاہر میں تو ان سب امور کی صداقت کی تصدیق ہو لیکن باطن میں ان کی تکذیب مخفی ہو تو یہ علم حق۔ ہدایت حق، اور تعلیم حق اور حق تعالیٰ سے پوشیدہ دشمنی ہے اور نعوذ باللہ حق تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام و مومنین کو فریب دینا ہے اور خود اپنی ذات کو دھوکہ دینا ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (البقرہ ۲ ع پ ۱) — وہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ ان کو دھوکہ نہیں دیتے ہیں بلکہ اپنی ذاتوں کو دھوکہ دے رہے ہیں لیکن وہ نہیں جانتے

منافق کا قلب ایمان سے خالی ہوتا ہے کیونکہ اس کے قلب میں شک و ریب

تذبذب رہتا ہے جو ایقان کے مخالف ہیں اور ایقان ہی ایمان ہے اور جب شک وریب و تذبذب دل سے جائیگا تو ایمان قلب میں آئیگا۔

منافق شک کے مرض قلبی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے وہ امور آخرت سے بے پرواہ ہوکر حیات دنیا کے فریب میں مبتلا رہتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جن امور غیبی کی خبر دی ہے ان کا یقین اُس کے قلب میں نہیں جمتا جس کی وجہ سے اس کا دل انبیاء علیہم السلام کے بتائے ہوئے طریق عبادت واطاعت حق کی طرف مائل نہیں ہوتا ہے اور وہ اس میلان قلبی کے فقدان کے باوجود اہل ایمان کے ماحول سے مجبور ہوکر دکھانے کے لئے اپنے ایمان وایقان کا اظہار کرتا ہے اور بتانے کے لئے عبادت واطاعتِ حق کا پابند بھی بنتا ہے لیکن میلان قلبی نہونے سے اعمال میں سُستی وکسالت ناگزیر طور پر ظاہر ہوجاتی ہے اور حق تعالیٰ کی یاد اس کے قلب میں دیرپا نہیں رہتی ہے۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَاۗءِ (النساء ۲۱ع پ ۶)

اور وہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے لوگوں کے دکھانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں اور اس کے (یعنی دین کے بارہ میں) حالت تذبذب وشک میں ہیں نہ اِدھر کے ہوتے ہیں نہ اُدھر کے۔

یہی لوگ احکام دین پر استہزا بھی کرتے ہیں اور امور دین کو لہو ولعب کی طرح سمجھتے ہیں اور بطور لہو ولعب کے اختیار کرتے ہیں۔

وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا۔ (الانعام ۸ع پ ۷)

اور ان لوگوں (کے ذکر مذکور) کو چھوڑ دے جنہوں نے دین کو کھیل کود بنالیا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو فریب میں مبتلا کر رکھا ہے

ایسے لوگوں کے لئے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے وہ جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں

رکھے جائیں گے۔

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء ۲۱ ع پ ۶)
یقیناً منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں رکھے جائیں گے۔

ارتداد و نتائج ارتداد

ایمان کے بعد کسی وقت بھی امور ایمانی کا دل سے انکار ارتداد حق ہے اور ارتداد حق کے بعد پھر ایمان قلب میں باقی نہیں رہتا اور اس کے آثار و نتائج وہی ہیں جو کہ ہیں مرتد صراط مستقیم ہدایت سے ہٹ کر صراط ذی عوج ضلالت پر پڑ جاتا جس کی وجہ سے وہ حق تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے جو مصائب کافر کو پیش آنے والے ہیں وہی اس کو بھی پیش آئیں گے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور اس کو نجات نہیں ہوگی اور اس کے تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جائیں گے۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ ۲۷ ع پ ۲)
اور جو تم میں سے اپنے دین سے پلٹ جا[ئے] تو اس کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں ب[رباد] ہو جائیں گے یہی لوگ (کفار) دوزخی اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۳۶) دل میں فسخ کر دیا۔ ارادہ کا فسخ کرنا تھا کہ شیخ نے کسی آدمی سے اشا[رہ] کیا کہ ان کے لئے کھانا لاؤ، اس کے لانے میں کچھ دیر ہوئی تو میں نے دیکھا کہ

شد الشیخ وسطه وجاءنی بمائدۃ علیها الطعام۔ مراۃ صفحہ ۲۹۲
شیخ نے اپنی کمر کسی، اور ایک خوانچہ اٹھا کر لائے جس پر کھانا رکھا ہوا تھا

میں نے اس واقعہ کا ذکر دو وجہوں سے کیا ایک تو یہی کہ شیخ جس شکل میں لوگوں کے [لئے] کھانا لاتے اور پیش کرتے تھے اس کا کچھ اندازہ ہو اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جو جو یہ لکھدیا ہے کہ ہر ایک مہمان کے سامنے خود ہی کھانا پیش کرتے تھے، کلیتہً معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح نہیں بلکہ خدام سے بھی کام لیتے تھے صحیح بات وہی معلوم ہوتی ہے جو ابن فضل اللہ نے لکھی ہے

والاکثر ما کان یحضر بنفسه صفحہ ۴۶۴ — زیادہ تر کھانا مہمانوں کے سامنے وہ خود پیش فرماتے

(باقی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”اطلاقی تصوف“

از جناب مولانا مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

ما اراها الا غزالیه

”نہیں پاتا میں اسے لیکن غزالی کے طریقہ پر“

یہ فرمایا تھا، آٹھویں صدی کے مشہور و جلیل عارف حضرت ابو عبداللہ محمدؒ بن عبداللہ بن المجد المرشدی قدس اللہ سرہ العزیز نے اس وقت جب اسی صدی کے دوسرے سربرآوردہ عالم و صوفی الیافعی ان سے ملنے کے لئے ان کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کے متعلق یہ نقطۂ خیال کہ ایک ہی طور اور طریقہ میں وہ منحصر نہیں ہے، یہ کوئی جدید یا ابتدائی انوکھا خیال نہیں ہے، بلکہ آج سے صدیوں پہلے بھی یہی سمجھا جاتا تھا کہ تصوف کا ایک طریقہ تو وہ ہے جس کے امام اور پیشوا حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی ہیں، اور اسی کے مقابلہ میں تصوف ہی کی ایک راہ اور تھی آج میں اسی مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔

لیکن مسئلہ پر بحث کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں (یعنی المرشدی اور الیافعی) کے مختصر حالات سے ان لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے جو اسلامی تصوف کی ان دونوں عظیم شخصیتوں سے ناواقف ہیں۔ خود مسئلہ کے سمجھنے میں جہاں تک میرا خیال ہے ان دونوں بزرگوں کے اجمالی حالات سے واقفیت ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔

الیافعی چونکہ صاحب تصنیف و تالیف ہیں خصوصاً تاریخ اسلام میں

ان کی کتاب مرآۃ الجنان[1] خاص اہمیت رکھتی ہے اس کی وجہ سے نیز اپنی دوسری کتابوں کی وجہ سے عام اہل علم و معرفت کے ایک جانے اور پہچانے آدمی ہیں، حافظ ابن حجر نے درر کامنہ میں ان کے حالات بھی لکھے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے ان پر زہد و تقویٰ کا غلبہ تھا اور دنیا سے کنارہ کش تھے حافظ کے الفاظ ہیں۔

نشاء علی خیر و صلاح وانقطاع ج۲ ص۲۴۸ — نیکی اور صلاح دنیاوی تعلقات سے کنارہ کشی کے حالات میں ان کی نشو و نما ہوئی۔

انقطاع (یعنی دنیاوی تعلقات سے کنارہ کشی) کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور دنیا والوں سے علیحدگی کا میلان الیافعی میں فطری طور پر پایا جاتا تھا مگر ان کی ابتدائی زندگی کے اس صلاح و تقویٰ انقطاع و زہد کی نوعیت کیا تھی؟ اس کا پتہ حافظ ہی کے ان الفاظ سے چلتا ہے جو اسی فقرے کے بعد ہیں کہ

لم یکن فی صباہ یشتغل بشی غیر القرآن والعلم ص۲۴۸ — اپنے بچپن کے زمانہ میں قرآن اور علم (دین) کے سوا اور کسی چیز میں مشغول نہ رہے۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ اس زمانہ کا جیسا کہ عام دستور تھا قرآن کی تجوید و قرآن کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث وغیرہ علوم کی کتابیں لوگ پڑھا کرتے تھے۔ یہی حال شیخ کا تھا، حافظ گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ابتدائی عمر میں الیافعیؒ کو تصوف یا صوفیہ کے خاص طریقہ سے کسی قسم کا لگاؤ نہ تھا۔ ان کا وطن اصلی یمن تھا، یمن میں جب تک رہے ان ہی مشاغل میں مصروف رہے لیکن حج کے لئے جب مکہ پہنچے اور مشہور

---

[1] ان کی یہ تاریخ چار ضخیم جلدوں میں ہے، خدا جزائے خیر دے مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن کو کہ اس نایاب کتاب کو شائع کر کے علم اور دین کی اس نے بڑی خدمت انجام دی نصف آٹھویں صدی یعنی ۷۵۰ھ تک کے واقعات پر یہ کتاب مشتمل ہے، سب سے بڑی خصوصیت اس کی یہ ہے کہ علاوہ سیاسی واقعات کے علماء و صوفیہ ان صدیوں میں جو گذرے ہیں الیافعی نے ان کے حالات بھی درج کئے ہیں، صوفیہ کرام کے ساتھ بڑی ہمدردی کے ساتھ پیش آئے ہیں ان کا یہ خاص امتیازی سرمایہ ہے ۱۲

شیخ الطریقہ علی الطواشی کی صحبت ان کو جب میسر آئی تو جیسا کہ حافظ کا بیان ہے کہ فسلکہ (تب سلوک کی راہ پر طواشی نے الیافعی کو لگا دیا) لکھا ہے کہ اس کے بعد بھی گو علوم ظاہری کے ساتھ الیافعی کا اشتغال باقی نہ رہا لیکن بالآخر تعلیم و تعلم کے قصوں سے الگ ہو کر انہوں نے سیاحت شروع کی حرمین کے سوا جہاں ان کی آمد و رفت بکثرت جاری تھی اسی سے اندازہ کیجئے کہ سیر و سیاحت کا یہ زمانہ تقریباً سو دو ستر سال کا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ انہ فی طول المدۃ التی قبل ھذا اس طویل زمانے میں کوئی سال ایسا نہیں لم یفتہ الحج ۔ صفحہ ۲۴۳ ۔ گذرا جس میں حج نہ کر سکے ہوں۔

گویا ہر پھر کر حج کے زمانہ تک وہ حجاز ضرور پہونچ جاتے تھے، بہر حال علاوہ ان دو شہروں (یعنی مکہ معظمہ و مدینہ منورہ) کے فلسطین و شام مصر وغیرہ عربی ممالک میں اصحاب قلوب و ارباب تصفیہ و تزکیہ کی تلاش میں ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے شوق میں وہ گھومتے رہے، اس عرصہ میں خصوصیت کے ساتھ حضرت امام شافعی رح کے روضہ مبارک (واقع مصر) میں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دن قیام کیا اور آخر میں زندگی کا پچھلا حصہ الیافعی کا کچھ تو قبۂ خضراء کے زیر سایہ مدینہ منورہ میں گذرا، حافظ کے الفاظ ہیں ثم رجع الی الحجاز وجاور بالمدینہ پھر حجاز لوٹ کر آئے اور مدینہ منورہ کے مجاور بن گئے

لہ مراۃ الجنان کے آخر میں الیافعی نے یمن کے چند خاص اولیاء کا تذکرہ لکھا ہے، ان میں الیافعی کے بھی شیخ الطواشی بھی ہیں، ان کا نام علی تھا نور الدین لقب اور ابو الحسن کنیت تھی، الیافعی نے لکھا ہے کہ "الطواشی" نسباً والشافعی الصوفی مذہباً پھر ان کی بڑی تعریف کی ہے چند کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے جن میں بعض کا مشاہدہ خود بھی الیافعی نے کیا تھا، لکھا ہے کہ یہ تاجر خاندان کے آدمی تھے ابتداء میں اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ تجارتی سفر کرتے تھے مگر قاعدہ تھا کہ جب کسی شہر میں پہونچتے تو بھائی والد وغیرہ بازار چلے جاتے اور یہ کسی مسجد میں داخل ہو کر نماز و تلاوت میں مشغول رہتے یا اس شہر کے بزرگوں کی تلاش میں گھومتے پھرتے تھے آخر میں ان کو جیسا کہ الیافعی کا بیان ہے "اسم اعظم" کا علم حاصل ہوا اور اسی سے دین و دنیا کا کام بن گیا تفصیلات مراۃ الجنان میں دیکھئے (ایک مستقل کتاب بھی الیافعی نے ان کے کرامات کے تذکرے میں لکھی ہے۔

پھر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آئے اور اپنی آخری سانس اسی بلد اللہ الحرام میں پوری کی لکھا ہے

ثم رجع الی مکۃ واقام بھا مدینہ سے مکہ معظمہ واپس ہوئے اور یہیں قیام اختیار کر لیا۔

مکہ معظمہ ہی میں وفات ہوئی تخیناً (۶۹) یعنی ایک سال کم ستر عمر پائی۔ ۷۶۸ھ ماہ ۲۰ جمادی الآخری وفات کی تاریخ ہے، ولادت کے سن میں حافظ نے شک ظاہر کیا ہے ۶۹۹ھ یا ۶۹۸ھ کے درمیان میں پیدا ہوئے۔ خود لکھا ہے کہ ۷۱۱ھ میں وہ بالغ ہو چکے تھے، گویا تیرہ یا چودہ سال کی عمر ان کی اس وقت تھی،

چونکہ ان کی آخری زندگی مکہ معظمہ میں گذری اس لئے "الیمنی" کے ساتھ لوگ ان کو المکی بھی لکھتے ہیں، اس کا تو کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم فقراء کی سب سے بڑی خصوصیت یعنی "تجرد کی زندگی" یہ زندگی الیافعی کی نہیں تھی حافظ نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں انہوں نے نکاح کر لیا تھا اور غالباً ایک سے زیادہ دفعہ "تزوج" کی نوبت آئی لیکن عام روش ان کی الاسنوی نے اپنے طبقات میں یہی بیان کی ہے کہ

کان کثیر الایثار للفقراء کثیر التواضع منزعجا علی الاغنیاء معرضا عما بایدیھم کثیر الاحسان للطلبۃ۔ (درر)

غریبوں کے لئے تو ہر طرح کی قربانی بھی کرتے تھے اور ان کے سامنے حد سے زیادہ متواضع اور خاکسار رہتے، لیکن تونگروں اور امیروں سے ہمیشہ بے نیازی کا سلوک رکھا ان امراء کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا ہے (یعنی مال و دولت) اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتے اور علم کے طلبہ کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے۔

جیسا کہ حاشیہ میں میں نے لکھا ہے کہ اپنی تاریخ کے آخر میں الیافعی اپنے اور اپنے شیخ طریقہ

علی الطواشی کے بعض حالات بھی لکھے ہیں ان ہی حالات وواقعات کے سلسلہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ میں آبادی سے باہر چلا گیا تھا اور

اخترت موضعا بعیدا عن الناس لوگوں سے بہت دور میں نکل گیا اور

فخلوت فیہ تحت شجرۃ خفیۃ ۔ جنگل کے درختوں میں سے ایک ایسے

بین اشجار البریۃ بحیث درخت کے نیچے بیٹھ گیا وہ ایسی جگہ

لا تھیدی مکانی احد ص۳۱۹ ج۴ مراۃ تھی کہ کسی کو میرا پتہ نہیں چل سکتا تھا۔

اسی طرح ایک دوسرے قصے کے ضمن میں لکھا ہے کہ

طلعت بعض الجبال والعزلت میں ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور ایک پتھر کے

بعیدا من الناس تحت بعض الاحجار نیچے لوگوں سے کنارہ کش ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ ص۲۱۱

یہ اور اسی قسم کے ضمنی واقعات جن کا جستہ جستہ مقامات پر الیافعی نے تذکرہ کیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صحرا اور پہاڑ جنگل کی تنہائی کی زندگی سے ان کو خاص قسم کا انس تھا، عدن کا ذکر کرتے ہوئے ایک موقعہ پر لکھتے ہیں کہ برکتوں سے بھرے ہوئے وہ دن یاد آتے ہیں، جب سمندر کے کنارے صراس نامی مقام پر جو وحقات نامی ساحل کے پیچھے ہی ہی چند اصحاب کے ساتھ تھا، دیکھو مراۃ ص۳۰۹ ج ۴ -

ایک موقع پر اسی کتاب میں خدا سے اس کی آرزو بھی کی ہے مجھے اس کی توفیق میسر ہو کہ خلق اللہ سے کنارہ کشی کر کے تنہائی کی زندگی سے مرا دل مانوس رہے ص۲۹۵ ج ۴ -

جہاں تک میں خیال کرتا ہوں علامہ الیافعی کی صوفیانہ زندگی کے رنگ کا اندازہ مذکورہ بالا معلومات سے پڑھنے والوں کو ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد اب میں المرشدی کے بھی مختصر حالات کا تذکرہ کرتا ہوں۔

المرشدی کا تذکرہ الیافعی نے بھی مراۃ الجنان میں کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے درر کامنہ میں بھی ان کے کچھ حالات درج کئے ہیں ان دونوں کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اسی کا خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں، یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حافظ ابن حجر کے بیانات تو سماعی اور شنیدہ ہیں لیکن الیافعی براہ راست المرشدی کے دیکھنے والوں میں ہیں ان سے وہ

ملے بھی تھے، اس لئے ان کی روائیتیں روائیتیں ہی نہیں بلکہ چشم دید شہادتوں کی بھی حیثیت رکھتی ہیں۔

المرشدی | حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ وطناً مرشدی دھروط کے رہنے والے تھے، ۷۰۰ھ کے بعد پیدا ہوئے تھے، وقت کے چند مشہور علماء سے ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد ان پر باطنی سلوک کا شوق مستولی ہوا، کہاں کہاں رہے اور کہاں کہاں گئے کس کس سے کیا کیا سیکھا؟ تفصیل تو اس کی معلوم نہ ہو سکی صرف الیافعی نے لکھا ہے کہ براہ راست خود مرشدی نے ان سے کہا تھا کہ ستر بزرگوں کی صحبت سے انہوں نے فیض حاصل کیا ہے اگر عربی زبان کے عام محاورے کا خیال کر کے ستر کے عدد کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ اس سے کوئی خاص عدد مقصود نہیں ہے بلکہ کثرت تعداد کے اظہار کا یہ ذریعہ ہے، تو اس کے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی، اس کا بھی پتہ نہیں چلا کہ بزرگوں کی صحبتوں میں مرشدی نے اپنی عمر کا کتنا حصہ گذارا، بہرحال ان کی طلب کی زندگی پر تو پردہ پڑا ہوا ہے لیکن ایام طلب سے فارغ ہونے کے بعد ایک عجیب و غریب شخصیت کے قالب میں وہ نمایاں ہوئے۔

مختصر یہ ہے کہ گھوم پھر کر بالآخر مین کے ریگستانی اور صحرائی علاقہ کے ایک گانوں میں انہوں نے قیام اختیار کر لیا تھا، اس گانوں کا نام حافظ ابن حجر نے "منیۃ بنی مرشد" بتایا ہے، اور الیافعی نے اس کو "قریہ مرشد کھلان" کے نام سے موسوم کیا ہے المرشدی اسی گانوں کی نسبت سے لوگ ان کو کہتے تھے، ورنہ ان کا نام

"محمد بن عبد اللہ بن ابی المجد[1] ابراہیم" ہے

اسی گانوں میں ایک زاویہ یعنی خانقاہ میں مقیم تھے، غالباً یہ خانقاہ ان ہی کی قائم کی ہوئی تھی۔

حافظ ابن حجر نے ابن فضل اللہ کے حوالہ سے اس گانوں کی حالت یہ نقل کی ہے

---

[1] الیافعی بجائے ابوالمجد کے ان کے دادا کا نام مجد لکھا ہے واللہ اعلم یہ کتابت کی غلطی ہے یا کیا ہے ۱۲

قریة صغیرة فی طریق الرمل — ایک چھوٹا سا گانوں ریگستانی راستہ پر واقع۔
یہ حال تو گانوں کا تھا اور زاویہ یعنی خانقاہ جسمیں حضرت مرشدی کا قیام (صـ۲۶۴ ج ۲)
اس کی کیفیت ابن فضل اللہ ہی کی زبانی سنئے، لکھتے ہیں کہ

لیس لہ خادم ولا عرف لہ — (اس زاویہ میں) نہ مرشدی کے پاس کوئی
طباخہ ولا قدر ولا مغرفة — خادم تھا اور پکانے والی (بڑھیا بھی) کہ
ولاموقد نار۔ درر صـ۲۶۴ ج ۲ — ان کے پاس تھی اس کا بھی کسی کو علم نہیں
نہ وہاں ہانڈی تھی اور نہ کفگیر اور چمچہ، کہ
آگ کا سلگانے والا بھی نہیں۔

بے نوائی اور بے سروسامانی کا یہ آخری نقطہ ہو سکتا ہے مگر بایں ہمہ کسی ایک آ
کی روائت نہیں ہے بلکہ جم غفیر کی یہ چشم دید شہادتیں ان ہی حضرت مرشدی کے متعلق
حد تواتر تک پہونچی ہوئی ہیں، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔

کانت لہ احوال وھمة — ان کے خاص حالات تھے، عام الناس
فی خدمت الناس وضیافتھم — خدمت اور مہمان نوازی کا خاص شوق
بحیث یطعم کل من مربہ — ان کی مہمان نوازیوں کا حال یہ تھا کہ
من کبیر وصغیر وقلیل — کوئی بھی ان کے سامنے سے گذرتا بڑا ہو
وکثیر۔ صـ۲۶۲ ۔ — تھوڑے لوگ ہوں یا بڑی جماعت سب کو کھلا

سمجھا آپ نے کیا مطلب ؟ یہ گانوں ریگستانی راہ پر واقع تھا، کاروا
قافلوں اور حجاج کے قافلوں کی عام گذرگاہ تھی، شیخ کی شہرت اس حد کو پہونچ
تھی کہ الیافعی نے نقل کیا ہے کہ

یاتیہ الامراء والوزراء — امراء اور وزراء اور ان کے سواد
وغیرھم من اھل الدنیا۔ مرآۃ ج ۴ — لوگ ان کے لوگ ان کے پاس آتے
اور وہ سب کی ضیافت فرماتے تھے (صـ۲۹۶) الیافعی نے یہ بھی لکھا ہے کہ

لواجتمع عندہ اکثر عسکر — اور مخلوقات خدا کی بڑی سی بڑی فو

فی الوسری لعجل الیہ فی الحال۔ ما احب من القری صـ ۲۹۲ — کیوں نہ ان کی خانقاہ میں آجاتی ہر ایک کے سامنے اسی وقت بعجلت تمام ضیافت میں اسی چیز کو پیش کرتے جو اس کا دل چاہتا تھا۔

جن لوگوں نے مصر کے شاہان ممالک کی تاریخ پڑھی ہے وہ الناصر کے عہد کی اس شخصیت سے ناواقف نہ ہونگے جس کا نام بکتمر الساقی[1] تھا، الناصر کے حکم سے جب بکتمر ایسا امیر کبیر بھی مرشدی کی خانقاہ میں آتا تھا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس خانقاہ میں عام لوگوں کی آمد و رفت کا کیا حال ہوگا۔

اور الیافعی کا فقرہ "لعجل الیہ فی الحال ما احب من القری" یعنی بہت جلد ہر شخص کے سامنے اسی کھانے کو پیش کرتے جو اس کا جی چاہتا تھا۔

یہ صرف انشائی قافیہ بندی یا شاعری نہیں ہے بلکہ المرشدی کی مہمان نوازی کی سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ تھی جیسا کہ تمام سوانح نگاروں نے بالاتفاق لکھا ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

یقدم لکل واحد ما یقع فی خاطرہ۔ — ہر ایک کے سامنے اسی کھانے کو وہ پیش کرتے جس کا خیال کھانے والے کے دل میں گذ

ابن فضل اللہ کے الفاظ بھی اسی کے قریب قریب یہ ہیں کہ

احضر لکل واحد منہم ما اقترح — جو جو کچھ چاہتا وہی کھانا اس کے آگے پیش کیا کرتے

ابن حجر کا بیان ہے کہ ان کی ضیافت کی اسی خصوصیت کا عام شہرہ تھا یعنی جس

---

[1] بکتمر مصر کے شاہان ممالک میں سے الناصر کے زمانہ کا سب سے بڑا امیر ہے، لکھا ہے کہ ایک لاکھ غلام اس کے پاس تھے، ۹۵ لاکھ کے صرفہ سے الناصر نے بکتمر کا صرف اصطبل خانہ تعمیر کرایا تھا، ستر سائیس گھوڑوں کی نگرانی و تربیت و پرداخت کیلئے ملازم تھے، بکتمر کی جب وفات ہوئی تو اس کے اصطبل کے گھوڑوں کی بڑی تعداد شاہی باڈی گارڈ کے سپاہیوں کے قبضہ میں چلے گئے تھے پھر بھی جو باقی رہ گئے تھے حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حد سے زیادہ ارزاں قیمت میں فروخت کئے گئے،

باقی بر صفحہ ۳۳

دل میں جس چیز کے کھانے کی خواہش تھی اسی کو وہ اپنے سامنے پاتا اور معمولی چیزیں نہیں ہوتی تھیں، الذہبی کا بیان ہے کہ

کان یخرج للحاضرین الاطعمۃ الفاخرۃ۔ ص ۲۶۳
اعلیٰ درجے کے بہترین کھانے لوگوں کے سامنے وہ پیش کرتے تھے۔

ابن فضل اللہ کا بیان ہے کہ اس صحرائی ٹاپو میں ایسی چیزیں ان کے دسترخوان پر ہوتی تھیں کہ

لایوجد الا فی القاہرۃ و دمشق۔
کہ دمشق و پایہ تخت شام اور قاہرہ (پایہ تخت مصر) کے سوا اور کہیں نہیں پائی جاتی تھیں۔

اور ان لوگوں کی تو یہ سنی ہوئی روائتیں ہیں اگرچہ بقول حافظ ابن حجر

اشتہر ھذا عنہ وذاع
یہ باتیں المرشدی کی طرف سے عام طور پر مشہور و شائع ہو گئی تھیں

لیکن الیافعی نے تو اسی سلسلہ میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے لکھتے ہے کہ میں جس دن مرشدی سے ملنے اسی قریہ مرشد کھلان میں حاضر ہوا تھا، روزے سے تھا۔ میں نے اپنے روزے کا حال ان سے بیان نہیں کیا تھا، لیکن خلاف دستور میں نے دیکھا کہ میرے لئے کھانے کا نظم اس وقت نہیں کیا، بلکہ تنہائی میں لے جا کر دیر تک باتیں کرتے رہے، پھر باہر نکلے اور لوگ جو آئے ہوئے تھے ان سے گفتگو میں مشغول رہے، شام تک انہوں نے مجھ سے پوچھا بھی نہیں کہ کچھ کھاؤ گے، مگر جونہی کہ مغرب کا وقت ہوا، مغرب کی نماز سے میں فارغ ہو کر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ

اذا یہ قد مد عندی سماطاً
المرشدی نے میرے لئے دسترخوان بچھا دیا ہے،

یکفی جماعۃ کثیرۃ من الاضیاف
اس دسترخوان پر کھانے کی اتنی مقدار تھی

اس پر بھی بارہ لاکھ قیمت وصول ہوئی۔ سلاح خانہ کے ہتیاروں کی قیمت چھ لاکھ اشرفیاں (مصری دینار) تھیں، بادشاہ پر بکتمر کا اثر اسی قدر تھا کہ الناصر کسی کے نام انعام یا وظیفہ وغیرہ کا فرمان جاری کرتا اور شکریہ میں وہ زمین بوس ہوتا تو ناصر ہدایت کرتا کہ بکتمر کا ہاتھ جا کر چومو (مطلب یہ تھا کہ جس کسی کو جو کچھ میں دیتا ہوں) بکتمر کے اشارے سے دیتا ہوں اس لئے تم لوگوں کا واقعی محسن وہی ہے۔ دیکھو درر کامنہ ص ۴۸۶/۴۸۷ ج ۱۔

فی الوری لعجل الیہ فی الحال ما احب من القری ص ۲۹۲ ـ

کیوں نہ ان کی خانقاہ میں آجاتی ہر ایک کے سامنے اسی وقت بعجلت تمام ضیافت میں اسی چیز کو پیش کرتے جو اس کا دل چاہتا ۔

جن لوگوں نے مصر کے شاہان ممالک کی تاریخ پڑھی ہے وہ الناصر کے عہد کی اس شخصیت سے ناواقف نہونگے جس کا نام بکتمر الساقی[1] تھا، الناصر کے حکم سے جب بکتمر ایسا امیر کبیر بھی مرشدی کی خانقاہ میں آتا تھا تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس خانقاہ میں عام لوگوں کی آمد ورفت کا کیا حال ہوگا ۔

اور الیافعی کا فقرہ "لعجل الیہ فی الحال ما احب من القری" یعنی بہت جلد ہر شخص کے سامنے اسی کھانے کو پیش کرتے جو اس کا جی چاہتا تھا ۔

یہ صرف انشائی قافیہ بندی یا شاعری نہیں ہے بلکہ المرشدی کی مہمان نوازی کی سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ تھی جیسا کہ تمام سوانح نگاروں نے بالاتفاق لکھا ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

یقدم لکل واحد ما یقع فی خاطرہ ۔

ہر ایک کے سامنے اسی کھانے کو وہ پیش کرتے جس کا خیال کھانے والے کے دل میں گذرتا

ابن فضل اللہ کے الفاظ بھی اسی کے قریب قریب یہ ہیں کہ

احضر لکل واحد منہم ما اقترح

جو جو کچھ چاہتا وہی کھانا اس کے آگے پیش کیا کرتے تھے

ابن حجر کا بیان ہے کہ ان کی ضیافت کی اسی خصوصیت کا عام شہرہ تھا یعنی جس کے

---

[1] بکتمر مصر کے شاہان ممالک میں سے الناصر کے زمانہ کا سب سے بڑا امیر ہے، لکھا ہے کہ ایک لاکھ غلام اس کے پاس تھے، ۹۵ لاکھ کے صرفہ سے الناصر نے بکتمر کا صرف اصطبل خانہ تعمیر کرایا تھا، سو سائیس گھوڑوں کی نگرانی و تربیت و پرداخت کیلئے ملازم تھے، بکتمر کی جب وفات ہوئی تو اس کے اصطبل کے گھوڑوں کی بڑی تعداد شاہی باڈی گارڈ کے سپاہیوں کے قبضہ میں چلے گئے تھے پھر بھی جو باقی رہ گئے تھے حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حد سے زیادہ ارزاں قیمت میں فروخت کئے گئے،

باقی بر صفحہ ۳۳

دل میں جس چیز کے کھانے کی خواہش تھی اسی کو وہ اپنے سامنے پاتا اور معمولی چیزیں نہیں ہوتی تھیں، الذہبی کا بیان ہے کہ

کان یخرج للحاضرین لاطعمۃ الفاخرۃ۔ صہ ۳۶۳ — اعلیٰ درجے کے بہترین کھانے لوگوں کے سامنے وہ پیش کرتے تھے۔

ابن فضل اللہ کا بیان ہے کہ اس صحرائی ٹاپو میں ایسی چیزیں ان کے دسترخوان پر ہوتی تھیں

لایوجد الا فی القاہرۃ او دمشق۔ — کہ دمشق و پایہ تخت شام اور قاہرہ (پایۂ تخت مصر) کے سوا کہیں نہیں پائی جاتی تھیں۔

اور ان لوگوں کی تو یہ سنی ہوئی روایتیں ہیں اگرچہ بقول حافظ ابن حجر

اشتہر ہذا عنہ وذاع — یہ باتیں المرشدی کی طرف سے عام طور پر مشہور و شائع ہیں

لیکن الیافعی نے تو اسی سلسلہ میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے لکھا ہے کہ میں جس دن مرشدی سے ملنے اسی قریہ مرشد کھلان میں حاضر ہوا تھا روزے سے تھا۔ میں نے اپنے روزے کا حال ان سے بیان نہیں کیا تھا، لیکن خلاف دستور میں نے دیکھا کہ میرے لئے کھانے کا نظم اس وقت نہیں کیا، بلکہ تنہائی میں لے جا کر دیر تک باتیں کرتے رہے، پھر باہر نکلے اور لوگ جو آئے ہوئے تھے ان سے گفتگو میں مشغول رہے، شام تک انہوں نے مجھ سے پوچھا بھی نہیں کہ کچھ کھاؤ گے، مگر جو نہی کہ مغرب کا وقت ہوا، مغرب کی نماز سے میں فارغ ہو کر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ

اذا یہ قد مد عندی سماطاً — المرشدی نے میرے لئے دسترخوان بچھا دیا ہے،

یکفی جماعۃ کثیرۃ من الاضیاف — اس دسترخوان پر کھانے کی اتنی مقدار تھی

اس پر بھی بارہ لاکھ قیمت وصول ہوئی۔ سلاح خانہ کے ہتیاروں کی قیمت چھ لاکھ اشرفیاں (مصری دینار) تھیں، بادشاہ پر کلیمر کا اثر اسی قدر تھا کہ الناصر کسی کے نام انعام یا وظیفہ وغیرہ کا فرمان جاری کرتا اور شکریہ میں وہ زمین بوس ہوتا تو ناصر ہدایت کرتا کہ کلیمر کا ہاتھ جا کر چومو (مطلب یہ تھا کہ جس کسی کو جو کچھ میں دیتا ہوں) کلیمر کے اشارے دیتا ہوں اس لئے تم لوگوں کا واقعی محسن وہی ہے۔ دیکھو درر کامنہ صہ ۴۸۶/۴۸۷ ج ۱۔

من الاطعمة ما يكثر عدده — جو مہمانوں کی بڑی جماعت کے لئے کافی ہو سکتی
من الانواع والاصناف۔ — تھی اور کھانے بھی طرح طرح کے اور مختلف
[illegible] ج ۴) — قسموں کے تھے۔

اور بات اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی ہے، آگے الیافعی نے اپنی ذاتی شہادت ان الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں کہ

كان فى نفسى شهوة طعام مخصوص ما كنت ذقته فى جميع عمرى احضره فى ذالك السماط ص ۲۹۳ ج ۴۔ — میرا جی ایک خاص قسم کے کھانے کو چاہتا تھا مگر ساری عمر اس کے چکھنے کا بھی موقعہ نہ ملا تھا، میں نے اس دستر خوان پر اس کھانے کو بھی پایا۔

اور گو جیسا کہ میں نے بیان کیا ان کے دربار میں وزرار امرار کی بھی آمد و رفت تھی، بکتمر ساقی جیسا امیر کبیر ان کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا، لیکن بالاتفاق اس کی گواہی بھی سب ہی دیتے ہیں کہ

لم يكن يقبل لاحد شيئًا — کسی شخص سے قطعًا کچھ قبول نہیں کرتے تھے

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ مصر کے سلطان ناصر نے اسی بکتمر کے ہاتھ کافی الذھب (زر) مرشدی کے پاس بھیجا اور اصرار کیا کہ کسی طرح ان کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے، مرشدی نے اصرار کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لینے کو تو لے لیا لیکن ترکیب یہ کی کہ بکتمر جب جانے لگا تو تحفہ میں غالبًا کسی قسم کا حلوا سلطان کے لئے ساتھ کر دیا، اسی ماکول یعنی حلوے میں اشرفیاں سلطان کی بھیجی ہوئی دفن تھیں اور یوں عطائے خواجہ بلقائے خواجہ کی واپسی کی صورت نکل آئی۔ الغرض ساری دنیا جانتی تھی کہ نہ کسی سے وہ کچھ لیتے تھے اور نہ بظاہر ان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ تھا، مگر حال یہ تھا کہ حج میں ایک مرتبہ بڑے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئے، راستہ بھر آمد و رفت میں سب کا کھانا المرشدی کی طرف سے تقسیم ہوتا تھا، حافظ نے لکھا ہے،

ينفق كل ليلة عليهم تاسرة — ہر رات میں قافلہ والوں پر کبھی ایک ہزار

الفا و تارۃ اکثر۔ کبھی ایک ہزار سے زیادہ خرچ کرتے رہے
حساب کرنے والوں نے ایک دفعہ چند راتوں کے مصارف کا حساب کیا تو
معلوم ہوا

انفق فی ثلاث لیال ما قیمته الف دینار وفی خمس لیال اخری ما قیمه نحو الخمسة وعشرین الفا۔ ص ۲۶۳

تین راتوں میں ہزار اشرفیاں خرچ ہوئیں پھر پانچ دوسری راتوں میں پچیس ہزار اشرفیوں تک مصارف عائد ہوئے۔

بہرحال مرشدی کی ان عجیب وغریب مہمان نوازیوں اور شاہ خرچیوں کی داستان بہت طویل ہے، ظاہری اسباب کا قطعی فقدان اور اس پر مزید لطیفہ یہ کہ ہر شخص کو اس کی خواہش اور آرزو کے مطابق کھانا ملنا، اور ایسے کھانے جو اس زمانہ میں دمشق اور قاہرہ کے دارالسلطنتوں کے سوا اور کسی جگہ میسر نہیں آسکتے تھے اور بقول ابن فضل اللہ

لا تخیص ذلک بوقت دون وقت بل لو اتاہ فی الیوم الواحد من اتاہ لا بد من ان یحضر له ما یشتهیه۔ دار ص ۲۶۲ ج ۳۔

اور یہ بات کسی خاص اور زمانہ کے ساتھ مختص نہ تھی، بلکہ ایک ہی دن جتنے آدمی بھی المرشدی کے یہاں آتے سب کے سامنے اس کی خواہش کے مطابق کھانا حاضر کیا جاتا

اور اس ضیافت کے ذوق کے غلبہ کی حد یہ تھی جیسا کہ ذہبی کا بیان ہے۔

کان یقدم الوارد ین بنفسه

المرشدی اپنے مہمانوں کی خدمت خود بنفس نفیس کرتے تھے،

طریقہ شیخ کا یہ تھا کہ مہمان جب آجاتے، تو اپنے حجرے میں چلے جاتے بقول ذہبی

لا ید خله احد۔

پھر اس وقت حجرے میں ان کے ساتھ کوئی دوسرا داخل نہ ہوتا

اور جیسا کہ ابن فضل اللہ کا بیان ہے

وغاب هنیهة واحضر لکل واحد منهم ما اقترح ص ۲۶۲

تھوڑی دیر کے لئے (اسی حجرے میں) وہ غائب ہو جاتے اور اس کے بعد ہر شخص کی خواہش کے مطابق کھانا لا کر پیش کر دیتے

خود الیافعی نے اس کی تصویر بھی کھینچی ہے یعنی اس حجرے سے شیخ کھانا کس طرح لاتے [illegible]ـوں کے سامنے رکھتے تھے، یافعی نے لکھا ہے کہ میں جس زمانے میں شیخ سے ملنے [illegible] شعبان کا مہینہ تھا، اور نصف شعبان کی رات میں شیخ کے یہاں بڑا ہجوم ہوتا تھا اس ہجوم کا خیال کرکے میرا دل گھبرایا اور میں نے طے کیا کہ کل صبح میں شیخ سے رخصت ہو جاؤنگا ان کے الفاظ یہ ہیں

وعزمت على السفر هاربا من لقاء من يأتيه من سائر البلدان لما قد اعتادوا عنده ليلة النصف من شعبان۔ مراۃ ص ۲۹۳ ج ۴۔

میں نے سفر کا پکا ارادہ کر لیا کیوں کہ ان لوگوں سے میں بھاگنا چاہتا تھا جو ۱۵ ر شعبان کی شب میں ہر شہر اور آبادی کے لوگ شیخ کے پاس حاضر ہوئے تھے، یہ ان لوگوں کی سالانہ عام عادت تھی۔

شیخ سے یافعی نے اپنے اس ارادہ کو جب ظاہر کیا تو بولے کہ تم کو جانے نہیں دیا جائیگا بلکہ مصر ہوئے کہ میرے ساتھ "کوم قرح" تمکو بھی جانا پڑیگا، یہ "کوم قرح" شیخ مرشدی کے گاؤں کے پاس کسی خاص جگہ کا نام تھا جہاں نصف شعبان کی رات میں لوگ جمع ہوتے تھے، یافعی نے لکھا ہے کہ

كوم قرح مكان يجتمع عنده خلائق لا يحصون في ليلة المذكورة ويطعمهم جميعًا من الاطعمة الطيبة المشكورة۔ ص ۲۹۴۔

کوم قرح ایک جگہ ہے جہاں مذکورہ بالا شب (۱۵ ر شعبان) کو بے شمار مخلوق شیخ مرشدی کے پاس اکٹھی ہوتی ہے، اور شیخ ہر ایک کو بہترین پاکیزہ عمدہ عمدہ لذیز کھانے کھلایا کرتے تھے۔

یعنی جس ڈر سے یافعی بھاگنا چاہتے تھے اسی ہجوم خلق اللہ میں انہوں نے حکم دیا کہ تمکو بھی شریک ہونا پڑیگا، لکھا ہے کہ میں نے شیخ سے بہت معذرت کی اور التجا کی کہ اس مجمع میں شریک ہونے پر زیادہ اصرار نہ فرمائیں آخر میں شیخ نے کہا کہ جب تم جانا ہی چاہتے ہو تو عشاء کی نماز تک تم میرے پاس ٹھیرو، یہ اس پر راضی ہو گئے۔ یہ دن کا وقت تھا اور آج یافعی نے روزے کی نیت نہیں کی تھی، بلکہ لکھا ہے کہ شیخ کے روک لینے کے بعد میں نے روزے کا ارادہ

(بقیہ بر صفحہ ۲۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قانون کا حقیقی تصور

اور

انسانی آزادی

از :- جناب مولوی جمیل الدین احمد صاحب

(سلسلہ ۸)

اب ہم فطرت کے آئینہ میں دیگر اقوام کے مساوات کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان کے خود ساختہ قوانین میں انسان کی باہمی مساوات پورے خط و خال کے ساتھ نمایاں ہے یا طفل تسلی کے لئے بالکل ایک دھندلا تصور ہے جو بچوں کے کھلونے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

چونکہ ہندوستان علوم و فنون کا مرکز اور بڑے بڑے مایہ ناز فلسفیوں کا گہوارہ رہا ہے جس کے کلچر اور ثقافت پر آج بھی لیڈران قوم کو ناز ہے اس لئے قانون فطرت (اسلام) کے ساتھ ویدک دھرم کے قوانین کا مقابلہ کرکے مساوات کا نقشہ ہم پیش کرتے ہیں۔

ہندو قوم کی تقسیم | ہندوستان کے مشہور مقنن "منو" نے افراد انسانی کی تقسیم حسب ذیل کی ہے برہما نے

(۱) برہمن کو اپنے منہ سے پیدا کیا (۲) کشتری کو ہاتھ سے (۳) ویش کو ران سے (۴) شودر کو پاؤں سے۔

اور مدارج افراد انسانی میں فضیلت و رذیلت کی وہی ترتیب رکھی ہے جو برہما کے اعضاء و جوارح میں ایک کو دوسرے پر حاصل ہے۔

قانون فطرت کا نسبی نظریہ | اس کے خلاف میں قانون فطرت کا یہ اعلان ہے کہ

تمام انسان نفس واحد (حضرت آدم) کی اولاد ہیں۔

یا یہا الناس اتقوا ربکم الذی	اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے
خلقکم من نفس واحدۃ وخلق	تم کو ایک جان (حضرت آدم) سے پیدا کیا
منہا زوجہا وبث منہما رجالا	اور ایک جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور
کثیرا ونساء (سورۂ نساء ا ع پ ۴)	ان دونوں سے بہت مرد اور عورت پھیلائے۔

قانون فطرت انسانیت کی اصل اور اس کے مبدأ کے لحاظ سے خواہ وہ مادی حیثیت سے منی و نطفہ ہو یا غیر مادی حیثیت سے روح ہو افراد انسانی میں کوئی فضیلت و ترجیح کی جہت قائم نہیں کرتا اور تمام انسانی برادری کو خواہ عربی النسل ہو یا عجم نژاد، گورے ہوں یا کالے مساوات کا درجہ دیتا ہے۔

الناس کلہم بنو آدم وآدم	سب لوگ اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی
من تراب۔	سے بنے تھے۔
لا فضل لعربی علی عجمی و	کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے اور نہ
لا لابیض علی اسود ولا لاسود	کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر
علی ابیض الا بالتقویٰ۔ (حدیث)	البتہ فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔

البتہ تقویٰ (علم و عمل) کے لحاظ سے امتیازی ڈگری قانون فطرت نے عطا کی ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کی جائیگی۔

طہارت و نجاست اور تعلیم و ہدایت (۱) مقنن "منو" شودروں کو بالذات نجس و ناپاک قرار دیتا ہے اور اونچ ذاتوں کو جو برہمن اور کشتری اور ویش میں تقسیم کی گئی ہیں شودروں سے کامل پرہیز کا حکم دیتا ہے۔ برہمن کے لئے شودر کا تیار کیا ہوا کھانا خواہ اس کا ہاتھ لگا ہو یا نہ لگا ہو جائز نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے ہندو "لا" کی رو سے کوئی شودر ویدانت کی تعلیم پانے کا حق نہیں رکھتا۔ اگر بالارادہ کوئی شودر "وید" کے الفاظ سن لے تو وہ اس کے کان میں پگھلی ہوئی رانگ یا لاکھ ڈالنے کا حکم دیتا ہے اور اگر وید کی عبارت پڑھ لے تو اس کی زبان کاٹ دینے اور اگر اس کو یاد کرلے تو اس کے جسم کے

دو ٹکڑے کرنے کے احکام دیتا ہے۔

تعلیم دینے کی فرضیت انسان پر بموجب قانون فطرت اور طہارت و نجاست

(۱) ہندو لا کے برخلاف قانون فطرت نے تمام افراد انسانی پر بلا لحاظ قوم و نسل احکام الہٰی کی تعلیم فرض کی ہے اور سب کے لئے ایک ہی راہ عمل اور ایک ہی منزل مقصود مقرر کی۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا ن الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔ (الاعراف ۱۹ع)

اے دنیا جہان کے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں زمین میں ہے وہی سب کا مالک و رب و حاکم ہے حیات و موت اسی کے اختیار میں ہے سو اللہ اور اس کے ایسے رسول اُمّی پر ایمان لاؤ جو اللہ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان ہی کی اتباع کرو ہدایت پاؤ گے۔

اور خصوصی طور پر قانون فطرت نے یہ فرض بھی عائد کیا ہے کہ ایک خاص جماعت تبلیغ دین کے لئے مامور رہنی چاہئے کہ تمام افراد انسانی بلا خصوصیت قومی و نسلی قانون فطرت کی تعلیم حاصل کر سکیں۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ (آل عمران ۱۱ع پ۴)

تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو جنت کی طرف بلاتی ہو اور نیک کام کا حکم دیتی ہو اور برائیوں سے روکتی ہو۔

(۲) اور بجز مشرک کے کسی کو نجس و ناپاک قرار نہیں دیتا اور اس نجاست کی بنیاد مشرک کا علم و عقیدہ فاسد ہے۔ انما المشرکون نجس لیکن مشرک کو بھی اس کی نجاست کے باوجود کلام اللہ سننے کی ہدایت دیتا ہے۔

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتیٰ یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ذلک بانھم قوم لا یفقھون

اگر مشرکوں میں سے کوئی تمھارے پناہ میں آیا ہے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے پھر اس کو اسکے امن تک پہونچا دو یہ اسلئے کہ وہ نادان لوگ ہیں۔

غلام کو آزادی | متفننِ منو شودر کو اس کی کمائی ہوئی دولت و جائداد پر بھی حقوق ملکیت دینے سے انکار کرتا ہے شودر اگر مال و دولت حاصل کرنے کی قوت رکھتا ہو تو بھی اسے حاصل نہ کرنا چاہئے کیونکہ غلام جو دولت جمع کر لیتا ہے وہ برہمن کو اذیت دیتا ہے۔

اور شودر کو اگر اس کا آقا آزاد کر دے تب بھی آزاد نہیں ہو سکتا کیونکہ جو حالت اس کی فطرت میں رکھی گئی ہے اس سے اس کو کوئی نکال نہیں سکتا۔

برخلاف اس کے قانون فطرت نے آزادی کو انسان کا اصلی حق قرار دیا ہے اور غلامی ایک امر عارضی ہے جو ہوائے نفسی کے سنگین جرائم فتنہ و فساد قتل و غارتگری کی صورتوں میں منتج ہونے کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوئی ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل سافلین الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات۔ (سورۂ تین اع پ ۳۰)

ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا پھر اس کو اسفل سافلین (حیوانیت محضہ) کی طرف لوٹایا بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے۔

دفعہ مذکور میں لفظ انسان پر جو الف لام ہے اس امر کی توضیح کرتا ہے کہ انسان میں تمام افراد انسانی شامل ہیں خواہ وہ کسی گھر میں پیدا ہوئے ہوں جس کی تشریح شارع قانون فطرت نے حسب ذیل الفاظ میں فرمائی ہے۔

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ و ینصرانہ و یمجسانہ۔ (حدیث)

ہر بچہ فطرت انسانی پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی مجوسی بناتے ہیں۔

قانون فطرت (دین اسلام) ہی فطرت انسانی ہے۔

(باقی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ

حقیقت یہ ہے کہ بعض قیاس و گمان ذہن انسانی کی غیر صحیح
لت میں ذہنی معصیت سے محفوظ رہنے کیلئے اس واقعہ کو ظاہر کر دیا جاتا ہے
رسالہ کی آمدنی بعد وضع حقیقی اخراجات دین کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے وقف
ہگی یہ توفیق الٰہی و بحمدہٖ مرتب رسالہ کی ذات رسالہ کی آمدنی سے مستفید نہ
وگی اس لئے مالی تعاون کی درخواست نہیں ہے بلکہ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ
خَیْرٌ لَّهٗ اہل خیر ہی کار خیر کا اجر پائیں گے۔

رجسٹرڈ نمبر ۲۶۱

لقد انزلنا الیکم کتابا فیه ذکرکم

تحقیق ہم نے تمہاری طرف کتاب بھیجی ہے اس میں تمہارا ذکر ہے

ماہنامہ

[illegible]

فطرتِ انسانی کا تذکرہ

مرتبہ

صفوۃ الرحمٰن صابر

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فہرست مضامین

بابتہ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ جلد ۱ عدد ۹

فی پرچہ (۸) سالانہ ۶ تعاون حسب استطاعت

صفوۃ الرحمن صابر نے اعظم اسٹیم پریس سے طبع کرواکر دفتر رسالہ "الحق" ویوڑھی شہریار جنگ محلہ سلطان شاہی حیدر آباد دکن سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں تو حق باطل کا دماغ پاش پاش کر دیتا ہے اور باطل مٹ جاتا ہے

فروغ

انسان کا جسم، اس کی صورت، اعضاء ظاہری و باطنی کا نشو و نما ان کی بقا، ان کی صحت و سلامتی کے لئے قدرت کی پیدا کردہ اشیاء اور اس کے قوانین کو نہ ترک کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی خلاف ورزی کی جا سکتی ہے۔ انسان اس معاملہ میں قدرت کے اٹل قوانین کا اس درجہ محتاج اور پابند ہے کہ اقرار ربوبیت ناگزیر ہے۔ قوانین قدرت کو قوانین طبعی کہکر ذہن انسان کو خدا کے تصور سے نا آشنا رکھنے کی ایک ابلیسی چال چلی گئی جس میں انکار ربوبیت کی کافی جھلک موجود ہے غرض یہ کہ انسان کا نظام جسمانی اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جبکہ قوانین قدرت کی کما حقہٗ پابندی کی جائے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ تمام انسانوں کے لئے یہ قوانین بلا لحاظ نسل و رنگ، ملک و قوم یکساں جاری و ساری ہیں، حیات و پرورش و بقا انسان کے نظام کی اس وحدت کو تسلیم کرنے کے بعد کس طرح اس صداقت کو جھٹلایا جا سکتا ہے کہ ان قوانین قدرت کے نافذ و جاری کرنے والے خدائے دوجہاں کی عبادت و پرستش کا بھی ایک ہی نظام تمام بنی آدم کے لئے ہونا چاہئے جسمانی صحت و تندرستی کے ایک ہمہ گیر قانون کی گرفت میں جب تمام انسان جکڑے ہوئے ہیں تو اطوار، عادات، خصائل انسانی کا بھی ایک ہی الٰہی دستور انسانیت کو تمام انسانوں کے لئے تسلیم نہ کرنا عقل و فہم کی بڑی کوتاہی ہے بلکہ

صریحاً جہالت و نادانی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ادیان مختلفہ کے کتنے قابل ائمہ فکر اس جہل و نادانی میں مبتلا ہیں۔ وہی دستور انسانیت الٰہی ہے جس کو پیش کرنے والے فرستادۂ الٰہی نے نہ صرف اس کو پیش کر دیا ہے بلکہ عملاً اس کی ایک ایک ہدایت ایک ایک حکم پر خلوت، جلوت، زندگی کے جزوی جزوی معاملات میں نہ صرف خود عمل کر کے بلکہ اپنے متبعین کی ایک کثیر جماعت کو اس پر عامل بنا کر دنیا کے لئے ایک بہترین نمونہ انسانیت قائم کر دیا ہے اور الٰہی دستور انسانیت کے ساتھ ساتھ یہ نمونہ انسانیت بھی آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنی اصل آب و تاب کے ساتھ دست برد انسانی سے محفوظ و موجود ہے جس کا نام "القرآن والسنۃ" ہے نیز اپنے حدود امکانی میں اسی طرح اس پر عمل کرنیوالے بندگان خدا بھی ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں دنیا چاہے تسلیم کرے نہ کرے حقیقت بہر حال حقیقت ہے۔ انسان اپنی حقیقی فطری خواہشات کی تکمیل کے لئے اسی حقیقت کا محتاج ہے حقیقت انسان کی محتاج نہیں ہے اس حقیقت کو قبول و اختیار کرنے میں نفع ہے تو انسان کا ہے اور اس سے اعراض کرنے میں ضرر ہے تو انسان کا ہے۔

حقیقت کا انکار کرنے والے یا اس کو مان کر اس سے اعراض و تغافل کرنے والے ہر دو کو اس طرف متوجہ کرنے اور اس حقیقت کی یاد تازہ کرنے کیلئے یہ ماہ مبارک و مسعود "ربیع الاول" گردش کرتا رہتا ہے اور رسالت محمدیہ کی صدائے حق کو دہراتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

(ترجمہ) اے دنیا جہان کے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں

اے گروہ انسانی اگر آسمان زمین ہوا و پانی نباتات جمادات، حیوانات، گردش لیل و نہار شمس و قمر کا نظام فلکی ان کے باہمی ربط و تعلق کے اٹل قوانین جو تمہارے جسمانی نظام کو صحیح تندرست رکھتے ہیں وہ جس مالک حقیقی، حاکم مطلق، حاجت روائے دوجہاں اللہ پاک نے بنائے ہیں اسی اللہ بالا و برتر نے تمہارے اخلاق عادات، اطوار، خصائل کو درست رکھنے کے لئے اور تمہاری منزلی و مدنی زندگی میں اعتدال و توازن کو قائم و برقرار رکھنے کو

حدود عبدیت و انسانیت پر قائم رکھنے کیلئے اور اللہ کی عبادت کیلئے اور اللہ ہی سے وابستہ رہنے
اور عارضی و ابدی زندگی کو بہتر و خوش حال بنانے کے طور و طریق سکھانے کیلئے تمکو تم سب کی طرف بھیجا ہے

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

(ترجمہ) جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے

وہ ذاتِ قوی و قدیر جس کی مطلق و لازوال بادشاہی کا اعلان اس کے قوانین سماوی و ارضی کر رہے ہیں، جن قوانین کی بندشوں میں تمہارا ہر بن مو بندھا ہوا ہے اور ان کی اتباع و خلاف ورزی کے بھلے برے نتائج غیب نہیں تمہارے تجربہ و مشاہدہ میں ہیں اور جو ہر آن تم کو اپنی بندگی و محتاجی یاد دلا رہے ہیں۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ

(ترجمہ) اس کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے۔

وہی ذات جس نے تمکو زندگی جیسی عزیز و محبوب نعمت عطا کی اور ان گنت سامان زندگی پیدا کیا اور ساری مخلوق جن و ملک وغیرہ جس کے حکم سے تمہاری خدمت کر رہے ہیں جس کے حکم کے بغیر کوئی شے کوئی ذی روح، ذی عقل اپنی قوتِ فعل و اثر کو ظاہر نہیں کر سکتا وہی ذات اس قابل ہے کہ تمہارے دل میں اس کی محبت ہو، اسکا خوف ہو اس پر اعتماد بھروسہ ہو اس کی رضا و خوشنودی کا جذبہ ہو۔ تمہارا سر اسی کے آگے جھکا رہے تمہاری تمناؤں و آرزوؤں کا وہی ملجا و ماویٰ ہو، تمہاری احتیاج و فقر کی نسبت صرف اسی ایک ذات سے وابستہ رہے تمام ذوات خلق جو تمہاری طرح عاجز و بے بس ہیں وہ تمہاری دنیاوی و اخروی حاجتوں کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہیں اور نہ دنیا میں تمکو بے خوف و بے حزن زندگی عطا کر سکتے ہیں نہ تمہاری ابدی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کا ان کو اختیار ہے اس لئے وہ معبود و مستعان ہونے کے قابل و مستحق نہیں ہیں اللہ ہی کی عبادت و اطاعت و فرماں برداری تمہاری عارضی و ابدی زندگی کی مشکلات کا واحد حل ہے۔ تمہاری فطرت کا بھی یہی مطالبہ ہے کہ اس کو مطالبات فطرت کی تکمیل کے لئے خالق فطرت کے حوالہ سپرد کیا جائے یعنی ضروریات فطرت کو خالق فطرت کا [illegible] اس سفر حیات کو

منزل مقصود حیات ابدی، عیش و نشاط جاودانی حاصل کرے۔ اور دید و لقاء رب سے ہمیشہ لذت یاب رہو۔ انسان اپنی فطرت پر غور کرے تو وہ بہ یک نظر محسوس کریگا کہ اس چند روزہ عالم میں امن و سلامتی کے ساتھ زندگی کی قلیل مدت کو گذار دینا اس کی ایک فطری خواہش ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ انسان اس فطری خواہش کی تکمیل پر قادر نہیں ہے اور اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے وہ ایک قادر مطلق ہمہ داں و ہمہ خبر ہستی کی طرف فطری میلان رکھتا ہے اور اس کے آگے سرافگندہ رہنے میں اپنی فلاح و فوز سمجھتا ہے اسی باطنی جذبہ پر نظر کرتے یہ حقیقت تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ پیام رسالت محمدیہ صلعم لا الٰہ الا اللہ در اصل فطرت انسانی کا تقاضا ہے اور اس فطری دعوت کو قبول اور اس کے مقتضیات پر عمل کرنے کے لئے ایک کامل نمونہ انسانیت بھی انسان کی فطری حاجت ہے یہی پیام وہ روح پرور اور زندگی بخش پیام ہے جس کو قبول و اختیار کرکے انسان زندگی کی ظلماتی گھاٹیوں میں پر امن و سلامت یعنی نفس و شیطان کے فریب کاریوں سے محفوظ رہ کر خود کو دید و لقاء رب کے قابل بنا سکتا ہے اور بطور انعام الٰہیہ غیر فانی حیات ابدی مسرت و شادمانی کا مستحق ہو سکتا ہے بلحاظ علم و عمل جس کے مدارج و درجات ایک سے ایک اعلیٰ و ارفع ہیں اور جو فطرت انسانی کے پوشیدہ مطالبات ہیں اور عدم تکمیل مطالبات کی صورت میں ابدی درد و اذیت و تکالیف سے دوچار ہونا بھی یقینی ہے جو گویا ابدی زندگی کو ہلاک و برباد کرنا ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ

(ترجمہ) سو ایسے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول امی پر جو خود بھی اللہ اور اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں

تذکرۂ صدر فطری خواہش و مطالبات کو پورا کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ فطرت کے پوشیدہ مطالبات سے باخبر کرنے والے مخبر صادق کو ہادی برحق مان کر اللہ کی مالکیت و حاکمیت مطلقہ کو تسلیم کر کے اس کے احکام و ہدایات کو قبول و اختیار کر لیا جائے کیونکہ مخبر صادق نہ صرف پیغامبر فرستادہ الٰہی ہے بلکہ وہ جاذبات فطرت کو تحت ہدایات الٰہی استعمال کر کے تمہاری مکمل رہبری بھی کرتا ہے تاکہ انسان اس نمونہ انسانیت کا مطالعہ کر انسانیت کے سبق سیکھے اور حیوانہ زندگی کو ترک کر کے مرتبۂ انسانیت پر فائز ہو جائے۔

وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

(ترجمہ) اور اس نبی کا اتباع کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔

آج دنیائے انسانیت کج روی اور غلط طریقہ زندگی کے جس ہلاکت آفریں دور سے گذر رہی ہے اور انسان انسان نہیں حیوان معلوم ہو رہا ہے اس کے انسداد اور اس سے محفوظ رہنے کا واحد علاج یہی ہے کہ اس کامل نمونہ انسانیت کی اتباع کی جائے۔ ادنی ہوں کہ اعلی غریب ہوں کہ امیر راعی ہو کہ رعیت سب کے لئے یہی راہ نجات ہے، امن و سلامتی کے ساتھ ابدی سرور و راحت کی غیر فانی و لامحدود منزل کو پہونچنے کی یہی راہ راست ہے۔ اس سراج منیر کی نورانی شعاعیں ہر خاکی کو نورانی اور سراپا نور بنا دیتی ہیں جو ابداً نورانی رہے گا۔

سلام اے ظل رحمانی "سلام اے نور یزدانی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ

مختلف طبقات انسانی آج جو اپنے آبائی طریقوں پر خدا کی عبادت کر رہے ہیں وہ خدا کی عبادت نہیں ہے نفس و ہویٰ اور شیطان کی عبادت ہے۔ اللہ پاک نے اپنی عبادت و استعانت کا جو قانون اور اطاعت و فرماں برداری کا جو مکمل نظام نازل فرمایا ہے اور جو آج دنیا میں "القرآن والسنة" کے نام سے موجود ہے اس کے مطابق اللہ کی عبادت کرنا اللہ سے مدد مانگنا اور اس کے تحت زندگی بسر کرنا حقیقی معنی میں اللہ کو معبود سمجھکر اللہ کی عبادت کرنا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ

(ترجمہ) اور یہ دین میرا سیدھا راستہ ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو وہ تمکو اللہ کی راہ سے ہٹا دیگی

آیہ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ ظہور محمدی صلعم کے بعد اللہ کی عبادت کے تمام طریقے باطل اور خدا سے روگرداں کرنے والے اور انسان کو اس کی منزل مقصود سے بھٹکا دینے والے ہیں امت محمدیہ میں بھی آج جو مختلف فرقے موجود ہیں ان میں وہی فرقہ راہ ہدایت پر ہے جو علماً وعملاً آنحضرت صلعم کے اسوۂ حسنہ اور صحابۂ کرام کے طریقے پر کاربند ہے۔ آنحضرت صلعم کا ارشاد ملاحظہ ہو

إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَىٰ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَىٰ ثَلٰثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي۔

تحقیق بنی اسرائیل متفرق ہوئے بہتر فرقوں میں اور میری امت متفرق ہوگی تہتر فرقوں میں جو سب ناری ہونگے سوائے ایک کے عرض کی صحابہ نے کون ہے وہ ایک فرمایا جو میرا اور میرے صحابہ کا متبع ہے۔

جو مختلف تعاریب دینی تعاریب کے نام سے اور استعانت کے مختلف طریقے کتاب وسنت کے خلاف ہیں یا قرون اول سے ثابت نہیں اور آج ہم میں رائج ہیں، واقعہ یہ ہے کہ وہی گمراہی کا سبب بنے ہوئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کتاب وسنت سے غفلت ولاپروائی اور احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کی جرأت بڑھتی جارہی ہے اور روایات وتقلید اغیار کے گورکھ دھندوں، بھول بھلیاں میں پھنسے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں جو بیداری پیدا ہورہی ہے وہ دین کی بنیادوں پر نہیں ہے۔ اس بے توجہی ولاپروائی کے نقصانات عارضی ابدی کو کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کیا جائے تو کہنے والے پر اہل حق کی جانب سے "تشدد وسختی" کی فرد جرم عائد کی جاتی ہے۔

إِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ

(ترجمہ) مومنین ہی کی ایک جماعت اس کو ناپسند کرتی ہے۔

دین اسلام کی تعلیمات کا لب لباب اور ماحصل یہ ہے کہ یہ چند روزہ عارضی زندگی سمع، بصر، فواد کی قوتیں، بقائے حیات کا ساز وسامان انسان کو اس لئے عطا کیا گیا ہے کہ وہ ایک ابدی زندگی جس کا مطالبہ ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے اس کو بہتر سے بہتر بنائے۔ دین حق یعنی قرآنی علم وعمل ابدی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کا واحد ذریعہ ہے جب دین کا یہ تصور قائم ہوجاتا ہے جو دین کا حقیقی منشاء ہے وہ تمام موانعات ومشکلات جو اس مقصد کی تکمیل میں پیش آتے ہیں ان کو دور کرنے کا عزم وحوصلہ پیدا ہوجاتا ہے اور دین کے ایک ایک حکم کی افادیت واضح ہوجاتی ہے۔ اللہ رسول سے محبت وگرویدگی

بڑھتی جاتی ہے۔ افسوس کہ ہمارے دماغ سے دین کا متذکرہ صدر اعتبار زائل ہو گیا ہے کبھی تو غیر شعوری طور پر جس کی وجہ سے دینی تعلیم اور دینی اعمال بے روح ہو کر رہ گئے اور دیگر اقوام کی طرح محض علو فی الارض کا جذبہ ہماری سرگرمیوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی کے مصداق ہو کر دنیا ہی کی دولت، امارت، ثروت لذات، شہوات، تعیشات و تکلفات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ قارون کے واقعہ میں ایسا تنگ و پست نظریۂ حیات رکھنے والوں کے لئے کافی درس عبرت موجود ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ.

(ترجمہ) جو لوگ طالب دنیا تھے کہنے لگے کہ کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی قارون کی طرح ساز و سامان ملا ہوتا۔ واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے۔

جن لوگوں کے قلوب دنیا کی طرف مائل تھے اور اس عالم کی امارت و ثروت و نفع عاجل پر جن کی نظر تھی ان کے دل قارون کی ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر بے چین ہو گئے اور اس کی ظاہری خوشحالی کو خوش نصیبی سمجھ کر ان کے دل میں حسرت اور ایسی کی آرزو پیدا ہوئی لیکن ارفع و اعلیٰ زندگی کو پیش نظر رکھنے والوں نے ان کو اسی وقت تنبیہ کیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

(ترجمہ) اور جو اہل علم تھے کہنے لگے خرابی ہو تمہاری اللہ کے پاس جو بدل ہے وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے وہ اس کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے

ایک اعلیٰ اور بلند مقصد نظریۂ حیات کو پیش نظر رکھ کر ادنیٰ پر مائل ہونا اور اس کے نہ ملنے پر کبیدہ خاطر ہونا حاملان دین حق کی شان نہیں ایمان اور عمل صالح کی نعمت عظمیٰ ایک ایسی لازوال دولت ہے جس کا غیر محدود و غیر فانی بدل جو اخروی زندگی میں حق تعالیٰ عطا فرمائیں گے وہی بہتر اور قابل تمنا ہے۔ ایمان اور عمل صالح کی نعمت عظمیٰ رکھنے والوں کا دل دنیا کی ظاہری شان و شوکت، تعیشات و تکلفات سے مستغنی ہونا چاہیے، حیات آخرہ پر یقین کامل رکھنے کے یہی معنی ہیں کہ ہر وقت اسی زندگی کا نفع و ضرر پیش نظر رہے۔

وَلَا يُلَقّٰهَا إِلَّا الصّٰبِرُوْنَ

(ترجمہ) وہ ان کو دیا جاتا ہے (جو دنیا کی حرص وطمع سے) صبر کرنے والے ہیں۔

ایسے اعلیٰ وبلند جذبات ان ہی لوگوں کو عطا کئے جاتے ہیں جو دنیا کی تکالیف کو لقاء رب، ابدی سرور وراحت کے حصول کی تمنا اور رب العلا کی خوشنودی ورضا کی خاطر بخوشی برداشت کرتے ہیں اور یہاں کے ذخائر کی نہیں بلکہ ذخائر آخرت کی فکر میں رہتے ہیں جب دنیا کے تکلفات، تعیشات، لذات، شہوات، امارت وریاست، سیم وزر سے انسان کا دل مستغنی اور وہ ان سے بے لوث وبے غرض ہو جاتا ہے تو ایسے ہی بے غرض وبے لوث انسان اللہ تعالیٰ کے وہ مخلص بندے ہیں جن سے خلافت کا وعدہ سورۂ نور کی مشہور آیت میں فرمایا گیا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ

(ترجمہ) تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ فرماتے ہیں کہ انکو زمین پر خلافت عطا کریں گے۔

خلافت ارضی اور حکومت ارضی میں فرق نہ کرنے سے اس زمانے کے مسلم اکثر اس مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ دیگر اقوام کو جو غلبہ وحکومت حاصل ہے وہ اس کو بھی خلافت ارضی سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ وہ دنیا پر حاکم نہیں ہیں دنیا ان پر حاکم ہے اور اس بری طرح ان کو اپنی خدمت میں لگا رکھا ہے اور اپنا غلام بنا رکھا ہے کہ فطرت انسانی کو سمجھنے اور انجام آخرت پر غور کرنے کا موقعہ تک نہیں دیتی جس کے مصداقات انسان کے فطرت میں موجود ہیں۔

قارون کے متذکرۂ صدر واقعہ میں اہل علم حضرات کے لئے ایک کافی بصیرت یہ ہے کہ عالم دین کا ذہن کسی حال نفع ونقصان آخرت کے خیال سے خالی نہ رہنا چاہئے اور دنیا کی امارت وریاست تعیشات وتکلفات کی وقعت اس کی نظر میں رتی برابر نہ رہے نہ یہ کہ ایک عامی کی طرح وہ ان کا طالب وگرویدہ ہو اور مقربان حق کے جذبات اس سے زیادہ نکھرے ہوئے ہونا چاہئے۔

اس ماہ میں جو یادگاری مجالس تزک واحتشام وجوش عقیدت سے منائی جاتی ہیں اس کو آنحضرت صلعم کی محبت کی علامت قرار دیا جاتا ہے اور قابل افسوس بات یہ ہے کہ

اُن تمام امور کا جو کتاب و سنت سے ثابت کرنے کی ناممشکور سعی کی جاتی ہے جو نہ
ہیں اور نہ سنت نبوی و طریقۂ صحابۂ کرام سے ثابت ہیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے زیا
کون آنحضرت صلعم کا گرویدہ اور شیدا ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے مگر ان کی زندگیوں کا
مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں محبت کے ایسے مظاہرے نظر نہیں آتے جن کو جا
ہمنشیں کے اثر سے آج ہم اختیار کئے ہوئے ہیں۔ دین اسلام کو اس کی حقانیت کی
سے تمام باطل ادیان پر جو تفوق و برتری حاصل ہے اس پر نظر کرتے مسلمان بحالیکہ اس
دین کو سمجھ کر اختیار کیا ہے اس کے دین و ایمان کا یہ تقاضا نہیں ہوسکتا کہ وہ غیر اسلامی ا
رواجات اور ذکر و اذکار کے طریقوں کو اختیار کرے چہ جائیکہ ان کے جواز کو کتاب و سنت
سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا اللہ معاف کرے بڑی جرأت کا کام ہے۔

بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ إِيْمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

(ترجمہ) بہت بری بات ہے جس کی تعلیم تم کو تمہارا ایمان کر رہا ہے اگر تم مومن ہو

محبت کے مسئلہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں مختصراً پیش کیا جاتا ہے تاکہ ما ابتدا
حقیقت واضح ہوجائے واقعہ یہ ہے کہ ایمان پختہ و مکمل نہیں ہوسکتا بلکہ ایمان کا اطلاق ہی نہیں
ہوسکتا جب تک ذاتِ رسالت دنیا جہان سے زیادہ محبوب نہ ہوجائے اسکے متعلق مشہور
حدیث ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ رسول سے محبت بالکلیہ فطری محبت ہے۔" اسی ا
ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے" آنحضرت صلعم سے جب ایک سائل نے دریافت کیا کہ قیامت
کب آئیگی تو ارشاد ہوا کہ تو نے قیامت کیلئے کیا تیاری کی ہے انہوں نے جواب دیا میں کیا
عمل کرسکتا ہوں البتہ اللہ رسول سے محبت رکھتا ہوں اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا

اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ

(ترجمہ) تو اسی کے ساتھ ہوگا (حشر میں) جس سے تجھ کو محبت ہے۔

حضرت انسؓ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو نہیں دیکھا کہ اسلام کے بعد کسی چیز سے
اتنے خوش ہوئے جسقدر کہ اس ارشاد سے خوش ہوئے۔

قَالَ انسؓ فما رایت المسلمین فرحوا بشیئ بعد الاسلام فرحہم بہا

وجود فرحوا اظہار مسرت کا کوئی ایسا یادگاری طریقہ ان جاثیقان نبوت سے ثابت
ہے (جس کے جواز کو سورۂ یونس کی آیت قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ
فَلْيَفْرَحُوا کی تفسیر میں ثابت کرنے کی کوشش فرمائی گئی ہے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں حشر کے
آفات و شدائد سے وہی اہل ایمان محفوظ رہیں گے جو اپنے نبی کے ساتھ ہونگے ۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

(ترجمہ) جس دن اللہ تعالیٰ نبی (صلعم) کو اور جو اہل ایمان ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہ کریگا۔
یہ وہی معیت ہے جو محبت سے حاصل ہوتی ہے پھر کیونکر ممکن ہے کہ کسی صادق الایمان
کا دل رسول اللہ آپکی محبت سے سرشار نہو مگر الحمد للہ دین نامکمل تو نہیں ہے۔ محبت اور اہل محبت
کی علامتوں کو بھی اس محبوب ترین ذات فداہ نفسی دامی وابی کی زبان حقیقت ترجمان سے سن لیجیے

مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ الخ

(ترجمہ) جس نے میری سنت کو دوست رکھا اس نے مجھکو دوست رکھا۔
اب صاف ہے کہ آپ سے محبت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حتی الامکان کسی سنت کو ترک کیا جائے
کوئی ایسا عمل کیا جائے جو شعائر سنت یا آپ کی ہدایت کے خلاف ہو یا جو ماموریہ اور طریقۂ صحابہ سے
ثابت نہو یا جس میں کفار و مشرکین سے مشابہت ہوتی ہو کیونکہ حکم ہے "خالفوا المشرکین"
ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ صحابۂ کرام آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی لیکر منہ پر ملنے لگے آنحضرتؐ
نے دریافت فرمایا ایسا کیوں کرتے ہو عرض کیا گیا اللہ رسول کی محبت میں کرتے ہیں آنحضرت صلعم نے
ہدایت فرمائی کہ محبت یہ ہے کہ اپنے اخلاق و کردار کو درست کرو۔ گویا اتباع احکام شریعت کو محبت
قرار دیا واقعہ کی اصلی عبارت ملاحظہ ہو۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ یوما فجعل اصحابہ یتمسحون بوضوئہ
فقال لہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما یحملکم علی ہذا قالوا حب اللہ
ورسولہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان یحب اللہ
ورسولہ او یحبہ اللہ ورسولہ فلیصدق حدیثہ اذا حدث

و لیوَدّی اَمَانَتَہُ اِذَا ائْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَہٗ۔

(ترجمہ) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز وضو فرمایا تو آپ کے صحابہ وضو کا بچا ہوا پانی منہ پر ملنے لگے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اس کام کا کیا باعث ہے انہوں نے کہا اللہ اور اسکے رسول کی محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ اور رسول سے محبت کرے تو اسکو چاہئے کہ جب بات کہے تو سچ کہے اور امانت ادا کرے جب امانت اس کے پاس رکھی جائے اور اپنے ہمسایہ سے حسن سلوک کرے ان احکام کی روشنی میں یہ حقیقت ظاہر ہے کہ اللہ رسول کی محبت کی علامت یہ ہے کہ تا حد و امکانی میں خلوت ہو کہ جلوت کوئی عمل اور دین کا کوئی کام خلاف سنت و خلاف ہدایت خدا اور رسول نہ ہونا چاہئے اور خلاف سنت اعمال و طور طریق کی سختی سے بیخ کنی کرنی چاہئے اپنے گھر کی حد تک ہر شخص پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

(ترجمہ) بچاؤ اپنے کو اور اپنے اہل کو دوزخ کی آگ سے۔

مومن کیلئے فرحت و انبساط یہی ہے کہ اتباع سنت ہی اس کی زندگی کا سرمایہ ہو جائے آنحضرت صلعم سے جتنی محبت زیادہ ہو گی اسی قدر آپ کی ہدایتوں پر انسان عامل ہو گا اور غیر اسلامی طریقوں سے اسکو نفرت و کراہت ہو گی۔ محبت کرنے والوں کی دیوانگی کا تو یہ عالم تھا کہ آپکے امور طبعی کی بھی پیروی کی جاتی تھی۔

ایسے طریقے جو آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہیں اور جن کے متعلق یہ تسلیم ہے کہ یہ دنیا کے دیگر عام لوگوں کے یادگاری طریقے ہیں ان کی روک تھام کیلئے زبان ہلائی جائے تو کہنے والے کو بدنصیب کہنا، محبت رسول کا مخالف کہنا اور مطعون کرنا کہ وہ آنحضرت صلعم سے محبت کرنے کو منع کرتا ہے کیا اپنے ہی نامہ اعمال کو سیاہ کرنا نہیں ہے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک نہیں ہے کہ اگر کوئی کسی پر عیب لگائے اور وہ عیب اس شخص میں موجود نہیں ہے تو وہ عیب لگانے والے پر

رد کیا جائیگا۔

لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر
الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک

(ترجمہ) نہ عیب لگائے ایک مرد دوسرے مرد کو گناہ یا کفر کا مگر کہنے والے پر پلٹ پڑیگا اگر وہ شخص گنہگار اور کافر نہ ہو۔

غیر اسلامی رسوم عادات کے جواز کی صورتیں کتاب و سنت سے نکالنے میں جو حضرات اپنے دل و دماغ کی توتوں کو صرف کر رہے ہیں ان کی خدمت میں کمال ادب و احترام کے ساتھ عرض ہے۔

گر تو قرآں بریں نمط خوانی
بہ بری رونق مسلمانی

ہر مسلم کو اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہئیے کہ جو شخص اوامر و نواہی کا پابند ہے اور اپنی زندگی کو علماً و عملاً اسوۂ حسنہ کے مطابق گذار رہا ہے اور تعلیمات نبوی کو اپنے حدود امکانی میں جاری کرتا ہے وہ ہر وقت آپکی یاد منا رہا ہے اور دنیا میں آپکی تشریف آوری کا اعلان کر رہا ہے۔ جس نے جس وقت کلمہ یا درود شریف پڑھا وہ گویا آپ ہی کا ذکر کر رہا ہے اس لحاظ سے ہر وہ شخص جو کتاب و سنت کا پابند ہے اور جس کے اخلاق جسکی تہذیب تحت سنت ہے وہ آنحضرت صلعم کی زندہ یادگار ہے۔ جن قوموں کے پاس رہنما یا رہنمائے حق کا کوئی کارنامہ یا نمونۂ زندگی اور تعلیمات حق محفوظ نہیں ہیں ان کے لئے نمود و نمائش کے یادگاری طریقے سزاوار ہیں دین اسلام کے پیرو اگر ان کو اختیار کرینگے تو وہ موجب اہانت دین متین ہے۔ غیر اقوام کے یادگاری طریقوں کی پیروی کرنے کی مخالفت کو حب رسول و ذکر رسول کی مخالفت قرار دینا اور حب و ذکر کے اسلامی و مسنون اعمال کی طرف دعوت دینے والے کے خلاف عوام کے خیالات کو خراب کرنا اللہ رسول کو ناراض کرنا ہے۔

اللہ معاف کرے عوام کی گمراہی میں اکابر کی اس غلطی کو بھی بڑا دخل ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اطلاقی تصوف

از:۔ مولانا مناظر احسن گیلانی

(سلسلہ نمبر ۲)

خیر یہ تو شیخ کے کھانے کھلانے کے قصے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا خصوصاً جب لوگوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ کسی کی امداد بھی شیخ قبول نہیں فرماتے، اس چیز نے ان کی ان شاہانہ بلکہ شاہانہ حیثیت سے بھی بلند تر خصوصیت رکھنے والی مہمان نوازیوں کے راز کو اہم بنا دیا تھا۔ شیخ آخر یہ چیزیں کہاں سے لاتے ہیں، اتنے آدمیوں کا کھانا ہر وقت ان کے لئے کون تیار رکھتا ہے؟ ہر شخص کے دل میں جس کھانے کی خواہش ہوتی ہے اس سے یہ بیان کرنے سے پہلے کیسے واقف ہو جاتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ آج بھی کسی شخص کے متعلق اسی قسم کی باتیں اگر مشہور ہوں تو مختلف رجحانات رکھنے والے قلوب میں ان سوالوں کی حل کی مختلف صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، المرشدی کے زمانہ میں بھی تقریباً وہی باتیں کہی گئی تھیں۔

ایک طبقہ تو ان لوگوں کا تھا جو المرشدی کی مہمان نوازیوں کے ان قصوں کو صرف سنتا تھا لیکن براہ راست مشاہدہ یا تجربہ کا موقع ان لوگوں کو نہیں ملتا تھا، ان کے لئے یہ آسان تھا کہ "تو پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" کے نظریہ سے اپنی ذہنی خارشت میں سکون پیدا کر لیں۔ ابن فضل اللہ نے شاید ان ہی لوگوں کے خیال کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

لا یخلو اکثرھا من مجازفۃ۔ ان قصوں کے اکثر عناصر و اجزا گپ سے پاک نہیں ہیں

مگر یہ لکھ کر جس تواتر و کثرت سے ان کا چرچا پھیلا ہوا ہے، ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان قصوں کو محض گپ اور "مجازفہ" قرار دینا بعید از عقل ہے، حافظ ابن حجر نے

قلندر کو براہ راست جن لوگوں نے ان واقعات کا مشاہدہ کیا تھا انکی چشم دید شہادتیں ابن فضل اللہ نے پیش کر کے اس خیال کی تردید کی ہے، حافظ کے الفاظ یہ ہیں

وحکی عن جماعۃ عنہ وقوع ذلک لھم بغیر وساطۃ۔ صـ ۲۶۴

مختلف قسم کی جماعتوں سے ابن فضل اللہ نے براہ راست ایسی شہادتیں نقل کی ہیں جن کے ساتھ خود یہ واقعات پیش آئے ہیں

افسوس ہے کہ خود ابن فضل اللہ کی کتاب مجھے نہیں ملی ورنہ پتہ چل سکتا تھا کہ کن کن لوگوں کی شہادتیں انہوں نے پیش کی ہیں، تاہم حافظ کے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی طبقہ کے لوگ ان میں شریک نہیں ہیں، بلکہ "جماعۃ متنوعۃ" کے افراد ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علماء، صوفیاء، عوام اور علماء میں بھی مختلف خیالات اور رجحانات رکھنے والے لوگوں کے نام ابن فضل اللہ نے اس موقعہ پر اپنی کتاب میں غالباً درج کئے ہیں۔

ان قصوں کو گپ "یا مریداں می پرانند" قرار دینے والوں کے قریب قریب یا شاید اسی جماعت میں کچھ اور حضرات بھی تھے جنہوں نے بیچارے شیخ کی ان مہمان نوازیوں کو اپنے ریسرچ اور تحقیقات انیقہ کا تختۂ مشق بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بنانا چاہا تھا۔ خدا جانے ان کے اس "ریسرچ" کی بنیاد جس واقعہ پر قائم کی گئی تھی بجائے خود وہ کس حد تک صحیح تھا، لیکن ان کی طرف سے جو تحقیق پیش کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ جس علاقے میں المرشدی رہتے تھے ان لوگوں کا دعویٰ تھا کہ وہاں کا قاضی ان سے ساز باز رکھتا تھا آنے والوں سے آگے بڑھ کر یہی قاضی ملاقات کر لیا کرتا تھا، اور باتوں باتوں میں ان سے دریافت کر لیتا کہ کس حاجت اور ضرورت سے وہ آئے ہیں، پھر قاضی اور شیخ کے درمیان کچھ مقررہ علامات طے شدہ تھے، ان ہی علامات سے قاضی شیخ کو اس شخص کی حاجت یا اس کے خیالات سے مطلع کر دیا کرتا تھا، یہی چیز لوگوں کی عقیدت کو بڑھا دیتا تھی، قاضی اس طریقہ سے شیخ کی عقیدت کے دائرہ کو بڑھاتا تھا اور شیخ اپنے اس اثر سے جو ان عقیدت مندیوں کی بدولت قدرتاً ان کو حاصل ہو گیا تھا، قاضی کو یہ فائدہ پہونچاتے تھے کہ معزولی اور تبادلہ کے خطروں سے بے خوف ہو کر اپنے اس مستقر پر جما رہا۔

جس کی وجہ سے اسکو ہاتھ پاؤں پھیلانے کے کافی مواقع ملے علاوہ قضاء کی تنخواہ کے

اکثر من التجارۃ والزراعۃ والولایۃ لاتصالہم بالشیخ ص۳۲۴

(ایک ہی جگہ مقیم رہ کر قیام کیا ہو تو ملا) تو تجارت اور زراعت کے ذریعہ اس قاضی نے اپنے کاروبار کو خوب فروغ دیا، حکام اس کے ساتھ خاص رعایت شیخ مرشدی کے خیال سے کرتے تھے

حافظ ابن حجر نے ابن فضل اللہ کے حوالہ سے اس عہد کے کسی صاحب تحقیق ورلیسرچ کا مذکورہ بالا حال نقل کیا ہے

لیکن کیا ان حقائق وواقعات کی توجیہ کے لئے جو بالتواتر المرشدی کی طرف منسوب ہیں، صرف ایک قاضی ان حیۃ (یعنی کسی سب ڈویژن کے قاضی) کا وجود المرشدی سے اس قاضی کے تعلقات کافی ہیں؟

اگر مان بھی لیا جائے کہ ایسا کوئی قاضی تھا بھی اور اس قاضی سے حضرت مرشدی کے تعلقات بھی تھے، اور جس سوء ظن سے ملا لوگوں نے کام لیا ہے یعنی دونوں میں "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کی ملی بھگت بھی تھی، جب بھی اس واقعہ کی زیادہ سے زیادہ یعنی آنے والوں کے خواطر وضمائر سے المرشدی کے مطلع ہو جانے کی ایک حد تک توجیہ ہو سکتی ہے بشرطیکہ ان سارے مفروضات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ جن پر اپنی اس تحقیق کی ملا لوگوں نے بنیاد قائم کی ہے اگرچہ اس کا ماننا بھی آسان نہیں ہے۔

المرشدی کے پاس عوام ہی نہیں آتے تھے، بلکہ بڑے بڑے علما اور صوفیا، امراء کی بھی ان کی خانقاہ میں آمد ورفت تھی جن میں بعض جلیل القدر ہستیوں کا آئندہ ذکر آرہا ہے، بہرحال قاضی اور مرشدی کے اس باہمی ساز باز کا راز ممکن ہے کہ عوام پر مخفی رہ جاتا لیکن میں نہیں سمجھتا کہ کاغذ کی یہ ناؤ، علم وعقل کے ان تھپیڑوں کی مسلسل زد کو زیادہ دن تک برداشت کر سکتی تھی، ابھی کچھ دیر پہلے الیافعی کی ذاتی شہادت گذری ہے کہ بغیر کسی اطلاع کے ان کے ساتھ روزہ داروں کا سا سلوک شیخ نے کیا، روزہ ایک ایسا مخفی اور غیبی فعل ہے کہ قرائن وقیاسات سے اس کا پتہ چلانا آسان نہیں ہے خصوصاً ایک مسافر کے متعلق عام خیال یہی

ہوسکتا ہے کہ روزے سے نہ ہو گا۔[1]

بہرحال تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اشراف علی الخواطر میں تو قاضی کے ساز و باز کو دخل تھا لیکن ان شاہانہ مہمان نوازیوں کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟ بے چارے قاضی کے پاس کتنی دولت تھی، کتنے نوکر چاکر ہونگے جو چوبیس گھنٹے المرشدی سنے ہر مہمان کی خواہش کے مطابق کھانا تیار کرکے حاضر کر دیا کرتے تھے ہیں نے پہلے بھی کہا ہے اس کے لئے ایک دیہاتی قاضی کی آمدنی تو خیر کیا کافی ہوتی۔ اس قسم کا انتظام تو حکومتوں اور سلطنتوں کی طرف سے بھی آسان نہ تھا اس تماشے کے دیکھنے والے الیافعی نے لکھا ہے کہ جو جس قسم کی الوالعزمیاں اس باب میں المرشدی سے ظاہر ہو رہی تھیں۔

لیس للسلطان علی احضارها — بادشاہ بھی اس قسم کے کھانوں کے
فی الحال اقتدار صہ ۲۹۵ ج ۲ — پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔

خصوصاً جب بیان کرنے والے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عموماً ان کی خانقاہ میں پکنے پکانے کا بھی کوئی نظم موجود نہ تھا۔

اگر قاضی کے گھر سے کھانا پک کر آتا تھا تو آخر یہ بات کب تک پوشیدہ رہتی ایک دو دن کی بات ہوتی، اور دس بیس آدمی کا قصہ ہوتا تو خیر کچھ کہا بھی جا سکتا تھا لیکن جہاں صبح سے شام تک یہی قصہ ہو، لوگوں کا تانتا بندھا ہوا ہو، اور سالہا سال سے یہ سلسلہ جاری ہو، قطعاً ناممکن تھا کہ قاضی کی اندرونی امداد کا راز فاش نہ ہو جاتا۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قاضی جو بظاہر ایک دنیا ساز اور مال و دولت کا حریص قاضی معلوم ہوتا ہے کیا اس قسم کے آدمی سے یہ ممکن ہے کہ اتنی بڑی عظیم مہمان داری کا بار زحمت برداشت کرتا چلا جائے، لاکھوں لاکھ روپے بے دردی کے ساتھ آنے جانے والوں پر برباد کر

---

[1] درر کامنہ میں حافظ ابن حجر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ شیخ مرشدی کی خانقاہ میں جن صلاحیتوں کے لوگ آتے تھے، بغیر کسی سابقہ تعارف کے ان کی صلاحیتوں سے واقف ہو جاتے تھے، اسی لئے جس میں امامت کی صلاحیت ہوتی اسکو امامت کے لئے جسمیں خطابت کی اسکو خطابت کیلئے جسمیں اذان کی اسکو اذان دینے کا وہ حکم دیتے تھے کیا ان ساری صلاحیتوں کا قاضی پتہ چلا لیتا تھا؟ ۱۲

بہر حال مجھے تو اس زمانے کے اس ریسرچ میں بھی اسی شاعری کی جھلک معلوم ہوتی ہے جو عہد حاضر کے ریسرچ۔ تدقیقات کی خصوصیت ہے، بڑے بڑے انقلابی نظریات محض چند شاعرانہ مناسبتوں پر قائم ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ آخر اس زمانہ کا سب سے بڑا انقلابی نظریہ جس نے "خدا کے خلیفہ" الانسان کا شجرہ نسب جنگل کے بندروں اور لنگوروں سے ملا دیا، جب اسی کی ساری عمارت محض چند صوری تشابہتوں پر اٹھائی گئی ہے اسی سے دوسرے تحقیقاتی نتائج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اور میرے نزدیک تو اس قصہ کے بے بنیاد اور محض بے اصل ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ الحرانی، جو طبقہ صوفیا و مشائخ پر بے تحاشا تنقید کرنے میں اپنی آپ نظیر ہیں، یہ المرشدی کے ہم عصر ہیں، دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے۔

المرشدی کے خوارق و کرامات کے چرچوں سے اس زمانہ کی اسلامی دنیا گونج رہی ہے ابن تیمیہ جیسے دوسرے صوفیوں سے روٹھے ہوئے تھے المرشدی سے بھی وہ خوش نہ تھے یہ واقعہ ہے کہ قاضی کے گڑھے ہوئے اس قصہ میں کچھ بھی اصلیت ہوتی تو اس قصے کے مشہور کرنے میں یقیناً ابن تیمیہ پیش پیش ہوتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بجائے اس توجیہہ کے المرشدی کے ان غیر معمولی اعمال و افعال کی توجیہہ میں انہوں نے دوسری راہ اختیار کی ہے۔ الیافعی نے مراۃ الجنان میں لکھا ہے

نقل عن ابن تیمیہ انہ قال هو مخدوم لما اشتہر عندہ واستفاض کثرۃ خوارقہ للعوائد لم یمکنہ جحدها۔ (ص ۲۹۵ ج ۴)	ابن تیمیہ سے لوگ نقل کرتے ہیں کہ وہ المرشدی کو مخدوم قرار دیتے تھے، کیونکہ خلاف معمول خوارق عادات کو ان کی طرف منسوب کرنے والے اتنی کثرت اور تواتر سے منسوب کر رہے تھے جس کے بعد ابن تیمیہ سے انکار تو ممکن نہ ہوا۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ ابن تیمیہ تک ایسے ناقابل انکار ذرائع سے المرشدی کے ان محیر العقول کارناموں کی خبریں پہونچ رہی تھیں کہ ان واقعات کے انکار یا ان کو قطعاً بے بنیاد قرار دینے کی گنجائش چونکہ باقی نہ رہی تھی اس لئے ان غیر معمولی واقعات و خوارق کی توجیہہ میں

لیا تھی کو یہ معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ نے اپنے اس خاص نظریہ سے کام لیا تھا، جس سے صوفیہ کے مقابلہ میں کام لینے کے وہ عام طور پر عادی تھے، یہ "مخدومیت" کا نظریہ تھا، اپنی مختلف کتابوں میں ابن تیمیہ نے اس نظریہ کی تفصیل کی ہے، اس کا جو مطلب ہے مناسب ہوگا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہی کے الفاظ میں اس کی داستان بھی سن لی جائے۔

ابن تیمیہ اور نظریہ مخدومیت | جیسا کہ ظاہر ہے کہ "مخدوم" کے لفظ کا ماخذ "خدمت" ہے لفظی ترجمہ تو اس بنیاد پر یہ ہوا کہ وہ شخص جس کی خدمت کی گئی ہو یا جس کی خدمت کی جائے لیکن اصطلاحاً یہ نام ان لوگوں کو دیا جاتا تھا جن کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ کسی "جنی" کو مسخر کر کے اس سے خدمت لیتے ہیں، گویا "مخدوم" سے مراد "مخدوم الجن" ہے۔ یہ اصطلاح تو اس زمانہ کی عام اصلاح تھی لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے جن فیاضیوں کے ساتھ دل کھول کر اس لفظ کو استعمال کیا ہے، اور بے محابا جس شخص کے متعلق جس وقت ان کا جی چاہتا ہے اپنے اس حربہ کو چلا دیتے ہیں۔ علمائے اسلام میں اس کی نظیر مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ بلکہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کے بعد خود ان کے ماننے والوں نے بھی اس لفظ کے دائرہ میں اتنی وسعت کو شائد جائز نہیں رکھا،

میں ابن تیمیہ کی مشہور کتاب "النبوات" سے بعض چیزیں اس موقعہ پر نقل کرتا ہوں[1]

جنوں کی تسخیر اور حافظ ابن تیمیہ | سب سے دلچسپ چیز اس سلسلہ کی یہ ہے کہ جنوں کے متعلق اس قسم کی باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ جن کے جنات مسخر ہو جاتے ہیں، ان کو

---

[1] ابن تیمیہ کی یہ ایک دلچسپ کتاب ہے، اور ان کی شیخ الاسلامی کی دلیل ہے، بڑے عجیب و غریب معلومات جیسا کہ ان کا دستور ہے اس کتاب میں جمع کر دئیے ہیں، اور اصل نبوت ہی کی بحث کے سلسلہ میں وہ اس مقام پر جب پہونچے ہیں، یعنی خلاف عادت امور اور مظاہر کا صدور جب ساحروں اور کاہنوں سے بھی ہوتا ہے تو معجزہ جو خوارق عادات ہی کا نام ہے، اس کو نبوت کی دلیل قرار دینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اسی کے جواب میں حافظ ابن تیمیہ نے صفحات کے صفحات اسی کتاب میں رنگ دئیے ہیں، اسی سلسلہ میں سحر و کہانت کے ساتھ جنوں کی تسخیر اور اس تسخیر کے آثار و نتائج کے متعلق انہوں نے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

لیکر وہ ہوا میں اڑتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچا دیتے ہیں یا کبھی خود کسی سواری کی شکل اختیار کر کے مثلاً گھوڑا ان کے اپنی پیٹھ پر تسخیر کرنے والے کو سوار کر لیتے ہیں الغرض اسی قسم کی باتوں کا ذکر کر کے آخر میں یہ لکھتے ہوئے کہ

والحکایات فی هذا کثیرۃ معروفة عند من یعرف هذا الباب۔

اس قسم کے قصے بہت سے ہیں جو اس راہ کے جاننے والے ہیں ان میں عام طور پر مشہور ہیں

آگے خود اپنے متعلق بھی دعوٰی کرتے ہیں

ونحن نعرف من هذا امورًا یطول وصفها۔ صـ۲۶۰۔

ہم خود ہی اس مسئلہ کے متعلق بہت سی باتیں جانتے ہیں جن کے بیان میں طوالت ہوگی۔

جس سے معلوم ہوتا ہے جنوں کی تسخیرکا کاروبار سے غالباً خود شیخ الاسلام بھی کسی قسم کا تعلق رکھتے تھے، ایک اور موقع پر جناتی کرشموں کا تذکرہ کرتے ہوئے مثلاً کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوڑے سے آدمی پر مار پڑتی ہے لیکن جنّ کوڑوں کی مار کو نادیدہ طریقے سے روک لیتا ہے اسلئے مار کھانے والے پر تکلیف یا اذیت کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا اسکے بعد لکھتے ہیں

وهذا امر کثیر معروف قد رئینا من ذالک ما یطول وصفه۔ صـ۲۶۵۔

ایسے واقعات بکثرت پیش آتے ہیں عام طور پر مشہور ہیں اور خود ہم نے اس قسم کی چیزیں اتنی دیکھی ہیں کہ ان کی تفصیل باعث تطویل ہوگی۔

صرف یہی نہیں آگے اس پر اضافہ کرتے ہیں۔

معلومات بلکہ تجربات و مشاہدات کا ایک ذخیرہ اس کتاب میں اکٹھا کر دیا ہے، اس وقت اس مسئلہ سے مجھے سروکار نہیں لیکن حیرت ہوتی ہے کہ دوسروں سے شیخ الاسلام کو جو شکایت ہے اس خاص مسئلہ میں یہ شکایت خود مجھے ان کی کرنی پڑتی ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن میں اس قسم کے غیر معمولی مظاہر کو پیغمبروں کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس میں شک نہیں کہ کبھی ان کی تعبیر "آیات" کے لفظ سے کی گئی ہے اور بعض موقعوں "برہان" کے لفظ کا اطلاق بھی قرآن نے ان پر کیا ہے لیکن آیت اور برہان کے الفاظ کا وہ مطلب کرنا جو یونانیوں کی منطق میں دلیل کی اصطلاح کا مطلب ہے، میں اسی سے نہیں پہنچتا ہوں ملاحظہ ہو صفحہ

(ملاحظہ ہو صفحہ)

...قد ضربنا نحن من الشياطين
...ن الانس ماشاء الله حتى
...خرجوا من الانس ولم يعاودهم ص ۲۹۹

ایسی شیطانی روحیں جو آدمیوں میں گھس جاتی ہیں، ان کو میں نے خود مارا ہے اور اس آدمی سے شیطانی روح نکل گئی اس طرح پر نکلی کہ پھر واپس نہ ہوئی۔

یہ اور اسی قسم کے مختلف تصریحات سے بظاہر یہی خیال گذرتا ہے کہ اس راہ کی جن چیزوں کا شیخ الاسلام نے اپنی کتابوں میں تذکرہ کیا ہے وہ محض دوسروں سے سنی سنائی باتیں نہیں ہیں بلکہ ان کے ذاتی تجربات و مشاہدات کو بھی ان معلومات کی فراہمی میں کافی دخل معلوم ہوتا ہے، اسی لئے میرے نزدیک ان کے بیانات میں خاص قیمت پیدا ہو گئی ہے شیخ نے متفرق طور پر اس کتاب کے مختلف مقامات میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، سب کا دہرانا اور سمیٹنا تو مشکل ہے اور غیر ضروری بھی ہے لیکن بعض امور کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے، انہوں نے پہلے تو یہ لکھا ہے کہ جنوں کا مسخر کرنا دنیا کی قوموں کی عام عادت ہے لکھا ہے

وخوارق الجن كالاخبار ببعض الامور الغائبة وكالتصرفات الموافقة لاغراض بعض الانس كثيرة معروفة في جميع الامم فقد كانت في العرب كثيرة وكذلك في الهند وفي الترك والفرس والبربر۔ ص ۲۶۶

جنوں کو مسخر کرکے خوارق (یعنی عام عادت کے خلاف امور) کا ظہور مثلاً پوشیدہ باتوں کی خبر دینا یا آدمیوں کے اغراض کے مطابق تصرفات یہ عام مشہور باتیں ہیں، اور بکثرت واقع ہوتی ہیں دنیا کی ساری قوموں میں ان کی شہرت ہے، خود عرب میں بھی ان کے آثار بہت زیادہ پائے جاتے تھے اور ہندستان ترک ایران، بربر و افریقہ کے باشندوں میں یہ جانی پہچانی چیزیں ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اب کس بنیاد پر اس کا دعویٰ کر سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اسی کو مان کر دوسرے تو دوسرے خود شیخ الاسلام بھی ایسی الجھنوں میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ انتہائی زور صرف کر دینے کے باوجود معجزات اور سحر و کہانت وغیرہ کے آثار میں ایسا فرق جو دوسروں کیلئے قابل تسلیم ہو، نہیں پیدا کر سکے ہیں، یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے لیکن مختصراً اتنا تو سن ہی لینا چاہئے کہ نبی یا رسول ہونے کا، کہ خدا کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے ہیں اس قسم کا دعویٰ جن لوگوں کی طرف سے پیش ہوتا ہے قدرتاً ان کے متعلق دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

انہوں نے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مشرکین کے بت خانوں میں بھی "جناتی" اثرات ہوتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ

تدخل الشیاطین فی الاصنام وتکلم احیانا لبعض الناس وتتراآی للسدنۃ احیانا ولغیرھم ایضا۔ صد ۲۷۳۔

اصنام (یعنی بتوں) میں کبھی شیطانی روح (یعنی شریر جن) داخل ہو جاتے ہیں، اور بعض لوگوں سے گفتگو بھی کرتے ہیں، بتوں کے پنڈوں اور پجاریوں کو بھی دکھائی دیتے ہیں کبھی غیروں کو بھی۔

پھر انہوں نے "جنات" کے مسخر کرنے کے چند اصول بھی بتائے ہیں مثلاً وہی لکھتے ہیں

لا یستطیع احد ان یسخر الجن مطلقاً لطاعتہ ولا یستخدم احد منھم الا بمعاوضۃ اما عمل مذموم تحبہ الجن اما قول التخضع لہ الشیاطین کالاقسام والعزائم۔ صد ۲۶۳۔

عام طور پر جنات کو اس طرح قابو میں لے آنا کہ بالکلیہ مسخر کرنے والوں کا وہ تابع ہو جائے یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے جنات ان ہی لوگوں کی خدمت کرتے ہیں جو ان کو یا تو کسی نہ کسی شکل میں کچھ معاوضہ ادا کرتے ہیں، خواہ یہ معاوضہ کسی برے کام ہی کی شکل[1] میں ہو جسے جنی پسند کرتا ہو، یا کسی خاص قسم کے قول سے ان کو تابع کیا جاتا ہے مثلاً قسم دلائی جاتی ہے یا دوسرے عزائم پڑھے جاتے ہیں۔

حافظ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے انسانوں میں مختلف طبقات ہیں اور نچلا طبقہ اوپر والے

[1] میں نے سنا ہے کہ اپنے منہ میں غلاظت رکھ کر بعض ان خبیث روحوں کو تابع بناتے ہیں شاید شیخ الاسلام کا اسی قسم کی باتوں کی طرف اشارہ ہو۔[2]

خدا جو لامحدود قدرت و قوت کا سرچشمہ ہے، اس سے تعلق رکھنے والوں سے بھی اسکی توقع ہونی چاہیئے کہ ایسے امور کو وہ دکھائیں جن سے معلوم ہو کہ واقعی لامحدود قدرت و قوت رکھنے والے خدا سے ان کا تعلق ہے، یہ ایک عام بات ہے، بزرگوں وغیرہ کے متعلق کرامت کا شعوری یا غیر شعوری مطالبہ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اسکی بنیاد بھی یہی ہے گویا نبی کی نبوت کے انکار کے سلسلہ میں منکرین کی طرف سے قالاً یا حالاً یہ مطالبہ پیش ہوتا ہے کہ غیر محدود طاقت والے خدا سے اگر تمہارا تعلق ہے تو کوئی چیز ایسی پیش کرو جس سے اس تعلق کی توثیق ہو، بالفاظ دیگر جب تک اس قسم کے غیر معمولی امور کا ظہور پیغمبروں کی طرف سے نہیں ہوتا اسی کو انکار کرنے والے ان کی نبوت کے انکار کی دلیل ٹھیرا لیتے ہیں،

(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

طبقہ کے حکم کو مانتا ہے، یہی حال جنات میں بھی پایا جاتا ہے، ان کے الفاظ ہیں

کل جنی فوقہ من ھو اعلیٰ منہ — ہر جن کے اوپر اس سے مرتبہ میں بالاتر جنی بھی ہوتا ہے

پس اعلیٰ طبقہ کے جن سے حکم لیکر وہ کہتے ہیں کہ نچلے طبقے کے جنات کو بھی لوگ اپنا تابع بناتے ہیں، لکھتے ہیں

فقد یخدمون بعض الناس طاعۃ لمن فوقھم کما یخدم بعض الانس لمن امرھم سلطانھم بخدمتہ لکنہ معہ منہ وھم کارھون طاعتہ۔

پس نچلے طبقے والے جنی کسی آدمی کے تابع ہو جاتے کہ اوپر طبقہ والا جنی ان کو اس کا حکم دیتا ہے، ٹھیک اسی مثال یہی ہے کہ بعض آدمی دوسرے آدمی کی خدمت اپنے بادشاہوں کے حکم سے کرتے ہیں یعنی شاہی فرمان کو دیکھ کر جو حکم دیتا ہے اسے بجا لاتا ہے اگرچہ دل سے اسے پسند نہ کرتا ہو۔

شیخ الاسلام کا یہ بیان بھی ہے کہ بعض تحتانی طبقہ کے جن اوپر والے طبقہ کے جنی کا خط توڑ لیتے ہیں، جس میں اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم فلاں انسی یعنی آدمی کے احکام کی تعمیل کرو، لیکن

لا یطیعونہ وقد یقتلونہ او یمرضونہ۔ ص ۲۲۳ — جنی باوجود اس کے اس آدمی کا تابع نہیں بنتا بلکہ الٹے اسی کو قتل کر دیتا ہے یا بیمار ڈال دیتا ہے۔

شیخ نے یہ بھی لکھا ہے "جنات" عموماً تاریکی کو زیادہ پسند کرتے ہیں، اور ویران

پھر پیغمبروں کی طرف سے اس قسم کی چیزیں جب ظہور پذیر ہو جاتی ہیں تو ظاہر ہے کہ نبوت کے انکار کی اسی دلیل کی تردید ہو جاتی ہے اور یہی معنے برہان کے ہیں کہ جو شبہ نبوت پر ان کی طرف سے پیش کیا گیا تھا اس شبہ کی جڑ کٹ جاتی ہے اور غیر محدود قوت والے خدا کے ساتھ ان بزرگوں کا تعلق ہے اس تعلق کیلئے ان کے یہ غیر معمولی کارنامے آیات اور نشانیاں بن جاتی ہیں پس معجزے کا کام اس حد پر ختم ہو جاتا ہے اب آگے منکرین کی طرف سے دوسرا اقدام ہوتا ہے یعنی ان کے معجزوں پر سحر و کہانت کا شبہ تو یہ شبہ بھی الگ مستقل حیثیت رکھتا ہے جس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ الگ مستقل طور پر دیا جاتا ہے، انبیاء و رسل کی زندگی و کردار، سیرت، عادات و اطوار کا

(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

مقامات سے ان کو خاص دلچسپی ہوتی ہے یا ایسے مقامات یہاں گندگی اور نجاست رہتی ہو ان کو زیادہ محبوب ہوتے ہیں۔

قرآن میں من شر غاسق اذا وقب (یعنی پناہ مانگتا ہوں میں رات کی تاریکی سے جب چھا جائے) کے الفاظ وارد ہیں، ان کو نقل کرکے شیخ نے لکھا ہے کہ ایک وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ اس وقت شیاطین الجن زیادہ تر پھیل جاتے ہیں انہوں نے شیاطین الجن کے مقامات کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

المساجد المهجورة والمشاهد والمقابر — غیر آباد مسجدوں یا زیارت گاہوں، مقبروں
والحمامات۔ ص ۲۶۵ — اور حماموں کو یہ زیادہ پسند کرتے ہیں۔

واضح یہ حال تو شیاطین الجن کا تھا یعنی جنوں میں جو شریر اور بدمعاش افراد ہوتے ہیں لیکن عمومی طور پر بنی نوع جنی میں سب کی یہی حالت نہیں ہوتی بلکہ شیخ الاسلام کا دعویٰ ہے جسے انہوں نے مختلف الفاظ میں دہرایا ہے کہ عقائد و اعمال کے لحاظ سے جتنی قسمیں آدمیوں میں پائی جاتی ہیں تقریباً یہی حال جنیوں کا بھی ہے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان رسالت کے بعد جیسے انسانوں میں مختلف طبقات پیدا ہوگئے، وہ کہتے ہیں کہ یہ بجنسہٖ یہی صورت جنوں میں بھی پیش آئی، اسی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ

والانس معه اما مومن به — اور انسانوں کے تعلقات کی مختلف نوعیت جیسے
واما مسلم له واما مسالم له — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یعنی بعض

ساحروں کاہنوں شعبدہ بازوں وغیرہ کی زندگی سے مقابلہ کرکے ہر اندھے کے سامنے دونوں زندگیوں کو الگ الگ کرکے بہ آسانی دکھایا جاسکتا ہے، بہرحال بنیادی غلطی میرے خیال میں متکلمین اسلام سے شروع ہی میں یہ ہوگئی کہ آیات اور برہان قرآنی الفاظ کی تعریف میں انہوں نے یونانیوں کی حجت و دلیل کی تعریفوں کو مان لیا حالانکہ خلط مبحث کی اس سے زیادہ واضح مثال اور کیا ہوسکتی ہے، تعجب مجھے شیخ الاسلام سے ہے کہ اپنی اس کتاب میں بھی اور دوسری کتابوں میں بھی ہر جگہ اس مسئلہ میں خصوصیت کے ساتھ قرآنی الفاظ (آیات و برہان) کی تشریح یونانیوں والی "دلیل و حجت" کی منطقی اصطلاح خاص کو پیش نظر رکھ کر کرتے چلے گئے ہیں، حالانکہ دوسرے بیسیوں مسائل میں علماء متکلمین پر ان کا یہی اعتراض ہے۔ ۱۲

اما خائف منه كذلك الجن منهم المؤمن به ومنهم المسلم له مع نفاق ومنهم المعاهد المسالم لمؤمني الجن ومنهم الحربي الخائف من المؤمنين

(ص ۲۶۲)

اور انسانوں کے تعلقات کی مختلف نوعیت جیسے رسول اللہ صلعم کے ساتھ یعنی بعض آدمی تو ایسے ہیں جنہوں نے آپکو مان لیا اور آپکی رسالت پر ایمان لے آئے ہیں اور بعض ان میں ایسے ہیں جنہوں نے سر اطاعت آنحضرت کے سامنے خم کر دیا ہے۔ ان میں بعضوں نے صلح کی راہ اختیار کی اور بعض آپ سے خوف زدہ ہیں، بجنسہ یہی حال جنیوں کا بھی ہے یعنی ان میں بھی کچھ لوگ مومن ہیں اور بعض ان میں بظاہر مطیع ہیں مگر دل میں نفاق رکھتے ہیں بعضوں نے معاہدہ کر کے مسلمان جنوں سے صلح کر لی ہے اور بعض ان میں حربی ہیں جو ایمان لانے والے جنیوں سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اس جنی تقسیم کے بعد وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ

فالمسلمون منهم يعاونون الانس المسلمين كما يعاون المسلمون بعضهم بعضا والكفار مع الكفار۔ ص ۲۶۱

پھر جنیوں میں جو مسلمان ہو چکے ہیں —— وہ مسلمان آدمیوں کی مدد کرتے ہیں، جیسے انسی مسلمان باہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اسی طرح جنیوں میں جو کافر ہیں وہ کافر انسانوں کی مدد کرتے ہیں۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ باوجود مسلمان رہنے کے جیسے انسانوں میں بعض لوگ بدعات میں یا فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں کچھ اسی قسم کی کیفیت مسلمان جنات کی بھی ہوتی ہے یعنی باوجود مومن یا مسلم ہونے کے بدعات اور فسق و فجور میں انکے بعض افراد بھی مبتلا رہتے ہیں، اسکے بعد وہ لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں اور کافروں کا مقابلہ ہوتا ہے تو اس وقت مسلمان جنیوں کا وہ گروہ جو فسق و بدعت میں مبتلا ہوتا ہے کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کرتا ہے ان کے الفاظ ہیں کہ

وقد يجتمع كفار ومسلمون ومبتدعة وفجار فيؤيد هؤلاء الخوارق تعينهم عليها الجن فالشياطين وان جنهم شياطينهم اقرب الى الاسلام فتنجح [illegible] اولئك الكفار

کبھی کافروں اور مسلمانوں کی مٹ بھیڑ ہوتی ہے اور مسلمانوں میں بدعتی لوگ اور فاسق و فاجر افراد بھی شریک ہوتے ہیں تو جنیوں میں فاسقوں اور بدعتیوں کے افراد غیر معمولی خدمات اور طریقوں سے ان مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں لیکن جنیوں کے یہ افراد اسلام سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اسی لئے کافروں [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قانون کا حقیقی تصور

اور

انسانی آزادی

از جناب مولوی جمیل الدین احمد صاحب

سلسلہ (۹)

غلاموں کی آزادی میں وسعت | غلامی کا داغ مٹنے کے لئے قانون فطرت نے جو راہیں کھولدی ہیں کسی اور قانون میں ایسی وسعت نہیں پائی جاتی۔

(الف) غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کا قانونی وجوب۔

(۱) اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو خطاءً قتل کردے تو اس پر ایک مومن غلام کی آزادی واجب ہوتی ہے۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهِ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا (النساء ۱۳ع)

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کردے تو اس پر فرض ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثاء کو دیت دے الا یہ کہ ورثاء دیت معاف کردیں۔

(۲) اگر کوئی مسلمان دشمن کی قوم کے کسی مسلمان کو خطاءً قتل کردے تو قاتل پر ایک مومن غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا لازم ہے۔

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ (النساء ۱۳ع)

اگر مقتول دشمن کی جماعت سے ہو اور قاتل مسلمان ہو تو ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا فرض ہے۔

(۳) اگر کوئی مسلمان ایسی قوم کے کسی مسلمان کو خطاءً قتل کردے جس سے تمھارے اور اس قوم میں معاہدہ ہو تو قاتل پر دیت (خونبہا) اور ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا لازم ہے

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء ع ۱۳ پ ۵)

اور اگر مقتول اس جماعت سے ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہو یا ذمی ہو تو ورثاء مقتول کو دیت کی ادائی لازم ہے اور ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا قاتل کے ذمہ ہے۔

(۴) لونڈی اگر اپنے مولی سے جنے تو مولا کے مرنے پر آزاد ہو جائے گی۔ مالک اپنی زندگی تک اس کو بیع و ہبہ نہیں کر سکتا۔

کفارۂ ظہار (۵) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں یا بہن یا کسی اور محرمہ عورت سے تشبیہ دے تو باصطلاح قانون فطرت اس کو ظہار کہتے ہیں اور ایسی صورت میں قانونی حیثیت سے اس پر کفارہ ہائے ذیل سے کوئی کفارہ ادا کرنا لازم ہے جس میں بردہ کا آزاد کرنا سب سے مقدم صورت ہے۔

(الف) غلام یا لونڈی کی آزادی یا (ب) ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھنا یا (ج) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اور بغیر ادائی کفارہ بیوی اس پر حلال نہیں ہو سکتی۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا۔

(سورۂ مجادلہ رکوع ۱ پ ۲۸)

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں اور پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ وہ دونوں باہم اختلاط کریں۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے پھر جس کو غلام یا لونڈی کی آزادی میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھنا ہے اختلاط سے پہلے پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اسکے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ہے۔

کفارۂ یمین (۶) اگر کوئی شخص کسی بات کی قسم کھائے اور پھر اس کو توڑنا چاہے یا اتفاقاً توڑ دے تو دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلائے یا ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ

جو قسمیں تمہاری لغو ہیں اللہ ان پر تم سے مواخذہ نہ کرے گا مگر ہاں جو قسم تم نے مستحکم کی ہے اس کا

فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ (المائدہ ع ۱۲ پ ۷)

کفارہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہوگا یا ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا۔

کفارۂ صوم | (۷) اسی طرح اگر کوئی شخص روزہ قصداً فاسد کردے تو اسکا کفارہ بھی کفارۂ ظہار کیطرح ہے کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے۔ اسکی استطاعت نہو تو ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھے اور اس کی بھی طاقت نہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

عن ابی هریرة قال بینما نحن جلوس عند النبی صلی الله علیه وسلم اذجاءه رجل فقال یارسول الله هلکت قال مالک قال وقعت علی امراتی وانا صائم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هل تجد رقبة تعتقها الخ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک وقت ہم بیٹھے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ناگہاں آیا حضرت کے پاس ایک مرد سو کہا یا رسول اللہ ہلاک ہوا میں فرمایا کیا ہوا تجھکو کہا گر پڑا میں اپنی عورت پر (یعنی جماع کیا) روزے کی حالت میں تب فرمایا کیا تیرے پاس غلام ہے جو تو آزاد کرے۔ الخ

غلام و لونڈی کی آزادی کا اختیار | (ب) غلام و لونڈی کی آزادی کا اختیار قانونی۔

غلام یا لونڈی بیا وضہ مقرر کرکے آزادی کی درخواست کریں تو مالک کو آزاد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اگر انکی آزادی میں بہتری پائیں۔ اس معاہدہ کو معاہدہ کتابت کہتے ہیں۔

والذین یبتغون الکتٰب مما ملکت ایمانکم فکاتبوهم ان علمتم فیهم خیرًا۔ (النور ع ۴ پ ۱۸)

جو لوگ تمھارے مملوکوں میں سے مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں ان کو مکاتب بنا دیا کرو اگر ان میں بہتری پاؤ۔

آزادی کے استحسانی احکام | (ج) غلام اور لونڈی کی آزادی کا استحسان قانونی۔

قانون فطرت نے قانونی وجوب اور اختیار کی صورتوں کے علاوہ غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کی شدت کے ساتھ ترغیب و تحریص دلائی ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها

صدقات صرف مسکینوں فقیروں اور محصلین زکوٰۃ اور ان لوگوں کے لئے ہیں جن کی تالیف قلوب

والمولفة قلوبهم وفي الرقاب (التوبہ ع ۸ پ) کی ضرورت ہے اورگردنوں کی خلاصی دینے

فلا اقتحم العقبة وما ادراك وہ گھاٹی میں سے نہ نکلا اور آپ کو معلوم ہے کہ

ما العقبة فك رقبة او اطعام في گھاٹی کیا ہے کسی گردن کا چھڑانا (یعنی غلام

يوم ذي مسغبة يتيما ذا مقربة یا لونڈی کا آزاد کرنا) یا کھانا کھلانا ہے فاقہ

او مسكينا ذا متربة (الشمس ع ۱ پ ۳۰) کے دن کسی یتیم رشتہ دار کو یا کسی خاک نشین محتاج کو۔

(۳) حضور صلعم غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کے فضائل مختلف طریقوں سے ہمیشہ بیان فرمایا کرتے تھے جس سے غلاموں کی آزادی کا خاص شوق مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا ہم بخوف طوالت صرف دو حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

من اعتق رقبة مسلمة كانت جو کوئی کسی مسلمان غلام کو آزاد کریگا اس کا ہر عضو

فكاكه من النار عضوا العضو (حدیث) اس غلام کے عضو کے بدلے دوزخ سے بچ جائیگا

من كانت له جارية فادبها احسن جس نے اپنی لونڈی کو اچھی تعلیم و تربیت دیکر آزاد

تعليمها واعتقها وتزوجها كان له اجران (حدیث) کیا اور اسے اپنے نکاح میں لایا اسکے لئے دو ہرا ثواب ہوگا

اس مقابلہ سے واضح ہے کہ ہندو لا کی رو سے کوئی غلام آزاد نہیں ہوسکتا اور قانون فطرت کی رو سے غلاموں کی آزادی کی راہ میں کوئی کانٹا حائل نہیں ہے بلکہ مختلف مضمون کے وقوع کی صورتوں میں آزادی واجب کر دی گئی ہے

قوانین تعزیری میں شودروں کا حق | فوجداری قوانین میں شودروں کے ساتھ جو طریقہ عمل بتلایا گیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ شودروں کا درجہ انسانیت کے دائرہ میں صفر زدہ ہے۔ بعض احکام مختصراً ہم حوالہ قلم کرتے ہیں۔

(۱) ایک شودر اگر کسی دوِج کی شان میں گستاخی کرے تو اس کی زبان کاٹ دی جائے کیونکہ شودر برہما کے حصہ اسفل سے پیدا ہوا ہے۔

(۲) اگر وہ اُن کا نام اور ان کی ذات کا نام لیکر توہین کرے تو دس انگل لمبی لوہے کی سلاخ آگ میں سرخ کرکے اس کے حلق میں اتار دی جائے۔

(۳) اگر وہ غرور کی راہ سے برہمن کو اس کے فرائض کے متعلق ہدایت دے تو راجہ اس کے منہ اور کان میں جلتا ہوا تیل ڈالنے کا حکم دے۔

(۴) شودر اگر برہمن کے برابر بے ادبی سے ایک ہی جگہ بیٹھ جائے تو اس کے پر نشان لگا کر زبردستی اس کو ملک بدر کر دے یا سرین کٹوا دے۔

(۵) اگر وہ برہمن پر غرور سے تھوک دے تو راجہ اس کے دونوں ہونٹ کٹوا دے اگر وہ پیشاب کرے تو اس کی شرمگاہ قطع کرا دے اگر وہ برہمن کی طرف گوز صادر کرے تو اس کی جائے مخصوص کٹوا دے۔

اگر وہ برہمن کے سر کے بال یا اسکے پاؤں یا اسکی داڑھی یا اس کا گلا یا اسکے بیضے پکڑے تو راجہ بلا تامل اسکے ہاتھ کٹوا دے۔

(۶) اگر شودر دو یج عورت سے زنا کا ارتکاب کرے تو اس عورت کے غیر محصنہ ہونیکی صورت میں شودر کا وہ عضو کاٹا جائیگا جس سے اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اور اس کی تمام جائداد ضبط کیجائیگی اور اگر وہ عورت محصنہ ہو تو وہ اپنی ہر چیز حتیٰ کہ جان سے بھی محروم کر دیا جائیگا۔

اور برہمن کیسے ہی سنگین جرائم کا ارتکاب کیوں نہ کرے راجہ اس کو ہرگز قتل نہ کرے اسکی ذات و جائداد سے تعرض کئے بغیر صرف جلا وطنی کی سزا دے سکتا ہے اپستمبہ شاستر سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل چوری ڈاکہ کے شدید جرائم کی پاداش میں برہمن کو صرف اتنی سزا دیجا سکتی ہے کہ وہ اندھا کر دیا جائے۔

قانون فطرت میں غلاموں اور لونڈیوں کے حقوق قانون فطرت نے تعزیری قوانین میں غلاموں اور آزادوں کے حقوق میں کوئی فرق و امتیاز نہیں قائم کیا ہے۔

غلاموں کا قاتل اور ان کے مال کا سارق۔ انکی آبرو ریزی کرنے والا ان کو جسمانی مضرت پہونچانیوالا خواہ آزاد ہو یا غلام وہی سزا پائیگا جو آزاد لوگوں کیساتھ ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے مقرر ہے۔

یہ حقوق صرف صفحہ قرطاس پر نہیں رہے بلکہ پیروان صحیفہ فطرت نے ان حقوق کو عملی جامہ پہنایا۔

سوید بن مقران کے صاحبزادے معاویہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے ہاں کے

یک غلام کو تھپڑ مارا۔ والد کو خبر ہوئی تو انہوں نے ہم دونوں کو بلایا اور غلام سے کہا تو بھی ۔
بدلہ لے۔ (ابو داؤد کتاب الادب باب فی حق المملوک)

غلاموں کے ساتھ رعایت بعض جرائم میں | بلکہ بعض جرائم کے حدود میں غلاموں کے ساتھ رعایت رکھی گئی ہے کہ مرد آزاد کو جو سزا دی جاتی ہے اسکی نصف غلام کو دی جاتی ہے۔
مثلاً شراب خواری کی حد مرد آزاد کیلئے اسی درے (تازیانہ) مقرر ہے اور غلام کے لئے (۴۰) ہیں۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک | غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تفصیل قلمبند کرنے کیلئے ایک دفتر چاہیئے لیکن ہم صرف چند اصول بیان کرتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے غلاموں کے ساتھ ایسے برتاؤ کو روا رکھا ہے جو برادرانہ یا کم از کم برادرانہ ہو۔

غلاموں کے باب میں حضور صلعم کے کلی ارشادات۔

طعام و طباشی و خدمت کی نسبت |

ان اخوانکم خولکم جعلہم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم۔

تمہارے خادم تمہارے بھائی ہیں جن کا بھائی اسکی ماتحتی میں ہو اس پر اسکی ذمہ داری ہے کہ اسکو وہ کھلائے جو خود کھاتا ہو اور وہ لباس پہنائے جو خود پہنتا ہو۔ اور انکو ایسی تکلیف نہ دے جسکی برداشت نہ کر سکیں اور اگر ایسی تکلیف کی صورت پیدا ہو تو انہیں انکی مدد کریں۔

معافی قصور کی نسبت | غلاموں سے معمولی قصور سرزد ہو تو بجائے سزا کے عفو کا حکم دیا گیا۔

اعفوا عنہ فی کل یوم سبعین مرۃ — اگر غلام روزانہ ستر بار بھی قصور کرے تو تم معاف کئے جاؤ

غلام سے خطاب | غلام کو عموماً "عبدی" اور لونڈی کو "امتی" عرب پکارتے تھے۔ رسول صلعم نے اس طریقہ خطاب کو منع فرمایا اور (فتائی) و (فتاتی) میرا لڑکا اور میری لڑکی کہہ کر پکارنے کی اور اپنے آپ کو سیدی و مولائی کہلوانے کی اجازت دی۔

غلاموں کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھلانا | عموماً غلاموں کو اپنے پاس جگہ دینا عار سمجھا جاتا تھا لیکن حضور صلعم نے فرمایا کہ ان کو اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھلایا کرو اور اگر اتنا نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے کھانے میں سے

ایک دو لقمے ہی ان کو کھلا دیا کرو۔

اذا اتی احدکم غلامہ بطعامہ فالم یجلسہ معہ فلینا ولہ لقمۃ او لقمتین۔ جب غلام کھانا لائے تو اس کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھلاؤ اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو اپنے کھانے میں سے ایک دو لقمے ہی ان کو کھلا یا کرو۔

لیکن منو نے جو احکام برہمنوں کے لئے شودروں کے ساتھ کھانے پینے کے برتاؤ میں دئے ہیں وہ قابل غور ہیں اور ان سے شودروں کی نجاست و ذلت کے درجہ کا اچھا اندازہ کیا جا سکتا ہے

۱۔ برہمن شودر کا کھانا نہ کھائے۔ شودر کا کھانا نور کو زائل کرتا ہے۔

۲۔ اگر برہمن بھولے سے شودر کا کھانا کھالے تو تین دن تک روزہ رکھے اور اگر عمداً کھالے تو اس کو وہی کفارہ ادا کرنا چاہیئے جو حیض یا پیشاب پینے اور کھانے والے کے لئے مقرر ہے۔

اپستمبہ شاستر کے احکام یہ ہیں کہ

۱۔ جو کھانا شودر کا تیار کیا ہوا ہو خواہ اسکا ہاتھ لگے یا نہ لگے برہمن کے لئے ناجائز ہے۔

۲۔ اگر کوئی برہمن ایسی صورت میں مرے کہ اسکے پیٹ میں شودر کا کھانا موجود ہو تو آئندہ جنم میں وہ بستی کا سُوّر ہوگا۔

۳۔ اگر کسی برہمن کو کھانا کھانے میں کوئی شودر ہاتھ لگا دے تو وہ کھانا چھوڑ دے۔

یہ وہ زحد کے احکام ہیں جو شاستر نے برہمنوں اور شودروں میں امتیاز کے دئے ہیں۔

اب قانون فطرت پر غور فرمائیے کہ حضور صلعم نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ میں بھی غلاموں کی خوشحالی اور ترفع کا خیال نہ چھوڑا اور یہ وصیت فرمائی

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم۔ نماز اور غلاموں کی حفاظت کرو۔

اور عملاً جو اسوۂ حسنہ پیش فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی پھوپی زاد بہن زینب رضی کا نکاح حضرت زید رضی سے فرمایا جو حضور صلعم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت امام حسین رضی کا نکاح ایران کی ایک شہزادی سے ہوا تھا جو جنگ میں لونڈی بن کر آئی تھیں جن کی اولاد اشرافِ اسلام میں سب سے بالاتر درجہ رکھتی ہے۔

سلمان فارسی رضی غلام تھے جنہیں حضرت علی رض فرماتے تھے

سلمان منا اهل البیت۔ سلمان تو ہم اہل بیت سے ہیں۔

حضرت بلال حضور صلعم کے حبشی غلام تھے جن کو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے

بلال سیدنا و مولیٰ سیدنا۔ بلال ہمارا آقا ہے اور ہمارے آقا کا غلام ہے

حضرت صہیب رومی غلام تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنی جگہ مسلمانوں کی امامت کیلئے مقرر کیا تھا

سالمؓ ابو حذیفہؓ کے غلام تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے رحلت کے وقت فرمایا تھا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے میں ان کو خلافت کے لئے منتخب کرتا۔

اسامہ بن زید غلام زادے تھے جنہیں حضور صلعم نے اپنے آخری وقت میں اس لشکر کا سردار بنایا تھا جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی شریک تھے اور جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبد اللہ سے فرمایا تھا کہ اسامہ کا باپ تیرے باپ سے اور اسامہ خود تجھ سے رسول صلعم کو زیادہ محبوب تھا

قانون فطرت نے غلاموں کو اس حد پر نہیں چھوڑا بلکہ حضور صلعم نے یہ طے فرما دیا تھا کہ اگر ایک حبشی غلام بھی صالح ہو تو تمہاری آزادی اور شرافت اسکی اطاعت و فرماں برداری میں مانع نہیں ہو سکتی۔

اسمعوا و اطیعوا ولو استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبة" سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے پر ایک گنجا حبشی غلام ہی حاکم بنا دیا جائے۔

مقنن منو نے شودروں کے جو حقوق قانونی متعین کئے ہیں اور دویجوں کے مقابلہ میں جو مدارج ان کے قائم کئے ہیں ان کا اجمالی خاکہ ہم نے پیش کیا ہے وہ صرف شودروں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ دیگر دویج (شریف) اقوام کو بھی برہمنوں کے مقابلہ میں مساویانہ حقوق عطا کرنے سے بخل کرتا ہے۔ اور باہم کشتری اور ویش میں بھی مساوات کے احکام نہیں دیتا۔ برہمن عورت سے زنا کرنے کا جرم اگر ویش سے سرزد ہو تو ایک سال قید اور کل جائداد کی ضبطی کی سزا دی جائیگی۔ اگر کشتری قوم کا فرد یہ فعل کرے تو اس پر ایک ہزار پن جرمانہ کیا جائیگا یا گدھے کے پیشاب سے اسکی داڑھی مونچھ مونڈی جائیگی۔

اور اگر وہ برہمن عورت غیر محصنہ ہو تو ویش کو (۵۰۰) اور کشتری کو (۱۰۰۰) پن جرمانہ

جرمانہ دینا ہوگا اگر ایک برہمن مرد کسی محصنہ عورت سے زنا بالجبر کرے تو اسپر (۱۰۰۰) پن جرمانہ کیا جائیگا اور اگر کھشتری سے کرے تو صرف (۵۰۰) پن جرمانہ دینا ہوگا

قانون وراثت میں بھی منونے دویجوں اور شودروں کے درمیان امتیاز دکھایا ہے بعض حالات میں وہ شودر کو حق میراث سے بالکل محروم کر دیتا ہے اور بعض حالات میں دویجوں سے کمتر درجہ دیتا ہے۔

اگر برہمن کی چار بیویاں چار ذاتوں کی ہوں اور چاروں سے اسکے ہاں اولاد ہو تو ان کے درمیان تقسیم اس طرح ہوگی کہ کاشتکار ملازم سانڈ سواری کے گھوڑے گاڑیاں زیورات اور مکان برہمن لڑکے کو ملیں گے اور ان چیزوں کو علیحدہ کرنے کے بعد جو جائداد باقی رہے اس میں اعلیٰ ذات کے لحاظ سے اسکا حصہ خاص طور پر زیادہ ہوگا

برہمن لڑکا ترکہ میں تین سہام لیگا۔ کشتری عورت کا لڑکا دو سہام۔ ویش عورت کا لڑکا اڑھائی سہام اور شودر عورت کا لڑکا ایک سہم۔

یا عالم قانون داں آدمی مجموعی طور پر تمام جائداد کو دس حصوں میں تقسیم کرکے اسطرح بانٹے برہمن کے لڑکے کو چار حصے۔ چھترانی کے لڑکے کو ۳ حصے۔ ویش عورت کے لڑکے کو ۲ حصے۔ شودرانی کے لڑکے کو ایک حصہ۔

اس برہمن کے ہاں خواہ پہلے تین ذاتوں کی بیویوں سے بیٹے ہوں یا نہوں بہرصورت شودرانی کے لڑکے کو ۱/۱۰ سے زیادہ نہ ملیگا۔

اس کے برخلاف قانون فطرت کی رو سے کسی مرد کے کتنے ہی لڑکے ہوں خواہ حرہ کے بطن سے ہوں یا لونڈی کے مساویانہ حصہ پاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیام حق و صداقت کے اہم اجزاء علم و عمل

از مولوی دلاور علی صاحب مناظر

(بسلسلہ گذشتہ)

بدعت و نتائج بدعت ہر وہ نیا امر جو قرآن و سنت سے ثابت نہ ہو یا ان دونوں سے مستنبط نہ ہو اور ہوائے نفس کے تحت دین میں داخل کر دیا گیا ہو وہ بدعت ہے اور دین میں ایسے امور پیدا کرنے اور داخل کرنے کی قرآن و سنت میں سختی سے ممانعت وارد ہوئی ہے اور ایسے امور کا احداث اصول دین میں رخنے پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے اور یہی نو پیدا شدہ امور اصول و ارکان دین کی پابندی اور سنت نبوی کے رواج کے حاجب و مانع بن جاتے ہیں۔ بدعتی راہ ضلالت پر پڑ کر اصول دین سے خود بھی ہٹ جاتا ہے اور صراط مستقیم و سبیل الی اللہ میں دوسروں کے لئے بھی سنگ راہ بن جاتا ہے۔

اسی بدعت کا کرشمہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام کی جتنی امتیں گذریں وہ بگڑ کر کفر و شرک جیسے سنگین معاصی میں مبتلا ہو گئیں اور ان پر عذاب آخرت مسلط ہو گیا۔

ان امتوں کے احبار و رہبان یعنی علماء اور فقراء کو اسی بدعت کی وجہ سے کتب الٰہی میں تحریف لفظی اور معنوی کا موقع مل گیا تھا۔ اب حقتعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے قرآن و سنت نبوی میں قیامت تک تحریف لفظی کا کسی کو موقع نہیں ہے البتہ ہویٰ پرستوں کے لئے تحریف معنوی کا امکان ہے۔ اسی امکان کی بنا پر امت ختم الرسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں تفرق و تشتت ہو کر ۷۳ بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ کیونکہ انہوں نے قرآن و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی ہویٰ اور رائے ناقص کو دخل دیا۔ البتہ صرف ایک فرقہ قرآن حکیم

واحادیث نبوی کے مطابق میں آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ پر سختی سے جم گیا وہی اہل سنت والجماعت کہلایا۔ یہی فرقہ ایسا ہے جس نے قرآن وحدیث کو اپنی ہوی کا تابع نہیں بنایا بلکہ اپنی ہوی اور رائے کو ان ہر دو کا تابع بنا دیا۔ اور یہی لوگ ہیں جو آنحضرت صلعم اور صحابہؓ کے متبع ہیں۔

بدعت کا امکان ہر زمانہ میں ہے۔ قرآن وسنت کو چھوڑ کر اپنی ہوائے نفسی کی یا دیگر غیر اسلامی رسوم ورواج کی پیروی کی جائے اور اسکو دین سمجھا جائے اور قرآن وسنتِ نبوی کو رسوم ورواج کا تابع کر کے ان رسوم ورواج کو قرآن وسنت سے ثابت کرنے کی کوشش کیجائے۔ یہی اصل وحقیقت بدعت ہے اور یہی ضلالت ہے۔ ورنہ جو امور اصول وارکان دین کے احکام اور اُس کی اشاعت کی غرض سے ہوائے نفس سے بچکر قرآن وسنت سے مستنبط ہونگے وہ کبھی بدعت نہیں ہونگے اور ایسے مسائل کا استنباط سلفِ صالحین وصحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے مقررہ اصول وقواعد کو پیش نظر رکھکر ہو سکتا ہے۔

لیکن ان تمام اصول وقواعد کو چھوڑ کر منشار قرآن وسنت کے خلاف اپنے باطل رسوم ورواج پر اڑے رہنا اور اس باطل پر جمے رہنے اور اس باطل پر اپنے ساتھ دوسروں کو رکھنے کیلئے قرآن وسنت کو سپر بنانا آئین وطریقۂ اہل حق نہیں ہے اور دین میں بصیرت رکھنے والوں کی نظر میں یہی ہوا کی اتباع اور ضلالت ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ۔
(القصص ۵ع پ ۲۰)

پس جان لے کہ وہ صرف اپنی ہوا کی ہی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی ہوا کی اتباع کی۔

اور اس باطل پر جمے رہنے اور ہوا کی اتباع کرنے یا کرانے کا مقصد علمار ورہبان اہل کتاب کی طرح بجز اس کے کچھ نہیں ہوتا ہے کہ ناجائز طریقے سے استحصال مال ہو۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

اے ایماندارو (سمجھ جاؤ) کہ بہت سے علمار وفقرار لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں (لوگوں کو)

وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (التوبہ ع پ) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

بدعت کی مذمت میں احادیث کثیرہ مروی ہیں جن میں سے ہم یہاں صرف دو نقل کرتے ہیں تاکہ اہل ایمان کے لئے بدعت کی اہمیت پیش نظر رہے۔

حضرت جابرؓ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ

اما بعد فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد و شر الامور محدثاتها وكل بدعة ضلالة (رواہ مسلم) مشکواۃ باب الاعتصام بالكتاب وسنت۔ بعد ازیں (معلوم ہو کہ) بہترین بیان کتاب الٰہی اور بہترین ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت (یعنی طریق مستقیم الی الحق) ہے اور بدترین امور نئے امور ہیں اور ہر نیا امر گمراہی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد (متفق علیہ مشکواۃ باب مذکور) جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس سے نہ ہو وہ قابل رد ہے۔

سیئات سَيِّئَةٌ برائی اور فعل قبیح کو کہتے ہیں جس سے بچنے کے لئے حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس سے نہ بچنا معصیت ونافرمانی ہے۔ اس واسطے ہر برائی کا ارتکاب معصیت ہے لیکن معاصی کی دو قسمیں ہیں ایک صغیرہ اور دوسری کبیرہ۔ کبیرہ وہ گناہ ہے جسکے ارتکاب پر آخرت میں بڑے عذاب کی وعید ہے یا دنیا ہی میں اسکے لئے کوئی حد شرعی (یعنی سزا) مقرر کر دی گئی ہے۔ جیسے کفر وشرک۔ ترک نماز یا روزہ ودیگر ارکان دین اور قتل عمد۔ زنا۔ کذب وافترا۔ رشوت وغیرہ

صغیرہ وہ گناہ ہے جسکے لئے بڑے عذاب کی وعید نہیں ہے لیکن اس سے بچنے کی ہدایت ہے

گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے انسان کے قلب وروح پر اثر پڑتا ہے اور وہ اثر توبہ وانابت حسنات واعمال صالحہ کے ارتکاب سے دور نہ کیا جائے تو باقی رہجاتا ہے اگر تمام عمر سیئات وخطایا کا ارتکاب ہی ہوتے رہے تو پھر ایسا شخص حق تعالیٰ کی رحمت سے دور رہے گا۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ ہاں جو برائی کے ارتکاب میں رہا اور

خطیئتہ فاولئک اصحٰب النار ھم فیھا خٰلدون (البقرہ ع پ ۱)

اور گناہوں میں گھر گیا وہی دوزخی ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اس لئے جلد اور ہر وقت گناہوں سے توبہ ہونی چاہئے۔

توبہ اور انابت اور انکے نتائج | قلب میں گذشتہ معاصی پر ندامت اور آئندہ کیلئے ترک معاصی کا عزم توبہ ہے اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ قلبی اور ان ہی سے اصلاح حال کا عزم انابت ہے

وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون (النور ۴ع پ ۱۸)

اور اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر معافی مانگو اغلب ہے کہ تم فلاح پاؤ۔

وانیبوا الی ربکم واسلموا لہ من قبل ان یاتیکم العذاب ثم لا تنصرون (سورۂ زمر ۶ع پ ۲۴)

اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہو جاؤ اور اسکے مطیع ہو جاؤ اسکے پہلے کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے اور تم مدد نہ پا سکو۔

گناہوں کے ارتکاب سے بڑھ کر ترک توبہ میں عاقبت کی بربادی کا سخت خطرہ ہے اگر تمام عمر معاصی ہی کا ارتکاب کرے اور یہ قصد ہو کہ موت کے قریب توبہ کرلیجائیگی تو درست نہیں اسلئے کہ موت کا وقت معین نہیں ہے ایسی توبہ جو موت کے قریب ہو حق تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔

ولیست التوبۃ للذین یعملون السیات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الئن ولا الذین یموتون وھم کفار اولئک اعتدنا لھم عذابا الیما۔ (النساء ۳ ع پ ۴)

اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہوگی جو برائیوں کے ارتکاب میں رہتے ہیں یہانتک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ میں توبہ کرتا ہوں۔ اور نہ انکی توبہ قبول ہوگی جو حالت کفر میں مرتے ہیں ہم انہیں کے لئے دردناک عذاب تیار رکھا ہے۔

توبہ کا جو وقت خود حق تعالیٰ نے بتایا ہے وہ یہ ہے۔

انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ ثم یتوبون من قریب فاولئک یتوب اللہ علیھم وکان اللہ علیما حکیما۔ (النساء ۳ ع پ ۴)

توبہ کا قبول کرنا اللہ کیلئے صرف ان لوگوں کیلئے ضروری ہے جو نادانی سے برائی کرتے ہیں پھر اسی وقت جلدی سے توبہ کرلیتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جنکی توبہ اللہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

حق تعالیٰ ارتکاب گناہ کو جتنا ناپسند فرماتے ہیں اتنا ہی بلکہ اس سے زیادہ بندہ کی توبہ اور اپنی طرف رجوع ہونے کو پسند فرماتے ہیں اسلئے توبہ کے بعد انسان ہر قسم کے گناہوں سے مغفور ہو کر حق تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ (البقرہ ۱ع پ ۱) بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِھَا وَاٰمَنُوْا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (الاعراف ۹ع پ ۹) اور جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا پھر توبہ کرلی اور اہل ایمان ہو گئے تو بے شک اسکے بعد تیرا پروردگار رحمٰن و رحیم معاف کرنے والا اور رحم کرنیوالا ہے۔

توبہ کے بعد بندہ اگر حق تعالیٰ کیطرف رجوع ہو گیا تو سمجھلو کہ وہ ہدایت پالیا کیونکہ حق تعالیٰ خود اس کے ہادی بن جاتے ہیں۔

وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ (الشوریٰ ۲ع پ۲۵) اور اللہ تعالیٰ اسکو ہدایت دیتا ہے جو اسکی طرف رجوع ہوتا ہے۔

اور بندہ جب کبائر سے مجتنب رہتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے صغائر کو معاف فرمادیتے ہیں۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا (النساء ۵ع پ ۵) اگر تم کبائر سے جس سے تم کو روکا گیا ہے باز رہو گے تو ہم تمھاری طرف سے تمھاری برائیوں کا کفارہ کردینگے اور بزرگ و برتر مقام و مرتبہ میں داخل کردینگے۔

ریاء رضائے غیر حق یعنی مخلوق کے دکھانے یا سنانے کے ادراک کے ساتھ جو فعل و قول ہو وہ ریا کہلاتا ہے۔

ریا ایک کیفیت قلبی ہے تا وقتیکہ اسکو قصد قلبی سے دور نہ کیا جائے وہ دور نہیں ہو سکتی۔ اسلئے اسلام نے مومن کے ہر فعل وطاعت الٰہی میں نیت مشروع کی ہے۔ جب استحضار قلب کے ساتھ طاعت الٰہی کی بجاآوری کے قصد اور رضائے حق کے ادراک سے فعل کیا جائیگا تو پھر ریا باقی نہیں رہے گی اور ایسے فعل و طاعتِ الٰہی کا اجر مرتب ہوگا اور وہ مقبول ہوگی ورنہ تمام عبادات وطاعات و اعمال سب ضائع و باطل ہو جائیں گے۔ طاعات الٰہی میں مخلوق کے دکھاوے سنانے کا ادراک عمداً قلب میں رہنا تو بالیقین نفاق ہے جیسا کہ ہم نے نفاق کے بیان میں نصِّ قرآنی نقل کی ہے کہ منافقین کی نماز لوگوں کے دکھانے کیلئے ہوتی ہے اور اس قسم کی ریاء میں حکم الٰہی کی بجاآوری اور رضائے حق کے حصول کا کوئی ادراک ہی نہیں ہوتا ہے اور جب اطاعت امر الٰہی و نیت حصول رضائے حق کا قصد قلبی نہ ہو جو تمام عبادات وطاعات و اعمال و اشغال کی روح ہے تو انکی صرف صورتیں باقی رہ جائیں گی

اور ان فانی صورتوں میں روح باقی نہ رہنے سے اجر باقی بھی مرتب نہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ (رواہ مسلم عن ابی ھریرہ مرفوعا) مشکوٰۃ	یقیناً حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال و دولت پر نظر نہیں فرماتا ہے لیکن تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

اس طرح جو عمل طاعت الٰہی و رضائے حق کی نیت سے شروع کیا جائے لیکن اسمیں مخلوق کی رضا کے حصول کا ادراک بھی رہے یعنی اس عمل سے مخلوق کی رضامندی بھی پیش نظر رہے تو اس قسم کی ریائی شرکت بھی اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَکَ مَعِیَ فِیْہِ غَیْرِیْ تَرَکْتُہٗ وَشِرْکَہٗ (اخرجہ مسلم عن ابوھریرہ مرفوعا تلخیص باب الریاء ج ۳)	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب شریکوں سے زیادہ شرک سے بے پرواہ ہوں جس نے کوئی عمل کیا اور اس میں میرے ساتھ دوسرے کو شریک کیا میں اس کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن حقتعالیٰ کے دربار میں تین شخص حاضر کئے جائیں گے ان میں سے ایک سے حقتعالیٰ دریافت فرمائیں گے کہ تو نے کیا عمل کیا تو وہ جواب دیگا کہ تیری راہ میں جہاد کر کے میں شہید ہوا ہوں تو حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے اسلئے کہ تو اپنے کو جری کہلانے کیلئے قتل ہوا اور چنانچہ تو جری مشہور رہا پس حق تعالیٰ کے حکم سے اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔ پھر دوسرے شخص سے حق تعالیٰ دریافت فرمائیں گے کہ تو نے کیا کیا تو وہ جواب دیگا کہ میں نے علم حاصل کیا اور اس کی تعلیم لوگوں کو دی اور قرآن تیری رضا کیلئے میں نے پڑھا تو حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے کہ تو نے علم اس لئے حاصل کیا کہ عالم مشہور ہوں اور قرآن اسلئے پڑھا کہ قاری کہلاؤں چنانچہ تو عالم اور قاری مشہور ہو گیا۔ پس وہ بھی حق تعالیٰ کے حکم سے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔ پھر تیسرا شخص پیش ہوگا۔ حقتعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے کیا کیا تو وہ جواب دیگا کہ میں نے تیری راہ میں ہر مصرف خیر میں مال صرف کیا تو حقتعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے لیکن تو سخی مشہور ہونے کیلئے ایسا کیا تھا چنانچہ تو سخی مشہور ہو گیا۔ پس وہ بھی حق تعالیٰ کے حکم سے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

غرض کہ ادراک رضائے غیر حق اور مخلوق میں شہرت و ناموری وجاہ طلبی کی غرض سے جو عمل ہوگا وہ ریا ہے اور ریاء کے بعد حق تعالیٰ کے پاس اس کا اجر نہیں ہے۔ (باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ بَعضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

حقیقت یہ ہے کہ بعض قیاس و گمان ذہن انسانی کی غیر صحیح حرکت ہیں ذہنی معصیت سے محفوظ رہنے کیلئے اس واقعہ کو ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ رسالہ کی آمدنی بعد وضع حقیقی اخراجات دین کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے وقف رہیگی بہ توفیق الٰہی و بحمدہ مرتب رسالہ کی ذات رسالہ کی آمدنی سے مستفید نہ ہوگی اس لئے مالی تعاون کی درخواست نہیں ہے بلکہ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْراً فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ اہل خیر ہی کارِ خیر کا اجر پائیں گے۔

رجسٹرڈ نمبر ۲۶۱

لقد انزلنا الیکم کتاباً فیہ ذکرکم

تحقیق ہم نے تمہاری طرف کتاب بھیجی ہے اس میں تمہارا ذکر ہے

ماہنامہ برہان

فطرتِ انسانی کا تذکرہ

مرتبہ

صفوۃ الرحمٰن صابر

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

فہرست مضامین

بابتہ ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۷ھ جلد ۱ عدد ۱

مقالات

فی پرچہ (۸؍ سالانہ ۶؍) تعاون حسب استطاعت

باہتمام صفوۃ الرحمن صابر اعظم اسٹیم پریس میں طبع ہو کر دفتر رسالہ الحق دیوڑھی شہر یار جنگ
محلہ سلطان شاہی حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں تو حق باطل کا دماغ پاش پاش کر دیتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے

وسعت نظر

اگر اپنے اپنے طریقہ پر مخصوص اوقات میں خدا کی پرستش و عبادت کرنے کا نام مذہب ہے تو انگریز، ہندو، یہودی، پارسی وغیرہ ایک دوسرے کے محکوم رہ کر بھی اپنی مذہبی آزادی کو قائم رکھ سکتے ہیں یعنی عیسائی ہندوؤں پر یا ہندو عیسائی پر اسی طرح دیگر اقوام ایک دوسرے پر حکومت کریں اور محکوم اقوام کی مذہبی آزادی میں مداخلت نہ کریں تو محکوم کا مذہب بہرحال قائم و باقی ہے اور وہ مذہبا آزاد ہے موجودہ تمام باطل مذاہب کے انسان کا خود ساختہ مذہب ہونے کی یہی وہ زبردست علامت ہے جو ان کے غیر الٰہی مذہب ہونے کا بزبان حال اعلان کر رہی ہے انسان کے قلب میں جب اس کے مالک و حاکم حقیقی رب العالمین سے کوئی نسبت باقی نہیں رہتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ کذب و باطل کو حق و صداقت سمجھتا ہے خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور صلاح و فلاح کے نام سے فتنہ و فساد کے عناصر پھیلا کر سب کی زندگیوں کو تباہ و برباد کرتا رہتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ۔

(ترجمہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں نادان نہیں سمجھتے کہ انسان کو اس کے پیدا کرنے والے سے جس کا انسان محتاج عبد غلام ہے وابستہ کر دینا حقیقی صلاح و فلاح ہے اور انسان کو اس کے اس فطری تعلق سے برگشتہ کر دینا ہی فتنہ و فساد ہے۔

کسی مذہب کے خالص آسمانی (الٰہی) ہونے کی بنیادی علامت یہی ہے کہ اگر اس کے پیرو

اللہ کے احکام کے خلاف کسی اور کی اطاعت وغلامی کو بطیب خاطر گوارا کریں، چاہے نفس و شیطان کی اطاعت ہو یا کسی انسان کی تو حقیقتاً وہ مذہب سے دست برداری ہے۔ الٰہی مذہب کا خاصہ یہی ہے کہ اس کا پیرو احکام الٰہیہ کے خلاف کسی اور کا محکوم وغلام ہو کر بخوشی زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ اس کے دست و بازو طوق وسلاسل میں جکڑ دیئے جائیں گے تو جب بھی اسکی کوشش وتمنا یہی ہوگی کہ ان بندھنوں کو کاٹ کر آزاد ہو جائے۔ ایمان کی یہی آگ ہے جسپر اگر سمندر کے برابر بھی پانی ڈال دیا جائے تو اسکی چنگاریاں اسکی تہہ میں بھی روشن اور سمندر کی حیات کیلئے موجب خطرہ بنی رہیں گی۔ وائے برحال ما کہ دین اسلام جو حیات انسانی کا واحد نظام فکر وعمل ہے اور اس وقت دنیا میں خالص "دین الٰہی" ہے اسکے علمبرداروں کے ذہن سے دین اسلام کا یہ بلند تصور جاتا رہا کہ اللہ کے احکام وہدایات کے خلاف فکری وعملی حیثیت سے کسی کا محکوم ہو کر زندگی بسر کرنا مذہب ہی کو ترک کر دینا ہے یا کم از کم مذہب کی روح کو خیرباد کہہ دینا ہے یا استخواں کو لیکر مغز سے دست بردار ہو جانا ہے کج فہمی کہیئے یا فریب نفس کہ جس تاریخ مسلمانوں نے انگریز کی غلامی کو قبول و اختیار کر لیا اور مذہبی آزادی کے باطل خیال سے مطمئن ہوگئے اس تاریخ سے وہ اپنے فطری حق آزادی سے دست کش ہوگئے۔ اسکے بعد سے دین کا ایک ایک ستون منہدم کیا گیا۔ زندگی سے دین کے ایک ایک عنصر کو خارج اور مختلف چالوں سے دین کی روح کو پامال کیا گیا مگر مذہبی آزادی کے باطل تصور میں ٹھنڈے دل سے سب کچھ گوارا کیا جاتا رہا۔ اس اثنا میں جن اہل حق نے اسلامی روح کو بیدار کرنے کی جدوجہد کی، انکو قید وبند میں رکھا گیا اور جن کی تعلیمات سے اسلامی فطری جذبہ آزادی پیدا نہیں ہو سکتا تھا ان کو شمس العلماء کا خطاب دیکر نادان مسلمانوں کو مکارانہ درستی کے فریب میں مبتلا رکھا گیا اور قوم نے بھی زیادہ تر آخر الذکر حضرات کی جنبہ داری کی اور ان ہی کی حلقہ بگوش بنی رہی۔ ادھر مذہبی روح کو مردہ کرنے والی مذہبی تعلیم ادھر اسلامی افکار وتصورات کو فنا کرنے والا نظام تعلیم وتہذیب نے مرے پر سو درے کا کام کیا۔ فانی اللہ ہو کر خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز ہونے والا انسان فانی الدنیا ہو کر خلیفۃ النفس وشیطان ہو کر رہ گیا اور شیطانی قوتوں کو پارہ پارہ کرنے کی قابلیت رکھنے والا انسان شیطان کا ہمنوا ہو گیا، ذہنی پستی اس انتہا کو پہونچ گئی کہ دنیائے قلیل وفانی ہی کی امارت، ثروت وتعیشات مقصود حیات بن گئے، فلاح وبہبودی اور حصول آزادی کے تمام تجاویز وتدابیر متذکرہ صدر

مقصد ہی کو پیش نظر رکھکر مرتب کی جاتی ہیں، ہر خیال ہر روش غیر قرآنی، سوچنے اور سمجھنے کا ہر انداز غیر قرآنی لیکن اعتماد عشق کی خانہ خرابی دیکھنا کہ اللہ رسول سے بے تعلقی کے باوجود تائید و نصرت حق کے قرآنی مواعید ہر موقعہ پر ظہور میں آنے کے خیال سے مست و مگن۔ دیکھئے تو یہ فاقہ مستی کیا رنگ لاتی ہے۔

پڑھے لکھے حضرات بھی غور نہیں فرماتے کہ لفظ "مُسلِم" جس کے معنی ہیں مطیع فرماں بردار سر تسلیم جھکا دینے والا، اسکی معنویت کا یہی اقتضاء ہے کہ ہر مسلم کا دل و دماغ مسلم ہو، آنکھ کان مسلم ہو، زبان و قلم مسلم ہو، قول و فعل مسلم ہو، ہاتھ پاؤں مسلم ہو، اسکا گھر اسکا بازار غرض اسکا ظاہر و باطن، اول و آخر مسلم ہو۔ اس لحاظ سے مسلم کی آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ اسکا دین آزاد ہو یعنے مسلمانوں کی حکومت و سیاست قرآنی ہو۔ انکی تجارت، زراعت، معاملات، لین دین اسلامی ہوں، انکی آمدنی و خرچ کے مدات اسلامی ہوں، انکی تہذیب، تمدن، معاشرت عادات، اطوار، اخلاق طور و طریق زندگی اسلامی ہو، ان کی تعلیم و تربیت کا نظام اسلامی ہو غرض انکی زندگی کا ہر گوشہ اسی نور سے منور ہو۔ اسلام کے ہر پیرو کا اولیں فرض ہے کہ وہ اس آزادی کو بہر قیمت حاصل کرے اور اسکو قائم رکھے اور اسی جد و جہد میں وہ اپنی تمام توانائیوں کو صرف کرتا رہے تا آنکہ باطل پامال ہو جائے۔ یا وہ خود فنا ہو جائے۔

یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ۔

(ترجمہ) اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں، قتل کئے جاتے ہیں۔

اگر مسلمان اس روش کو ترک کر کے کوئی اور راہ عمل اختیار کریں تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ برعکس نہند نام باغی مسلم۔

متذکرہ صدر آزادی کے حصول کیلئے رگوں میں حرکت، خون میں گرمی، دل میں تڑپ اسوقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جبتک دین اسلام کی حقیقی افادیت اور اسکی حقیقی غرض و غایت سے دل و دماغ اچھی طرح آشنا نہ ہو جائیں اور وہ قلب کی گہرائیوں میں نہ اتر جائے۔ دین کو پیش کر کے یہ دعوت دی گئی ہے

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ الخ

(ترجمہ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت و جنت کی طرف۔

انسان کو اسکے حقیقی آقا و حاکم نے اپنی بخشش اور ایک لازوال پر مسرت زندگی کی طرف

دعوت دی ہے۔ انسان جو اپنی جبلت کے لحاظ سے بالکلیہ اللہ کا عبد غلام ہے اسکو اللہ ہی کا بن کر
غلام مطیع و فرماں بردار بن کر رہنا چاہئے "مغفرت و جنت" کے حصول کا یہی ذریعہ ہے ورنہ حدود
عبدیت کے نتائج بد سے دوچار ہونا یقینی ہے کیونکہ اللہ سے غلامی و عبدیت کی نسبت عارضی نہیں
ابدی ہے مجازی نہیں حقیقی ہے۔ موت سے یہ نسبت منقطع نہیں ہوتی بلکہ موت کے بعد سے فرماں برداری
اور نافرمانی و بغاوت کی جزاء کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ "لا الٰہ الا اللّٰہ" کے ذریعہ یہی
آگہی بخشی گئی کہ اللہ کے سوا کوئی اور اس قابل نہیں ہے کہ عبدیت و غلامی، فقر و احتیاج کی نسبت اس سے
قائم کی جائے، انسان کا حقیقی حاجت روا اور اصلی مالک و حاکم اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور
"محمد رسول اللّٰہ" کے ذریعہ عبدیت و غلامی کے وہ تمام طور و طریق واضح کردیئے گئے
جنکو اختیار کرکے انسان اللہ پاک کی مرضی کے مطابق اس عالم میں زندگی بسر کرکے ابدی
انعام و اکرام الٰہیہ سے سرفراز ہوسکتا ہے۔ اس بخشش و عطا کا نام "المغفرۃ والجنۃ"
ہے۔ قرآنی تعلیمات دو امور پر مشتمل ہیں پہلا امر ربط و تعلق حق اور دوسرا قرب حق۔ پہلا
فرض و لازمی دوسرا اختیاری، ربط و تعلق حق کی جزاء مغفرت اور قرب حق کی جزا "رضوان"
جنت میں اہل مغفرت کے مقابلہ میں اہل رضوان علاوہ درجات عالیہ کے دیدار حق کی
نعمت عظمیٰ سے بہت زیادہ لذت یاب رہیں گے۔ کلمۂ طیبہ کی صحیح تعلیم سے ربط و تعلق حق
قائم ہوجاتا ہے قرب حق جسکی انتہائی تعلیم ہے اور یہ دونوں یعنی ربط و تعلق حق اور قرب حق
فطرت انسانی کے صحیح جاذبات ہیں اور اسی کی جزا مغفرت و رضوان الٰہی فطرت کا حقیقی مطالبہ
ہے۔ ان جاذبات فطرت کو بیدار رکھنے اور مطالبات فطرت کے حصول کا واحد ذریعہ دین
اسلام ہے۔ اس فطری طریقہ زندگی کو اختیار نہ کرکے دوسرا غیر فطری طریقہ زندگی اختیار کرنا
حدود عبدیت کے باہر ہوجاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان ابدی انعام و اکرام الٰہیہ سے
محروم کردیا جاتا ہے اسی نقصان آخرت کی طرف قرآن میں مختلف انداز سے توجہ دلائی گئی ہے

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ

(ترجمہ) یقینی بات ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی لوگ ہونگے۔

اس فطری مقصد کو نصب العین بنا کر دین اسلام کو اختیار کیا جائیگا تو اس عالم کی کشش

شہوانی و عمل بھی آسان کر دیا جائیگی اور یہ چند روزہ زندگی فکر و غم سے محفوظ ہو جائیگی۔
حق سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے انتشار ذہنی اور اضطراب قلبی و آلام و
افکار کی جن تکالیف میں آج انسانی برادری کا ہر فرد مبتلا ہے وہ اس فاش غلطی میں
مبتلا رہنے کی ایک ادنیٰ سزا ہے اگر انسان اس خواب غفلت سے بیدار نہ ہو تو چند روزہ
حیات کی یہ مہلت ختم ہو جانے کے بعد یہی درد و اذیت شدید، غیر محدود، لا متناہی ہو جائیگی
اسی ابدی سوز و تپش سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے یعنی عدم تکمیل مطالبات فطرت کی
وجہ سے انسان ہمیشہ ہمیشہ آگ میں جلتا بھنتا رہے گا جو آخرت کا نقصان عظیم ہے
اور حدود و عبدیت سے باہر نکل جانے کا صلہ و بدل ہے۔

زندگی عارضی ہو کہ ابدی علم و عمل سے بنتی اور بگڑتی ہے دین اسلام صحت علم و عمل
کا نام ہے لا الٰہ الا اللہ سے جہل کی تمام ظلمت دور ہو جاتی ہے اور علم کی نورانی
شعاعوں سے دل و دماغ روشن ہو جاتا ہے "محمد رسول اللہ" سے کردار
و عمل کی تمام خرابیاں دور ہو جاتی ہیں اور انسان اوصاف انسانیت سے متصف ہو کر
علماً و عملاً اللہ کا عبدِ غلام ہو جاتا ہے اسکو ربط و تعلق حق کہتے ہیں موجودہ اصطلاح
"روحانیت" جو آج ہر مذہبی انسان کی زبان پر ہے اس کا اصل مفہوم یہی ہے اس کلمہ کے
علمی مدارج سے قرب حق کی دولت حاصل ہوتی ہے قرب حق کے مقام پر فائز ہو جانیکے بعد
اللہ سے برگشتہ بندوں کو اللہ سے وابستہ کرنے کی کافی قابلیت و صلاحیت مومن میں پیدا کر دی جاتی ہے

اپنے علم و ہویٰ سے نکل کر بہ اتباع رسالت تحت کتاب و سنت زندگی کے معاملات
کاروبار نفع و نقصان آخرت کو ملحوظ رکھکر انجام دینا دین کی ابتدائی منزل ہے جس کا منتہائے
کمال یہ ہے کہ انسان اپنے وجود سے فانی ہو کر باقی باللہ ہو جائے یہی قرب حق ہے اسی مقام
پر فائز ہونے کے بعد انسان کا علم و عمل من اللہ اور "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہ"
(تم جس طرف منہ کرو اللہ کا رخ ہے) اس کا مشغلہ ہو جاتا ہے یہی سعادت انسان کا کمال
یعنی تکمیل روحانیت ہے۔

مذہبی آزادی اور دین اسلام کی غرض و غایت کا جو مختصر خاکہ سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے وہی دراصل مسلمان کی آزادی ہے اس سے صرف نظر کرکے اگر کسی مسلمان نفر دیا افراد کو حکومت و اقتدار حاصل ہو جائے جن کا علم و عمل اور طریقہ حکمرانی قرآن و اسلامی رنگ و بو سے بالکلیہ خالی ہو تو اللہ رسول سے بے تعلق ہو جانے کے معنوں میں تو یہ آزادی ہے مگر وہ فطری آزادی نہیں ہے جس کو حاصل کرکے حیات آخرہ کو بہتر سے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ مخلوق اور نفس و شیطان کی غلامی کو آزادی قرار دیکر اپنے آپ کو اور دنیا کو دھوکا دیا جاسکتا ہے مگر اللہ کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا

وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ

واقعہ یہ ہے کہ جب تک ہم حیات آخرہ کو پیش نظر رکھکر اور اسی زندگی کی ہر جہتی بہتری کو مقصود بناکر دین اسلام کو علماً و عملاً اختیار نہ کریں گے نصرت و تائید حق کے مستحق نہیں ہونگے اور نہ تذکرہ صدر مذہبی آزادی حاصل کرسکیں گے۔ نصرت الٰہی تو اسی وقت متعلق ہوگی جبکہ مسلمان حقیقی معنوں میں اپنے آپ کو مسلمان بنانے کی جدوجہد آغاز کردیں، ہر باطل غیر اسلامی خیال و فکر و عمل کو ترک کردیں اور نفع دنیا کے مقابلہ میں نفع آخرت کو بہر صورت ترجیح دیں، اور اس سلسلہ میں تمام دنیاوی تکالیف کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے رجوع الی اللہ ہو جائیں حصول آزادی کا واحد موثر اقدام یہ ہے کہ انفرادی حیثیت سے اپنے گھر اور اپنے حلقہ اثر میں قیام دین کی کوشش آغاز کردی جائے، اللہ پاک اس کی مدد کرتے ہیں جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے۔

إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ

ترجمہ۔ تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم جما دیگا۔

نیز تقاضائے فطرت یہی ہے کہ علو فی الارض نہیں بلکہ دعوت اصل مغفرت و جنت پر لبیک کہکر اسی کو مقصد حیات قرار دیکر اسی کے حصول کیلئے جدوجہد و مسابقت زندگی کا اولین فریضہ ہو جائے دشمن پر غلبہ پانے کا بھی یہی کامیاب طریقہ ہے۔

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

ترجمہ۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کردیگے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاقی تصوف

از جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

(سلسلہ ۳)

اور شیخ نے صرف یہ دعویٰ ہی نہیں کیا ہے بلکہ انکے زمانہ میں مسلمانوں اور تاتار کے مغل کفار سے جو معرکے ہوئے، ان معرکوں میں جیسا کہ معلوم ہے خود ابن تیمیہ بھی براہ راست شریک رہے ہیں غالباً ان ہی معرکوں کا تجربہ ہے جسے انہوں نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ

مثل ما یجری للاحمدیة وغیرهم مع عباد المشرکین النجشیة قدام التتار کانت خوارق هولاء اقوی لکونهم کانوا اقرب الی الاسلام منه۔

شلاً احمدیہ گروہ اور ان کے ساتھ بخشیہ طبقہ کے مشرکین (جو بظاہر اسلام کی طرف منسوب ہیں) انکا مقابلہ تاتار کے کفار کے ساتھ ہوا تو یہ دیکھا گیا کہ (مسلمانوں کے) ان بدعتی فرقوں کی طرف سے جن غیر معمولی امور کا ظہور ہوتا تھا وہ تاتاریوں کے غیر معمولی خوارق سے زیادہ قوی ہوتے تھے کیونکہ بہرحال اسلام سے (بدعتیوں کے یہ فرقے) زیادہ قریب تھا

انہوں نے اس سلسلہ میں مختلف مقامات پر اسکی بھی تفصیل کی ہے کہ انسی افراد کو جنات "کس کس قسم کی تکلیفیں پہونچاتے ہیں"

فکثیر من الناس قتلته الجن کما یصرعونهم والصرع لاجل الزناء وتارة یقولون انه اذاهم اما بصب نجاسة علیهم واما بغیر ذلک فیصرعونه صرع عقوبة وانتقام وتارة یفعلون

بہت سے آدمیوں کو جن قتل کر دیتے ہیں اور کبھی ان پر مسلط ہوتے ہیں، اور جنوں کی یہ تسلیط کبھی زنا کی وجہ سے ہوتی ہے کبھی جنی کہتے ہیں کہ جس شخص پر وہ مسلط ہوتے ہیں اس نے ان پر گندگی اور نجاست ڈالدی تھی یا اسکے سوا دوسرے اسباب بیان کرتے ہیں جنکی وجہ سے وہ کبھی آدمی پر مسلط ہو جاتے ہیں گویا یہ تسلیط انکی سزا کے طور پر ہوتی ہے یا بطور انتقام کے

ذلك عبثا كما يعبث شياطين الانس بالناس۔ ص۲۶۳

اسپر سوار ہو جاتے ہیں کبھی بلا وجہ جن کسی آدمی کو ستاتا ہے جیسے بعض یا جی آدمی کسی دوسرے آدمی کو بلا وجہ دکھ دیتا ہے اور اس سے کھیلتا ہے

اس کے بعد انہوں نے جنات کی طبعی خصوصیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے

والجن اعظم شيطنة واقل عقلا واكثر جهلا۔ ص

جنوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انسانوں سے انکی شیطنت اور شرارت زیادہ بڑھی ہوئی ہے ان میں عقل بھی کم ہوتی ہے اور جہالت کی وجہ سے بھی جنوں میں زیادہ

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ

والجني قد يحب الانسي كما يحب الانسي الانسي وكما يحب الرجل المرأة والمرأة الرجل ويغار عليه ويخدمه باشياء واذا صار مع غيره فقد يعاقبه بالقتل وغيره ص۲۶۲

جنی کبھی کسی آدمی سے محبت بھی کرتا ہے اسی طرح محبت کرتا ہے جیسا ایک آدمی دوسرے آدمی سے محبت کرتا ہے یعنی مرد بھی عورت سے عشق کرتا ہے یا عورت مرد سے اور جنوں پر بھی اپنی محبت میں غیرت کا جذبہ غالب ہو جاتا ہے (یعنی غیرت کے بدلے لیتے ہیں) اور اپنے محبوب کی بہت خدمت بھی کبھی کرتا ہے مگر جب یہ اپنے محبوب کو دوسرے کے ساتھ پاتا ہے اس غیر (رقیب) کو سزا دیتا ہے خواہ قتل ہی کر دیتا ہے یا کوئی دوسری قسم کی سزا دیتا ہے۔

ان ساری باتوں کو نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ

كل هذا واقع۔

یہ ساری باتیں واقعات ہیں جو واقع ہوتے رہتے ہیں۔

جیسا کہ میں پہلے بھی نقل کر چکا ہوں کہ شیخ الاسلام کے تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی حد تک ان چیزوں کا ذاتی تجربہ خود انکو بھی حاصل تھا اسی لئے اتنے وثوق کے ساتھ ان امور کی واقعیت کا دعویٰ کرتے ہیں، بعض موقعوں پر انہوں نے اسکی ترکیب بھی لکھی ہے کہ جنات کے ان اثرات سے حفاظت یا نجات کا کیا طریقہ ہے، سب سے پہلے عام کلیہ تو انہوں نے یہی لکھا ہے یعنی اہل الایمان والتوحید و اہل القلوب المنورۃ کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں کہ

شياطين الجن يهرب منهم ص۲۶۵

یعنی شریر اور پاجی جن ان لوگوں سے دور بھاگتے ہیں

انہوں نے بیان کیا ہے کہ خود ان جنیوں نے اقرار کیا ہے کہ

انهم لا يمكنهم ان يظهروا هذه الخوارق لحضرة اهل الايمان

جن غیر معمولی کرشموں کو وہ کر دکھاتے ہیں، ان کو وہ ارباب ایمان اور قرآن کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتے

والقرآن ويقولون احوالنا لا تظهر قدام الشرع والكتاب والسنة كما تظهر عند الكفار والفجار ص۲۶۵ ـ

کہتے ہیں کہ شریعت کتاب (قرآن) سنت (حدیث) کے سامنے ان کے خاص حالات ظاہر نہیں ہوسکتے جیسے اپنے ان کرشموں کو وہ کافروں اور فساق و فجار کے سامنے ظاہر کرتے ہیں۔

آگے چلکر وہ لکھتے ہیں کہ

فهولاء الشياطين اذا كانوا مع جنسهم الذين لا يهابونهم فعلوا هذه الامور واما اذا كانوا عند اهل ايمان و توحيد وفي بيوت الله التي يذكر فيها اسم الله لم يجترئوا على ذلك بل يخافون الرجل الصالح اعظم مما تخافه فجار الانس ص۲۶۵ ـ

تو جنیوں کے شریر افراد اور ان میں جو شیطان ہیں جب انسانوں میں سے اپنے جیسے آدمیوں کے سامنے ہوتے ہیں تو ان سے وہ خوف نہیں کھاتے اسی لئے وہ سارے کرشمے ان کے سامنے دکھاتے ہیں مگر جب ایمان اور توحید والوں کا سامنا ہوتا ہے اور ان گھروں میں جن میں اللہ کا نام بلند کیا جاتا ہے تو ان کرشمہ سازیوں کی جسارت نہیں کر سکتے بلکہ مرد صالح سے جنی شیطان جتنا ڈرتا ہے اتنا ڈر تو فاجر فاسق آدمی کا دل بھی صالح لوگوں کا نہیں پایا جاتا

اسی سلسلہ میں اپنے ذاتی تجربات ہی کی بنیاد پر یہ بھی لکھا ہے کہ

فيهم من يخرج بالذكر والقرآن وفيهم من يخرج بالوعظ والتخويف وفيهم من لا يخرج الا بالعقوبة كالانس ص۲۶۵ ـ

ان شیطانی جنیوں کو کبھی تو اللہ کے ذکر سے نکالا جاتا ہے کبھی قرآن پڑھ کر نیز ان کو وعظ و نصیحت کرکے بھی نکالا جاتا ہے کبھی دھمکیوں سے بھی یہ بھاگ جاتے ہیں مگر ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو سزا پائے بغیر نہیں ٹلتے جیسے بعض آدمیوں کی حالت بھی یہی ہوتی ہے

غالباً (عقوبت) سزا سے مراد انکی وہی ہے جسکا ذکر دوسرے مقامات میں انہوں نے کیا ہے مثلاً ایک مقام پر لکھتے ہیں،

وهذه الاحوال الشيطانية تبطل او تضعف اذا ذكر الله وتوحيده وقرأت قوارع القرآن لا سيما آية الكرسي فانها تبطل عامة هذه الخوارق الشيطانية ص۲۶۶

اس قسم کے شیطانی حالات کا اثر ازالہ ہو جاتا ہے یا یہ سو کمزور پڑ جاتے ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اسکی توحید کا اعلان کیا جاتا ہے اور قرآن کی قوارع (تازیانے) انکے سامنے پڑھے جاتے ہیں خصوصاً آیۃ الکرسی سے تو اس قسم کے شیطانی کرشموں کا بالکلیہ ازالہ ہو جاتا ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی خاص خاص آیتوں کا شیاطین الجن پر خاص اثر مرتب ہوتا ہے، اور ان کے سننے سے انکو اتنی تکلیف پہنچتی ہے کہ بھاگ جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے ان قرآنی آیتوں کا نام "قوارع القرآن" رکھا گیا ہے کہ ان سے جنوں کی پٹائی کا کام لیا جاتا ہے۔ اس باب میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیۃ الکرسی والی آیتیں بہت زیادہ زود اثر اور تاثیر میں تیز ہیں شیخ نے علاوہ آیۃ الکرسی کے دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ

فاهل الاخلاص والايمان لاسلطان له عليهم ولهذا يهربون من البيت الذی تقرأ فيه سورة البقرة و يهربون من قراة آية الكرسی و آخر سورة البقرة وغير ذلك من قوارع القرآن ص۲۹۲

ارباب اخلاص و ایمان پر ان جنیوں کے غلبہ پانے کی کوئی راہ نہیں ہے اسی لئے وہ اس گھر سے بھاگتے ہیں جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے اور آیۃ الکرسی کی تاثیر بھی یہی ہے۔ یہی اثر سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں کا بھی اور ان کے سوا ساری آیتیں جن کو قوارع القرآن کہتے ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ سورۂ بقرہ مسلم اس باب میں ایک کارگر نسخہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی سورہ کی آیتیں (آیۃ الکرسی) یا آخر سورہ بقرہ کی بھی یہی خاصیت ہے۔ لیکن منحصر قوارع القرآن ان ہی آیتوں میں نہیں ہیں بلکہ دوسری آیتیں جن کے متعلق ارباب تجربہ نے لکھا ہے اس راہ میں مفید ہیں مثلاً افحسبتم انما خلقناكم کی آیت انت خير الراحمين تک جس کے متعلق حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ پہاڑ پر کلان کو پڑھا جائے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔

شیخ نے اسی سلسلہ میں مختلف حیثیتوں سے مختلف مقامات میں ان فوائد کی بھی فہرست دی ہے، جو مسخر کرنے کے بعد مسخر ہونے والے جنات سے اٹھاتے ہیں مثلاً ایک موقعہ پر لکھتے ہیں

هم يصعدون بهم فی الهواء و يدخلون المدن والحصون وبالبلاد والابواب مغلقة ويدخلون علی كثير من رؤساء الناس۔ ص۲۶۶

اپنے تابع کرنے والوں کو جنی ہوا میں لے کر اڑتا ہے اور ایسے شہروں میں انکو پہونچا دیتا ہے جن کے دروازے بند ہوتے ہیں اور امراء و روساء کے سامنے ان کو لیجا کر کھڑا کر دیتا ہے جنکے سامنے عام حالات میں پہنچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی

دوسری جگہ لکھتے ہیں

ثم الذی يخدمونه تارة يسرقون　　پھر یہ جن لوگوں کے تابع ہو کر انکی خدمت کرتے ہیں، تو کبھی

له شيئاً من اموال الناس مما لم يذكر اسم الله عليه ويأتونه اما بطعام او بشراب واما لباس و اما نقد واما غير ذلك وتارة يأتونه في المفاوز بماء عذب وطعام وغير ذلك ص۲۶۳ ۔

لوگوں کے مال سے کچھ حصہ چرا کر انکو پہنچاتے ہیں مگر (اسی مال سے چرا سکتے ہیں) جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسی طرح انکے سامنے کھانے پینے پہننے کی چیزیں لا کر حاضر کرتے ہیں یا روپیہ یا اسکے سوا دوسری چیزیں لا کر انکو دیتے ہیں کبھی جنگل صحرا و بیابان میں آب شیریں اور کھانا لا کر حاضر کرتے ہیں انکے سوا دوسری چیزیں۔

بہرحال "جنات" کو مسخر کرکے اسی قسم کے خدمات لینے والوں کا نام اصطلاحاً "المخدومین" ہے ابن تیمیہ اس قسم کے خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اسی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں ۔

بل من طوائف "المخدومين" من يكونون كلهم من هذا الباب كالبدوي الذي للترك واكثر الموسين من هذا الباب ص۲۶۶

مخدوموں کے گروہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے ساتھ یہ ساری باتیں پیش آتی ہیں اور مخدومین کا طبقہ ایسا ہی ہے جیسے ترکوں میں بوئی ہوتے ہیں اور اکثر مولّہ (جو اپنے اوپر خود بیماری طاری کرتے ہیں) انکی بھی حالت یہی ہوتی ہے

یہی ہے نظریۂ "مخدومیت" کا جسے حافظ ابن تیمیہ نے صوفیائے کرام کے عام کرامات کے مقابلہ میں بے محابا استعمال کیا ہے عموماً اس گروہ کی طرف ایسی باتیں جہاں منسوب کی گئی ہیں اور انکو انکی خدارسیدگی کی دلیل کی حیثیت سے لوگوں نے استعمال کیا ہے ۔ ابن تیمیہ "مخدوم" کے لفظ سے سب کی تردید کر دینے کے عادی ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے بعض دلچسپ لطیفوں کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً بعض صوفیوں کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ دیکھنے والوں نے انکو عرفات کے میدان میں دیکھا حالانکہ اس زمانے میں عرب سے سینکڑوں میل دور اپنے وطن میں موجود تھے ۔ ابن تیمیہ اسکا اس کا انکار نہیں کرتے مگر اسکی توجیہ میں بے دھڑک فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ سارے جناتی کرشمے ہیں یعنی جن اڑا کر اس قسم کے لوگوں کو عین وقت پر عرفات کے میدان میں پہنچا دیا کرتے ہیں ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ جنوں کا یہ عمل بعض دفعہ اس طریقہ پر ظہور پذیر ہوتا ہے کہ عرفات پہونچنے والے کو بھی اسکی خبر ہونے نہیں پاتی کہ وہ آخر وہاں اچانک اتنے قلیل عرصہ میں کیسے پہونچ گیا۔ لکھتے ہیں

والذين تحملهم الجن وتطير بهم

اور جنھیں جن لوگوں کو لاد کر اور اڑا کر ایک جگہ سے

من مكان الى مكان اكثرهم لا يدري كيف حمل بل يحمل الرجل الى عرفات ويرجع وما يدري كيف حملته الشياطين ص۲۵۹

دوسری جگہ جب پہنچا دیتا ہے تو اکثر ان کو اسکا علم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کیسے لیجایا گیا بلکہ اس شخص کو جنی اٹھا کر عرفات کے میدان میں لے بھی آتا ہے اور واپس بھی لے جاتا ہے لیکن اس آدمی کو اسکی خبر بھی نہیں ہوتی کہ شیاطین اسکو کیسے لے اٹھا لایا۔

اس مقام پر مسائل شریعت سے ناواقفیت کا ایک عجیب الزام اس قسم کے صوفیوں پر ہونے عائد کیا ہے، خود ان ہی کے الفاظ میں اسکو سنئے، فرماتے ہیں

قد يقف بعرفات من غير احرام ولا اتمام مناسك الحج وقد يذهبون به الى مكة ويطوف بالبيت من غير احرام اذا حاذى الميقات وذلك واجب في احد قولي العلماء ومستحب في الآخر فيفوته المشروع ص۲۵۹

(یہ بیچارہ صوفی) عرفات کے میدان میں احرام باندھے بغیر اسی صورت میں وقوف کرتا ہے اور حج کے دوسرے مناسک کی تکمیل کا بھی موقع اسکو نہیں ملتا، اسی طرح یہ جنی خادم اپنے مخدوم کو اڑا کر کبھی مکہ پہونچا دیتا ہے پھر وہ بیت اللہ کا احرام باندھے بغیر گذر جاتا ہے حالانکہ میقات پر پہنچنے کے بعد احرام کا باندھنا بعض علما کے نزدیک واجب ہے اور بعضوں کے نزدیک مستحب ہے بہرحال شریعت کے قانون کی تعمیل کا موقع ضائع ہوجاتا ہے۔

انہوں نے اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ

قد يستغيث المشرك بشيخ له غائبا فيحكي الجني صوته لذلك الشيخ حتى يظن انه سمع صوت ذلك المريد مع بعد المسافة بينهما ثم ان الشيخ يجيبه فيحكي الجني صوت الشيخ للمريد حتى يظن ان شيخه سمع صوته واجابه ص۲۶۲

کبھی شرکی عقیدہ رکھنے والا آدمی اپنے شیخ کو فریادرسی کیلئے پکارتا ہے بحالیکہ شیخ اسکا وہاں موجود نہیں ہوتا بلکہ غائب ہوتا ہے اس وقت جنی اس شخص کی آواز کی نقل بنا کر شیخ کو سنا دیتا ہے پھر جب شیخ جواب دیتا ہے تو یہی جنی شیخ کی آواز کو اسکے مرید تک پہنچا دیتا ہے، اور اسی سے مرید کو مغالطہ ہوتا ہے کہ واقعۃً اسی کی آواز سن کر شیخ نے جواب دیا۔ گویا پیر و مرید کے درمیان واسطہ کا کام یہ جنی دیتا ہے۔

اسی نوعیت کی دوسری چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں

وقد يحصل للمريد من يؤذيه

کبھی مرید کے سامنے کوئی ایذا پہنچانے والی شے ظاہر

فيد فعه الجني ويخيل المس يد ان الشيخ هو دفعه وقد يضرب الرجل بحجر فيد فعه عنه الجني ثم يصيب الشيخ بمثل ذلك حتى يقول اني اتقيت عنك الضرب هذا اثره في وقد يكونون ياكلون طعاماً نظيره للشيخ وليجعل يده فيه ويجعل الشيطان يده في طعام اولئك حتى يتوهم الشيخ وهم ان يد الشيخ امتدت من الشام الى مصر وصارت في ذلك الاناء ص ۲۷۲

ہوتی ہے اور جنی اسکو دفع کر دیتا ہے، مگر اس طور پر کہ مرید اس شبہ میں پڑ جائے کہ اسکے پیر نے اس موذی کو ازالہ کیا۔ اسی طرح کسی آدمی پر کوئی پتھر چلایا جاتا ہے جنی اس پتھر کو روک لیتا ہے اور اسکے بعد پیر پر بھی اسی پتھر کو چلا دیتا ہے اسی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرید سے پیر کہتا ہے کہ دیکھ تجھ پر جو پتھر چلایا گیا تھا اسے میں نے روک لیا اور اسکی وجہ نشان مجھ میں پایا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ کھانا کھا رہے ہوتے ہیں کہ ان میں جنی شیخ کی شباہت اختیار کرکے شریک ہو جاتا ہے اور برتن میں ہاتھ ڈالتا ہے (چونکہ شیخ وہاں نہیں ہوتا اس لیے) لوگ اس وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ شیخ نے مصر بیٹھے بیٹھے شام تک ہاتھ پھیلا دیا تھا اور شیخ کا ہاتھ اس کھانے کے برتن تک پہنچ گیا۔

اور یہی ہے "نظریہ مخدومیت" کے استعمال کی وہ عجیب و غریب وسعت جسے میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ ابن تیمیہ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔

انہوں نے ان ہی امور تک اپنے نظریہ کے استعمال کو محدود نہیں رکھا ہے بلکہ اس قسم کی باتیں جو عموماً مشہور ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں سیارے کی روحانیت عمل کے زور سے مسخر کی ہے ابن تیمیہ لکھتے ہیں

والذين يدعون الكواكب تتنزل عليهم يسمونها بروحانية الكواكب وهو شيطان نزل عليه لما اشرك ليغويه كما تداخل الشياطين الاصنام۔ ص ۲۷۴۔

اور جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ستارے ان پر نازل ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ کوکب (ستارے) کی روحانیت ان پر اترتی ہے یہ بھی دراصل شیطان ہی ہوتا ہے جو ان پر اترتا ہے شرک کی وجہ سے تاکہ اس شرک کی راہ مارے جیسے گمراہ کرنے کے لئے بتوں کے اندر بھی شیاطین الجن داخل ہو کر (لوگوں کو مغالطہ میں مبتلا کرتے ہیں)

بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے تو خضر علیہ السلام[۱] اور انکی ملاقات کے جو قصے مسلمانوں میں مشہور ہیں اور مختلف بزرگوں کی طرف ان قصوں کو منسوب کیا گیا ہے، ابن تیمیہ نے ان قصوں پر بھی

۱؎ خضر علیہ السلام کا وجود بھی ان مسائل میں ہے جن میں ملا اور صوفی کا بھی جھگڑا پایا جاتا ہے اور مولویوں یعنی

(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

بے موایا مخدومیت کے اس نظریہ کا جو بے جیلا دیا ہے لکھتے ہیں

و لذٰلک یاتی کثیرا من الناس فی مصر و یقول انہ الخضر فاعتقد انہ الخضر انما کان جنیا من الجن ۔ ص ۲۷۳ ۔

اور یہی حال ان قصوں کا ہے جو کہا جاتا ہے کہ بعض مقامات میں بعض لوگوں کے پاس خضر آتے ہیں یعنی وہ باور کرایا جاتا ہے کہ میں خضر ہوں تو لوگ باور کر لیتے ہیں کہ واقع میں وہ خضر ہی ہیں حالانکہ درحقیقت جنیوں ہی میں سے وہ کوئی جنی ہوتا ہے ۔

انہوں نے اس مسئلہ میں یہ عجیب بات لکھی ہے کہ

حتی انہ یاتی الیہود والنصاریٰ

یہاں تک کہ خضر تو یہود و نصاریٰ کے پاس بھی آتے ہیں اور

علماء ظاہر میں آیسیوں اختلاف فقہا انکے متعلق کتابوں میں ملتے ہیں پہلا بحث تو انکے نسب نامہ میں ہے حضرت آدم کے براہ راست صاحبزادے تھے یہاں تک یہاں حد تک کہ وہ فرعون کے نواسے تھے یعنی فرعون کی لڑکی جو ایمان لے آئی تھی اس سے پیدا ہوئے تھے بعضوں نے لکھا ہے کہ والد انکے ایرانی اور والدہ یورپین تھیں بعضوں نے بالعکس بھی دعوی کیا ہے پھر یہ کہ وہ نبی تھے یا ولی تھے نبی تھے یا رسول بھی تھے یا صرف نبی تھے اور آخری نزاع ان کی حیات و موت کے متعلق ہے علماء ظاہر میں امام بخاری اس گروہ کے گویا امام ہیں جو انکی وفات کے قائل ہیں لیکن نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ قال الاکثرون من العلماء انہ حی موجود بین اظہرنا و ذلک متفق علیہ عند الصوفیہ و اہل الصلاح والمعرفہ وحکایتھم فی رویتہ والاجتماع بہ والاخذ عنہ وسوالہ وجوابہ ووجودہ فی المواضع الشریفہ ومواطن الخیر اکثر من ان تحصیٰ واشہر من ان یذکر (یعنی اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور ہم ہی لوگوں میں ملے جلے ہیں صوفیہ کا تو انکے زندہ رہنے پر اتفاق ہے ارباب صلاح و معرفت یہی کہتے ہیں ان کے دیکھنے اور ان سے ملاقات سوال و جواب کے قصے اور یہ کہ متعدد پاک مقامات پر وہ دیکھے جاتے ہیں یہ حد شمار سے خارج ہیں) حافظ ابن الصلاح نے بھی اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ ھو حی عند جماھیر العلماء والصالحین والعامۃ منھم و انما شذ بانکارہ بعض المحدثین (یعنی جمہور علماء کے خیال کے مطابق وہ زندہ ہیں صالحین اور عوام کا بھی یہی خیال ہے البتہ عام خیال سے ہٹ کر بعض محدثین نے اسکے برخلاف دعوی کیا ہے) ابن تیمیہ نے انکے جنی ہونے کا دعوی کیا ہے اگرچہ یہ تو نیا دعوی ہے لیکن آثار میں حافظ ابن حجر نے اصابہ میں نقل کیا ہے کہ انہ ملک من الملائکۃ یتصور فی صورۃ الادمیین ص ۱۱۶ ج ۲ (یعنی خضر دراصل ایک فرشتہ ہیں جو آدمیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں) حضرت شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں لکھا ہے کہ خضر علیہ السلام کا ظہور بعض لوگوں کے سامنے جو ہوتا ہے اس کی توجیہ عالم مثال سے ص ۱۱۲ انہوں نے لکھا ہے کہ انبیاء و اولیاء مثالی وجود اختیار کر کے ظاہر ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں انہوں نے وفات و حیات ہی کے قصے کو اس طرح ختم کر دیا ۔ باقی شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے جو یہ دعوی کیا ہے کہ خضر کا چرچا اسلام کی ابتدائی صدیوں میں نہیں پایا جاتا یہ دعوی بھی محل نظر ہے ۔ وہب بن منبہ جو پہلی صدی ہجری کے آدمی ہیں ان کی کتاب المبتداء سے حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ انکے زمانہ میں بھی لوگ خضر علیہ السلام کے دیکھنے کا دعوی

ویقول انه الخضر ولليهود كنيسة معروفة بكنيسة الخضر وكثير من كنائس النصارى يقصدها هذا الخضر والخضر الذي يأتي هذا الشخص غير الخضر الذي يأتي هذا وهذا يقول من يقول منهم لكل ولي خضر وانما هو جني معه ص۲۷۲ ۔

دعویٰ کرتے ہیں کہ میں خضر ہوں، یہودیوں کا ایک مشہور کنیسہ ہے جو کنیسہ خضرؑ کے نام سے موسوم ہے اسی طرح عیسائیوں کے بہتیوں گرجے ہیں جہاں یہ خضر پہونچتے ہیں (بلکہ یہ بھی ہوتا ہے) اس شخص کے پاس جو خضر ہوتا ہے وہ اس خضر سے جدا ہوتا ہے جو دوسرے کے پاس آیا تھا اسی لئے ان میں (یعنی صوفیوں میں) بعض کہتے ہیں کہ ہر ولی کیلئے الگ خضر ہوتا ہے درحقیقت وہ جنی ہوتا ہے جو اس شخص کا ساتھی ہوتا ہے

انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ

ومن يرى اذا زار بعض قبور الانبياء او الصالحين ان صاحب القبر قد خرج اليه فيظن انه صاحب القبر ذلك النبي او الرجل الصالح وانما هو شيطان اتى في صورته ان كان يعرفها والا اتى في صورة انسان وقال انه ذلك الميت ۔ ص۲۷۳ ۔

یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبروں یا اللہ کے نیک بندوں کی قبر کی زیارت کے وقت انہوں نے دیکھا کہ قبر والے صاحب قبر سے نکل آئے اور دیکھنے والا خیال کرتا ہے کہ واقعی وہ صاحب قبر ہی ہے یعنی وہی پیغمبر یا وہی نیک مرد ہیں جو اس قبر میں دفن ہیں (یہ واقعہ نہیں ہوتا بلکہ) وہ شیطان ہوتا ہے جو صاحب قبر کی صورت اختیار کر لیتا ہے اگر دیکھنے والا انکو پہچانتا ہو ورنہ کسی آدمی کی شکل میں ظاہر ہو کر دیکھنے والے کو باور کراتا ہے کہ میں وہی مرنے والا آدمی ہوں (جو اس قبر میں دفن ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام کی طرف جس جس قسم کی کرامتیں اور خوارق عادات اس زمانہ میں منسوب تھیں یا اس وقت منسوب ہیں، ابن تیمیہ نے ان کے تمام گوشوں کو اپنی اس تحدید "وسعت" کے نظریہ سے بھر دیا ہے، اس راہ میں انکے غلو کی انتہا یہ ہے کہ دوسروں ہی کے متعلق نہیں بلکہ اپنی مشہور کتاب "المنطق" میں اسی قسم کے مسائل کے سلسلہ میں جہانتک مجھے یاد آتا ہے[1] انہوں نے لکھا ہے کہ "خود میرے متعلق (یعنی اپنے متعلق ابن تیمیہ کہتے ہیں) بعض لوگوں نے یہ آکر بیان کیا کہ

[1] - یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے ایک زمانہ میں مولانا حمید الدین الفراہی کے حکم سے فقیر اسکی نقل کر رہا تھا اس وقت ان کی اس کتاب میں اس بیان کو دیکھا تھا بجنسہ الفاظ یاد نہیں رہے لیکن حاصل یہی تھا ۱۲

جن دنوں میں قید خانے میں تھا اس شخص نے مجھے قید خانے باہر دیکھا بلکہ ملاقات کی"

شائد یہ بھی لکھا ہے کہ بعضوں نے عرفات میں دیکھنے کا دعویٰ میرے متعلق ایسے زمانہ میں کیا جب میں حج کے لئے نہیں گیا تھا بلکہ غالباً قید خانہ میں تھا انہوں نے لکھا ہے کہ اس قسم کی روایتوں کے بیان کرنے والوں کو میں نے یہی جواب دیا کہ کوئی جنی شیطان ہوگا جو میری شکل صورت اختیار کرکے تجھے مغالطوں میں مبتلا کرنا چاہتا تھا جس کے معنی یہی ہیں کہ خود اپنی کرامتوں پر بھی انہوں نے اسی مخدومیت کے نظریہ کی چادر اڑھا دی ہے' ظاہر ہے کہ غلو کی یہ انتہائی اور آخری مثال ہوسکتی ہے اس باب میں ان کی کتابوں میں اور بھی بیسیوں باتیں پائی جاتی ہیں' لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ ابن تیمیہ کے "نظریہ مخدومیت" اور اس نظریہ کی وسعت دامانیوں کا جو حال انکے نزدیک تھا اسکے اندازہ کرنے کیلئے غالباً مذکورہ بالا مواد جو ان ہی کی کتاب سے ان ہی کے الفاظ میں اخذ کیا گیا ہے کافی ہے اور اب سمجھا جاسکتا ہے کہ "الیافعی" کے اس فقرے کے مطلب کو جو انہوں نے المرشدی کے تذکرہ میں ابن تیمیہ کی طرف منسوب کرکے لکھا ہے یعنی ابن تیمیہ کی طرف یہ دعویٰ منسوب کیا گیا ہے کہ

انہ قال ھو مخدوم ۔ مرأۃ صفحہ ۲۹۵ ج ۴ — المرشدی بھی مخدوم تھے ۔

میں اس وقت ابن تیمیہ کے اس خاص نظریہ اور جن بے بنیاد فیاضیوں سے اس نظریہ کے استعمال میں انہوں نے کام لیا ہے تفصیلی بحث کے لئے تو تیار نہیں ہوں لیکن اتنی بات تو بہرحال کہہ سکتا ہوں کہ منطقی طور پر شیخ الاسلام سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ آپ کے اس کلی فیصلے کا کیا مقصد ہے؟ یعنی آیا یہ کلیہ ہے کہ جہاں کہیں اور جس کسی سے جس شکل میں بھی اس قسم کے واقعات ظاہر ہوتے ہیں ہر حال میں وہ آپکے جنی کا اثر ہوتا ہے' یا آپ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جناتی اثرات بھی ان شکلوں میں کبھی ظاہر ہوتے ہیں' یقیناً پہلی شق کا اختیار کرنا کسی حیثیت سے بھی صحیح نہیں ہوسکتا نہ نقلاً اور نہ عقلاً' بلکہ خود ان ہی کے تصریحات اس کے مخالف ہیں' خود اپنی اسی کتاب "النبوات" میں بیسیوں جگہ "کرامات الاولیاء" کی انہوں نے تصحیح کی ہے' بلکہ معتزلہ وغیرہ مسلمانوں کے بعض گمراہ فرقوں نے اولیاء اللہ کی کرامتوں کا جو انکار کیا ہے اور بعض اشعری متکلمین جیسا کہ ان ہی کی روایت ہے کہ معتزلہ کے ہمنوا ہو گئے ہیں' ان سب کا تذکرہ ان الفاظ کرتے ہوئے کہ

والذین ذکر عنھم انکار کرامات — اولیاء اللہ کی کرامتوں کا انکار معتزلہ میں سے جن لوگوں کی طرف

الاولیاء من المعتزلة وغیرهم کابی اسحاق الاسفرائینی و ابی محمد بن ابی زید کما ذکر ذلک ابو محمد بن حزم۔ ص۲۶۵

منسوب کیا گیا ہے یا معتزلہ کے سوا ابو اسحاق اسفرائنی اور ابو محمد بن ابی زید کے متعلق بھی ابن حزم نے یہی دعویٰ کیا ہے یعنی غیر معتزلہ ہونے اور اشعری علما کے طبقہ میں شریک ہونے کے باوجود یہ لوگ اولیاء اللہ کی کرامتوں کا انکار کرتے

خود انہوں نے ایک اچھی بات اس سلسلہ میں لکھی ہے کہ

لاینکرون الدعوات المجابة و لاینکرون الرؤیا الصادقة فان هذا متفق علیه بین المسلمین۔ ص

وہ اسکا تو انکار نہیں کرسکتے کہ دعائیں قبول ہوتی ہیں اسی طرح وہ سچے خوابوں کے وجود کی تردید نہیں کرسکتے کیونکہ یہ باتیں ایسی ہیں جن پر سارے جہاں کے مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اولیاء کے کرامات کا مطلب اسکے سوا اور کیا ہے کہ انکی خواہش اور مرضی کو خدا پوری فرما دیتا ہے بسا اوقات کسی وجہ سے اولیاء اللہ خدا سے ایسی باتوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کا عام اسباب کے لحاظ سے وقوع پذیر ہونا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے مگر ان کی دعاؤں کی وجہ سے یہی غیر معمولی باتیں ظہور پذیر ہو جاتی ہیں اور کرامت اسی کو تو کہتے ہیں وہ خود لکھتے ہیں

وهو ان الله تعالى قد یخص بعض عباده باجابة دعائه اکثر من بعض ص۲۶۸

اور وہ یہ ہے کہ اللہ اپنے بعض بندوں کی بہ نسبت عام بندوں کے زیادہ سنتا ہے اور انکی دعائیں قبول فرماتا ہے

شیخ الاسلام نے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص کے متعلق نقل کیا ہے کہ

کان سعد بن ابی وقاص معروفا باجابة الدعاء ص۲۶۸ ـ

حضرت سعد بن ابی وقاص اس میں مشہور رہتے کہ ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔

اور یہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث جس میں آیا ہے کہ خدا کے بظاہر بعض ناپرسان حال بندے ایسے بھی ہیں کہ

لو اقسم علی الله لابره (صحاح)

خدا پر اگر قسم کھا بیٹھیں تو خدا ان کی قسم کو پوری فرماتا ہے

کو پیش کرکے ثابت کیا ہے کہ کرامتوں کے ظہور کی ایک شکل یہ بھی ہے بلکہ علاوہ اس قصے کے جس میں حدیث کے یہ الفاظ پائے جاتے ہیں یعنی انس بن النضر رضی اللہ تعالی عنہ صحابی کی قسم خدا نے پوری کی تھی

شیخ الاسلام نے عہد صحابہ کے اس واقعہ کو بھی یاد دلایا ہے جس کا تاریخ کی عام کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے یعنی ایک دستور تھا کہ جب کسی جنگ میں معاملہ زیادہ نازک شکل اختیار کر لیتا تو لوگ حضرت انس کے بھائی براء بن مالک کے پاس آتے اور کہتے جیسا کہ خود ابن تیمیہ نے بھی نقل کیا ہے کہ

یا براء اقسم علی ربک۔ براء وقت آگیا ہے کہ تم اپنے رب پر قسم کھاؤ۔

صحابیوں کے اصرار سے حضرت براء پھر قسم کھاتے مثلاً بیشک خدا کی قسم مسلمان اس جنگ کو جیت لیں گے یا خدا کی قسم ہمیں شکست نہیں ہو سکتی، تو عام تجربہ لوگوں کا تھا ابن تیمیہ نے بھی لکھا ہے کہ

فیقسم علی ربہ فینصرون پس وہ قسم کھا لیتے اسکے بعد مسلمانوں کی خدا کی طرف سے مدد فرمائی جاتی (یعنی فتحمند ہو جاتے)

جس کا حاصل یہی ہوا کہ دوستوں کے احترام و عزت کو باقی رکھنے کیلئے بھی حق سبحانہ تعالیٰ بعض دفعہ ان کی وجہ سے ایسے امور کو ظاہر فرماتے ہیں جن کا عام حالات و اسباب کی راہ سے واقع ہونا عقل کے نزدیک کچھ ناممکن سا نظر آتا ہے، عہد صحابہ اور اسکے بعد مسلمانوں کی تاریخ کے ہر قرن اور ہر دور میں اس قسم کے واقعات کا تسلسل مشاہدہ کیا گیا ہے، اسی کتاب میں خود شیخ الاسلام نے بھی بیسیوں واقعات عہد صحابہ و تابعین کے نقل کئے ہیں مثلاً حضرت خالد بن الولید کا سم الفور[1] کی شیشی کا ایرانیوں سے لیکر پی جانا اور اسکے ضرر سے قطعاً محفوظ رہ جانا، یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمعہ کے خطبہ میں مدینہ منورہ سے اس فوج کے سپہ سالار ساریہ کو پکارنا جو ہزاروں میل دور دشمن کے مقابلہ میں صف آرا تھے، حافظ نے اسی سلسلہ میں حضرت ابو مسلم الخولانی کے اس واقعہ کا ذکر بڑے ولولہ انگیز لفظوں میں کیا ہے جو یمن کے متنبی اسود عنسی کے مقابلہ میں پیش آیا تھا میں ان کے الفاظ کا ترجمہ درج کرتا ہوں

ابو مسلم الخولانی کو جب مشہور متنبی اسود عنسی نے کہا کہ کیا تو اسکی شہادت دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں سن رہا ہوں، اس نے پھر پوچھا کہ تم شہادت دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول تھے ابو مسلم نے تب کہا کہ ہاں! اسود نے اس جواب کو سن کر حکم دیا کہ آگ کا ایک

---

[1] سم الفور یعنی فوراً اثر کرنے والا زہر اس کا ترجمہ ہوا، عام تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر ہے

الاؤ جوڑا جائے، اس آگ میں اسود نے حکم دیا کہ ابو مسلم جھونک دئے جائیں
یہی کیا گیا۔ مگر اسی کے ساتھ دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ اس بھڑکتے ہوئے
آتش کدے میں ابو مسلم خولانی نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ آگ ان پر ٹھنڈی ہو گئی اور سلامتی بن گئی

شیخ الاسلام نے اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابو مسلم مدینہ منورہ جب آئے تو حضرت عمرؓ نے اس طور پر ان کو بٹھایا کہ بیچ میں ابو مسلم تھے، اور ان کی ایک طرف حضرت ابوبکرؓ دوسری طرف خود حضرت عمرؓ تھے، حضرت عمر اس کے بعد فرماتے جاتے تھے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے مرنے سے پہلے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے آدمی کو دکھا دیا جس کے ساتھ خدا نے وہی سلوک کیا جو سلوک اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا" (النبوات ص ۲۶۵)

اور ایک یہی واقعہ کیا، میں نے جیسا کہ عرض کیا اسلام کے ہر قرن اور ہر دور میں اس قسم کی ہستیاں ہمیشہ پیدا ہوتی رہی ہیں جنہوں نے اپنے محبوب پیغمبر کی زندگی کو نمونہ بنا کر چلنا شروع کیا، کچھ ہی دن بعد ان کو اس محبوبیت کا تجربہ شروع ہو جاتا ہے جس کا وعدہ قرآن میں ہر اس شخص کے ساتھ کیا گیا ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ ڈھنگ چال ڈھال، طور و طریق، ہدی و سمت کو اختیار کرتا ہے[1] اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب بندوں کی مرضی اور خواہش کو پورا کرنا ان کی محبوبیت کے اظہار کی ایک شکل ہے حافظ ابن تیمیہ نے اسی کے متعلق یہ بالکل صحیح فرمایا ہے کہ

کرامات الصالحین تدل علی صحۃ الدین الذی جاء بہ الرسول — صالحین کی کرامتیں بتاتی ہیں کہ رسول جس دین کو لیکر آئے ہیں وہ صحیح اور سچا دین ہے۔

بہر حال جب خود ابن تیمیہ اولیاء اللہ کی کرامتوں کے معتقد اور ان کا تذکرہ اتنی بلند آہنگیوں کے ساتھ کرتے ہیں، تو یہ دعویٰ کہ سارے خوارق عادات جن کا ظہور کسی شخص سے ہوتا ہے، یہ سب جناتی بکھیڑے ہیں، ظاہر ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہمیشہ خوارق عادات کا ظہور کرامت ہی کی وجہ سے نہیں ہوتا یعنی ان ہی کے الفاظ میں ہمیشہ ان خوارق کا تعلق

الکرامات الرحمانیہ التی یکرم اللہ بہا عبادہ الصالحین۔ — ان رحمانی کرامتوں سے نہیں ہوتا جن سے اپنے نیک بندوں کا اکرام و اعزاز خدا کو منظور ہوتا ہے۔

---

[1] اشارہ قرآن کی مشہور آیت قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ (کہہ دو کہ اگر اللہ کو تم چاہتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تمہیں چاہنے لگے گا) (آل عمران)

لیکن جیسے یہ کلیہ صحیح نہیں ہے اسی طرح یہ کلیہ بھی قطعاً غلط ہے کہ اس قسم کے غیر معمولی حوادث و واقعات کا ظہور ہمیشہ جنیوں ہی کی امداد و اعانت سے ہوتا ہے۔

اور جب یہی واقعہ ہے اور اسکے سوا مسئلہ کی کوئی دوسری صورت اور ہو ہی کیا سکتی ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت المرشدی بیچارے کے غیر معمولی ضیافتی کارناموں پر شیخ الاسلام نے انکی بے دردی کے ساتھ اپنے نظریۂ "مخدومیت" کا جو بندہ چلادیا، آخر اس کو کہاں تک قرین انصاف قرار دیا جا سکتا ہے۔ شیخ الاسلام اسی کتاب "النبوات" میں خود لکھتے ہیں یعنی صالحین کی کرامتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک موقعہ پر فرماتے ہیں کہ پیغمبروں سے جس قسم کے معجزے صادر ہوتے ہیں اسی نوعیت کی کرامتیں اولیاء اللہ سے بھی صادر ہو سکتی ہیں مثالاً کہتے ہیں کہ

کما صارت النار برداً و سلاماً علی ابی مسلم کما صارت علی ابراھیم و کما یکثر اللہ الطعام والشراب لکثیر من الصالحین کما جری فی بعض المواطن للنبی او احیاء اللہ میتاً لبعض الصالحین کما احیاہ للانبیاء۔ ص۲

جیسے آگ ابو مسلم خولانی کے لئے خنک اور سلامتی کا ذریعہ بن گئی یہ اسی کے مانند ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہی صورت پیش آئی تھی، یا اللہ کے نیک بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ خور و نوش کی چیزوں کو بڑھا دیتا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختلف موقعوں پر یہ صورت پیش آئی یا بعض نیک بندوں کیلئے مردے کو خدا کی طرف سے زندگی عطا ہوئی ہے جیسے حضرات انبیاء کیلئے بھی یہی ہوا ہے۔

مجھے اس وقت ان چیزوں سے بحث نہیں بلکہ شیخ الاسلام جب خود یہ مانتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے کرامتوں کا ظہور "طعام و شراب" یعنی خور و نوش کی چیزوں کے متعلق بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے، ہوتا کہ تو بیچاری المرشدی کی طرف سب سے بڑی کرامت جو منسوب ہے وہ غیر معمولی وسیع ترین شکل میں کھانا کھلانے ہی کی تو کرامت تھی، میں حیران ہوں کہ شیخ الاسلام اسکی توضیح فرماتے ہیں کہ جس لاش سے زندگی قطعاً معدوم اور ناپید ہو چکی ہو کرامۃً اسی لاش میں حیات اور زندگی واپس ہو سکتی ہے جب اولیاء اللہ سے ایسی کرامتوں کا ظہور انکے نزدیک بھی ہو سکتا ہے تو ایسی جگہ جہاں کھانے پینے کا سامان موجود نہو اگر کرامۃً وہاں یہ چیزیں حاضر ہو جائیں تو اسکو جنات کی طرف خواہ مخواہ منسوب کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، وہی اللہ جو اپنے بعض نیک بندوں کیلئے قلیل طعام و شراب کو کثیر بنا دیتا ہے

یا جس لاش سے زندگی ناپید ہو چکی ہے اسی میں جو اللہ اپنے بعض عباد صالحین کی عزت کو برقرار رکھنے کے لئے زندگی کو پیدا فرما سکتا ہے اور پیدا فرماتا ہے تو قریہ کھلان کی خانقاہ میں آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ کے لوگوں کو یہ ماننے پر مجبور کیا جائے کہ جو کچھ ہو رہا تھا وہ اللہ کے حکم سے نہیں بلکہ جناتی کرشمہ سازیوں کے تحت ہو رہا تھا۔ سوچنا چاہئے کہ آخر اسکی معقول وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

شیخ الاسلام نے بیسیوں جگہ اسکی تصریح کی ہے۔ مثلاً اسی کتاب "النبوات" میں ایک مقام پر لکھتے ہیں

الخوارق ثلاثة انواع اما ان تعين صاحبها على البر والتقوى فهذه احوال نبينا ومن اتبعه خوارقهم لحجة في الدين او حاجة للمسلمين - ص ۱۰ -

خوارق (یعنی عام اسباب کے مخالف حوادث کا ظہور جو ہوتا ہے انکی) تین قسمیں ہیں، یا ان خوارق سے نیکی اور تقویٰ کی زندگی میں ان لوگوں کو مدد ملتی ہے جنکے ہاتھ پر ان خوارق کا ظہور ہوتا ہے، یہی حال ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خوارق (معجزات) کا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے بزرگوں کے خوارق کا حال بھی یہی ہے، اس قسم کے خوارق دین کیلئے حجت اور دلیل کا کام دیتے ہیں یا ان سے مسلمانوں کی کوئی ضرورت اور حاجت پوری ہوتی ہے۔

آگے انہوں نے دو قسمیں خوارق کی اور بیان کی ہیں، یعنی ایک صورت انکی ایسی بھی ہوتی ہے کہ نیکی اور تقویٰ کی زندگی میں نہ ان سے مدد ملتی ہے اور نہ نقصان ہی پہونچتا ہے اور دوسری قسم انکی وہ ہے، جن سے لوگ حرام کاریوں اور سیاہ کاریوں میں کام لیتے ہیں، مثلاً فواحش ظلم و شرک میں مدد ملتی ہے، اور غلط جھوٹے دعووں کی تائید ہوتی ہے، شیخ نے لکھا ہے کہ

فهذا من جنس خوارق السحرة والكهان والكفار والفجار ص ۱۱

جادوگروں کاہنوں کفار و فجار کے غیر معمولی کرشموں کی نوعیت یہی ہوتی ہے۔

بہرحال مجھے ان دو قسموں سے خوارق کے اس وقت بحث نہیں ہے بلکہ صرف پہلی قسم کے متعلق یہ کہنا ہے کہ پیغمبروں ہی نہیں بلکہ پیغمبروں کے ماننے والوں اور ان کی پیروی کرنے والوں سے بھی جب شیخ الاسلام کے نزدیک بھی انکا ظہور ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے بلکہ ہوتا رہا ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت المرشدی کے ان خوارق کو بجائے اس قسم کے اپنی قسموں کے تحت داخل کر دینے کا قطعی فیصلہ وہ کیسے کر بیٹھے جو سحر د کہان کفار و فجار والے خوارق کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔

خصوصاً یوں بھی المرشدی کے ضیافتی کاروبار کو "جناتی کھمبیروں" کی طرف منسوب کر دینا کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے خود شیخ الاسلام فرماتے ہیں غالباً میں نے اسکا کہیں پہلے بھی تذکرہ کیا ہے کہ

فاهل الاخلاص والایمان لاسلطان له علیهم ولهذا یهربون من البیت الذی تقرء فیه سورة البقرة ویهربون من قرأة آیة الکرسی وآخر سورة البقرة وغیر ذلک من قوارع القرآن ص۲۶۳۔

اخلاص وایمان والوں پر شیطانی اثرات غلبہ نہیں پا سکتے، اسی لئے اس گھر سے شیاطین الجن بھاگتے ہیں جس میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور آیۃ الکرسی کی تلاوت سے یا سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں یا دیگر قوارع القرآن سے وہ بھاگتے ہیں۔

وہ مسلسل اسکی بھی تصریح کرتے چلے جاتے ہیں اور غالباً علاوہ ذہنی کلیات کے خود انکے ذاتی تجربات کو بھی اس میں دخل ہے یعنی فرماتے ہیں،

من یکون اخبارہ عن شیاطین بجرہ لایکاشف اهل الایمان والتوحید واهل القلوب المنورة بنور الله بل یهرب منهم ولیعرف انه لایکاشف هولاء وامثالهم۔ ص۲۶۵۔

جن لوگوں کو شیاطین الجن خبریں پہنچایا کرتے ہیں ان شیاطین جن کے متعلق یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ارباب ایمان وتوحید اور روشن ضمیر لوگ جنکے قلوب اللہ کے نور روشن ہیں انکے دل کی باتوں سے یہ شیاطین الجن واقف نہیں ہو سکتے بلکہ ان سے تو وہ بھاگتے ہیں خود شیاطین الجن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اس قسم کے بزرگوں کے دل کی باتوں سے وہ آگاہی نہیں حاصل کر سکتے

میں ادب کے ساتھ شیخ الاسلام سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ شیخ مرشدی مسلمان نہیں تھے بلکہ "الکفار" کے طبقہ سے ان کا تعلق تھا، یا کافر نہ سہی کیا وہ یہی ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ فسق وفجور میں مبتلا تھے؟

میں نے خود شیخ مرشدی کو نہیں دیکھا ہے لیکن انکے دیکھنے والوں نے کتابوں میں انکے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ تو میرے سامنے ہے، اور ان دیکھنے والوں میں "الیافعی" جیسے ثقات وجمت لوگ شریک ہیں، میں ان الفاظ کو نقل کر چکا ہوں کہ مرشدی کا ذکر کرتے ہوئے الیافعی مراۃ الجنان میں لکھتے ہیں کہ "الشیخ الکبیر، الولی الشهیر ذوالعجائب العظیمة، والکرامات الکریمة والهمم العالیة والشمائل المرضیة والمکاشفات الجلیة، والایات الباهرة، والانوار الظاهرة ص۲۹۲ ج۴ مرآۃ

کیا کسی فاسق وفاجر مسلمان کے متعلق الیافعی جیسے متشرع بزرگ اس قسم کے الفاظ آداب و القاب کے استعمال کر سکتے ہیں؟ میں نے شروع مضمون کی پیشانی پر المرشدیؒ کے جس فقرہ کو الیافعیؒ کے متعلق نقل کیا ہے اسکی وجہ سے جہانتک میرا خیال ہے کچھ گرانی بھی مرشدی کی طرف سے یافعی کے قلب میں پیدا ہوگئی تھی آئندہ انکی اس گرانی کا ذکر آ بھی رہا ہے' باوجود اس گرانی کے جب اپنی چشم دید شہادت کے بعد المرشدیؒ کے متعلق اس قسم کے الفاظ انہوں نے استعمال کئے ہیں تو جن لوگوں نے المرشدیؒ کے واقعات صرف دور سے سنے تھے براہ راست ملاقات نہیں کی تھی انکے دعویٰ کو کیسے مان لیا جائے بہرحال کسی فاجر و فاسق کے متعلق ایسی شہادت الیافعی کبھی نہیں ادا کر سکتے' اور ایک الیافعی کیا المرشدی اور ابن تیمیہ دونوں کے معاصر جلیل علامہ شمس الدین الذہبی جو ابن تیمیہ کی طرفداری و حمایت کافی شہرت رکھتے ہیں[۱]

---

[۱] اس سلسلہ میں بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ ایک تاریخی محفوظہ کا ترجمہ یہاں درج کروں واقعہ یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ جو درحقیقت ایک خاندانی عالم تھے انکے دادا انکے والد بھائی الغرض سارا گھرانا علم دین میں امتیاز کی نظروں سے دیکھے گئے ہیں فتنہ تاتار میں انکے والد عبدالحلیم حران سے ہجرت کرکے شام تشریف لے آئے مہاجر ہونیکی وجہ سے اہل دمشق کے خواص وعوام نے بڑی گرمجوشی سے انکا استقبال کیا حکومت نے ایک معزز عہدہ بھی انکے سپرد کیا جب شیخ الاسلام کے والد کا انتقال ہوگیا تو خود شیخ الاسلام کے ساتھ لوگوں نے اور حکومت نے احترام کے اسی برتاؤ کو جاری رکھا مگر بعض خاص مسائل میں جب جمہور امت کے خلاف شیخ الاسلام نے تشدد کا رویہ اختیار کیا تو آہستہ آہستہ ہمدردی کی جماعت ان سے ہٹنے لگی شمس الدین الذہبی بھی شیخ الاسلام کے بڑے قدرشناسوں اور مداحوں میں تھے بلکہ انکے علم و ذہانت سے کافی مرعوب تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنے تشدد سے باز نہیں آتے اور عوام وعام علماء کی مخالفت کے سوا حکومت روز بروز دار وگیر میں آگے بڑھنے لگی تب الذہبی کچھ گھبرائے کہ کہیں اس فتنہ کی آگ میں بھی نہ گھسیٹ لیا جاؤں اس سلسلہ میں الذہبی نے جہاں اور بہت سی تدبیریں اختیار کیں ان میں ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ بڑے اخلاص اور راست بازی سے ایک فصیح و بلیغ خط شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نام لکھا اس خط کی نقل مصر و شام کے کتب خانوں میں موجود ہے' مشہور قاضی ابن شہبہ کے ہاتھ کی نقل کا فوٹو بھی حال میں شائع ہوا ہے خاکسار نے بھی اسکو دیکھا ہے اسی خط کے بعض فقروں کا ترجمہ یہاں درج کرنا چاہتا ہوں علامہ ذہبی نے جو تمہید خط کی لکھی تھی وہ بھی کافی دل دوز ہے حمد اور دعا کے بعد لکھا تھا

واویلا اور وا افسوس ہے کہ سنت اور سنت والے دنیا سے رخصت ہوگئے" اب میں اپنے ان ایمانی بھائیوں کو کہاں ڈھونڈوں جو رونے اور گریہ میں میری مدد کرتے تھے' ان لوگوں کے ناپید ہو جانے پر افسوس ہے جو علم کے روشن چراغ تھے اور تقویٰ والے تھے' نیکیوں کے سرچشمہ تھے' آہ! حلال پیسے کو کہاں تلاش کروں اور اس بھائی کو کہاں پاؤں جس کا انس حاصل کرنے کے بعد تھکتے ہیں'

مبارک ہیں وہ لوگ جنکو اپنے عیوب نے دوسروں کی عیب جوئی سے روک رکھا ہے اور تباہی ہے

(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

اور جیساکہ میں نے پہلے بھی کہا ہے حضرات صوفیہ کے ساتھ بدگمانیوں میں ابن تیمیہ سے الذہبی کسی طرح پیچھے نہیں ہیں لیکن حافظ ابن حجر نے دررکامنہ میں الذہبی کے حوالہ سے نقل کیا گیا کہ المرشدی کے متعلق ذہبی نے لکھا کہ کان یتکلم علی الخواطر وہ لوگوں کے قلبی خطرہ کو بتا دیا کرتے تھے وکان دعوی

ان لوگوں کیلئے جو اپنے عیوب سے غافل ہوکر دوسروں کی عیب جینیوں میں مصروف ہیں تم کب تک دوسروں کی آنکھوں کے تنکوں کو ٹٹولوگے اور اپنی آنکھ کے شہتیر کا خیال نہ کروگے تم اپنی تعریف کب تک آخر کرتے رہوگے اور کب تک تمہاری یہ لن ترانیاں جاری رہیں گی علماء کو برا بھلا کہنے کا یہ سلسلہ کہاں تک پھیلتا چلا جائیگا لوگوں کی پوشیدہ باتوں کی جستجو میں تم کب تک مشغول رہوگے حالانکہ تم جانتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا کرو)

اسی قسم کے چند فقروں کے بعد اب براہ راست خطاب کرکے ذہبی کہتے ہیں

بھلے آدمی! خدا کے لئے اب بھی ہم لوگوں سے اپنی زبان روکو میں جانتا ہوں کہ تم بڑے زبان آور اور بڑے باتونی ہو خدا کیلئے دین میں مغالطہ بازیوں سے (اغلوطات) سے کام نہ لو جسے تمہارے پیغمبر صلعم نے ناپسند کیا ہے۔

الذہبی نے پھر بعض حدیثوں کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھ کر کہ "حلال وحرام تک کے مسائل میں جب آدمی زیادہ باتیں کرنے لگتا ہے تو دل میں سختی پیدا ہو جاتی ہے ان کو عقائد کے نازک مسائل میں اتنی بلند آہنگیوں سے ایک ہی پہلو پر زور دینے سے منع کیا ہے چونکہ شیخ الاسلام کی دوستی میں الذہبی کا شہرہ تھا نیز حنبلی مذہب سے دونوں کا چونکہ تعلق تھا ان ہی امور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"خدا کی قسم تم نے اس کائنات کا ہم لوگوں کو مسخرہ بنا چھوڑا ہے"

پھر نصیحت کی ہے کہ تم نے فلسفہ کی کتابوں کا بہت مطالعہ کیا اور ان کے زہر کو تمہارے دماغ نے چوس لیا شکایت کی ہے کہ تم اللہ کے نیک بندوں کے خلاف کب تک لٹھ گھماتے رہوگے اور اچھے لوگوں کی تحقیر و توہین کے درپے رہوگے اس طریقے سے کہ بظاہر تو تعریف نہ معلوم ہو خود اپنی قصیدہ خوانی کب تک کرتے رہوگے پھر لکھا ہے کہ حدیثوں کے متعلق ایک رویہ تم نے اختیار کر رکھا ہے کہ ان پر ضعف کا وضع کا حکم لگاتے رہتے ہو کاش صحیحین (بخاری ومسلم) کی حدیثیں تمہارے بے پناہ حملوں سے محفوظ رہ جائیں

الذہبی نے پھر چونکایا ہے کہ دیکھو بھائی ستر کے قریب تمہاری عمر ہوگئی روانگی کی گھنٹی بجنے والی ہے۔

پھر ناامیدی ظاہر کی ہے کہ تم بھلا موت سے کیا ڈروگے بلکہ اسی پر بگڑ بیٹھتے ہو جو موت کو یاد دلاتا ہو پھر مجھ غریب کی بات کیا سنوگے میں جانتا ہوں کہ کہیں تمہیں غصہ آگیا تو میری ان چند سطروں کے مقابلہ میں ایک جلد ہی تصنیف کرکے رکھدوگے آخر میں لکھا ہے میں جو تم سے محبت رکھتا ہوں جب تنگ آکر اس کا یہ حال ہوگیا ہو تو اسی سے اندازہ کرو تمہارے دشمنوں کا کیا حال ہوگا میں نے تمہارے دشمنوں کا ذکر کیا سچ کہتا ہوں کہ ان میں نیکوکار اہل عقل وفضل والے لوگ ہیں جیسے تمہارے ماننے والوں میں بھی بہت فاسق وفاجر جاہل وکاہل گاؤخر شریک ہیں الذہبی نے خط کو ختم کرتے ہوئے لکھا ہے میں جانتا ہوں کہ تم (اس خط کو پاکر مجھ پر خوب برسوگے لیکن خدا کرے اندرونی طور پر اس خط سے تمہارا دل متاثر ہو میں اپنے عیوب سے خوب واقف ہوں مجھ پر افسوس اگر میں توبہ نہ کروں خدا کے سامنے رسوائیوں کا کیا ٹھکانا ہے میرا علاج صرف حق تعالی کی درگذر وعفو ہی سے ہو سکتا ہے) میں نے قصداً بعض زیادہ کرخت فقروں کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے اصل مکتوب السیف الصیقل کے آخر میں فوٹو کے ساتھ چھپا ہوا ہے۔

قلیل الدعوی' غدایم الشطح — بہت کم کرتے تھے' ان کے کلام میں شطح (بڑ) بھی نہیں
حسن المعتقد ص۴۶۳ — پایا جاتا، وہ حسن المعتقد تھے یعنی انکے اعتقادات بھی اچھے تھے۔

کیا کسی فاسق و فاجر کے متعلق اس قسم کے الفاظ خصوصاً الذھبی کے قلم سے نکل سکتے ہیں؟ سب سے زیادہ ابن تیمیہ یا الذھبی جیسے بزرگوں کو صوفیوں سے اعتقادی خرابیوں ہی کی شکایت ہوتی ہے' لیکن جب ذھبی بھی "حسن المعتقد" اور خوش اعتقاد مسلمان المرشدی کو جب قرار دے رہے ہوں' تو میرے خیال میں یہ انکی اعتقادی صحت کی سب سے بڑی سند ہو سکتی ہے' صوفیہ اپنے "شطحیات" میں بھی بدنام ہیں' لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس صوفیانہ داغ سے بھی ذھبی کہتے ہیں کہ المرشدی کا دامن پاک تھا خاص حالات میں بعض صوفیوں سے "انا الحق" یا "سبحانی ما اعظم شانی" الفاظ جو نکل گئے ہیں' ان ہی کا نام دعویٰ رکھا گیا ہے' اور منجملہ مطاعن کے ایک طعن یہ بھی ہے جو اس گروہ پر علماء کی طرف سے عموماً کیا جاتا ہے' لیکن ذہبی گواہی دیتے ہیں کہ اس طعن کی بھی ان میں گنجائش نہ تھی۔

اور ایک الذھبی ہی کیا' حافظ ابن حجر نے دوسری شہادتوں کی بنیاد پر المرشدی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

کان اسمر مبدنا ربعة حسن الشكل — وہ گندم گوں گداز بدن تھے' میانہ قد' پاکیزہ صورت
منورة الصورة جميل الهيئة — روشن چہرہ خوبصورت شکل اور اچھے اخلاق والے آدمی
حسن الاخلاق كثير التلاوة ص۴۶۳ درر — اور کثرت سے قرآن کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔

گو ظاہری شکل و صورت سے باطنی کیفیات پر استدلال کلی حیثیت سے تو صحیح نہیں ہے لیکن پھر بھی ساحروں جادوگروں جناتی اعمال والوں کی عمومی حیثیت سے شکلاً وصورتاً ولباساً وضعاً یہ ہیئت نہیں ہوتی' جیسے المرشدی کی طرف حافظ ابن حجر نے منسوب کیا ہے' اس قسم کی پاک اوصاف سحر کی دھلی دھلائی پھر چھپی زندگی عموماً تقویٰ و طہارت اور پارسائی و پاکبازی کی زندگی رکھنے والوں کی دیکھی گئی ہے اور حافظ نے صرف ظاہری حالات ہی کی تو رپورٹ نہیں کی ہے' بلکہ اسی کے بعد ان کے باطنی اوصاف و اخلاق کو بھی سراہا ہے' سب سے زیادہ یاد رکھنے کی چیز یہ ہے کہ المرشدی کی طرف منجملہ دیگر صفات اور خصوصیتوں کے حافظ نے یہ بھی منسوب کیا ہے کہ وہ کثیر التلاوۃ تھے جس کا مطلب ظاہر ہے کہ بکثرت قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے میں پوچھتا ہوں کہ شیخ الاسلام جب خود فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والوں سے اس قسم کے جنات بھاگتے ہیں

جن کے مجذوم ہونے کی تہمت انہوں نے المرشدی پر لگائی ہے تو بتایا جائے کہ تہمت اور سوءِ ظن کے سوا شیخ الاسلام کے اس بے محابا فیصلہ کو میں اور کیا قرار دوں۔

خود ان ہی نے لکھا ہے بلکہ تصریح کی ہے کہ جنون کے اقرار سے یہ معلوم ہوا ہے کہ
"ارباب ایمان و اخلاص اور روشن ضمیر بزرگوں کے قلبی حالات سے آگاہی و واقفیت انکے لئے ناممکن ہے"
ان کے الفاظ میں نقل کر چکا ہوں کہ

ویعترف انہ لا یکاشف ھؤلاء وامثالھم — جن اقرار کرتے ہیں اس کے ان لوگوں اور انہی جیسا آنے والے کا ہم پر کشف نہیں ہوتا جب

پھر یہ باور کر لینا کہ لوگوں کے قلوب کے ضمائر و خواطر سے المرشدی جو واقف ہو جاتے تھے اور اسی بنیاد پر ہر مہمان آئے وہی کھانا ان کی طرف سے پیش ہوتا تھا جس کی اسے خواہش ہوتی تھی اسکے متعلق یہ دعویٰ کہ جنات ذریعہ تو اس میں دخیل تھا بے بنیاد ہی نہیں بلکہ حد سے زیادہ سوءِ ظن کے سوا اسے اور کیا قرار دیا جائے۔
"مجذومیت" کا دعویٰ ابن تیمیہ المرشدی کے متعلق کرتے تھے اس کا تذکرہ کرنے کے بعد الیافعی نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ ابن تیمیہ کا صرف "ظن" کاذب ہے اور انکی طرف سے یہ تاویل فاسد ہے اور اپنے خیال کی تائید میں انہوں نے یہ وجہ جو پیش کی ہے

وان الجان لیس لھم اطلاع — یعنی یہ کہنا کہ ان کو جنات کی امداد غیبی سے حاصل تھی
علی بواطن العباد وما یخطر — ہوتی ہے ان کو ان خطروں کی جو بندوں کے قلوب میں گزرتے ہیں
بواطنھم نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد — بد اعتقادی سے میں خدا ہی کی پناہ مانگتا ہوں۔

شاید اس سے بھی ان کا مقصود وہی ہو جو فقیر نے عرض کیا۔

یہ واقعہ ہے کہ المرشدی میں ظاہری اعمال و احوال کے لحاظ سے کسی قسم کی کوئی کمزوری بھی اگر ہوتی تو اگر دوسرے نہیں مگر الذہبی اسکے ذکر کئے بغیر قطعاً خاموشی کے ساتھ گذر نہیں سکتے تھے، صوفی ہونے کی وجہ سے طبعاً ان کا جی تو نہیں چاہتا تھا کہ تعریف کے الفاظ لکھیں لیکن بظاہر کوئی چیز انکو ایسی ملی ہی نہیں جسے حملہ کا ذریعہ بنا سکتے ہوں، البتہ کرامات اور کشوف کی اس کثرت کو دیکھ کر چلتے ہوئے ایک فقرہ آخر میں لکھ گئے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے ان کے حوالہ سے درر کامنہ میں نقل کیا ہے۔

والذی یظھر لی انہ کان مجذوبا ص ۲۶۳ — مجھے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ المرشدی مجذوب تھے۔

مگر اسکی وجہ انہوں نے نہیں لکھی بظاہر خیال گذرتا ہے کہ الذہبی کچھ المرشدی سے ڈرے ہوئے ہیں اور غالباً

"مجذوب" قرار دینے کی وجہ ان کا غیر شعوری خوف ہی معلوم ہوتا ہے۔

مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ جس جماعت سے ذہبی یا ابن تیمیہ کا تعلق ہے غالباً ان کے یہاں مجذوب اور مجنون میں شائد کوئی فرق نہیں ہے یہ تو غریب صوفیوں کی تقسیم ہے مگر خدا ہی جانتا ہے کہ مجذوب مان لینے پر ذہبی کو کس چیز نے آمادہ کیا کسی ظریف کا خیال ہے کہ اس طرح وحن دولت کو مسلمانوں کے کھلانے پلانے میں پانی کی طرح بے دریغ لٹاتے رہنا علماء رسوم کے نزدیک جنون ہی کی شکل ہو سکتی ہے لیکن خیر یہ تو ظرافت کی بات ہے' اگر جذب کا یہی معیار ہے تو الذہبی کیا فرمائیں گے اس شخص کے متعلق جو صرف اللہ اور اسکے رسول کے سوا سب کچھ پیغمبر کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے آیا تھا خود اس پیغمبر ہی کا (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) کا کیا حال تھا اُحد پہاڑ کے برابر سونے کے متعلق جو بار بار اعلان کرتا ہو کہ میرے قبضہ میں اگر آجائے تو تین دن سے زیادہ وہ میرے پاس باقی نہیں رہ سکتا۔ بلال کو حکم دیا جاتا ہے کہ

انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔ — بلال خرچ کئے چلے جاؤ اور عرش والے تنگی کا اندیشہ نہ کرو۔

اسی پیغمبر کے ایک امتی کے قبضہ اقتدار میں جو کچھ آیا تھا' اگر وہ مسلمانوں پر سب لوٹ رہا تھا تو اس کو جنون قرار دینے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں'

حافظ ابن تیمیہ نے تو خود لکھا ہے کہ اس قسم کے خوارق عادات دین کی صداقت کے لئے یا حجت کا کام دیتے ہیں یا مسلمانوں کی حاجت وضرورت ان سے پوری ہوتی ہے بجنسہ انکے الفاظ میں نقل کر چکا ہوں پھر المرشدی سے اس باب میں جس قسم کے غیر معمولی کارنامے ظاہر ہو رہے تھے ان سے تو دونوں ہی نتائج پیدا ہو رہے تھے۔

آخر میں پوچھتا ہوں کہ قرآن کے اس قسم کے اعلانات عامہ مثلاً

وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ — اللہ سے جو ڈرتا رہتا ہے تو خدا اسکے لئے کشائش کی راہ پیدا فرماتا ہے اور ایسی جگہ سے اسے روزی پہنچاتا ہے جہاں اسے گمان بھی نہ ہو

جن میں غیر احتسابی رزق کا وعدہ تقوی کی زندگی بسر کرنے والوں کے لئے کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ انکی شکل دعوی کی ہے یقیناً اس دعوی کی دلیل اسی قسم کے واقعات بن سکتے ہیں' جن کا ظہور المرشدی جیسے متقی اور پرہیزگار بزرگوں کے ہاتھ پر وقتاً فوقتاً اسلام میں ہوتا رہا ہے۔

عجیب بات ہے کہ آمدنی کے اسباب کی ناواقفیت لوگوں کو اچنبھے میں ڈالتی ہے پوچھتے ہیں کہ آخر جب
وہ نہ کسی سے لیتے تھے اور نہ انکی آمدنی کے ذرائع لوگوں کو معلوم تھے تو ان لوگوں کے پاس یہ چیزیں کہاں سے
آتی تھیں میں عرض کرتا ہوں کہ اسباب جس رزق کے معلوم ہی ہو جائیں تو پھر وہ "لا یحتسب رزق" ہی کیا
باقی رہتا ہے۔

اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ مختلف قرون و ادوار ممالک و امصار میں ایسی ہستیاں مسلمانوں
میں جو پیدا ہوتی رہی ہیں[1] جن کے مصارف کا پیمانہ غیر معمولی طور پر وسیع تھا، لیکن مداخل کی راہیں عموماً لوگوں کو
معلوم نہ تھیں، غالباً اس قرآنی اعلان اور دعوی کو ثابت کرنے کے لئے ایسا ہوتا رہا اور جہاں تک میرا خیال
ہے آئندہ بھی قرآن کے اس دعوی کا تجربہ ان لوگوں کو قدرت ہمیشہ کراتی رہے گی جو اس کا تجربہ کرنا چاہیں گے
قدرت کی طرف سے تجربہ کا ارادہ جب فرمایا جائیگا۔

---

[1] عہد صحابہ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوہریرہؓ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بھی مختلف صحابیوں سے ایسی صحیح روایتیں
کتابوں میں پائی جاتی ہیں کہ غلہ یا اسی قسم کی چیزوں کا ایسا ذخیرہ جو چند دنوں سے زیادہ استعمال کے بعد باقی نہیں رہ سکتا تھا وہی ذخیرہ مدت کی
مدت تک ان لوگوں کو کام آتا رہا حدیث و سیرت کی کتابوں میں یہ روایتیں موجود ہیں اور مسلمان عموماً ان سے واقف ہیں،
پچھلے زمانہ میں بھی اور تو اور ہندوستان ہی میں ایسے متعدد تماشے دیکھے گئے ہیں جن کی کوئی صحیح توجیہ دنیا اب تک نہیں
کر سکی ہے حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر عام کے عام قصوں کے سوا جلال الدین خلجی کے زمانہ کے مشہور بزرگ
شیخ مولہ جن کے باورچی خانہ میں کا روزانہ خرچ بتایا گیا ہے کہ "ہزار من میدہ پانسو من گوشت تین سو من شکر" تھا
اور ان کی یہی خصوصیت تھی کہ کسی سے کچھ نہ لیتے تھے، دیکھو میری کتاب تعلیم و تربیت ص۲۱۷ ج ۱۔ اور یہ تو
خیر پرانے زمانے کی باتیں ہیں، چند سال ہی گزرے ہیں اسی ہندوستان میں حضرت مولنا عین القضاۃ
حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھنؤ میں بیٹھ کر اسی "لا یحتسب رزق" کا ثبوت سالہا سال تک دنیا کے سامنے
پیش کرتے رہے ہزارہا روپیہ ماہوار حضرت کی طرف سے امور خیر میں صرف ہوتے تھے لکھنؤ جیسے غدار شہر کی
ہر سال سات دفعہ دعوت آپ کی طرف سے ہوتی تھی جس میں کسی کی تخصیص نہ ہوتی اور کھانا بھی کیسا
کابلی دنبوں کا گوشت کشمیری چاول کی بریانی مزعفر گھی جس میں پانی کی طرح استعمال ہوتا تھا لیکن آخر وقت
تک دنیا کو اس کا پتہ نہ چلا کہ اس متقی کے پاس رزق کا یہ دریا کس راستہ سے جاری ہے۔ ۱۲

بہرحال المرشدی کی غیر معمولی مہمان نوازیوں سے ایک طرف جہاں تقوی کے اس...
نتیجہ کا ثبوت فراہم ہو رہا تھا وہیں ظاہر ہے کہ بیچارے عام مسافر مسلمانوں اور حجاج کی ایک درست
بھی اس ریگستانی ٹاپو میں پوری ہوتی تھی پھر ان کے اس طرز عمل کو جذب قرار دینے کے آخر معنے کیا ہو سکتے ہیں۔

جذب میں کچھ بھی ہو اتنی بات تو اس میں بہرحال ضروری ہے کہ "عقلی نظام" مجذوبوں کا عموماً عمومی نقطہ
اعتدال پر باقی نہیں رہتا اسی لئے مجذوب بزرگوں کو جن کا جی چاہتا ہے مجنون بھی کہتے ہیں اور عقلی
اختلال کی بھی آخر کچھ علامتیں ہوتی ہیں ایک شخص جس کے متعلق دیکھنے والوں کا یہ بیان ہو کہ

"وہ بڑے خوبصورت میانہ قد آدمی تھے ہیئت اور وضع انکی جمیل تھی اخلاق بھی انکے اچھے تھے" ص ۲۶۳ درر ۱۔

یہ حافظ ابن حجر کے ان الفاظ کا ترجمہ ہے جنہیں کچھ دیر پہلے میں نقل کر چکا ہوں سوچنا چاہیئے کہ مجنونوں مجذوبوں
کی بھی شکل یہی صورت یہی وضع و قطع ہوتی ہے۔

اور ایک یہی کیا جس کسی نے بھی المرشدی کے حالات بیان کئے تھے کسی کے بیان میں ایک
مجھے ایسی کوئی خبر نہیں ملی ہے جس سے ان کے عقلی نظام کے معمولی اختلال کا بھی ثبوت ملتا ہو بلکہ جس نے
ان کا جو حال بھی بیان کیا ہے سب ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے باوقار بھاری بھرکم ہوش و
تمکنت رکھنے والے آدمی تھے انتہا یہ ہے کہ علاوہ صوفیانہ زندگی کے انہوں نے اپنی عالمانہ زندگی کی
اس شان کو بھی باقی رکھا تھا حافظ ابن حجر ہی نے لکھا ہے کہ

کان یفتی بلفظه لا بکتابه ص ۲۶۳۔ تحریری طور پر تو نہیں لیکن زبانی فتوی دیا کرتے تھے
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ان سے فقہی سوالات بھی کیا کرتے تھے اور ان سوالوں کے جواب بھی دیتے تھے
اگر کچھ بھی ان میں جذب یا مجذوبوں کی وارفتگی کا رنگ ہوتا تو جیسا کہ عام دستور ہے قطعاً مسلمان ان سے
فتوی پوچھنے کی جرأت کرتے اور نہ وہی فتوی جیسے اہم علمی و دینی کام کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتے کیونکہ
مجذوبوں کا گروہ اور جس معاملہ میں بھی مجذوب ہو پر تجربہ شاہد ہے کہ شریعت کے معاملات میں وہ بھی ہوشیار رہتے ہیں۔
(باقی)

---

[1] یہ بات کہ تحریری فتوی دینے سے المرشدی کیوں بچتے تھے یہ بھی ان کی نہایت بیداری کا ثبوت ہے علماء کی ایک جماعت گذری ہے جو مقصود
فتووں کے متعلق قائل تھی کہ قید کتابت میں لانا انکا مناسب نہیں ہے کیونکہ عموماً یہ اجتہادی مسائل ہوتے ہیں وقت پر جو سمجھ میں آیا
عالم کے اپنے معلومات کی روشنی میں کہہ گئے اس کو بتا دیا آئندہ کی ضرورتوں کو اس زمانے کے علماء کیلئے چھوڑ دینا پسند کرتے تھے میرے خیال میں یہ انتہائی
احتیاط ہی کا اقتضاء ہو سکتا ہے ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیام حق و صداقت کے اہم اجزائے علم و عمل

از جناب مولوی دلاور علی صاحب ضابط

(سلسلہ ۳)

کفر و شرک و نفاق و ارتداد و بدعت و معاصی کبیرہ اور ریاء سے اجتناب کے نتائج حسب ذیل ہیں

ایمان | جس شخص کے قلب سے کفر کا اخراج ہوجاتا ہے اور دعوت لا الٰہ الا اللہ اور قرآن حکیم اور رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور انکے من اللہ ہونے میں زبان سے کوئی انکار اور دل میں کسی قسم کی تکذیب نہیں ہوتی ہے بلکہ اقرار و تصدیق ہوتی ہے تو وہ شخص مومن ہے اور اسکے قلب میں ایمان کا جلوہ ہے اور اسکے لئے ایسی راہ ہدایت کشادہ ہوگی جسمیں نور ہے اور وہ کفر کی راہ ضلالت و صراط ذی عوج الی الشیاطین سے دور ہوکر صراط مستقیم الی الحق کا سالک ہوگیا

وان اللہ لھاد الذین آمنوا الی صراط مستقیم (الحج ، ع پ ۱۷) اور جن لوگوں نے ایمان لایا ہے ان کو یقیناً حق تعالیٰ ہدایت دینے والے ہیں۔

اور ان تمام بشارتوں کا مخاطب ہوگیا جن کو ہم نے نتائج ایمان کے تحت لکھا ہے۔

توحید | جب مومن کے قلب سے حق تعالیٰ کی الوہیت یعنی معبودیت و ربوبیت و مالکیت و حاکمیت کا شرک نکل جاتا ہے تو پھر توحید کا جلوہ اسکے قلب میں ہوجاتا ہے اور ایمان بلا آمیزش شرک قلب میں جاگزیں ہوجاتا ہے تو مومن ان تمام بشارتوں کا جن کو ہم نے نتائج ایمان کے تحت بیان کیا ہے مصداق بن جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو اجازت ہے کہ وہ ان بشارتوں سے مسرور ہو شادکام ہوجائے۔

صدق | اور جب قلب مومن سے نفاق حق یعنی امور ایمانی سے پوشیدہ انکار و ریب و شک نکل جاتا ہے تو اس کا ایمان صدق کے زیور سے آراستہ ہوجاتا ہے جو حقیقت تقویٰ اور ایمان و عمل کی روح اخلاص ہے۔

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون (الزمر ع پ ۲۴) اور جس نے صداقت کو لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی متقی ہیں۔

اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون — یہی لوگ ہیں جنہوں نے صدق اختیار کی اور یہی لوگ متقی ہیں۔
اور اسی متقی صادق کو حق تعالیٰ کی نصرت حاصل ہے۔

وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ (البقرۃ ۲۴ ع پ۲) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً متقیوں کے ساتھ ہیں۔

اور اس پر دنیا میں وسعت رزق کا دروازہ کشادہ ہوجاتا ہے اور ہر قسم کی تنگی سے نکل جاتا ہے۔

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ وَّيَرۡزُقۡهُ — اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اسکے لئے آسانی فرما دیتا ہے
مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ (طلاق ۱ ع پ۲۸) اور اسکو وہاں سے رزق پہنچاتا ہے جہاں گمان نہ پہونچے۔

اور آخرت کے منافع بھی ایسے ہی صادقین و متقین کے حصہ میں ہیں۔

هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ (المائدۃ ۱۶ ع پ۷) یہ وہ دن ہے کہ سچے اپنی سچائی سے نفع حاصل کریں گے۔

استقامت | جو مومن ارتداد حق یعنی اموراِ یمانی کے اقرار و تصدیق سے برگشتہ ہونے سے بچ جاتا ہے اور ثابت قدم ہوجاتا ہے اور اُسکے اقرار و تصدیق قلبی میں یقین دائمی رہتا ہے تو یہ استقامت ہے اور ایسے مستقیم الایمان کیلئے حق تعالیٰ اور اُسکے حکم سے فرشتوں کی جانب سے غیبی اعانت و مدد بھی ملتی رہتی ہے اور یہی استقامت اسکی حیات چندروزہ کو خوشگوار بنادیتی ہے اور وہ اس زندگی فانی میں اطمینان و ایقان قلبی کے ساتھ رہتا ہے اور موت کے وقت بھی کوئی حزن و ملال نہیں ہوتا ہے کیونکہ اسوقت فرشتے ظاہر ہوکر اُسکو جنت اور وہاں کی آسائشوں کی بشارت دیتے ہیں اور ایمان کا نور برزخ و محشر میں شمع کامیابی ہوتا ہے اور بالآخر اس کا مقام دائمی بہشت بریں ہوتا ہے جہاں وہ جو مانگے گا ملے گا اور جو چاہے ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۞ نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ ۞ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِيۡمٍ ۞
(حم السجدۃ ۴ ع پ۲۴)

جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مالک اور پرورش کرنے والے ہیں پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو یقیناً ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے کہ تم خوف مت کرو نہ حزن و ملال رکھو اور اس جنت کی بشارت سے مسرور ہوجاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ہم دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں تمہارے دوست و مددگار ہیں تمہارے جی جو چاہیں وہ جنت میں موجود اور تم جو مانگو وہ اسمیں موجود ہے اور (یہ سب) مغفرت کرنے والے اور رحمت کرنے والے پروردگار کی طرف سے ضیافت ہے۔

سنت | جو مومن بدعت سے بچتا ہے اسکو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق روشن و منہاج مستقیم ملتا ہے کیونکہ ہر بدعت ایک سنت سے ہٹا دینے والی ہے اور جب تک ان بدعت سے توبہ اور کنارہ کشی نہ ہو قیامت تک پھر اس سنت کا سراغ ہی نہیں مل سکتا حضرت حسانؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا جو جماعت اپنے دین میں کسی بدعت کی مبتدع ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی جیسی ایک سنت کو ہٹا لیتا ہے اور پھر قیامت تک واپس نہیں فرماتا ہے (رواہ الدارمی مشکوٰۃ باب الاعتصام فصل)

عفیف بن حارث ثمالی سے بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم کسی بدعت کو پیدا کرتی ہے تو اسکی جیسی ایک سنت اٹھالی جاتی ہے پھر فرمایا کہ

فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ — کسی سنت پر مضبوطی سے قائم رہنا کسی بدعت کے پیدا کرنے سے بہتر ہے۔

(رواہ احمد مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنت)

اس قاعدہ کلیہ کے لحاظ سے جتنی بدعتوں کا رواج ہوگا اتنی ہی سنتیں گم ہوجائیں گی اور رفتہ رفتہ طریق ہدایت سے دوری ہوکر طریق ضلالت سامنے ہوجائیگا جو دنیا و آخرت کے خسران کا موجب ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ فرمایا اور اپنی سنت اور اپنے طریقہ پر جمے رہنے کی سخت تاکید فرمائی ہیں جو صراط مستقیم الی اللہ اور اسی صراط پر صحابہ رضوان اللہ علیہم و دیگر سلف صالحین رحمہم اللہ علیہم اجمعین رہے ہیں۔ اور اسی صراط پر جمے رہنے اور اسی پر چلنے کی قرآن حکیم میں کئی جگہ مختلف الفاظ و پیرایوں میں تاکید کی گئی ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (الانعام ۱۹ع پ ۸)

اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اور دوسرے طریقوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تم کو طریق راست سے بھٹکا دینگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا پھر فرمایا اللہ کا راستہ یہ ہے اور پھر اس خط کے بائیں اور دائیں جانب متعدد خط کھینچکر فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں اور ہر راستے پر ایک شیطان کھڑے رہ کر بلاتا ہے اور آپ نے آئت مذکور ان ھذا صراطی مستقیما تلاوت فرمائی۔

(رواہ احمد والنسائی والدارمی مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنت)

آپکی سنت وطریقہ سے احادیث و آثار قرآن حکیم حملو ہیں اور آپکی سنت کو عیاں و روشن کرنے کے لئے بہت سے کتابیں عربی اور اردو میں لکھی جاچکی ہیں لیکن قرآن حکیم آپکی سیرۃ اور آپکے اخلاق کا جامع ہے۔

سعد بن ہشام سے روائت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے پاس میں گیا اور ان سے

خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے پوچھا کہ کیا تو قرآن نہیں پڑھتا ہے تو میں نے کہا کہ ہاں پڑھتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ

فَاِنَّ خُلُقَ نَبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ — اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق
كَانَ الْقُرْآنُ (الحدیث مشکوٰۃ باب الوتر) — قرآن تھے۔

آپکا طرز زندگی ظاہری بود و باش اور خلق اللہ و عباد اللہ کے مختلف النوع افراد سے سلوک و برتاؤ کے ساتھ آپکے اندرونی ادراکات و عواطف و میلانات و توجہ و سلوک الی الحق و استغراق فی الحق دیکھنا ہو تو قرآن کو تعقل و تدبر و تذکر و تفکر کے ساتھ پڑھو۔

حقیقت میں قرآن ہی وہ علم الٰہی و ہدایت الٰہی ہے جس پر آپ سب سے پہلے ایمان لائے اور عمل فرمایا اور اب عمل بالقرآن اور اسمیں تفقہ آپکی حقیقی سنت ہے اور اسکے بعد عمل بالحدیث اور اسمیں تفقہ کا درجہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل بالقرآن کی تفصیلات ہیں۔

غور کیا جائے تو تفقہ بالقرآن ہی سے تمام علوم شریعت و طریقت و حقیقت پیدا ہوئے ہیں جو شخص پہلے اس منبع علم پر پہنچکر سیراب ہو جائیگا تو پھر اس سے نکلے ہوئے علوم کی نہروں سے سیراب ہونا دشوار نہ ہوگا۔

حسنات جس مومن کے قلب سے معاصی کبیرہ کے ارتکاب کا عزم نکل جاتا ہے اور کبائر سے اجتناب کا عزم پیدا ہو جاتا ہے تو اسکا قلب حسنات کی طرف مائل ہو جاتا ہے ایمان میں استقامت اور امر الٰہی کی اطاعت کا جذبہ و اشتیاق بڑھ جاتا ہے تو اس حالت میں حق تعالیٰ اپنی وسعت رحمت سے ہر عمل نیک کا اجر دس سے سات سو تک اضافہ فرماتے رہتے ہیں اور اگر بہ تقاضائے بشریت کسی برائی کا ظہور ہو جاتا ہے تو صرف اس کی جیسی جزا مکتوب ہوتی ہے۔

وَمَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ — اور جو ایک نیکی لائیگا تو اسکو اسکے جیسا دس گنا اجر ملیگا اور جو برائی
جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ — لائیگا اسکو تو اسکے جیسا بدلہ دیا جائیگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔
(الانعام ع پ ۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی اپنے اسلام کو درست کر لیتا ہے تو ہر نیکی کے بدلہ میں دس سے سات سو تک نیکیاں اسکے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور برائی کا بدلہ اسکے جیسا صرف ایک ہی لکھا جاتا ہے یہانتک کہ وہ حق تعالیٰ سے ملاقی ہو جاتا ہے (رواہ ابوہریرہ۔ متفق علیہ۔ خازن ج ۲ ص ۷۰)

نیکی کی صرف نیت ہو تو اسکا اجر لکھا جاتا ہے اور برائی کا قصد معاف کر دیا جاتا ہے جبکہ اسکا ارتکاب نہ ہو اگر کسی برائی کا قصد ہوا اور پھر اس قصد کو دور کر دیا جائے اور اس برائی کا ارتکاب نہ ہو تو اسکے بدلہ میں ایک حسنہ لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ (فرشتوں سے) فرماتا ہے کہ جب میرا کوئی بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسکے ارتکاب تک نہ لکھو۔ اگر ارتکاب ہو تو

صدقہ اس کے جیسا لکھو اگر وہ میری رضا کے حصول کیلئے اس برائی کو ترک کر دے تو اس کے بدلے میں ایک حسنہ لکھو اگر وہ حسنہ کا صرف ارادہ بھی کرے تو نیکی لکھ لو اور اگر وہ اس نیکی کا ارتکاب کرے تو اس کے بدلے میں دس سے سات سو تک حسنات لکھ لو (بخاری خازن ج ۲ ص ۷۰) غرضکہ جب مسلمان کے قلب سے کفر و شرک نفاق و ارتداد و بدعت و کبائر کے ادراکات و علوم اضلالی خارج ہو کر ایمان و توحید و صدق و استقامت و سنت و اوامر الٰہیہ کے ادراکات و علوم ہدایتی کا جلوہ ہو جاتا ہے اور وہ اصول و ارکان دین کا پابند بن جاتا ہے تو اس کے ہر عمل کے اجر میں حسنات کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کی نیکیاں برائیوں کو محو کرتی رہتی ہیں۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ (ہود ۱۰ ع پ ۱۲) — یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ (العنکبوت ۱ ع پ ۲۰) — اور جنہوں نے ایمان اور نیک اعمال کئے تو ہم ضرور ان کی طرف سے برائیوں کو دور کر دیں گے اور ضرور ان کو ان کے اعمال سے بہتر بدلہ دیں گے۔

اخلاص جب مومن کے قلب سے ریاء کا تعلق ختم ہو جاتا ہے تو اس میں اخلاص کا نور پیدا ہوتا ہے اور اس کی تمام عبادات و طاعات و اعمال و اشغال خالص حق تعالیٰ کیلئے ہو جاتے ہیں۔ دین حق کی بنیاد اسی اخلاص پر مبنی ہے اور جس مومن کے دل میں یہ نور اخلاص پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا دین دین حق سمجھو۔

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (الزمر ۱ ع پ ۲۳) — آگاہ ہو جاؤ اللہ تعالیٰ ہی کیلئے خالص دین ہے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البینہ ۱ ع پ ۳۰) — اور انکو صرف اسی کا حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت مخلص ہو کر کرو دین وہی ہے جو اس کے لئے ہو۔

اور یہی وہ مومن ہے جو دین حق سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اور اس کا علم و عمل بار آور ہو کر اس کو بھی فائدہ پہونچاتا ہے اور دوسروں کو بھی۔ اور جب اس کے علم و عمل میں یہ اخلاص پیدا ہو جاتا ہے تو چالیس روز ہی میں اس کے قلب سے حکمت کے چشمے ابل کر زبان سے جاری ہونے لگتے ہیں۔ معلم الکتاب والحکمت ﷺ فرماتے ہیں کہ

مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ — جو شخص چالیس دن اللہ تعالیٰ سے اخلاص رکھے تو اس کے دل سے زبان پر حکمت کے چشمے ظاہر ہو جاتے ہیں۔

(اخرجہ رزین عن ابن عباس مشکوٰۃ ص ۴۵۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قانون کا حقیقی تصور

اور

انسانی آزادی

از جناب مولوی جمیل الدین احمد صاحب

(سلسلہ عہ۱)

ہندو لا میں مساوات عنقا ہے | منو کے مدونہ قانون سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ از سر تا پا ہوائے نفسی سے ملوث ہے۔ مقنن منو انسانی برادری کو ایک نظر سے نہیں دیکھتا۔

پہلا جو اصول اس نے ولادت انسانی کا قائم کیا ہے کہ برہمن برہما کے منہہ سے اور کشتری ہاتھ سے اور ویش ران سے پیدا ہوا ہے اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ انسان کے عمل و کردار سے اسکو کوئی بحث نہیں ہے اسکے نزدیک شرافت و کمینہ پن فطری اور نسلی ہے۔ مقنن مذکور نے اس مسئلہ کو تصریح کے ساتھ بیان کیا ہے جسمیں کسی تاویل و توجیہہ کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ شرافت و کمینہ پن کو انسان کے ذاتی اعمال و خصائل سے متعلق نہیں کرتا بلکہ نطفہ اور بطن سے مخصوص کرتا ہے اسلئے ہندو لا میں مساوات انسانی کی تلاش و جستجو ایک لاحاصل و لا بے نتیجہ کوشش ہے۔ بعض احکام دیوانی اور فوجداری پیش کرکے ہم اسکی وضاحت کر چکے ہیں۔ اگر چہ کہ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام ہندوستان میں بھی بھیجے گئے تھے اور ہر پیغمبر نے یہی دعوت دی تھی

یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ۔ اے قوم اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی تمہارا دوسرا معبود نہیں ہے۔

جس کا نتیجہ انسانی آزادی تھا۔ لیکن یا تو ہندوستان کے ہادیوں اور مرشدوں کو منزلی اور مدنی زندگی کے احکام کی تفصیل پیش کرنے کا موقع نہیں ملا یا ان حضرات نے اپنا دائرہ تبلیغ صرف "یاد الٰہی" کی حد تک محدود رکھا تھا اور انکی امت اپنی حیات دنیوی کا ربط و تعلق آخرت سے زندگی کے منازل میں قائم نہ کر سکی اور اسی لئے زندگی کو متعدد شعبوں (گرہست آشرم۔ سنیاس آشرم) میں تقسیم کر لیا۔ یا یہ کہ جو احکام انبیاء نے منزلی و مدنی زندگی کے دئے تھے قوم نے انکو نظر انداز کر دیا اور ہوائے نفسی میں مبتلا ہو کر اپنی زندگی کا قانون اپنے آپ مرتب کر لیا جسکی وجہہ سے ہندو لا میں مساوات عنقا ہو گئی ہے اور جہاں مساوات نہو

وہاں آزادی کا تصور ایک بے معنی و باطل خیال ہے کیونکہ آزادی و مساوات لازم و ملزوم ہیں

دیگر ممالک میں مساوات | ہندوستان کے علاوہ دیگر قدیم سلطنتوں (بابل، روما، چین، ایران) میں بھی عدل و مساوات کا تصور معدوم ہے کیونکہ یہ تاریخی شہادت ہے کہ غلامی کا ادارہ ہر ملک کی تاریخ میں پایا جاتا ہے روما میں تو مہمانوں اور دوستوں کی تواضع کے لئے غلاموں کو نذر آتش کرنے یا [illegible] کرنے یا درندوں کے مقابل غلاموں کو چھوڑ کر ان کو چیر پھاڑ دینے کا تماشہ ہوتا تھا۔ کئی صفحات ان واقعات پر کافی شہادت ادا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ایم۔ اے (دینیات فقہ) ایل۔ ایل۔ بی استاذ جامعہ عثمانیہ کا ایک رسالہ "رومی اور اسلامی ادارہ غلامی" کے عنوان سے بزم قانون نے شائع کیا ہے جس میں رومی اور اسلامی غلامی کے احکام و قوانین بالمقابل تفصیل کے ساتھ درج کئے ہیں اس لئے ہم ان احکام کو حوالہ قلم کرنا باعث طوالت سمجھتے ہیں۔
البتہ اس قدر تصریح کر دینا ضروری ہے کہ [illegible]

انگریزی قوانین کا مقصد | جب انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کیا تو ہندوستانی اقوام کے قوانین میں تدریجاً ترمیم و تنسیخ شروع کی اور اس زمانہ [illegible] غلاموں کے کل [illegible] منسوخ کر دیا [illegible] اقوام کے قوانین وراثت و نکاح و طلاق باقی رکھے اور ان احکام کو ہر فرد کا ذاتی قانون [illegible]

مسائل قانون مطبوعہ آگرہ ۱۹۰۶ء مؤلفہ [illegible]

فقہ اسلامی کے احکام [illegible]

[illegible] ہوگی۔

یا للعجب کہ فطرت کے نابینے [illegible]

آن کس کہ نداند و بداند کہ بداند — در جہل مرکب ابد الدہر بماند

اور قانون کا مقصد بہبودی خلائق ہو [illegible] جو قوانین مرتب کئے گئے ان کے [illegible] غلامی کی زندگی اجتماعی حیثیت سے بسر کرے اور غلامی کا احساس تک نہ ہو سکے۔
اور لندن سے "قانون فطرت انسانی" "شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے خلاف ایسے رسائل شائع ہونے لگے جس سے عوام کو یہ مغالطہ پیدا ہو کہ [illegible] خلاف قانون فطرت ہیں، اور نہ ہو سکتی ہے مسائل جہاد۔ و غلامی و تعدد ازدواج وغیرہ کی اصلی صورت تبدیل کرکے ان کو نہایت ہی

کر دیا منظر میں پیش کیا گیا اور قمار بازی۔ شرب خمر احتکار کے امتناعی احکام اٹھا دیئے گئے جو قانون فطرت کی رو سے ناجائز تھے اور طرح طرح کے ٹیکس عائد کر دیئے گئے اور لاٹری۔ سودی تجارت جائز قرار دی گئی حالانکہ یہ وہ احکام تھے جو قانون فطرت کی رو سے ناجائز اور انسانیت کے لئے مہلک تھے اور ان کے ہلاکت آفریں اثرات سے آج دنیا کی کوئی قوم محفوظ نہیں ہے۔ معاشرت، تہذیب، تمدن سب ہی بگڑا ہوا ہے۔

غیر فطری غلامی کی تنسیخ کا عمل کس قانون سے ہوا؟ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جس غلامی کا انگریزی قانون نے انسداد کیا تھا اسکی حقیقت کیا تھی اور یہ انسداد دنیا میں سب سے پہلی مرتبہ کس نے کیا اور کس کو شرف اولیت حاصل ہے۔

مقنن منو کے مرتبہ قانون کی رو سے ہندوستان میں برہمن، کشتری، ویش کے سوا باقی لوگ یعنی (شودر) غلام سمجھے جاتے تھے اور ان غلاموں کی جائداد پر برہمنوں کو عام تصرف کی اجازت تھی۔

اور جب مسلمان سلاطین کا تسلط ہندوستان پر ہوا تو اس اختلاط و میل جول کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا اگرچہ اسلامی سلاطین نے نہ تو کوئی ادارہ غلامی قائم کیا تھا اور نہ کوئی قانون ایسا رائج کیا تھا جس سے آزادوں کی بیع و شراء غلاموں کے مثل ہو سکتی ہو بجز اس قانون کے جو شریعت اسلامی کا غلاموں کے باب میں تھا اور اسلامی قانون کی رو سے غلام بنانے کی کوئی نوبت ہی نہیں آتی تھی کیونکہ جہاد کی صورت میں کوئی جنگ ان سلاطین نے نہیں کی تھی لیکن یہ امر واقعہ تھا کہ جو لوگ قحط سالی میں اپنی اولاد کی پرورش بوجہ ناداری کی وجہ نہ کر سکتے تھے وہ اپنے بچوں کو فروخت کر ڈالتے تھے یا ظالم دائن مدیون غربا کو اپنا قرضہ وصول کرنے کے لئے جب وہ قرض ادا نہیں کر سکتے تھے فروخت کر دیتے تھے یا اشرار بچوں کو سرقہ کر کے انکو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لیجاتے اور فروخت کر کے قیمت حاصل کر لیتے تھے اور اس طرح آزاد اشخاص کی بیع و شراء غلاموں کے مماثل ہونے لگی تھی اور ان بچوں کے خریدار انکے ساتھ ذلت و خواری کا برتاؤ اس طرح کرتے تھے جس طرح روما اور یونان وغیرہ کی قدیم اقوام میں جاری تھا۔

لیکن پھر بھی ہندوستان کی تاریخ کا دامن اس دھبہ سے پاک نظر آتا ہے جو روما کے دامن پر ہے غلاموں کو مہمانوں کی ضیافت و تواضع کے سلسلہ میں درندوں سے پھڑوا دیا جاتا تھا یا نذر آتش کرکے تماشہ دیکھا جاتا تھا اس بیع و شراء کے عمل درآمد کو انگریزی قوانین کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا اور یہی مقتضائے عدل تھا مگر سوال یہ ہے کہ آزادوں کی بیع و شراء کی تنسیخ سب سے پہلے کس نے کی اور غلاموں کی ذلت و خواری اور ان کے حقوق کی پامالی جو ساری دنیا میں رائج تھی اسکی اصلاح کر کے قانون سے ہوئی۔ یہ اصلاحات حضور صلعم کے

اوّلیات میں ہیں جس کا اعتراف یورپ کے مصنفین بھی کرتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے زمانہ میں بھی غلامی کا قانون جاری رہا مگر آنحضرت صلعم نے جو احکام دیئے وہ قابل ترجیح ہیں (ملاحظہ ہو علم الکلام جلد دوم ص ۱۰۶ و ۱۰۷)۔

مگر ان مصنفین نے اس اعتراف کے ساتھ ساتھ ہی قانون فطرت (قرآن حکیم) کے احکام غلامی کو حقیقت اور اصلیت سے پھیر کر ایسے اعتراضات کئے ہیں جس سے ناواقف دین متین خصوصاً محض انگریزی داں طبقہ ایمانیات سے دست کش ہوتا جاتا ہے۔

ان تمام اعتراضات کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں تھا کہ عامۃ الناس کا رخ قانون فطرت (اسلام) کی صداقت سے پھیر کر ان کو لادینی کی طرف مائل کیا جائے اور مسلمانوں کے قلوب سے دین کی اہمیت و صداقت کو زائل کیا جائے اور حکومت برطانیہ کا نام نہاد عدل و انصاف کی عظمت قلوب عوام الناس میں جاگزیں ہو جائے۔ جس کا آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔

چونکہ ان تمام اعتراضات کا نچوڑ یہی ہے کہ آنحضرت صلعم نے غلامی و ورثہ کو باقی رکھا اسلئے ہم صرف ڈاکٹر مارکس ڈاڈس کی ایک تحریر نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ ہمارے جواب کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ پیدا ہو۔

> محمد صلعم بہت شفیق اور رحم دل شخص تھے اور بلا شبہ آپ کا یہ منشا تھا کہ غلاموں کی حالت میں صلاح و فلاح کریں۔ اگر آپ فی الفور غلاموں کی آزادی کا خیال بھی کرتے تب بھی اس کو عمل میں لانا غالباً ناممکن پاتے لیکن آپنے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کا اعلان کر کے بتدریج اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ایک ایسا یقینی ذریعہ سوچا جو آپ کے اختیار میں سب سے بہتر ذریعہ تھا اس کے ساتھ ہی آپ نے موجودہ غلاموں سے نیک برتاؤ کی بھی ہدایت کی اس بارے میں آپ کی آخری نصیحت ایسی اہم اور وقیع ہے کہ اس سے قطع نظر نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا کہ اب رہے تمہارے غلام سو دیکھو جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ جیسا کپڑا تم پہنتے ہو ویسا ہی انہیں پہناؤ۔ اگر وہ کوئی ایسا قصور کریں جو تم نہیں معاف کر سکتے تو انہیں فروخت کر دو کیونکہ وہ خدا کے بندے ہیں اور انہیں ایذا نہیں دینی چاہیے۔

لوگو میری بات سنو اور اسے خوب سمجھو۔ جان لو کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں تم سب مساوی ہو اور تم سب ایک برادری ہو۔

اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ کی تلقین کردہ انسانی مساوات کی عملی مثالیں تو بعض ممالک میں نظر آتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ عیسائی ممالک میں اس پر عمل نظر نہیں آتا حضرت عمرؓ اپنے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان کا غلام اونٹ پر سوار ہے اور آپکی لخت جگر فاطمہؓ اپنی باندیوں کے ساتھ باری باری چکی پیستی نظر آتی ہیں یہ وہ نمونے ہیں جنمیں آپکی تعلیم کی عملی مثال ملتی ہے اگرچہ آپکی نیت غلاموں کے متعلق کیسی ہی کریمانہ اور شفیقانہ کیوں نہو اور اس اولوالعزمانہ اسلامی مساوات کے اعلان سے کیسے ہی مفید نتائج کیوں نہ مرتب ہوئے ہوں مگر قرآن نے جواز تسری سے ان سب پر پانی پھیر دیا۔ اسمیں کوئی چھپانے کی بات نہیں ہے کہ اسکے جواز سے غلاموں کی تجارت اپنے مشہور خوفناک نتائج اور سیہ کاریوں کے ساتھ قائم رہی یہ وہ نظام ہے جسکی قرآن نے صریح اجازت دی ہے اور جس پر خود پیغمبر صلعم نے عمل کیا ہے اور یہی جواز اس ذلت و خواری کا ذمہ دار ہے جو عمر بھر ان بدنصیب لڑکیوں کو بھگتنی پڑتی ہے جو وحشی غلاموں کے ظلم و ستم سے دریائے نیل کے پار اتار دی جاتی ہیں۔

خود روشن خیال مسلمان اس خرابی اور ذلت سے شرماتے ہیں اور یہانتک کہتے ہیں کہ پیروان پیغمبر صلعم کیلئے یہ ایک دوامی ذلت ہے کہ غلاموں کی خرید فروخت اور دیگر ذرائع قائم رکھی گئی ہے اور یہ کہ اب مسلمانوں کو علی الاعلان یہ کہدینا چاہئے کہ یہ اس بڑے اور شریف پیغمبر پر جھوٹا الزام ہے اور یہ کہ مذہب اسلام غلامی کا دشمن اور فقہ اسلام اسکی مانع ہے ہم انکی اس خواہش کی عزت کرتے ہیں کہ مذہب کو اس دھبہ سے پاک کر دینا چاہئے لیکن ہم تمام امت اسلامی کو اس بات پر کیونکر آمادہ کر سکتے ہیں کہ وہ اس بڑے اور شریف پیغمبر کے اس فتوی کو رد کر دیں اور اس جواز کو ممنوع ٹھیرا دیں جسکے قواعد قرآن میں موجود ہیں غلامی اسوقت موقوف ہو سکتی ہے جب تسری موقوف کیجائے۔ اور جب تسری موقوف ہو جائیگی تو اسلام کی خصوصیات اور خاصکر پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کی مقدس کتاب کے متعلق بھی ضرور خیالات میں تبدیلی واقع ہوگی۔ (اعظم الکلام حصہ دوم ص ۴۳)۔

یہ ہے اس اعتراض کی عبارت جس میں نہایت لطیف پیرایہ سے خود مسلمانوں کو اپنے دین سے مشکوک کرنے کے لئے بعض واقعات کی تصدیق اور بعض واقعات کے موقف کو بدل کر پروپگنڈا کیا گیا ہے۔

(باقی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ

حقیقت یہ ہے کہ بعض قیاس و گمان ذہنِ انسانی کی غیر صحیح حرکت ہیں ذہنی معصیت سے محفوظ رہنے کیلئے اس واقعہ کو ظاہر کر دیا جانا ہے کہ رسالہ کی آمدنی بعد وضع حقیقی اخراجات دین کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے وقف رہیگی بہ توفیق الٰہی و بحمدہٖ مرتب رسالہ کی ذات رسالہ کی آمدنی سے مستفید نہ ہو گی اس لئے مالی تعاون کی درخواست نہیں ہے بلکہ فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَیۡرًا فَهُوَ خَیۡرٌ لَّهٗ اہل خیر ہی کارِ خیر کا اجر پائیں گے۔

ماہنامہ

سب رس

فطرتِ انسانی کا تذکرہ

مرتبہ

صفوۃ الرحمٰن صابر

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی

فہرست مضامین

بابتہ ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ جلد ۱ عدد ۱۲

فی پرچہ (۸؍ — سالانہ ۶؍) تعاون حسب استطاعت

باہتمام صفوۃ الرحمٰن صابر اعظم اسٹیم پریس میں طبع ہو کر دفتر رسالہ الحق دیوڑھی شہریار جنگ
محلہ سلطان شاہی حیدرآباد دکن سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

بلکہ ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں تو حق باطل کا دماغ پاش پاش کر دیتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے

فکر ونظر

دینی تعلیم و تربیت کا پہلا مقام گھر ہے دوسرا مدرسہ اور تیسرا بزرگان دین کی صحبت، دینی تعلیم و تربیت کی اولین ذمہ داری والدین پر ہے اس کے بعد استاد پر اور اس کے بعد بزرگانِ دین پر لیکن برسوں سے زندگی کا یہ اہم بنیادی فرض جس طرح انجام پا رہا ہے اس کے نمایاں اثرات ہیں کہ مذہب سے بیزاری بڑھتی ہی جا رہی ہے اور یہ احساس بالکل مفقود ہوتا جا رہا ہے کہ دین ہی عارضی و ابدی زندگی کی کلید کامیابی ہے وجہ ظاہر ہے کہ گھر جو دینی تعلیم و تربیت کا گہوارہ ہے اس میں تعلیم و تربیت کا جو رنگ ڈھنگ ہے وہ نرا پوست ہے بے مغز محض جسد ہے بے روح، صرف لفظی تعلیم ہے کلمہ طیبہ جو دینی تعلیمات کا سنگ بنیاد ہے اس کو طوطے کی طرح رٹا دیا جاتا ہے قرآن مجید جس میں زندگی کے علم و عمل کی مکمل تفصیل ہے وہ اس طرح پڑھا دیا جاتا ہے کہ پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر اس کے بعد والدین سمجھتے ہیں کہ وہ گویا تعلیم و تربیت کے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ والدین کے افکار و خیالات ہی دینی عناصر سے خالی ہوں بالفاظ دیگر وہ خود ہی فطرت انسانی سے نا آشنا ہوں تو پھر دینی تربیت کا سوال ہی کیا؟ مدارس میں دینی تعلیم فقہی مسائل کی حد تک محدود ہے حالانکہ فقہی مسائل کا جاننا تو اس کے لئے ضروری ہے جو اپنی زندگی کو از سرتاپا دین بنانا چاہتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ دین ہی زندگی ہے اور زندگی ہی دین۔ گھر کی چار دیواری کے اندر صاحب زادے میں یہ شعور پیدا ہی نہیں ہوا تو دین اور دین کے مسائل سے کیا دلچسپی۔ بزرگان قوم کے حلقہ درس و تدریس میں اوراد و اشغال و اذکار اور مکشوفات کے تحت قرآنی آیات کی توجیہ و تاویل پر دینی تعلیمات کا دار و مدار ہے

یا پھر کتابوں میں جیسا پڑھا ویسا [illegible]ں میں ٹھونس دیا۔ ان تمام خرابیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اوراد و اشغال ختم قرآن و ایصال ثواب کے مجالس، زیارت آثار و قبور بزرگان دین وغیرہم ہی دینی اعمال سمجھے جاتے ہیں، کردار، اطوار، تہذیب، معاشرت، افکار و تصورات کا کوئی تعلق دین سے نہیں رہا اور مسلم سے مسلم کی حقیقت مستور ہو گئی حالانکہ اللہ عزوجل کا رب واللہ واحد ہونا یعنی مسئلہ توحید جو دل و دماغ کی تمام توانائیوں کا مبدا ہے، اوصاف انسانیت، محاسن اخلاق کی بنیاد و اساس ہے۔ امراض نفسی و قلبی کا واحد نسخہ شفا ہے فطرت انسانی کا اصل جوہر ہے۔ روح زندگی ہے۔ دنیاوی فلاح و فوز کی کلید ہے سکون و اطمینان کا ابدی سرمایہ ہے وہ صرف ایک عقیدہ و علم کلام کا ایک مسئلہ بنا ہوا ہے جس سے لذت ذہنی تو حاصل ہو جاتی ہے مگر زندگی کی لوتی تلخی دور نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس کے خیر و برکات سے محروم ہیں۔ زندگی کے گوشہ گوشہ میں ظلمت ہی ظلمت بھری ہوئی ہے مشرکانہ کافرانہ یعنی غیر فطری طریقوں کی اتباع کی جا رہی ہے جدید مفکرین اسلام نے دینی تعلیمات کا جو بیڑہ اٹھایا ہے اس کا انداز یہ ہے کہ عبد و رب کی فطری نسبت کو راعی و رعایا کے قانونی تعلق کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے اور جو زیادہ تر عارضی زندگی کے سیاسی، معاشی و اقتصادی مسائل کو سلجھانے میں الجھا ہوا نظر آتا ہے دین کا وہ جزو جو دینی تعلیمات کی روح رواں ہے اور دعوت توحید کا حقیقی منشا ہے یعنی حیات آخرہ تعلیمات میں اسکو بطور چاشنی ذمہ داری و جواب دہی کی حد تک بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے ایک مستقل زندگی اور اس کے نفع و ضرر کا کوئی ایسا یقینی تصور پیدا نہیں ہوتا کہ انسان ہمہ تن ادھر متوجہ ہو جائے اور اسی زندگی کا نفع و نقصان بہر حال پیش نظر اور وہی زندگی مطلوب و مقصود ہو جائے۔ خدا شناسی اور خدا پرستی اگر حیات آخرہ کے قرآنی تصورات سے خالی ہو جو فطرت انسانی کے اصلی داعیات ہیں تو وہ نفس پرستی و ہوی پرستی سے کچھ کم نہیں ہے حیات آخرہ کے مہمل یا غیر صحیح تصور سے وہ نسبت الہیہ صحیح طریقہ پر قائم اور قوی نہیں ہو سکتی جس کے بعد ہی آدمی انسان اور رب عزوجل کا باشعور و باادب بندہ ہو سکتا ہے الحاصل دینی تعلیمات میں علم و عمل کی وہ روشنی مفقود یا کہیں اتنی دھیمی پائی جاتی ہے جس سے زندگی کا ہر تاریک گوشہ روشن ہو جاتا ہے اور آدم خلیفۃ اللہ کی اولاد خلیفۃ اللہ ہو جاتی ہے۔ دینی تعلیمات کے متذکرہ صدر اہم نقائص

کو دیکھکر رسالۂ الحق کی اجرائی کا خیال ہوا توفیق الٰہی ... مقصد صرف یہی رہا کہ اس دور
جہالت میں جہاں فطرت انسانی کی غلط رہنمائی کی جا رہی ہے اس سے لوگ باخبر ہو جائیں اور
فطرت انسانی کو توحید و حیات آخرہ سے جو ربط و تعلق ہے وہ واضح و نمایاں ہو جائے۔

انسانی زندگی کے یہی دو اہم اور بنیادی مسائل ہیں توحید و معاد (حیات آخرہ) یہ انسان کی پوری زندگی کو احاطہ کئے ہوئے ہیں نظام کائنات ان ہی دو مسائل کو سمجھنے کیلئے قائم و باقی ہے توحید اور حیات آخرہ کی صحیح (الٰہی) تعلیمات ہی فطرت انسانی کی حقیقی ترجمان و رہنما ہیں اس چند روزہ زندگی میں اعتدال و توازن اور ابدی زندگی میں راحت و شادمانی ان ہی دو فطری مسائل سے وابستہ ہے، ان حقائق سے انسان جسقدر اعراض و انحراف کریگا اسیقدر افکار و آلام میں مبتلا رہے گا اور یہی افکار و آلام ابدی درد و اذیت کا نمونہ ہیں قرآن مجید جو اس وقت روئے زمین پر خالص الٰہی تعلیمات کی واحد و آخری کتاب ہے اور اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے آپ اپنی نظیر ہے اس میں حیات آخرہ کے حقیقی تصور کو ذہن نشین کرنے کے لئے صرف دو ہی لفظ استعمال کئے گئے ہیں "جنت و جہنم" ابدی زندگی کے ابدی سکھ و ابدی دکھ کی مکمل تصویر ان دو الفاظ میں کھینچدی گئی ہے، فطرۃً انسان غیر محدود و لازوال راحت و شادمانی کا طالب ہے اور درد و اذیت سے فراری ابدی راحت کے طالب کو ابدی راحت کی دنیا "جنت" حاصل کرنے اور ابدی درد و اذیت کی دنیا "جہنم" سے محفوظ رہنے کی دعوت دی گئی ہے۔ واقعہ عرض کرتا ہوں کہ اس زمانہ کے داعی الی الحق جو متکلمانہ و فلسفیانہ انداز سے ہر باطل نظریہ کی تردید کرنے کا کافی ملکہ رکھتے ہیں وہ بھی الفاظ جنت و جہنم کو اپنی تحریرات میں استعمال کرنے سے ذرا شرماتے ہوئے نظر آتے ہیں "جنت" ایک غیر محدود و لافانی دنیا ہے حسن و جمال ایک عالم عیش و طرب لذات و تعیشات کی ایسی دنیا جہاں کا ساز و سامان زندگی عشرت فزا، سرور آگین تازہ بتازہ نو بنو۔ جہاں ناقابل اظہار کیف و مستی کی وہ ساعتیں ہونگی جبکہ تشنگان دید ولقائے رب نظارہ جمال حق سے لذت یاب و مدہوش رہیں گے۔ انسان اپنی فطرت کو

شمول کر دیکھیے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ایک ایسی زندگی کا مطالبہ اس کے اندر موجود ہے۔
عدم تکمیل مطالبات کی صورت میں حسرت و یاس کی آگ میں جلتے بھنتے رہنا بھی فطرت انسانی کا اقتضا ہے۔ جہنم اس کرۂ آتشیں کا نام ہے جہاں حسرت و یاس کی آگ مختلف آتشیں صورتوں سے انسان کو مبتلائے سوز و تپش رکھے گی۔ غیر محدود و لازوال زندگی کی راحت و شادمانی کا ساز و سامان بھی غیر محدود و لازوال ہوگا۔ درد و اذیت کا سامان بھی غیر فانی ہوگا۔
حیات آخرہ کے دونوں رخ سکھ و دکھ کے مصداقات فطرت انسانی میں موجود ہیں اس کا انکار کرنے والوں کو اللہ پاک خالق فطرت نے اندھے گونگے بہرے جانور کے الفاظ سے خطاب فرمایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جو قرآنی تعلیمات کا منکر ہے یا اس سے غافل و لاپرواہ ہے وہ اپنی فطرت کے حقیقی داعیات و مطالبات کی طرف سے اندھا بنا ہوا ہے
تعجب ہوتا ہے ان حضرات پر جو ان اندھوں کے خیالات کی روشنی میں (جو دراصل تاریکی ہے) قرآنی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حیات آخرہ کا انکار کرنا یا اس کی ایسی تاویل و توجیہہ کرنا جو انسان کے فطری جاذبات کے بالکل مغائر ہو ایک ہی حیثیت رکھتا ہے بڑی بے باکی اور عالمانہ انداز سے فرمایا جاتا ہے کہ جن نعمائے جنت، عقوبات جہنم کی تفصیلات کتاب و سنت میں درج ہیں وہ بطور تمثیل ہے نہ کہ بطور واقعہ ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ حیات آخرہ کے حقائق کو قرآن نے جو بیان کیا ہے ان کو کسی توجیہ یا تاویل کے بغیر من وعن تسلیم کرنے میں کونسی بات عقل و فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ انسان کو جانور کی نسل تسلیم کرنے والے انسان کی عقل شاید حیات آخرہ کے قرآنی تصور کو سمجھنے سے عاجز و قاصر ہو مگر انسان کو انسان ہی کی نسل سے ماننے والے اور انسانی زندگی کو فطرت انسانی کی روشنی میں سمجھنے والے انسان کے نزدیک حیات آخرہ کا وہی اصل نقشہ ہے جو قرآن کے جملہ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت کے جاذبات و داعیات سے قطع نظر کرکے انسان کے انجام آخرہ جنت کا جو تصور بعض حضرات کی جانب سے پیش کیا جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک افیونی کی دنیا ہے اور پھر اپنے ظنی و تخمینی نتائج کو قرآن ہی سے ثابت کرنا عقل و دانش کی قابل افسوس کوتاہی ہے اسی طرح اہل نار کی دائمی زندگی کا جو لوگ انکار

[illegible] ہدایت کی جس کا سبب ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ایسے
لوگوں کے لئے ہی ہے جو قرآنی تعلیمات کو محض تمناؤں کی راہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ۔

ترجمہ۔ ان میں سب لوگ جاہل کتابی (الہی) علم نہیں رکھتے لیکن دل خوش کن اور خیالی باتیں کرتے ہیں

اللہ عزوجل نے انسان کو یہ عارضی زندگی، زندگی کا ساز و سامان عقل و دانش اور علم و آگہی عطا فرما کر اس ابدی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کا موقع عنایت فرمایا جس کا انسان تمنائی ہے عارضی زندگی میں راحت و غم کی شیرینی و تلخی جو انسان کو پہونچتی رہتی ہے وہ دراصل ابدی و مستقل زندگی کی شیرینی و تلخی کا ایک نمونہ ہے تاکہ انسان اس کو دیکھ کر اس ابدی عالم لذت و سرور کی تعمیر میں مصروف رہے جس کی تعمیر کے اجزاء خوبی افکار و خوبی کردار ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں جن کا نام ایمان و عمل صالح ہے اور عارضی زندگی کا سکون و اطمینان بھی اس کے مضمرات ہیں اور ابدی عالم درد و اذیت کی تعمیر کے اجزاء افکار قبیح یعنی زندگی کے غلط نظریے و اعمال بد، اخلاق رذیلہ ہیں قرآن میں جس کی تعبیر شرک و کفر و نفاق اور اس کے توابعات فسق و فجور سے کی گئی ہے عارضی زندگی میں بدامنی فتنہ فساد حزن و غم اس کے عارضی نتائج ہیں خوبی افکار و خوبی کردار کا سنگ بنیاد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اسکی پوری عمارت زندگی کے تمام شعبوں میں علماً و عملاً اتباع رسالت ہے۔ دنیاوی تعیشات و تکلفات تنعمات ذخائر سیم و زر سے بے رغبتی مستقر اہل اتباع رسالت کا اہم و بنیادی جزو ہے۔ اہل علم اہل حق کی زندگی اس اہم جزو سے کچھ خالی خالی نظر آتی ہے۔

توحید لا الہ الا اللہ کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ انسان تمام مخلوقات سے بے تعلق ہو کر خالق انسان سے وابستہ ہو جائے جو حقیقی کارساز و کارفرما ہے اپنی اصلاح فلاح و فوز کے لئے خواہشات نفسانی و اوضاع زمانہ کی قید و بند سے نکل کر خود کو اپنے خالق و رب کے حوالہ و سپرد کر دے اور محمد رسول اللہ کی رہبری میں تمام مخلوقات کے حقوق و واجبات کو ادا

رتے ہوئے یہ چند روزہ زندگی بے خوف و بے فکری کے ساتھ گذار دے اور بطور انعام الٰہی یک غیر محدود ابدی پر مسرت زندگی کا مستحق ہو جائے یہی انسان کی حقیقی تمنا و آرزو ہے۔ جو الکل فطری ہے قلب انسانی جو غیر محدود آرزوؤں و تمناؤں کا گہوارہ ہے وہ ایسی نعمتیں چاہتا ہے جو نہ زوال پذیر ہوں اور نہ محدود و مختصر فطرۃً وہ اپنے خالق و رب کی دید و لقاء کا بھی تمنائی ہے ور درد و اذیت غم و حزن سے اس کو نفرت بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خواہشات کو ایک غیر محدود قدرت رکھنے والی ذاتِ ازلی و ابدی، خالق فطرت کے سوا کون پورا کر سکتا ہے تجربہ و مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اس عالم میں انسان کا کوئی بھی مدعا قوانین قدرت کی اتباع کئے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو پھر کیونکر ممکن ہے۔ غیر محدود، ابدی پر مسرت زندگی کی فطری تمنا اس قانون الٰہی کو قبول و اختیار کئے بغیر حاصل ہو جائے جو اسی مقصد کے لئے نافذ ہے جس کی غرض وضعی صرف یہی ہے کہ عبد و رب، انسان و خالق انسان کی فطری نسبت کو قائم و برقرار رکھا جائے کیونکہ عبد اگر اپنے رب و مولا کی ہدایات کے تحت عارضی زندگی گذار دے تو ابدی زندگی عبد کی مرضی کے مطابق رب عزوجل کی طرف سے عطا کی جاتی ہے عبد و رب کی فطری نسبت کا منتہائے کمال یہ ہے کہ عبد اپنی خواہش و مرضی سے فنا ہو کر سراپا مرضی حق ہو جاتا ہے یہی قرب حق کی منزل ہے جو انتہائی عجز و فقر کا مقام ہے۔ یہاں بندہ کا فعل و ارادہ باقی نہیں رہتا بلکہ اس میں فعل و ارادہ الٰہی جاری و ساری ہو جاتا ہے۔ اصطلاحِ صوفیہ میں اسی حالت کو فنا بقا کہتے ہیں۔ یہاں بندہ ہر وقت اپنے رب کے حضور میں رہتا ہے وہ نور حق کی روشنی میں اپنے شرور نفسی اور رب عزوجل کے احسانات و انعامات ظاہری و باطنی کے مشاہدہ میں مشغول رہتا ہے تا آنکہ امراض قلبی کا ماہر بنا دیا جاتا ہے علم و حکمت کے چشمے اس کی زبان سے جاری کر دئے جاتے ہیں۔ امراض قلبی کے مریض اس کی صحبت سے صحت یاب ہوتے رہتے ہیں، اس کی نظر امر و نہی پر نہیں رہتی بلکہ وہ منشائے حق کو پہچانتا اور اس کے موافق عمل کرتا ہے اس کی پرورش آغوش رحمت خاص میں ہوتی رہتی ہے غفلت ہوتی ہے تو ہشیار کر دیا جاتا ہے، بھول جاتا ہے تو یاد دلا دیا جاتا ہے۔ شوق لقاء رب میں ہر وقت اس عالم قید و بند سے رہائی کا منتظر رہتا ہے۔ غرض توحید و معاد کے مسائل کو حل کرنے

جو لوگ مذکورۃ الصدر فطری مسائل سے نا آشنا ہیں وہ ... انسانیت سے خارج ہیں اور جو لوگ ان مسائل کو غلط طریقے سے سمجھے ہوئے ہیں وہ بڑے باکمال ہو جائیں تو ہو جائیں مگر انسان نہیں ہو سکتے۔

ادارتی گزارشات میں مذکورۃ الصدر فطری مسائل کو مختلف انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر پھر بھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرنا مقصود تھا کہ حیات انسانی یا فطرت انسانی کا دوسرا نام دین اسلام ہے افسوس کہ دین کے اس مفہوم سے دماغ نا آشنا ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی کو اسلام سے کوئی مناسبت نہیں رہی یہی دین جو کبھی غیروں کے لئے جاذب نظر تھا اب خود مسلمان اس سے قطع نظر کئے ہوئے ہیں۔

رسالہ کی پہلی جلد کا یہ آخری شمارہ ہے سال تمام کی مختصر کہانی بھی سن لیجئے۔ پانچسو رسالے طبع اور ساڑھے چارسو تقسیم کئے جاتے رہے۔ ارباب حکومت، اہل صحافت، رہبران ملت اہل علم ماہران تعلیم جدید، تجارت پیشہ، ملازمت پیشہ وکالت پیشہ، مذہب پیشہ سب کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں مگر ع ٹھنڈا نظر آیا ہمیں بازار محبت۔ ساڑھے چارسو کے منجملہ صرف ۱۲۵ حضرات نے بشرح مقررہ جو مالی تعاون فرمایا اس کی مجموعی مقدار (۸۱۰ روپیہ) منجملہ ان کے چند اہل خیر نے بطور عطیہ جو رقم عنایت فرمائی اس کی مقدار (۱۶۸۲) اس طرح جملہ (۲۴۹۲ روپیہ) وصول ہوئے۔ رسالہ کی طباعت واشاعت کے اخراجات سالتمام (۲۳۴۸ روپیہ) وضع جانے کے بعد (۱۴۵) روپیہ سلک ہیں اللہ جل شانہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا کہ کل کیا ہونے والا ہے اگر آئندہ اشاعت کا سلسلہ جاری نہ رہے تو جن حضرات نے درمیان سال سے خریداری قبول فرمائی ہے ان کی بقیہ رقم واپس کر دی جائیگی۔

اطلاقی تصوف

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

(سلسلہ ۵)

یہی وجہ ہے کہ احیاء العلوم یا اسی کے قریب قریب تصوف میں ان کی جتنی چھوٹی بڑی کتابیں ہیں، سب میں سارا زور انہوں نے "علم المعاملہ" پر صرف کر دیا ہے، یعنی عمل کا مطالبہ جن شرعی معلومات کے متعلق کیا گیا ہے، اور ان کے نزدیک مقامات قرب تک پہونچنے کے لئے ان کی تعمیل کی جو بہترین شکلیں ہو سکتی ہیں، ان ہی پر بحث کرتے چلے گئے ہیں، یہ وہی باتیں ہیں، جن کی فہرست حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں دی تھی جن کا خلاصہ یہ تھا کہ

آدمی ہر چیز سے الگ ہو کر خلوت اور تنہائی کی زندگی اختیار کرے، لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دے، اور زندگی کے ہر شعبہ میں نفس کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنالے، اس راہ میں نفس کو ایسی حالت تک پہونچانے میں کامیابی حاصل کرے کہ گالی مار کسی چیز سے نفس میں کسی قسم کا ہیجان اور جوش پیدا نہ ہو، لوگوں کی مذمت اور تعریف دونوں اس کی نگاہوں میں برابر ہو جائے، (ایسی عبادتیں اور اعمال جن کی حیثیت زوائد) اور نوافل کی ہے ان کو جتنا بڑھا سکتا ہے بڑھائے اور ریا، خود پسندی، شہرت، غرور وغیرہ (نفس کے عیوب) کو خوب اچھی طرح سمجھ بوجھ لے اور ہمیشہ اس کی تلاش و جستجو میں رہے اسی طرح حلال لقمہ کے متعلق کامل احتیاط سے کام لے، شبہ کی

انسان نہ خود صفات انسانیت سے متصف ہو سکتا ہے اور نہ دوسروں کو انسان بنا سکتا ہے جو لوگ مذکورالصدر دو فطری مسائل سے نا آشنا ہیں وہ زمرۂ انسانیت سے خارج ہیں اور جو لوگ ان مسائل کو غلط طریقہ سے سمجھے ہوئے ہیں وہ بڑے باکمال ہو جائیں تو ہو جائیں مگر انسان نہیں ہو سکتے۔

ادارتی گزارشات میں مذکورالصدر دو فطری مسائل کو مختلف انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر پھر بھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرنا مقصود تھا کہ حیات انسانی یا فطرت انسانی کا دوسرا نام دین اسلام ہے افسوس کہ دین کے اس مفہوم سے دماغ نا آشنا ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی کو اسلام سے کوئی مناسبت نہیں رہی یہی دین جو کبھی غیروں کے لئے جاذب نظر تھا اب خود مسلمان اس سے قطع نظر کئے ہوئے ہیں۔

رسالہ کی پہلی جلد کا یہ آخری شمارہ ہے سال تمام کی مختصر کہانی بھی سن لیجئے۔ پانچسو رسالے طبع اور ساڑھے چار سو تقسیم کئے جاتے رہے۔ ارباب حکومت، اہل صحافت، رہبران ملت اہل علم ماہران تعلیم جدید، تجارت پیشہ، ملازمت پیشہ وکالت پیشہ، مذہب پیشہ سب کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں مگر ع ٹھنڈا نظر آیا ہمیں بازار محبت۔ ساڑھے چار سو کے منجملہ صرف ۱۲۵ حضرات نے بشرح مقررہ جو مالی تعاون فرمایا اس کی مجموعی مقدار (۸۱۰ روپے) منجملہ ان کے چند اہل خیر نے بطور عطیہ جو رقم عنایت فرمائی اس کی مقدار (۱۶۸۳) اس طرح جملہ (۲۴۹۳ روپے) وصول ہوئے۔ رسالہ کی طباعت و اشاعت کے اخراجات سال تمام (۲۳۴۸ روپے) وضع جانے کے بعد (۱۴۵) روپیہ سلک ہیں اللہ جل شانہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا کہ کل کیا ہونے والا ہے اگر آئندہ اشاعت کا سلسلہ جاری نہ رہے تو جن حضرات نے درمیان سال سے خریداری قبول فرمائی ہے ان کی بقیہ رقم واپس کر دی جائیگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اطلاقی تصوف

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

سلسلہ ۵

یہی وجہ ہے کہ احیاء العلوم یا اسی کے قریب قریب تصوف میں ان کی جتنی چھوٹی بڑی کتابیں ہیں، سب میں سارا زور انہوں نے "علم المعاملہ" پر صرف کر دیا ہے یعنی عمل کا مطالبہ جن شرعی معلومات کے متعلق کیا گیا ہے، اور ان کے نزدیک مقامات قرب تک پہونچنے کے لئے ان کی تعمیل کی جو بہترین شکلیں ہو سکتی ہیں، ان ہی پر بحث کرتے چلے گئے ہیں، یہ وہی باتیں ہیں، جن کی فہرست حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں دی تھی جن کا خلاصہ یہ تھا کہ

آدمی ہر چیز سے الگ ہو کر خلوت اور تنہائی کی زندگی اختیار کرے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دے اور زندگی کے ہر شعبہ میں نفس کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنالے، اس راہ میں نفس کو ایسی حالت تک پہونچانے میں کامیابی حاصل کرے کہ گالی مار کسی چیز سے نفس میں کسی قسم کا ہیجان اور جوش پیدا نہ ہو، لوگوں کی مذمت اور تعریف دونوں اس کی نگاہوں میں برابر ہو جائے (ایسی عبادتیں اور اعمال جن کی حیثیت زوائد) اور نوافل کی ہے ان کو جتنا بڑھا سکتا ہو بڑھائے اور ریا، خود پسندی شہرت، غرور وغیرہ (نفس کے عیوب) کو خوب اچھی طرح سمجھ بوجھ لے اور ہمیشہ اس کی تلاش و جستجو میں رہے اسی طرح حلال لقمہ کے متعلق کامل احتیاط سے کام لے، شبہ کی

انسان نہ خود صفات انسانیت سے متصف ہو سکتا ہے اور نہ وہ دوسروں کو انسان بنا سکتا ہے جو لوگ مذکورالصدر دو فطری مسائل سے ناآشنا ہیں وہ زمرۂ انسانیت سے خارج ہیں اور جو لوگ ان مسائل کو غلط طریقہ سے سمجھے ہوئے ہیں وہ بڑے باکمال ہو جائیں تو ہو جائیں مگر انسان نہیں ہو سکتے۔

ادارتی گذارشات میں مذکورالصدر دو فطری مسائل کو مختلف انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر پھر بھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہوا۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرنا مقصود تھا کہ حیات انسانی یا فطرت انسانی کا دوسرا نام دین اسلام ہے افسوس کہ دین کے اس مفہوم سے دماغ ناآشنا ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی کو اسلام سے کوئی مناسبت نہیں رہی یہی دین جو کبھی غیروں کے لئے جاذب نظر تھا اب خود مسلمان اس سے قطع نظر کئے ہوئے ہیں۔

رسالہ کی پہلی جلد کا یہ آخری شمارہ ہے سال تمام کی مختصر کہانی بھی سن لیجئے۔ پانچسو رسالے طبع اور ساڑھے چار سو تقسیم کئے جاتے رہے۔ ارباب حکومت، اہل صحافت، رہبران ملت اہل علم ماہران تعلیم جدید، تجارت پیشہ، ملازمت پیشہ وکالت پیشہ، مذہب پیشہ سب کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں مگر ع ٹھنڈا نظر آیا ہمیں بازار محبت۔ ساڑھے چار سو کے منجملہ صرف ۱۳۵ حضرات نے بشرح مقررہ جو مالی تعاون فرمایا اس کی مجموعی مقدار (۸۱۰ روپیہ) منجملہ ان کے چند اہل خیر نے بطور عطیہ جو رقم عنایت فرمائی اس کی مقدار (۱۶۸۳) اس طرح جملہ (۲۴۹۳ روپیہ) وصول ہوئے۔ رسالہ کی طباعت و اشاعت کے اخراجات سالتمام (۲۳۴۸ روپیہ) وضع جانے کے بعد (۱۳۵) روپیہ سلک ہیں اللہ جل شانہٗ سوا کوئی نہیں جان سکتا کہ کل کیا ہونے والا ہے اگر آئندہ اشاعت کا سلسلہ جاری نہ رہے تو جن حضرات نے درمیان سال سے خریداری قبول فرمائی ہے ان کی بقیہ رقم واپس کر دی جائیگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاقی تصوف

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

سلسلہ ۵

یہی وجہ ہے کہ احیاء العلوم یا اسی کے قریب قریب تصوف میں ان کی جتنی چھوٹی بڑی کتابیں ہیں، سب میں سارا زور انہوں نے "علم المعاملہ" پر صرف کر دیا ہے، یعنی عمل کا مطالبہ جن شرعی معلومات کے متعلق کیا گیا ہے، اور ان کے نزدیک مقامات قرب تک پہونچنے کے لئے ان کی تعمیل کی جو بہترین شکلیں ہو سکتی ہیں، ان ہی پر بحث کرتے چلے گئے ہیں، یہ وہی باتیں ہیں، جن کی فہرست حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں دی تھی جن کا خلاصہ یہ تھا کہ

> آدمی ہر چیز سے الگ ہو کر خلوت اور تنہائی کی زندگی اختیار کرے، لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دے، اور زندگی کے ہر شعبہ میں نفس کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنا لے، اس راہ میں نفس کو ایسی حالت تک پہونچانے میں کامیابی حاصل کرے کہ گالی مار کسی چیز سے نفس میں کسی قسم کا ہیجان اور جوش پیدا نہو، لوگوں کی مذمت اور تعریف دونوں اس کی نگاہوں میں برابر ہو جائے (ایسی عبادتیں اور اعمال جن کی حیثیت زوائد) اور نوافل کی ہے ان کو جتنا بڑھا سکتا ہے بڑھائے اور ریا، خود پسندی، شہرت، غرور وغیرہ (نفس کے عیوب) کو خوب اچھی طرح سمجھ بوجھ لے اور ہمیشہ اس کی تلاش و جستجو میں رہے اسی طرح حلال لقمہ کے متعلق کامل احتیاط سے کام لے، شبہ کی

چیزوں کو چھوڑ دے اور نشست و برخواست، خورد و نوش اور زندگی کے
دوسرے شعبوں میں ان کے مقررہ آداب کا لازمی طور پر پابند ہو جائے

اگرچہ شاہ ولی اللہ کی اصل عبارت کا ترجمہ کے ساتھ پہلے ہی میں ذکر کر چکا ہوں لیکن اسی ترجمہ خلاصہ کو میں نے دوبارہ اس لئے دہرا دیا، تاکہ امام غزالیؒ کے طریقہ کا ایک بہترین خلاصہ شاہ ولی اللہؒ کے قلم نے جو نکالا ہے وہ لوگوں کے سامنے آجائے، کیونکہ براہ راست ان اجزائے کے لئے امام غزالیؒ کی اصل عبارتوں کو درج کرنے میں بڑی طوالت ہوتی، شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اگر اس کی توثیق کے لئے امام کے اصل عبارتوں کے مطالعہ کی کوئی ضرورت محسوس کرتا ہے تو عربی میں احیاء العلوم اور فارسی میں کیمیائے سعادت کا مطالعہ کافی ہو سکتا ہے۔

خاکسار نے حضرت امام کے اس طرز عمل پر تعجب کا جو اظہار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ "علم المکاشفہ" والے معلومات کے متعلق حالانکہ خود حضرت امام حجۃ الاسلام فرماتے ہیں کہ

هي غاية الطالبين و مطمح نظر الصديقين و علم المعاملة طريق اليه
ص ۲

طالبین حق کا اصل مقصود اگرچہ یہی معلومات یعنی علم المکاشفہ کے معلومات ہیں اور صدیقین کا حقیقی نصب العین (ان ہی معلومات تک رسائی ہے) اور معاملہ والا علم ان ہی معلومات تک پہنچنے کا راستہ ہے۔

لیکن اس اہمیت کے باوجود ان معلومات و معارف کا تذکرہ کتابوں میں پسند نہیں فرماتے بظاہر ان کا خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ "علم المعاملہ" کے معلومات پر عمل کرنے کے بعد "علم المکاشفہ" کے معلومات کا تجربہ براہ راست سالک کو خود ہونے لگتا ہے، ان کے الفاظ

علم المعاملة طريق اليه

علم المعاملہ تو علم المکاشفہ کے معلومات تک پہنچنے کا راستہ ہے۔

سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ تو خیر اجمالی اشارہ ہے انہوں نے تفصیل کے ساتھ دوسرے مقامات پر اس مسئلہ کو بیان بھی فرمایا ہے، احیاء العلوم کی تیسری جلد میں یہ بتاتے ہوئے

کاشفہ" کے معارف وحقائق کے حصول کا طریقہ صوفیہ کے نزدیک کیا ہے،
فرماتے ہیں کہ

"تصوف والوں کا رجحان تعلیمی وتدریسی علوم کی طرف نہیں ہے
بلکہ الہامی علوم کی طرف ہے، یہی وجہ ہے کہ ان میں پڑھنے پڑھانے کا شوق
نہیں پایا جاتا اور نہ مصنفوں کی تصنیف کردہ کتابوں کا مطالعہ کی طرف
ان کی توجہ ہوتی ہے"

بعد فرماتے ہیں

"بلکہ ان کا خاص طریقہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدات سے کام لیتے ہیں اور
نفس سے برے صفات اور اخلاق کا ازالہ کرتے ہیں، ہر چیز سے تعلقات
منقطع کرلیتے ہیں اور اپنی کامل توجہ وہمت کو حق تعالیٰ کی ذات پر مرکوز
کردیتے ہیں"

رماتے ہیں کہ جب یہ وہ کرلیتے ہیں تب

"خدا ہی ان کے قلب کا نگران بن جاتا ہے اور علم کے نور سے ان کے
دل کو روشن کردیتا ہے، ان کے سینے کھل جاتے ہیں اور ملکوت کے
اسرار ان پر واضح اور فاش ہوجاتے ہیں، الٰہی حقائق اور امور سے ان کے
قلوب جگمگا اٹھتے ہیں" ص۱۵ ج ۳۔

شفہ کے "معلومات" امام غزالیؒ کے نزدیک یہ ظاہر یہی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، انہوں نے
میں لکھا ہے کہ

"اس راہ میں بندے کا کام فقط اسقدر ہے کہ (علم المکاشفہ) کے ان
معلومات کے قبول کرنے اور اخذ کرنے کی اپنے اندر صلاحیت پیدا کرے
اور صادق ارادے کے ساتھ اپنی توجہ اور ہمت کو حاضر رکھے، اپنے اندر
سچی پیاس پیدا کرے اور اپنی رحمت کے جس دروازے کو حق تعالیٰ
اس پر کھولنے والے ہیں محض اس کے انتظار میں لو لگائے رکھے"

اسی قسم کی باتوں کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ

"(علم المکاشفہ کی ان باتوں کو) جنہیں خدا کی رحمت بندے پر کھولتی ہے ان کا حاصل کرنا بندے کے اختیار میں نہیں ہے، بلکہ بندے کا کام فقط اسقدر تھا کہ اپنے افعال و اعمال کے ذریعہ سے اس نے اس مقام پر اپنے آپ کو پہونچا دیا اسکے بعد رحمت الٰہی کے جھونکے کے انتظار میں وہ پڑا ہوا ہے، پس انتظار اور لو لگانے کے سوا اور بندے کے بس میں اسکے بعد کچھ نہیں ہے"

انہوں نے اس کے بعد لکھا ہے کہ

"ایسی حالت میں اگر بندے کے ارادے میں پختگی اور سچائی ہے اور اس کی توجہ و ہمت آلائشوں سے پاک ہو چکی ہے اور ضبط و نظم سے اس نے اپنے آپ کو اس حال میں پہونچا دیا ہے کہ نفسانی خواہشوں کی کس مکش سے اس کا دل آزاد ہو چکا ہے، اور دنیاوی جھگڑوں کے کے متعلق خطرات و وساوس کی آمد و رفت اسکے اندر بند ہو چکی ہے تب حق کی چمک اپنے قلب میں وہ پائیگا"

پھر یہ لاہوتی روشنی جو صوفی کے قلب میں چمک اٹھتی ہے، اسکی مختلف نوعیتوں کی تفصیل کے بعد آخر میں فرماتے ہیں،

ومنازل اولیاء اللّٰہ تعالیٰ فیہ لا تحصر ولا تحصی کما لا یحصی تفاوت خلقھم و اخلاقھم۔ ص۱۵ ۔	اولیاء اللہ کی منزلیں اس راہ میں بے شمار اور ان گنت ہیں جیسے ان کی شکل و صورت اور ان کے اخلاقی خصوصیتوں کے اختلافات کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

بہرحال "علم المعاملہ" کی حد تک تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ بندے کے اختیار کی چیز ہے اپنے الفاظ میں اسی کی تعبیر انہوں نے یہ کی ہے کہ

قد یرجع ھذا بطریق	اس طریقہ کا حاصل صرف یہ ہوا کہ (علم المعاملہ)

تطهير محض من ... ب وتصفية وجلاء ... استعداد وانتظار فقط ... ص ۱۵ ج ۳

کے مطالبوں کی تکمیل کر سکے) آدمی کا کام فقط یہ ہے کہ اپنے آپ کو وہ پاک و صاف کرلے جس قدر صیقل کر سکتا ہو، یہ صیقل کر دینے کے بعد (علم المکاشفہ کے معارف) کے قبول کرنے کی صلاحیت و تیاری اور ان کا انتظار، بس یہی اس کے اختیار کی آخری حد ہے۔

امام نے اسی کتاب احیاء العلوم کی دوسری جلد میں "صوفیوں" کے اس طریقہ خاص ...ں کے نتائج پر متنبہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

...وفی لا يتكلم الا عن ... ـه۔ ص ۱۶۵۔

صوفی جو کچھ بھی بیان کرتا ہے وہ صرف اپنے ذاتی حال ہوتا ہے۔

یعنی وہ صرف اپنی "شخصی یافت" اور "وجدان" کے تاثرات کو بیان کرتا ہے، ...نے ہیں کہ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ

...ئل منهم مائة يسمع منهم ... ب مختلفه۔ ص ۱۶۵۔

اگر ایک ہی سوال کو ان ہی سے صوفیوں سے تم پوچھو گے تو مختلف جواب تم کو اپنے اس ایک سوال کا ملیگا۔

امام نے لکھا ہے کہ اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان میں کوئی غلط بیانی سے کام لیتا ہے خلاف واقعہ امر کی خبر دیتا ہے بلکہ

...لک کله حق من وجه ... ه خبر كل واحد عن حاله ... ا غلب على قلبه۔

ہر جواب اپنے خاص پہلو کے رو سے صحیح ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک اپنے حال سے اور اسکے قلب پر جو چیز غالب ہوتی ہے اسی سے خبر دیتا ہے۔

ایک مثال بھی اسکی دی ہے کہ ظہر کی نماز کے لئے یہ مسئلہ کہ آفتاب خط استوا سے ...ہ گیا یعنی زوال کے پتہ چلانے کا کیا طریقہ ہے؟ ظاہر ہے کہ مختلف اقالیم والوں کا ...ب اس میں مختلف ہوگا مثلاً کوئی کہے گا کہ گرمیوں میں دو قدم کے برابر سایہ جب ہو جائے

اسی قسم کی باتوں کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ

"علم المکاشفہ کی ان باتوں کو جنہیں خدا کی رحمت بندے پر کھولتی ہے ان کا حاصل کرنا بندے کے اختیار میں نہیں ہے، بلکہ بندے کا کام فقط استعداد پیدا کرنا تھا کہ اپنے افعال و اعمال کے ذریعہ سے اس نے اپنے مقام پر اپنے آپ کو پہونچا دیا اسکے بعد رحمت الہی کے جھونکے کے انتظار میں وہ پڑا ہوا ہے، پس انتظار اور لو لگانے کے سوا اور بندے کے بس میں اسکے بعد کچھ نہیں ہے"

انہوں نے اس کے بعد لکھا ہے کہ

"ایسی حالت میں اگر بندے کے ارادے میں پختگی اور سچائی ہے اور اس کی توجہ و ہمت آلائشوں سے پاک ہو چکی ہے اور ضبط و نظم سے اس نے اپنے آپ کو اس حال میں پہونچا دیا ہے کہ نفسانی خواہشوں کی کس مکش سے اس کا دل آزاد ہو چکا ہے، اور دنیاوی جھگڑوں کے کے متعلق خطرات و وساوس کی آمد و رفت اسکے اندر بند ہو چکی ہے، تب حق کی چمک اپنے قلب میں وہ پائیگا"

پھر یہ لاہوتی روشنی جو صوفی کے قلب میں چمک اٹھتی ہے، اسکی مختلف نوعیتوں کی تفصیل کے بعد آخر میں فرماتے ہیں،

ومنازل اولیاء اللّٰہ تعالیٰ فیہ لاتحصر ولا تحصی کما لا یحصی تفاوت خلقھم و اخلاقھم۔ ص ۱۵

اولیاء اللہ کی منزلیں اس راہ میں بے شمار اور ان گنت ہیں جیسے ان کی شکل و صورت اور ان کے اخلاقی خصوصیتوں کے اختلافات کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

بہرحال "علم المعاملہ" کی حد تک تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ بندے کے اختیار کی چیز ہے اپنے الفاظ میں اسی کی تعبیر انہوں نے یہ کی ہے کہ

قد یرجع ھذا الطریق

اس طریقہ کا حاصل صرف یہ ہوا کہ "علم المعاملہ

الی تطہیر محض من جانبک وتصفیۃ وجلاء ثم استعداد وانتظار فقط ص۱۵ ج ۳

کے مطالبوں کی تکمیل کر کے) آدمی کا کام فقط یہ ہے کہ اپنے آپ کو وہ پاک و صاف کر لے جسقدر صیقل کر سکتا ہو صیقل کرے اس کے بعد (علم المکاشفہ کے معارف) کے قبول کرنے کی صلاحیت وتیاری اور ان کا انتظار، بس یہی اس کے اختیار کی آخری حد ہے۔

امام نے اسی کتاب احیاء العلوم کی دوسری جلد میں "صوفیوں" کے اس طریقہ خاص اور اس کے نتائج پر متنبہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

الصوفی لایتکلم الا عن حالہ۔ ص۱۶۵

صوفی جو کچھ بھی بیان کرتا ہے وہ صرف اس کا ذاتی حال ہوتا ہے۔

یعنی وہ صرف اپنی "شخصی یافت" اور "وجدان" کے اثرات کو بیان کرتا ہے، فرماتے ہیں کہ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ

انہ سئل منہم مائۃ یسمع منہم جواب مختلفہ۔ ص۱۶۵

اگر ایک ہی سوال کو ان میں سے صوفیوں سے تم پوچھو گے تو مختلف جواب تم کو اپنے اس ایک سوال کا ملیگا۔

امام نے لکھا ہے کہ اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان میں کوئی غلط بیانی سے کام لیتا ہے یا کسی خلاف واقعہ امر کی خبر دیتا ہے بلکہ

وذلک کلہ حق من وجہ فانہ خبر کل واحد عن حالہ وما غلب علی قلبہ۔

ہر جواب اپنے خاص پہلو کے رو سے صحیح ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک اپنے حال سے اور اسکے قلب پر جو چیز غالب ہوتی ہے اسی سے خبر دیتا ہے۔

ایک مثال بھی اسکی دی ہے کہ ظہر کی نماز کے لئے یہ مسئلہ کہ آفتاب خط استواء سے ڈھل گیا یعنی زوال کے پتہ چلانے کا کیا طریقہ ہے؟ ظاہر ہے کہ مختلف اقالیم والوں کا جواب اس میں مختلف ہوگا مثلاً کوئی کہے گا کہ گرمیوں میں دو قدم کے برابر سایہ جب ہوجائے

تب سمجھنا چاہیئے کہ زوال ہو گیا، کوئی نصف قدم کوئی سات قدم کوئی پانچ قدم کہے گا بظاہر ان جوابوں میں اختلاف نظر آتا ہے لیکن درحقیقت ایک کا جواب اپنے اقلیم و اپنے علاقے کے عرض بلد اور طول بلد کے حساب سے ہے امام صاحب نے فرمایا کہ صوفیوں کے اختلافات کی نوعیت بھی یہی ہے یعنی ہر ایک اپنے قلبی مکاشفات اور واردات سے مطلع کرتا ہے اس حد تک فرماتے ہیں کہ ان سب کے بیانات صحیح ہیں لیکن اسکے بعد یہ طریقہ عمل کہ اپنی "یافت" اور "وجدان" کے سوا دوسروں کی یافت و وجدان کو غلط ٹھہرانا یہ صحیح نہیں ہے، آپ نے لکھا ہے کہ اس قسم کے بے جا اصرار کے معنی یہی ہونگے جیسے زوال والے مسئلہ میں ہر ایک اسی کو صحیح قرار دے جس کا مشاہدہ اس نے اپنی اقلیم میں کیا ہے، فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ

ان العالم کلہ بلدہ او ھو مثل بلدہ ص۱۶۵ ج۳ — سارا عالم اسکا شہر ہے اور اسکے شہر کے مانند ہے۔

اس طریقے سے سلوک کی راہ طے کرنے والے صوفیوں کے متعلق آخر میں بے ساختہ آپ کے قلم سے یہ دلچسپ فقرہ نکل گیا ہے کہ

ولذلک لاتری منهم اثنین یثبت احدهما صاحبه قدما فی التصوف او یثنی علیه بل کل واحد منهم یدعی انه الواصل الی الحق ص۱۶۵ ج۳	اور اسی لئے تم نہ پاؤگے اس قسم کے صوفیوں میں دو آدمیوں کو بھی جو دوسرے کے متعلق یہ کہتا ہو کہ تصوف میں اس کا مقام درست ہے اور صحیح قدم اس نے اس راہ میں اٹھایا ہے، یا ایک ان میں دوسرے کی تعریف کرے بلکہ ان میں ہر صوفی اس کا مدعی ہوتا ہے کہ وہی واصل الی الحق ہے یعنی حق تک اسی کی رسائی ہوئی ہے

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں سلوک کی اس راہ میں جو واقعات پیش آتے ہیں امام حجۃ الاسلام ان سے ناواقف نہیں ہیں لیکن بایں ہمہ ان کا سارا زور تصوف میں اسی "علم المعاملہ" پر صرف ہوا ہے۔

اور "علم المعاملہ" میں بھی ان کی کتابوں میں سب سے زیادہ اہمیت جیسا کہ سب جانتے ہیں، اس حصہ کو دی گئی ہے جسے "اخلاقیات" کہتے ہیں "اخلاقیات" کے میدان میں جب وہ اترتے ہیں تو

یہی نہیں کہ قرب ہی کے لئے بلکہ مطلق نجات کے متعلق اس قسم کے الفاظ ان کے قلم سے نکلنے لگتے ہیں مثلاً فرماتے ہیں

من اراد النجاة فلا نجاة له الا بالعمل الصالح ولا تصدر الاعمال الصالحة الا عن الاخلاق الحسنة فليتفقد كل عبد صفاته واخلاقه وليعددها وليشتغل بعلاج واحد واحد فيها على الترتيب۔ ص۲۷۔

جو نجات چاہتا ہے تو اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ عمل صالح کے بغیر نجات حاصل نہیں ہو سکتی، اور عمل صالح صادر نہیں ہو سکتے جب تک کہ اخلاق درست نہ ہوں پس چاہئے کہ ہر شخص اپنے صفات اور اپنے اخلاق کی جستجو و تلاش میں رہے اور ان کو گن گن کر ہر ایک کے علاج میں ترتیب کے ساتھ مشغول ہو۔

احیاء العلوم کی اسی جلد کے دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ

واغمض انواع علوم المعاملة الوقوف على خدع النفس ومكائد الشيطان وذلك فرض عين على كل عبد وقد اهمله الخلق ص۲۳

اور سب سے زیادہ گہرا علم المعاملہ کے علوم میں یہ ہے کہ نفس کے دھوکوں اور شیطان کی چالوں سے واقفیت حاصل کی جائے اور یہ ہر بندے پر فرض عین ہے لیکن عام خلقت نے اسکو چھوڑ رکھا ہے۔

پھر یہ ارقام فرمانے کے بعد کہ "وسواس" کے مرض سے جب تک نجات نہ ہو لے گی، اخلاقی تصحیح پر بھی آدمی قادر نہیں ہو سکتا اس لئے فرماتے ہیں

ولا ينجي من كثرة الوسواس الا بسد ابواب الخواطر وابوابها الحواس الخمس وابوابها من داخل الشهوات وعلائق الدنيا والخلوة في بيت مظلم تسد باب الحواس

اور وسواس کی شدت و کثرت سے نجات میسر نہیں آ سکتی جب تک دل میں آنے والے خطرات کا دروازہ بند نہ کیا جائے اور یہ دروازے آدمی کے پانچوں حواس تو باہر ہیں اور اندرونی دروازے جن سے خطرات داخل ہوتے ہیں وہ آدمی کی خواہشیں ہیں اور دنیا کے تعلقات ہیں

وتجرد عن الاهل والمال يقلل مداخل الوسواس من الباطن ۔ ص۲۳ ۔

پس کسی تاریک حجرے میں تنہا بیٹھنا اسی تو وہ اس کے دروازے بند ہوتے ہیں اور بال بچوں مال کے جھگڑوں سے علٰحدگی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اندر کے وسوسوں کے آنے کی راہ کم ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ گو امام کے حقیقی خیالات تو وہی ہیں جن کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ "علم المعاملہ" کے تفصیلات میں ان کا قلم جب مشغول ہوا ہے، تو اس وقت بکثرت ایسی چیزیں لکھتے چلے گئے ہیں جن سے ایسے نتائج نکالے جا سکتے ہیں جو شاید ان کے سابق الذکر نظریات کے مخالف ہوں، اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مجموعی طور پر ان کی تصوف کی کتابوں میں سب سے زیادہ اہمیت "اخلاقیات" ہی کے مباحث کو دی گئی ہے، ان کا خیال ہے اور اس خیال کو مختلف الفاظ میں وہ دہراتے چلے گئے ہیں کہ

نكاية الاخلاق الردية على صحيح القلب اخشى ان تدوم بعد الموت ابدا او الفا من السنين ص۲۴

بُرے اور ردی اخلاق کے بُرے نتائج کے متعلق مجھے اندیشہ ہے کہ موت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ ان کا اثر قائم رہتا ہے یا ہزار ہا ہزار سال تک ان کے اثرات سے نجات میسر نہیں آتی۔

ان ہی "اخلاق ردیہ" جن کا دوسرا نام ان کی اصطلاح میں "مرض القلب" بھی ہے ان ہی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

مرض البدن يتخلص منه بالموت ومرض القلب والعياذ بالله مرض يدوم بعد الموت ابد الاباد ۔ ص۲۵ ۔

بدن کی بیماری سے تو موت کے آدمی کو نجات مل جاتی ہے لیکن دل کا روگ اللہ کی پناہ ایسا مرض ہے جو موت کے بعد بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آدمی کے ساتھ رہ جاتا ہے۔

اسی بنیاد پر اپنی کتاب کے ان حصوں کو جو اخلاقی مباحث پر مشتمل ہیں انہوں نے بلحاظ نتائج ابدی اتنی اہمیت دی ہے کہ رذائل اخلاق مثلاً غصہ کینہ حسد بخل جاہ

ریا کبر خودپسندی کا ذکر کتاب کے جس حصہ میں کیا گیا ہے' اس کا نام ہی انہوں نے "مہلکات" یعنی تباہ کردینے والی چیزیں" رکھا ہے۔

اور گو حجۃ الاسلام کی ان کتابوں یعنی احیاء العلوم اور کیمیاء سعادت وغیرہ میں کیا کچھ نہیں ہے لیکن اخلاقی مسائل کے سلسلہ میں حضرت امام نے جن عجیب وغریب نفسیاتی موشگافیوں اور حیرت انگیز نکتہ نوازیوں سے کام لیا ہے' اس کا نتیجہ ہے کہ ان کی اس قسم کی ساری کتابیں "اخلاقیات" یا اخلاقیاتی تصوف کی کتابیں پڑھنے والوں کو نظر آتی ہیں' وہ خود بھی ان اخلاقی مسائل سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا کو بھی چاہتے ہیں کہ ہر چیز سے ہٹ کر اخلاق وغرائز کی ان الجھنوں کے سلجھانے میں اپنی زندگی وقف کردے

یقیناً سوال ہوتا ہے کہ اخلاق رذیلہ کے نتائج ابدی سے حضرت امام کے ان غیر معمولی تاثرات کے اسباب کیا ہیں؟ خصوصاً ان کا یہ دعویٰ کہ ابدالآباد یعنی ہزارہا ہزار سالوں تک مرنے کے بعد بھی آدمی کی روح رذائل اخلاق کے زہریلے نتائج کو بھگتی رہتی ہے آخر اس دعویٰ کی بنیاد کیا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ ان اخلاقی نقائص وعیوب کی اصلاح کی طرف جیسے دنیا کے عام مذاہب میں توجہ دلائی گئی ہے اسلام جو سارے ادیان کا آخری خلاصہ یا آخری اڈیشن ہے' اس میں بھی اخلاقی تعلیم وتربیت کا ایک اہم باب ہے' جہاں تک قرآن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے' جستہ جستہ مقامات میں ان اخلاقی مسائل کی طرف اس میں کافی اشارے پائے جاتے ہیں' جن میں کینہ حسد ریا وغیرہ اخلاقی رذائل سے بچنے کا مستقلاً مطالبہ کیا گیا ہے' نیز قرآن کے مقابلہ میں "اخلاقی قوانین وضوابط" کا زیادہ سرمایہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں بھی ملتا ہے۔

"اخلاقیات جیسے دوسرے ادیان ومذاہب کا ایک اہم عنصر ہے' اسلام میں ان کی کامل وجامع تعلیم موجود ہے' سلفاً عن خلف علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے' لیکن یہاں گفتگو ان لازوال اور ابدی خطرات کے متعلق ہے' جن کا اظہار حضرت امام

[illegible] یہ ہے کہ آخرالذکر کے اس [illegible]
کی بنیاد کیا ہے کتاب و سنت کو ان کے پیش کردہ خطرات کا ماخذ قرار دیا گیا۔
بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تفہیمات میں جو یہ ارقام فرمایا ہے کہ

امام غزالیؒ در احیاء و کیمیا از رذائل اخلاق تخویفہا کردہ است، و جزم کردہ کہ بداں مواخذہ ہا خواہد بود، نزدیک این فقیر بعد از امعان نظر در تجلی جہنم آنچہ واضح گردید آں است کہ در آدمی سہ اصناف قوی آفریدہ اند، طبعیہ و ادراکیہ و قلبیہ آنجا ہر مواخذہ کہ ہست از قوی قلبیہ ست باز قوی قلبیہ دو نوع اند، حیات کہ در اصل نسمہ آفریدہ اند، و افاعیل ذمیمہ شرح و بیان آں گشتہ، و حیات طاریہ بسبب ازدحام بنی نوع چوں ریاء و سمعہ و غیرہا بالغۃ الی الحد الاقصی و کذلک طول الامل و الحرص الحسد

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں آدمی کے برے اخلاق سے بہت زیادہ ڈرایا ہے اور یقین کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ اخلاقی رذائل کے متعلق گرفت ہوگی لیکن اس فقیر نے جہنم کی تجلی کو جب غور سے دیکھا تو مجھ پر یہ واضح ہوا کہ آدمی میں تین قسم کی قوتیں پیدا کی گئی ہیں یعنی قوت طبعیہ قوت ادراکیہ اور قوت قلبیہ جہنم میں جو کچھ دارو گیر ہوگا اس کا تعلق قوت قلبیہ ہی سے ہے[1] پھر قلبی قوت کی بھی دو قسمیں ہیں یعنی آدمی کی جان نسمہ میں جو کیفیتیں پیدا کی گئی ہیں برے کام ان ہی کیفیتوں کے آثار کی تفصیل ہے اور دوسری قسم جو باہم بنی آدم کے ملنے جلنے سے آدمی کے قلب میں جو کیفیتیں

[1] شاہ صاحب کے اصطلاحات سے جو واقف نہیں ہیں اجمالاً ان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ طبعی قوی مثلاً جن کی وجہ سے آدمی گورا کالا پستہ قد دراز قد ہوجاتا ہے یا بچپن جوانی بڑھاپا وغیرہ جیسے آثار کا تعلق طبعی قوتوں سے ہے ظاہر ہے کہ گورے کالے ہونے پر کسی کی کیا گرفت ہوگی، باقی دیکھنا سننا وغیرہ ان کا تعلق ادراکی قوتوں سے ہے براہ راست ان احساسات سے بھی مواخذہ کا تعلق نہیں ہے اسی لئے حدیثوں میں آیا ہے کہ غیر محرم عورت کے چہرے پر اچانک آدمی کی نظر اگر پڑ جائے تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا، البتہ ارادے کو شریک کرکے پھر جب دیکھے گا تب گرفت ہوگی اور سارے افعال جن کا تعلق ارادے سے ہے ان ہی کو شاہ صاحب قلبیہ یعنی ارادہ و اختیار کی طرف منسوب فرماتے ہیں پس ساری گرفت کا تعلق ان ہی سے ہے تفصیل کے لئے ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے ۱۲

...ہر؛ اذا لم تفن فیہ النفس بل
...ت بہ الما ما، ہر مواخذہ کہ ہست
...قسم اول ست نہ ثانی، در ثانی
...خویشتا خواہد بود، آنگاہ مردے
...نظر انگند، واں گراہ ایں نظر
...ردا ارد ایں امر ست کہ در مر ایں
...آں حاکم نباشد الاعمال الناقشہ
...نی خبر فاذا غابت تنمحی، اما
...اول بہ مثال قید حدید
...دا گرد مرد گردد و وی بد ان
...نالم شود، و اخلاص نیابد، الا
...عصور و حصور، از یں قسم
...ب شرک جلی ست، بلکہ
...اے از خفی نیز اعاذنا اللہ من
...ع ذلک قال اللہ تعالیٰ
...الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش
...اللمم (ان ربک واسع المغفرت)
(ص ۲۱ تفہیمات ج ۲)

پیدا ہوتی ہیں، مثلاً ریا شہرت کی خواہش خواہ جسم وعم تک یہ چیزیں پہنچ جائیں، اسی طرح طول امل (درازی آرزو) لالچ حسد وغیرہ کا تعلق بھی اس دوسری قسم کی قلبی کیفیتوں سے ہے، بشرطیکہ نفس ان ہی کیفیتوں میں فانی نہ ہو جائے اور پورے طور پر اسی میں ڈوب جائے۔

بہرحال مواخذہ اور گرفت آخرت میں جو کچھ بھی ہوگی وہ قلب کی پہلی قسم کی کیفیتوں سے اس کا تعلق ہے نہ کہ دوسری قسم سے، البتہ دوسری قسم کی کیفیتوں کی وجہ سے مرنے کے بعد خاص قسم کی پریشانیوں اور تشویشوں میں لوگ مبتلا ہوں گے پھر آدمی کی نظر حق تعالیٰ پر پڑے گی اور اس راہ اسی نظر کے بعد وہ پار نکل جائیگا، قلب کی ان کیفیتوں کے متعلق جو اخلاقی رذائل پیدا ہوتے ہیں ان کو دیکھنا چاہیئے کہ آدمی پر ان کا اثر کس وقت ظاہر ہوتا ہے، جس وقت وہ اپنے ابنائے جنس سے مقابلہ میں آدمی مشغول ہو اگر ان کا ظہور اسی وقت ہوتا ہو اور جب مقابلہ کا حال جاتا رہے تو ان کا اثر بھی جاتا رہے، ان کیفیتوں کے اسی حال کی تعبیر امارہ سے کرتے ہیں۔

لیکن قلب کی کیفیتوں کی پہلی قسم جو آدمی کے نسمہ میں ہوتی ہیں اور لوگوں کے میل جول سے انکی پیدائش کا تعلق نہیں ہے، انکی حالت دوسری ان کیفیتوں کے بڑے پہلوؤں کی حالت تو لوہے کی زنجیر جیسی معلوم ہوتی ہے جو آدمی کے چاروں طرف جکڑ کا ہوا ہو، اس آدمی و کھ مستلا کر رہا ہو اس کیفیت سے نجات بلاشبہ ایک زمانہ طویل کے

...ہوگی، بدترین قسم اس کی شرک جلی ہے بلکہ شرک خفی کی بھی بعض قسموں کا اثر یہی ہے، حق تعالیٰ ...کی اسی اپنی بیانوں میں کہے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر کچھ ... تو بے شک تیرا پروردگار مغفرت میں وسعت سے کام لینے والا ہے

شاہ صاحب نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اسکی تفصیل میں تو بڑی طوالت ہوگی، جن لوگوں نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور انکے خصوصی اصطلاحات سے واقف ہیں، وہی صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ انکی غرض کیا ہے لیکن اجمالاً اتنی بات تو عمومی طور پر بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ "رذائل" کی طویل فہرست حجۃ الاسلام نے اپنی کتابوں میں جو پیش کی ہے اور ہر ایک کے آثار و نتائج قریب قریب انکے نزدیک ایک ہی نوعیت کے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ کو اس سے اختلاف ہے، خصوصاً جن رذائل کے آثار کا ظہور معاشرتی زندگی میں باہمی میل جول کے ضمن میں ہوتا ہے، مثلاً ریا، شہرت کی خواہش، حسد و حرص وغیرہ، عام حالات میں شاہ ولی اللہ اخروی زندگی کے لحاظ سے ان کو اور ان کے آثار و نتائج کو اتنا خطرناک نہیں سمجھتے جتنا خطرہ حجۃ الاسلام کی کتابوں میں ان کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے، خصوصاً جن فلسفیانہ موشگافیوں، یا نفسیاتی دقیقہ سنجیوں سے حضرت حجۃ الاسلام نے "اخلاقیات" کے مذکورۂ بالا مسائل میں کام لیا ہے، تفہیمات ہی میں ان ہی کا دوسری جگہ ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہوئے یعنی

الاخلاق الدقیقۃ کالذی یھدی الیہ الاحیاء والکیمیاء من دقائق الریاء والسمعۃ وآفات اللسان والجنان ونحوھا

(ص۱۳۵ ج ۲ تفہیمات)

اخلاقی مسائل کے متعلق جن موشگافیوں سے کام لیا جاتا ہے جیسے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں ریاء اور شہرت اور زبان کی آفتوں، دل کی آفتوں وغیرہ امور کا ذکر جس طریقے سے کیا گیا ہے۔

یہ ارقام فرمانے کے بعد شاہ صاحب اپنی ذاتی رائے یہ ظاہر فرماتے ہیں کہ

فلیس بشیء

یہ ساری موشگافیاں کچھ نہیں ہیں۔

بہرحال "اخلاقی رذائل" کے اخروی اور روحانی نتائج و آثار کے متعلق علاوہ کتاب و سنت کے آپ دیکھ رہے ہیں کہ خود اسی راہ کے ایک "سالک خبیر" کے یہ خیالات ہیں، اور اسکو بھی جاتے دیجئے، اصل سوال یہ ہے کہ "تصوف" جو دراصل "مقام احسان" یعنی عبد و معبود کے درمیان علاوہ غائبانہ قانونی تعلقات کے براہ راست حضوری و شہودی

بتوں کے قائم کرنے کی کوشش کا نام ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس نصب العین
ے لحاظ سے ان اخلاقی موشگافیوں کی کیا اہمیت ہے ؟ جہاں تک حضرت امام کے
ان سے معلوم ہوتا ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ علم المکاشفہ کے معارف وحقائق کے
ول کرنے کی صلاحیت آدمی میں اس وقت تک نہیں پیدا ہوسکتی جب تک کہ نہ صرف
ا ہر بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرورت اسکی ہے کہ اپنے باطن کو ہر قسم کی تشویشوں اور
راگندگیوں سے پاک کرکے ایک ہی لو اور ایک ہی خیال میں بالکلیہ ڈوب جائے چونکہ
ذائل اخلاق کو بھی باطنی تشویشات اور پراگندگیوں کی ہلچل پیدا کرنے میں کافی دخل ہے
س لئے باطنی سکون وجمود کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ان رذائل کا ازالہ کیا جائے
مگر جب خود حجۃ الاسلام ہی کی زبانی آپ سن چکے کہ سلوک کی اس تجریدی وتفریدی
مل کے بعد بھی "مکاشفات" یا "معارف" کا جو سرمایہ اس راہ کے چلنے والوں کو میسر آتا ہے
ہ حد سے زیادہ مقید اور محدود ہوتا ہے، اسی کا نتیجہ جیسا کہ وہی فرما چکے ہیں یہ ہے کہ
س راہ کے صوفیوں میں دو صوفی بھی کسی ایک مسئلہ میں متفق نظر نہیں آتے اور اس
جہ سے جیسا کہ ان ہی کا بیان ہے کبھی ایک صوفی دوسرے صوفی کے "واصل بحق"
ہونے کی تصدیق نہیں کرتا، بلکہ ان میں ہر ایک صرف اپنے آپ ہی کو "واصل بحق"
سمجھتا ہے۔

اور یہ تو اس وقت ہے، جب اپنی اس تجریدی وتفریدی کوششوں کی بدولت
علم المکاشفہ کے بعض معارف وحقائق کے حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوا ہو، ورنہ پہلے بھی
ان کا قول نقل کرچکا ہوں کہ اس قسم کے صوفی کا کام صیقل گری کے بعد صرف انتظار رہ جاتا ہے،
لیکن ان معارف وحقائق کا حصول یہ اسکے اختیار کی بات نہیں ہے، اور صیقل گری میں بھی
یعنی ہر قسم کے وساوس اور تشویشوں سے آدمی کو کلی نجات مل جائے امام فرماتے ہیں کہ
زندگی کی کسی منزل میں یہ موقع میسر نہیں آسکتا، ان ہی باتوں کا ذکر کرکے احیاء العلوم
فرماتے ہیں کہ

هذا المجاهدة لا آخر لها الا الموت ص ۲۳ ج ۱ ۔ یہ مجاہدات ایسے ہیں جنکی انتہا موت کے سوا نہیں ہوسکتی

شاہ صاحب نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اسکی تفصیل میں تو بڑی طوالت ہوگی جن لوگوں نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور انکے خصوصی اصطلاحات سے واقف ہیں وہی صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ انکی غرض کیا ہے لیکن اجمالاً اتنی بات تو عمومی طور پر بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ "رذائل" کی طویل فہرست حجۃ الاسلام نے اپنی کتابوں میں جو پیش کی ہے اور ہر ایک کے آثار و نتائج قریب قریب انکے نزدیک ایک ہی نوعیت کے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ کو اس سے اختلاف ہے، خصوصاً جن رذائل کے آثار کا ظہور معاشرتی زندگی میں باہمی تعلقات کے ضمن میں ہوتا ہے، مثلاً ریا، شہرت کی خواہش، حسد و حرص وغیرہ، عام حالات نیز شاہ ولی اللہؒ اخروی زندگی کے لحاظ سے ان کو اور ان کے آثار و نتائج کو اتنا خطرناک نہیں سمجھتے جتنا خطرہ حجۃ الاسلام کی کتابوں میں ان کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے، خصوصاً جن فلسفہ موشگافیوں، یا نفسیاتی دقیقہ سنجیوں سے حضرت حجۃ الاسلام نے "اخلاقیات" کے مذکورہ بالا مسائل میں کام لیا ہے، تفہیمات ہی میں ان ہی کا دوسری جگہ ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہوئے یعنی

الاخلاق الدقیقہ کالذی یہدی الیہ الاحیاء والکیمیاء من دقائق الریاء والسمعۃ وآفات اللسان والجنان وغیرھا
(ص ۱۲۵ ج ۲ تفہیمات)

اخلاقی مسائل کے متعلق جن موشگافیوں سے کام لیا جاتا ہے جیسے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں ریاء اور شہرت اور زبان کی آفتوں دل کی آفتوں وغیرہ امور کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے۔

یہ ارقام فرمانے کے بعد شاہ صاحب اپنی ذاتی رائے یہ ظاہر فرماتے ہیں کہ

فلیس بشیء

یہ ساری موشگافیاں کچھ نہیں ہیں۔

بہرحال "اخلاقی رذائل" کے اخروی اور روحانی نتائج و آثار کے متعلق علاوہ کتاب و سنت کے آپ دیکھ رہے ہیں کہ خود اسی راہ کے ایک "سالک خبیر" کے یہ خیالات ہیں، اور اسکو بھی جانے دیجئے، اصل سوال یہ ہے کہ "تصوف" جو دراصل مقام احسان یعنی عبد و معبود کے درمیان علاوہ غائبانہ قانونی تعلقات کے براہ راست حضوری و شہود

نسبتوں کے قائم کرنے کی کوشش کا نام ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس نصب العین کے لحاظ سے ان اخلاقی موشگافیوں کی کیا اہمیت ہے؟ جہاں تک حضرت امام کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ علم المکاشفہ کے معارف وحقائق کے قبول کرنے کی صلاحیت آدمی میں اس وقت تک نہیں پیدا ہوسکتی جب تک کہ نہ صرف ظاہر بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرورت اسکی ہے کہ اپنے باطن کو ہر قسم کی تشویشوں اور پراگندگیوں سے پاک کرکے ایک ہی لو اور ایک ہی خیال میں بالکلیہ ڈوب جائے چونکہ رذائل اخلاق کو بھی باطنی تشویشات اور پراگندگیوں کی ہلچل پیدا کرنے میں کافی دخل ہے اس لئے باطنی "سکون" "وجمود" کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ان رذائل کا ازالہ کیا جائے

مگر جب خود حجۃ الاسلام ہی کی زبانی آپ سن چکے کہ سلوک کی اس تجریدی تفریدی عمل کے بعد بھی "مکاشفات" یا "معارف" کا جو سرمایہ اس راہ کے چلنے والوں کو میسر آتا ہے وہ حد سے زیادہ مقید اور محدود ہوتا ہے، اسی کا نتیجہ جیسا کہ وہی فرما چکے ہیں یہ ہے کہ اس راہ کے صوفیوں میں "دو صوفی بھی کسی ایک مسئلہ میں متفق نظر نہیں آتے اور اسی وجہ سے جیسا کہ ان ہی کا بیان ہے کبھی ایک صوفی دوسرے صوفی کے "واصل بحق" ہونے کی تصدیق نہیں کرتا، بلکہ ان میں ہر ایک صرف اپنے آپ ہی کو "واصل بحق" سمجھتا ہے۔

اور یہ تو اس وقت ہے، جب اپنی اس تجریدی و تفریدی کوششوں کی بدولت علم المکاشفہ کے بعض معارف وحقائق کے حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوا ہو، ورنہ پہلے بھی ان کا قول نقل کر چکا ہوں کہ اس قسم کے صوفی کا کام صیقل گری کے بعد صرف انتظار رہ جاتا ہے لیکن ان معارف وحقائق کا حصول یہ اسکے اختیار کی بات نہیں ہے" اور "صیقل گری" میں کمی یعنی ہر قسم کے وساوس اور تشویشوں سے آدمی کو کلی نجات مل جائے امام فرماتے ہیں کہ زندگی کی کسی منزل میں یہ موقع میسر نہیں آسکتا" ان ہی باتوں کا ذکر کرکے احیاء العلوم فرماتے ہیں کہ

هذا المجاهدة لا آخر لها إلا الموت ص۲۳ ج۱ — یہ مجاہدات ایسے ہیں جنکی انتہا موت کے سوا نہیں ہوسکتی

بس کا مطلب یہی ہوا کہ آخری سانس تک بھی ایسی منزل اس راہ میں چلنے والوں کو نہیں
تی جس پر پہونچنے کے بعد وہ دعوی کر سکتے ہوں کہ وساوس اور باطنی پراگندگیوں سے
ہمیشہ کے لئے وہ نجات یاب ہو گئے" چند الفاظ کے بعد پھر لکھتے ہیں کہ

انه مادام حیا فابواب الشیطان مفتوحة الی قلبه لا تنغلق وهی الشهوة، والغضب، والحسد والطمع والشرہ وغیرها. ج۳ ص۲۳	کیونکہ آدمی جب تک جیتا رہتا ہے اس وقت تک شیطان کے دروازے اس کے قلب کی طرف کھلے رہتے ہیں اور وہ بند نہیں ہوتے یعنی شہوت (خواہش) غصہ حسد حرص لالچ وغیرہ

خلاصہ یہ ہے کہ تصوف کا جو حقیقی نصب العین ہے، اس نصب العین کے حاصل
لینے میں کامیاب ہو جانے کے بعد خود بخود ان رذائل اخلاق کی تصحیح ہو جاتی ہے جیسا کہ
اہ ولی اللہ نے "طریقہ غزالیہ" کے مقابل دوسرے طریقہ کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ

د بخود اوصاف رذیلہ منطمس خواہد شد. ص۱۴۳ انفاس	خود بخود برے اوصاف مٹ کر رہ جاتے ہیں۔

انشاء اللہ آئندہ اس طریقہ کا ذکر تفصیل سے کیا جائیگا، سوال یہی ہے کہ اس کے
خلاف امام حجۃ الاسلام نے ان رذائل اخلاق کی تصحیح و اصلاح پر صوفیانہ نصب العین
کے حصول کو جو موقوف قرار دیا ہے گویا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس چیز
کی حیثیت آثار و نتائج کی ہے امام حجۃ الاسلام نے اسکو اسباب و علل کا مقام عطا کیا ہے
اسی بناپر "اخلاقیات" کے ان مباحث اور مسائل کو ان کے یاں آتنی اہمیت جو حاصل
ہی آخر اسکے وجوہ اور موثرات کیا ہیں ؟

غیب کا صحیح علم تو حق سبحانہ و تعالی ہی کو ہے لیکن اس سلسلہ میں جہاں تک میرا خیال
ہے چند خاص چیزوں کو اگر سامنے رکھ لیا جائے تو شاید اس سوال کا جواب مل سکتا ہے۔
میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ جس زمانہ میں امام
الاسلام نے اپنی یہ کتابیں تصنیف کی ہیں، دنیائے اسلام اس وقت کس حال میں تھی
اسی کے ساتھ خود امام غزالی کی شخصی زندگی کے بعض خصوصیات کا پیش نظر رکھ لینا
ہوگا، دو باتیں تو یہ ہیں، اور تیسری چیز جس کے متعلق میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں وہ

شاہ ولی اللہؒ نے "طریقہ غزالیہ" کا ذکر کرتے ہوئے یہ جو فرمایا تھا کہ "ایں مذہب اوائل ست" یعنی اسلام کی ابتدائی صدیوں کے لوگوں کی یہی روش تصوف میں تھی "اوائل" کے اس لفظ سے شاہ صاحب کا اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ امام حجۃ الاسلام کے حوالے سے میں نے خود ان کا بیان جو نقل کیا تھا خلاصہ جس کا یہ تھا کہ ان کا یہ کام کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ ان سے پہلے لوگوں نے جو کچھ لکھا تھا، اسی کی توضیح و ترتیب و تکمیل و تلخیص و تحقیق کی گئی ہے۔

امام سے پہلے مصنفین کی یہ جماعت جو گذری ہے یہ کس قسم کے لوگ تھے اور کس قسم کے خیالات سے متاثر تھے،

میرا خیال ہے کہ جس عنوان کو میں نے قائم کیا ہے یعنی

"اسلام کا اطلاقی تصوف"

اس کے صحیح خط و خال اور اسکی جو واقعی قدر و قیمت ہے اس کا صحیح اندازہ شاید ان معلومات کے بغیر ہو بھی نہیں سکتا۔ اگرچہ خواہ مخواہ ایک کافی طوالت کے قصے میں الجھنا پڑیگا لیکن جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کا حق بھی تو اس کاوش اور محنت کو اٹھائے بغیر ادا نہیں ہو سکتا، وان ارید الا الاصلاح ما استطعت، وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

پہلی بات یعنی امام غزالیؒ کے عہد میں اسلامی دنیا کس حال میں تھی؟ میری غرض اس سے یہ ہے کہ سیاسی قوت و اقتدار کے لحاظ سے زمین کے ان حصوں میں جنہیں مسلمان آباد تھے یہ دیکھنا چاہئے مسلمانوں کا کیا مقام تھا؟ اسی سے اس عہد کے عام مسلمانوں کے نفسیات کا اندازہ ہو سکتا ہے' امام غزالی کی کتابوں کے سمجھنے کے لئے سب سے پہلی شرط ہے کہ اجمالاً ان امور سے کلی واقفیت حاصل کر لی جائے۔

اگرچہ بعض مغربی مورخین کی تقلید میں اردو زبان کے چند اہل قلم نے بھی یہ لکھدیا کہ عہد غزالی میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار روبہ زوال ہو چکا تھا بغداد کی خلافت اپنے سیاسی اقتدار کو کھو کر صرف ایک مذہبی اور دینی قیادت و مرکزیت کی جو شکل اختیار کر چکی تھی، اسی کو دلیل میں پیش کر دیا جاتا ہے اور سمجھا دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے

سیاسی اقتدار کے زوال کے لئے یہ تاریخی واقعہ کافی ہے۔

لیکن واقعات ہی کی بنیاد پر مجھے اس تاریخی نظریہ سے قطعاً اختلاف ہے، سارے اسباب و وجوہ کے پیش کرنے کا تو یہاں موقعہ نہیں ہے، لیکن اتنی بات سے آگاہی تو عام تاریخوں کے مطالعہ سے بھی ہو سکتی ہے کہ امام حجۃ الاسلام جنکی ولادت ۴۵۰ھ اور وفات ۵۰۵ھ میں ہوئی پچپن سال کا یہ زمانہ ایک طرف امام کے محیر العقول کارناموں کے لحاظ سے جہاں عجیب ہے تو دوسری طرف جس قسم کے اہم واقعات و حوادث تاریخ اسلامی کے ان چند سالوں میں پیش آئے ہیں اپنی خاص خصوصیتوں کی وجہ سے بھی کچھ کم عجیب نہیں ہیں۔ ابھی عہد غزالی کے ان خاص واقعات کو تو جانے دیجئے، میں سر دست یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ غزالی کے عہد کو مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے زوال بلکہ اضمحلال کا عہد قرار دینا آخر کس بنیاد پر صحیح ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ امام غزالی کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا زمانہ ہے، اسلامی تاریخ کی کسی کتاب کو اٹھا کر دیکھئے، آپ اس میں پائیں گے، کہ پانچویں صدی میں ایک طرف مشرق میں سب سے بڑی سیاسی قوت سلاجقہ یا سلجوقیوں کی نظر آئے گی، خصوصاً امام غزالی کے عہد تک سلجوقیوں کی حکومت عروج کے اس نقطہ تک پہونچ چکی تھی جس کا تذکرہ کرتے ہوئے مورخین لکھتے ہیں[1] یعنی ملک شاہ سلجوقی جو امام غزالی کے زمانہ میں سلجوقیوں کا بادشاہ تھا

---

[1] مسلمان بادشاہوں کے متعلق عیوب کے ساتھ افسوس ہے کہ انکی خوبیوں کو لوگوں نے ترک کر دیا غلط فہمی اب تو اس حد تک پہونچ گئی ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد سمجھا جاتا ہے کہ اسلامی قانون پر کسی اسلامی حکومت کا عمل درآمد نہ تھا، حالانکہ اور کچھ ان بادشاہوں کے عہد میں تھا یا نہ تھا لیکن قانون جہاں تک میں جانتا ہوں ہر زمانہ میں اسلام کے سوا مسلمانوں کی کسی حکومت کا کسی ملک میں کوئی قانون نافذ نہ رہا، اکبر کا زمانہ ہندوستان میں صرف ایک ایسا زمانہ گزرا ہے جس میں اسلامی قانون کی جگہ قوانین کے نفاذ کا ارادہ کیا گیا تھا لیکن بظاہر اس میں کامیابی نہیں ہوئی اور کچھ اسی قسم کی صورت علاء الدین خلجی کے زمانہ میں پیش آئی، مسلمانوں کے ہاتھ میں دنیا کی سیاست کی باگ جب تک رہی اسلامی قانون کے ساتھ ان کی وفاداری مسلسل باقی رہی یورپ کے تسلط کے بعد جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے یہ قصہ ہی الگ ہے بہر حال مسلمان سلاطین سے شکایت اگر کچھ ہو سکتی ہے تو ان کے ذاتی کردار و اخلاق کی اور اسی کی وجہ سے مالی معاملات میں بھی ان سے غلطیاں

اسی کے تذکرے میں اس قسم کے فقرے عام تاریخوں میں آپ کو ملیں گے کہ

خطب لہ من اقصی بلاد الترک الی اقصی بلاد الیمن (المنتظم لابن جوزی ص ... ج ۹)

یعنی ترکستان کے دور دست علاقوں سے یمن و جنوبی عرب کے آخری حدود تک اسی بادشاہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

الیافعی نے اسی اجمال کی تھوڑی سی جغرافیائی تفصیل ان لفظوں میں کی ہے کہ

ملک من مدینۃ کاشغر الترک الی بیت المقدس طولا و عن قسطنطنیہ و بلاد الخزر الی نہر الھند عرضا ص ۱۳۹ ج ۳

ترکوں کے شہر کاشغر سے بیت المقدس تک تو دنیا کے طول میں ملک شاہ کی بادشاہت قائم تھی اور قسطنطنیہ اور ایشیائے کوچک سے نہر ہند (دریائے اٹک) تک عرض میں اسکی حکومت پھیلی ہوئی تھی

ان ہی کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ

ہوئیں لیکن قانون کی حد تک ہر حکومت مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت رہی ہے اور ذاتی حیثیت سے بھی ہر حکمران کا حال ایک سا نہیں ہے ان میں جہاں برے ہیں کافی تعداد اچھے اور دیندار بادشاہوں کی بھی ہے، یہی ملک شاہ سلجوقی ہے، حکومت کے مالیہ میں جو کچھ اس نے ترمیم کی وہ الگ داستان ہے بعض ذاتی واقعات اس بادشاہ کے سننے کے قابل ہیں، ابن جوزی نے منتظم میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے کیمپ میں ایک دیہاتی خربزہ بیچنے آیا تھا کسی فوجی افسر کے غلام نے خربزے اس سے چھین لئے دیہاتی بیچارہ راستے سے کنارے ہٹ کر رو رہا تھا بادشاہ شکار کرکے واپس آ رہے تھے آدمی کو بھیج بلوایا۔ کیوں روتا ہے اس نے حال بیان کیا، قصہ طویل ہے حاصل یہ ہے کہ غلام تو گرفتار نہ ہو سکے بھاگ گئے تب بادشاہ نے فوجی افسر کا ہاتھ پکڑ کر دیہاتی کسان کے حوالہ کیا کہ اس کو بیچ کر تو اپنے خربزوں کے دام وصول کر لے اور اسے کہیں وہیں دیہاتی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا لے چلا آگے جا کر کئی ہزار پر بات طے ہوئی وہی لے کر امیر کی رہائی ہوئی دیہاتی نے بادشاہ کو آکر مطلع کیا کہ میرے روپے وصول ہو گئے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ ایک دفعہ ایک مظلوم نے بادشاہ کے گھوڑے کی لگام راستہ میں پکڑ لی پوچھا کیا ہے اس نے ظلم کی داستان بیان کی اسی وقت گھوڑے سے ملک شاہ اتر گیا اور مظلوم سے کہا میری آستین کو پکڑ لے اور اسی طرح گھسیٹتے ہوئے مجھے نظام الملک طوسی وزیر کے پاس لے چل اصرار اتنا بلیغ تھا کہ مظلوم کو یہی کرنا پڑا نظام الملک کو معلوم ہوا کہ بادشاہ اس شکل میں آ رہے ہیں ننگے پاؤں دوڑا بادشاہ نے دیکھنے کے ساتھ کہا حسن میں نے رعایا کو تمہارے سپرد اسلئے کیا کہ میرے امراء ان پر ظلم کریں؟ اسی وقت ظلم کا ازالہ نظام الملک نے کیا ملا لکہ قائم ایک مشہور امیر کبیر تھا۔

ملک ماوراء النہر وبلاد الهیاطلة وبلاد الروم والجزیرة والشام والعراق وخراسان وغیر ذلک۔ یعنی ملک شاہ ماوراء النہر (بخارا سمرقند وغیرہ) اور ترکوں کے علاقوں، روم کے علاقوں اور جزیرہ (موصل وغیرہ) شام عراق خراسان وغیرہ کا تنہا فرماں روا تھا،

اور یہ حال مسلمانوں کی مشرقی سلطنت کا تھا، اسی کے مقابلہ میں مغرب میں دیکھیے یہ صحیح ہے کہ اندلس میں مسلمانوں کی مرکزی قوت کا شیرازہ بکھر چکا تھا لیکن بایں ہمہ امام غزالیؒ جس زمانہ میں موجود تھے، یہی وہ زمانہ ہے جب مغرب کی سب سے بڑی سیاسی قوت کا مظہر مراکش کا مشہور بادشاہ امیر المسلمین یوسف بن تاشقین تھا، اگرچہ یہ مغربی افریقہ کا مسلمان حکمراں تھا، لیکن یورپ میں بھی اپنی فوجی قوت کا مظاہرہ جس شان کے ساتھ اس نے امام غزالی کے زمانہ میں کیا تھا جس کا سرسری ذکر آگے بھی آرہا ہے، ان ہی چیزوں کو پیش نظر رکھ کر اسلامی مورخین نے دعویٰ کیا ہے کہ

کان اکبر ملوک الدنیا فی عصرہ۔ الیافعی صـ ۱۶۳ ج ۳۔ یوسف بن تاشقین اپنے عہد میں دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ جس زمانہ میں مشرق میں ملک شاہ سلجوقی اور مغرب میں یوسف بن تاشقین جیسے اسلامی سلاطین حکمرانی کر رہے تھے، اس زمانہ کو مسلمانوں کے سیاسی ضعف یا اضمحلال کا زمانہ قرار دینا، آخر کسی حیثیت سے بھی صحیح ہو سکتا ہے اور یہ تو خیر عہد غزالی کی عام بات ہے، اب ذرا ان عام واقعات کی اجمالی داستان سن لیجیے، جو مشرق اور مغرب دونوں علاقوں میں اس وقت پیش آئے ہیں جب امام غزالی زندہ تھے اور اسی سے اندازہ کیجیے کہ عام مسلمانوں کی نفسیات پر ان واقعات کا کیا اثر مترتب ہوگا۔ یا کیا مترتب ہو سکتا تھا،

میرا مطلب یہ ہے کہ "یورپ اور اسلام" کی سیاسی کشمکش نے آج جس نتیجہ کو ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے، یہ واقعہ ہے کہ اس کش مکش اور آویزش کی ابتداء امام غزالی کے زمانہ بلکہ اس زمانہ سے پہلے ہو چکی تھی، لـه

اور یہ بھی درست ہے کہ "جنگ دو سر دارد" کی فارسی ضرب المثل یا عربی کی ضرب المثل
"الحرب سجال" کے عام قاعدے کے مطابق ان آویزشوں میں کبھی مسلمانوں کے ہاتھ اور کبھی
یورپ والوں کے ہاتھ میدان رہتا تھا۔ لیکن ٹھیک جس زمانہ میں حضرت امام حجۃ الاسلام
دنیا میں رونق افروز تھے" یورپ و اسلام کی اسی کش مکش کے سلسلہ میں ایک عجیب و غریب
فیصلہ کن معرکہ مشرق میں پیش آیا اور اسی کے کچھ دن بعد اسی کے قریب قریب "مغربی محاذ" پر
مسلمانوں کو جو کامیابی نصیب ہوئی ہے، اسلامی تاریخ میں چند ہی واقعات شائد انکے

بلکہ یاجوج و ماجوج کے جس ردم (دو پہاڑیوں کے بیچ کی دیوار) کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اچانک نیند سے بیدار ہو کر رات کے وقت یہ فرمایا تھا کہ یاجوج و ماجوج کے ردم میں اتنا بڑا سوراخ
پیدا ہو گیا (اور سوراخ کی مقدار بتلاتے ہوئے) آپ نے عقد انامل کی اس اصطلاح کی طرف
اشارہ انگلیوں کو باندھ کر فرمایا جس سے دس کا عدد سمجھا جاتا ہے اور فرماتے جاتے تھے کہ
ویل للعرب من شر قد اقترب (تباہی ہے عرب کے لئے اس برائی سے جو قریب آگئی) یہ روایت
صحاح ستہ کی عام کتابوں میں پائی جاتی ہے، اسی روایت کے متعلق جن لوگوں کا خیال حزقیل
نبی کی کتاب کے ان فقروں کی بنیاد پر یعنی حزقیل نبی نے کہا خداوند کا کلام مجھکو پہونچا اور اس نے کہا کہ
اے آدم زاد تو جوج کے مقابل جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روس اور مسک اور توبال کا سردار
ہے اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر اور کہہ کہ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے جوج روس
اور مسک اور توبال کے سردار میں تیرا مخالف ہوں، میں تجھے پھرا دونگا اور تیرے جبڑوں میں
اپنی بنسی ڈالونگا حزقیل باب ۳۸ ۲-۳-۴ اور یوحنا کے مکاشفہ کے نام سے عہد جدید کی کتابوں میں ایک
کتاب جو پائی جاتی ہے اسی کتاب میں پہلے ایک آنے والے شخص کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے
کہ میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اس پر ایک سوار ہے
جو سچا اور برحق کہلاتا ہے" بعض نسخوں میں برحق کی جگہ امین کا لفظ ہے، بہرحال الصادق الامین کے بعض
خصوصی اوصاف کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہزار سال تک کے لئے اس اژدہے پرانے سانپ کو
جو ابلیس اور شیطان ہے پکڑ کر اتھاہ گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا اور اس پر مہر کر دی تاکہ وہ ہزار
سال تک قوموں کو گمراہ نہ کرے اس کے بعد ضرور ہے کہ تھوڑے عرصہ کے لئے وہ کھولا جائے گا
لکھا ہے کہ جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائیگا اور ان قوموں کو
جو زمین کے چاروں طرف ہونگی یعنی "یاجوج و ماجوج" کو گمراہ کرکے لڑائی کے لئے جمع کرنے کو نکلیگا
ان کا شمار سمندر کی ریت کے مانند ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائیں گے اور مقدسوں کی لشکرگاہ
اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی پھر آسمان سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائیگی" مکاشفہ
یوحنا باب ۲۰ ۷-۹ بہرحال بائبل کی ان شہادتوں کی بنیاد پر جو یورپ کی قوموں کا یاجوج و ماجوج سے رشتہ

(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

ل ل سکتے ہیں، میں پہلے مشرقی میدان کے قصے کو سناتا ہوں،

جیسا کہ میں نے عرض کیا امام غزالی کے عہد میں مشرق کی سب سے بڑی سیاسی قوت
لجوقیوں کی تھی، ملک شاہ سلجوقی سے پہلے سلجوقی حکومت کا فرمان روا ملک شاہ کا باپ
الپ ارسلان تھا، الپ ارسلان اور قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ ارمانوس کے درمیان آویزش کا
سلسلہ جاری تھا، قسطنطنیہ کے اس عیسائی بادشاہ کے ساتھ مسلمانوں کی دلچسپی یا اسلامی حکومت
میں اس کی جو اہمیت تھی اس کا اندازہ آپ کو اسی واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ سلجوقیوں کے مشہور
وزیر با تدبیر نظام الملک طوسی کے سامنے ایک غلام کی بڑی تعریف فوجی افسر نے کی لیکن غلام
نظام الملک کی نگاہ میں کچھ زیادہ نہیں جچا، لیکن افسر پھر بھی اسکی خریداری پر اصرار کرتا رہا
اس کے اصرار کو دیکھکر نظام الملک نے تعریضاً کہا

عسی ان یاتینا ملک الروم — شاید روم و قسطنطنیہ کے بادشاہ ہی کو تو یہ غلام
سیر ۱۔ ج ۱ کامل ابن اثیر صفحہ ۲۳۔ — قید کر کے لے آئیگا؟

عمل شر کا تمثل (۲) قال النبی صلعم لیسلط علی الکافی قبرہ تسعۃ و تسعون تنینا تنهسه و تلدغه حتی تقوم الساعۃ — آنحضرت نے فرمایا کہ خدا کافر پر اسکی قبر میں ننانوے سانپ مسلط کرتا ہے وہ اسکو قیامت قائم ہونے تک ڈستے ہیں اور کاٹتے ہیں
حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ رح باب ذکر عالم مثال۔

حضرت شاہ ولی اللہ رح نے حجۃ البالغہ میں عالم مثال کا ایک باب قائم کر کے مختلف صورتیں اعمال کے تمثل کی بتلائی ہیں اور کتاب و سنت سے استشہاد فرمایا ہے۔

قانون فطرت نے اسی حد پر اکتفا نہیں فرمایا ہے بلکہ اسلاف کی تاریخ پیش کر کے اخلاف کو یہ بتایا ہے کہ ہوائے نفسی کی وجہ سے لوگ بندر و سور بنا دئیے گئے ہیں اور ان مثالی صورتوں کا ظہور یعنی قبل موت اسی دنیا میں ہوتا ہے اور انسانی صورتیں مسخ کر دی جاتی ہیں۔

قل هل انبئکم بشر من ذلک مثوبۃ عند اللہ من لعنہ اللہ وغضب علیه وجعل منهم القردۃ والخنازیر وعبد الطاغوت اولئک شر مکانا واضل عن سواء السبیل (مائدہ ۹ع پ ۶)

آپ کہیئے کہ کیا میں تم کو ایسا طریقہ بتلاؤں جو اس سے بھی خدا کے ہاں پاداش میں زیادہ برا ہو وہ ان اشخاص کا طریقہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان کو بندر و سور بنا دیا ہو اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی ہو ایسے اشخاص ٹھکانے کے اعتبار سے بھی بہت برے ہیں اور راہ راست سے بھی بہت دور ہیں

جو ڑتے ہیں، انکا خیال تو یہی ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں یورپ اٹھنے کی تیاری عہد نبوت ہی میں کرنے لگا تھا، تاریخ سے اس کی توثیق بھی ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ انگلستان میں جاگوگ ہل (کوہ یاجوج) کے نام کی پہاڑی بھی ہے اور لندن شہر کے مشہور گلڈ ہال پر کہتے ہیں یاگوگ ماگوگ کے بت بھی جیسے اس وقت تک قائم ہیں واللہ اعلم بالصواب ۱۲ آگ "آ تقیس الحبس کی انتہا ہے کہ بہ ہوئی کیا اسکی طرف اشارہ ہے ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قانون کا حقیقی تصور

اور

انسانی آزادی

از جناب مولوی جمیل الدین احمد صاحب

(سلسلہ ۱۲)

واقعہ یہ ہے کہ جن بزرگوں نے معترضین کا جواب دیا ہے ان کی توجہ کتاب وسنت کی روشنی میں اس مفسد جماعت کی گندہ روحانیت اور قلبی نجاست پر نہیں پڑی جو پیروان صحیفہ فطرت سے آمادہ جدال وقتال ہوتی ہے اور جن کے قلوب میں فساد فی الارض کا تخم (شرک) قوت غضبی وشہوی کی آبیاری سے نما وردرخت بنجاتا ہے اور درندگی وقتل وخون ریزی اور مخلوق خدا کے امن وچین کی بربادی کے پھول پھل لاتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسٹس مولوی سید امیر علی صاحب اور بعض دیگر یورپ وامریکہ کے مصنفین (جن کی نظر اس قدیم زمانہ کی معاشی حیثیت پر مرکوز تھی) کے تحریرات جاذب قلب ونظر ہوگئے تھے اس لئے قانون استرقاق کے اصلی وجوہ وعلل سے ان بزرگوں کی توجہ ہٹ گئی اور مالی ومعاشی مصالح وقت کو ملحوظ رکھکر جوابات دیئے گئے جن سے رفع اعتراض کے بجائے بادی النظر میں قانون فطرت کا نقص نمایاں ہونے لگا اور واقعہ یہ ہے کہ اگر فطرت کے قانون میں نقص ہو تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ وہ قانون فطرت نہیں ہے یا مفکر کی غلطی ہے کہ اس نے جن مقدمات کی ترتیب دی ہے ان میں کوئی جزو غلط ہے یورے مقدمات صحیح نہیں حالانکہ خالق فطرت نے یہ بتایا ہے کہ انسان کو اس نے فطرت پر پیدا کیا ہے اور یہی انسان کا دین قیم ہے۔

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لاتبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم۔ فطرت اللہ جس پر لوگوں کو خدانے پیدا کیا۔ خدا تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے وہی دین قیم ہے۔

جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "قانون استرقاق" فطرت کے مطابق ہے تو پھر جو وجوہ وعلل استرقاق کے جواباً پیش کئے گئے ہیں ان کی صحت میں کلام پیدا ہوتا ہے۔

بتوفیق ایزدی ہم کوشش کرتے ہیں کہ کتاب وسنت کی روشنی میں جس جماعت کو غلام بنایا گیا ہے ان کے اندرونی جذبات پیش کریں اور اس کے بعد منکرین قانون فطرت کو بتائیں کہ یہ قانون عدل وسیاست اور رحم ومحبت پر مبنی ہے یا اس کی بنیاد جور وظلم پر ہے جسکی تہمت انبیاء علیہم السلام پر لگائی جاتی ہے۔

سب سے پہلے یہ امر تنقیح طلب ہے کہ غلام زبان عرب میں کن معنوں میں مستعمل ہے اور غلام کی تعریف کیا ہے اور غلامی کے اسباب وعلل کیا ہیں اور کیا اس قانون کو انبیاء علیہم السلام نے جبر واکراہ کے ساتھ جاری رکھا تھا۔ اور ان کا مقصد کیا تھا۔ اور غلامی جو بدترین ذلت سمجھی جاتی ہے کیا خلوص وایثار ومحبت وعشق کا زینہ بن سکتی اور یہ مجازی غلامی حقیقی آزادی کی طرف رہبری کرتی ہے۔

غلام لغت عرب میں عربی زبان میں لفظ "غلام" لڑکے کے معنی میں مستعمل ہے اور جس غلامی سے ہمکو بحث ہے اور جو آزادی کے مقابل مستعمل ہے اس کے لئے یہ زبان عرب "عبد جس کی جمع عبید ہے۔ اور رق رقیہ۔ مکاتب۔ مدبر قن۔ مولیٰ۔ ماملکت ایمانکم۔ امتہ" کے الفاظ مستعمل ہیں۔ اور لفظ عبد کا ماخذ عبودۃ وعبودیت خضوع وذلت کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اہل عرب "طریق معبد" روندے ہوئے راستہ کو کہتے ہیں دوسرے الفاظ یا تو مجازاً غلام کے معنی میں مستعمل ہیں یا غلاموں کے قانونی حقوق کے لحاظ سے غلام کے معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔

اور لفظ غلام بھی اس معنی زیر بحث میں کبھی کبھی استعمال کیا جاتا ہے۔

عبد کی تعریف اور غلامی کی حقیقت عبد (غلام) کی یہ تعریف مختصر لفظوں میں بہت مشہور ہے۔

العبد ومافی یدہ ملک لمولاہ غلام اور جو چیز کہ اس کے قبضہ میں ہے اسکے آقا کی ملک ہے

حاصل یہ ہے کہ غلام کے مقابل جو الفاظ بزبان عرب مستعمل ہیں ان سے مراد وہ انسان ہے جس کی آزادی سلب کرلی گئی ہو اور غلام بالذات اور جو چیز کہ اس کے قبضہ میں ہو وہ اس کے آقا کی ملک ہوتی ہے اور جائداد منقولہ کی تعریف میں داخل ہے کہ اس کو آزاد انسانوں کی طرح اپنی ذات وجائداد پر تصرف کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ یہی سلب آزادی غلامی کی حقیقت ہے۔

انسان کی فطری آزادی | فطرۃً تو ہر انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور قانون فطرت سے بھی اسی کی توثیق ہوتی ہے۔

خلقنا الانسان فی احسن تقویم (القرآن) سورہ تین آیۃ — ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے

مامن مولود یولد الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ اوینصرانہ اویمجسانہ (بخاری) — نہیں ہے کوئی بچہ کہ پیدا ہوتا ہے مگر وہ پیدا ہوتا ہے فطرت پر پھر اس کے ماں باپ اسکو یہودی کرلیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ تو ہر بچہ کو فطرت پر پیدا کرتے ہیں جس میں آزادی ہے لیکن والدین ہی سب سے پہلے غلامی کا تخم اس کی زمین قلب میں بو دیتے ہیں اور یہودیت ونصرانیت و مجوسیت کی قید میں پھنسا دیتے ہیں اور یہ غلامی کا ابتدائی زینہ ہے خالق فطرت کی طرف اس کے فیضان میں کوئی کوتاہی نہیں ہے تنگی جامہ استعداد[1] باعث سلب آزادی ہے۔ از ماست کہ بر ماست۔

ہرچہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب فطرۃً ہر بچہ آزاد پیدا ہوتا ہے تو قانون فطرت ہی کی رو سے کیوں انسان کی آزادی سلب کرلی جاتی ہے اور ذلت ورسوائی کا طوق اس کی گردن میں ڈالکر اس کو اللہ کے بندوں کا غلام بنایا جاتا ہے حالانکہ وہ انسانیت میں تمام افراد انسانی کے مماثل اور با ہمدگر مساوی حقوق رکھتا تھا۔

---

[1] اہل بصیرت کو چاہیئے کہ مسئلہ استعداد پر قرآن کی روشنی میں غور فرمائیں۔ (مدیر)

غیر الٰہی قوانین میں سزائے قتل وغلامی | قانون فطرت کے اتفاق آزادی سلب کرنے

وجوہ وعلل دریافت کرنے سے پہلے ہم غیر الٰہی قوانین پر ایک نظر ڈالتے ہیں تاکہ اس مسئلہ کے حل کرنے میں ہر دو قوانین کے موازنہ وتقابل سے ہم اس نتیجہ پر پہونچیں کہ کیا فی الحقیقۃ یورپ کے قوانین میں غلام بنانے کا کوئی طریقہ قانوناً رائج ہے یا نہیں اور کیا مقننین یورپ کا یہ دعویٰ کہ غلامی کی منحوس وناپاک رسم دنیا سے ان کے قوانین نے نابود کر دیا اس کا وزن کیا ہے اور کس حد تک مبنی بر صداقت ہے ۔

اگرچہ قتل کے احکام مقصود بالذات نہیں ہیں لیکن چونکہ قتل اور غلامی کے احکام ساتھ ساتھ قانون الٰہی اور غیر الٰہی میں دئے گئے ہیں اس لئے غلامی کے ساتھ قتل کے احکام بھی بیان کئے جاتے ہیں یہ تو ہم واضح کر چکے ہیں کہ غیر فطری غلامی کی تنسیخ کا شرف اولیت اسلام کو حاصل ہے جس کا اعتراف یورپ کے مصنفین نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو رسالہ الحق نمبر ۱۰)

اب ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بعض افراد انسانی کا دوسرے بعض افراد انسانی کو غلام بنانے کا حق قانون فطرت نے دیا ہے یا نہیں اور اس حق کا استعمال غیر الٰہی قوانین میں کس طرح کیا گیا ہے ۔

انسانی حکومتوں کے مرتبہ قوانین تعزیری میں یہ احکام بصراحت ملتے ہیں کہ

(۱) جس کسی ملک کی رعایا اپنے راعی کے مقابلہ میں جنگ کرے یا جنگ کرنے کا اقدام یا اعانت کرے تو اس کو موت یا قید دوام کی سزا دی جاتی ہے اور اس کی کل جائداد ضبط کی جاتی ہے مثالاً ملاحظہ ہوں

(دفعہ (۱۲۱) قانون تعزیرات ہند دفعہ (۷۸) قانون تعزیرات ملک سرکار عالی ۔

(۲) جو شخص فوج یا آلات حرب کی فراہمی سے یا کسی اور طرح سے جنگ کی تیاری کرے اس کو قید کی سزا دس سال تک دی جاسکے گی اور اسکی کل جائداد ضبط ہوگی ۔

ملاحظہ ہو دفعہ (۱۲۲) تعزیرات ہند و دفعہ (۸۰) تعزیرات ملک سرکار عالی ۔

اس کی علت بجز اسکے کچھ نہیں ہے کہ اس مفسد جماعت نے راعی کے حقوق آمریت غصب کر کے اپنی مالکیت وحاکمیت کا نفاذ شروع کیا تھا ۔

ن فطرت میں قتل و غلامی قانون فطرت کی رو سے بھی وہی شخص قتل کیا جاتا ہے یا
م بنایا جاتا ہے جو مالک الملوک کے حق آمریت کو غصب کرکے اپنی مالکیت وحاکمیت
نافذ کرتا ہو اور انسانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو تاخت وتاراج کرتا ہو اور جو
یفہ وقت نے ان جرائم سے باز رہنے کی نسبت احکام صادر کیے ہوں۔

سزائے ضبطی جائداد کا اثر کل جائداد کی ضبطی اس جرم کا لازمی نتیجہ ہے یہ امر عدالت
کی صوابدید پر منحصر نہیں ہے کہ ضبطی جائداد کا حکم دے یا نہ دے۔ (گنیش لال بنام ایمپرر
بنگال لارپورٹ جلد ۵ ص ۸۳۔

ضبطی جائداد کے حکم کا اثر یہ ہے کہ وہ باغی مجرم اس وقت تک کوئی جائداد
حاصل نہ کرسکے گا جب تک کہ وہ سزا بھگت رہا ہو جو اس جرم بغاوت کی بابت دی گئی ہو
ایسی صورت میں جس جائداد کا اس کو حق حاصل ہوگا وہ جائداد حکومت کی ملک ہوگی
مثلاً اگر کوئی شخص اس زمانہ میں جب کہ وہ سزائے قید بھگت رہا ہو اپنے باپ کا وارث
ہو تو وہ جائداد حکومت کی ملک قرار دی جائے گی اور اس کو حق نہ ہوگا کہ اس جائداد کو
واپس حاصل کرے جب وہ سزا بھگت چکے۔
(ملاحظہ ہو دفعہ ۱۸ قانون تعزیرات سرکار عالی و تعزیرات ہند دفعہ ۶۱ و ۶۲)

کون کہہ سکتا ہے کہ رعایا کی بغاوت کی صورت میں راعی کا ان سزاؤں کو
تجویز کرنا (جن کا ذکر ہم نے کیا ہے اور جو مہذب سے مہذب حکومت کے قوانین
میں پائی جاتی ہیں خواہ حکومت کی نوعیت شخصی ہو یا جمہوری) ظلم وجبر واستبداد و
بے رحمی ہے۔

ان سزاؤں میں ضبطی جائداد کی سزا غور طلب ہے کہ قید کے ساتھ
لازمی طور پر دی جاتی ہے جس کا اثر لازمی طور پر یہ ہوتا ہے کہ باغی مجرم اپنے آزاد
مرضی کا استعمال نہ تو اپنی ذات پر کرسکتا ہے کہ جہاں چاہے نقل وحرکت کرے نہ اپنی
جائداد پر تصرف کرسکتا ہے اور نہ کوئی جائداد جس کا حق اس کو پہونچتا ہو اس کی
ملک ہوسکتی ہے۔

غیر الٰہی قوانین میں سزائے قتل و غلامی | قانون فطرت کے انسانی آزادی سلب کرنے کے
وجوہ و علل دریافت کرنے سے پہلے ہم غیر الٰہی قوانین پر ایک نظر ڈالتے ہیں تاکہ اس مسئلہ غلامی
کے حل کرنے میں ہر دو قوانین کے موازنہ و تقابل سے ہم اس نتیجہ پر پہونچیں کہ کیا فی الحقیقت
یورپ کے قوانین میں غلام بنانے کا کوئی طریقہ قانوناً رائج ہے یا نہیں اور کیا مصنفین یورپ
کا یہ دعویٰ کہ غلامی کی منحوس و ناپاک رسم دنیا سے ان کے قوانین نے نابود کر دیا اس کا وزن
کیا ہے اور کس حد تک مبنی بر صداقت ہے۔

اگرچہ قتل کے احکام مقصود بالذات نہیں ہیں لیکن چونکہ قتل اور غلامی کے احکام
ساتھ ساتھ قانون الٰہی اور غیر الٰہی میں دئے گئے ہیں اس لئے غلامی کے ساتھ قتل کے احکام بھی بیان کئے جاتے ہیں
یہ تو ہم واضح کر چکے ہیں کہ غیر فطری غلامی کی تنسیخ کا شرف اولیت اسلام کو حاصل ہے جس کا اعتراف
یورپ کے مصنفین نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو رسالہ الحق نمبر (۱۰)

اب ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بعض افراد انسانی کا دوسرے بعض افراد انسانی کو
غلام بنانے کا حق قانون فطرت نے دیا ہے یا نہیں اور اس حق کا استعمال غیر الٰہی قوانین میں
کس طرح کیا گیا ہے۔

انسانی حکومتوں کے مرتبہ قوانین تعزیری میں یہ احکام بصراحت ملتے ہیں کہ
(۱) جس کسی ملک کی رعایا اپنے راعی کے مقابلہ میں جنگ کرے یا جنگ کرنے کا
اقدام یا اعانت کرے تو اس کو موت یا قید دوام کی سزا دی جاتی ہے اور اس کی کل جائداد
ضبط کی جاتی ہے مثالاً ملاحظہ ہوں
(دفعہ (۱۲۱) قانون تعزیرات ہند دفعہ (۷۸) قانون تعزیرات ملک سرکار عالی۔
(۲) جو شخص فوج یا آلات حرب کی فراہمی سے یا کسی اور طرح سے جنگ کی تیاری
کرے اس کو قید کی سزا دس سال تک دی جاسکے گی اور اسکی کل جائداد ضبط ہوگی۔
ملاحظہ ہو دفعہ (۱۲۲) تعزیرات ہند و دفعہ (۸۰) تعزیرات ملک سرکار عالی۔
اس کی علت بجز اسکے کچھ نہیں ہے کہ اس مفسد جماعت نے راعی کے حقوق آمریت
غصب کرکے اپنی مالکیت و حاکمیت کا نفاذ شروع کیا تھا۔

قانون فطرت میں قتل وغلامی قانون فطرت کی رو سے بھی وہی شخص قتل کیا جاتا ہے یا غلام بنایا جاتا ہے جو مالک الملوک کے حق آمریت کو غصب کرکے اپنی مالکیت وحاکمیت کا نفاذ کرتا ہو اور انسانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو تاخت وتاراج کرتا ہو یا جو خلیفہ وقت نے ان جرائم سے باز رہنے کی نسبت احکام صادر کئے ہوں۔

سزائے ضبطی جائداد کا اثر کل جائداد کی ضبطی اس جرم کا لازمی نتیجہ ہے یہ امر عدالت کی صوابدید پر منحصر نہیں ہے کہ ضبطی جائداد کا حکم دے یا نہ دے۔ (گنیش لال بنام امیر خاں بنگال لاء رپورٹ جلد ۸ ص ۸۳)۔

ضبطی جائداد کے حکم کا اثر یہ ہے کہ وہ باغی مجرم اس وقت تک کوئی جائداد حاصل نہ کرسکے گا جب تک کہ وہ سزا بھگت رہا ہو جو اس جرم بغاوت کی بابتہ دی گئی ہو ایسی صورت میں جس جائداد کا اس کو حق حاصل ہوگا وہ جائداد حکومت کی ملک ہوگی مثلاً اگر کوئی شخص اس زمانہ میں جب کہ وہ سزائے قید بھگت رہا ہو اپنے باپ کا وارث ہو تو وہ جائداد حکومت کی ملک قرار دی جائے گی اور اس کو حق نہ ہوگا کہ اس جائداد کو واپس حاصل کرے جب وہ سزا بھگت چکے۔

(ملاحظہ ہو دفعہ ۱۸ قانون تعزیرات سرکار عالی وتعزیرات ہند دفعہ ۶۱ و ۶۲)

کون کہہ سکتا ہے کہ رعایا کی بغاوت کی صورت میں راعی کا ان سزاؤں کو تجویز کرنا (جن کا ذکر ہم نے کیا ہے اور جو مہذب سے مہذب حکومت کے قوانین میں پائی جاتی ہیں خواہ حکومت کی نوعیت شخصی ہو یا جمہوری ظلم وجبر واستبداد و بے رحمی ہے۔

ان سزاؤں میں ضبطی جائداد کی سزا غور طلب ہے کہ قید کے ساتھ لازمی طور پر دی جاتی ہے جس کا اثر لازمی طور پر یہ ہوتا ہے کہ باغی مجرم اپنے آزاد مرضی کا استعمال نہ تو اپنی ذات پر کرسکتا ہے کہ جہاں چاہے نقل وحرکت کرے نہ اپنی جائداد پر تصرف کرسکتا ہے اور نہ کوئی جائداد جس کا حق اس کو پہونچتا ہو اس کی ملک ہوسکتی ہے۔

سزائے غلامی کا نتیجہ غلام کی حقیقت کو ہم واضح کر چکے ہیں کہ اس میں بھی غلام نہ تو اپنی ذات کا مالک ہوتا ہے اور نہ کسی جائداد پر تصرف کرنے کا مجاز ہوتا ہے تو پھر اس مجرم میں جس کو ضبطی جائداد کی سزا دی گئی ہو اور اس غلام میں جس کو قانون فطرت کے احکام کی بنا پر غلام بنایا گیا ہو کیا فرق ہے۔

الحاصل یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قوانین حکومت غیر الٰہی میں غلامی کا کوئی قاعدہ نہیں ہے البتہ لفظ غلام یا اصطلاح غلامی کا استعمال ان قوانین میں نہیں ہے لیکن احکام وہی اور اس سے زیادہ سخت ہیں جو قانون فطرت نے دیئے ہیں۔

یہ تو وہ الزامی جواب ہے جو منکرین فطرت کے مقابلہ میں ہم نے پیش کیا ہے لیکن قانون فطرت میں غلامی جن وجوہ پر مبنی ہے ان کی مزید تفصیل قانون فطرت کے احکام کی روشنی میں ہم پیش کرتے ہیں تاکہ غلامی کے اسباب و علل کا انکشاف ہو سکے۔

انسانی منازل قانون فطرت کی روشنی میں قانون فطرت میں بھی ضبطی جائداد کی سزا ہے اور اس کو استرقاق سے موسوم کیا گیا ہے لیکن قانون فطرت سزا کے نافذ کرنے سے پہلے حکیمانہ طور پر ہر ہر قدم اور ہر ہر منزل پر انسان کو مطلع کرتا ہے کہ وہ کس کی ملک ہے کس حکومت کے تحت زندگی بسر کرتا ہے اور اس کا عقیدہ و عمل کیا ہونا چاہیئے۔ اور اس کے اعمال کے نتائج کیا ہیں۔ دنیاوی انتقام کس طرح ہوتا ہے اور اخروی انتقام کیسا ہے یا ہوگا

نظام تبلیغ انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشینوں کو بھیج کر اس قانون کی تبلیغ روئے زمین کے گوشہ گوشہ میں کی جاتی ہے۔

حکومت غیر الٰہیہ کے قوانین میں خواہ وہ حکومت شخصی ہو یا جمہوری اسکی مالکیت وحاکمیت کی تبلیغ اور اس کے مطابق علم و عمل کے نتائج کی تشہیر اور اس قانون کے مخالف علم و عمل کے انسداد کا کوئی ایسا مستحکم نظام نہیں ہے جیسا کہ قانون فطرت نے مالکیت وحاکمیت الٰہیہ کی تبلیغ کے متعلق کیا ہے۔

پہلی منزل (۱) جو شخص اپنی مالکیت وحاکمیت کا ادعا کرتا ہے اور مالکیت وحاکمیت الٰہی کا انکار کرتا ہے اسکو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ یہ ادعائے باطل ہوائے نفس کی غلامی ہے۔

افرأیت من اتخذ الٰہہ — اے پیغمبر کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش
ھواہ۔ — نفس کو اپنا معبود (مالک و حاکم بنا لیا ہو (جو خواہشات کا غلام بن گیا ہو)

(۲) اور ہر شخص پر یہ فرض عائد کیا جاتا ہے کہ مالکیت و حاکمیت الٰہیہ کی تصدیق ان اجزائے ایمانیہ کے ساتھ کرے جن کو قانون فطرت نے اجزائے ایمانیہ قرار دیا ہے۔

قل انما یوحی الی انما الٰھکم الٰہ — آپ اعلان فرما دیجئے میرے پاس وحی آئی ہے
واحد فھل انتم مسلمون۔ — کہ وہ اللہ ہی اکیلا معبود (مالک و حاکم ہے)
(الانبیاء ۱ع پ ۷) — تو کیا تم تسلیم کرتے ہو۔

دوسری منزل (۱) انکار معبودیت الٰہی قلب انسانی میں کبر کینہ عجب ریا حسد و طمع وغیرہ امراض پیدا کرتا ہے جن کی تعبیر حکمائے اخلاق رذائل سے کرتے ہیں۔

فی قلوبھم مرض فزادھم اللّٰہ — ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر اللہ نے
مرضا۔ (بقرہ ۲ع پ ۱) — ان کا مرض زیادہ کر دیا۔

(۲) تصدیق معبودیت (مالکیت و حاکمیت الٰہیہ) جس کو اصطلاح قانون فطرت میں ایمان سے موسوم کیا جاتا ہے مومنین کے لئے شفا و رحمت ہے جو امراض (رذائل) سے پاک کرتی ہے صبر شکر قناعت و توکل خوف و رجاء الٰہی رضا و تسلیم وغیرہ اخلاق حسنہ سے آراستہ کرتی ہے

وننزل من القرآن ما ھو شفاء — ہم قرآن (قانون فطرت) میں ایسی چیز نازل کرتے
ورحمۃ للمومنین ولا یزید الظالمین — ہیں جو ایمانداروں کے لئے شفاء و رحمت ہے
الا خسارا۔ (بنی اسرائیل ۹ع پ ۱۵) — اور ظالموں (باغیوں) کے لئے وہ قرآن (بوجہ انکار) خسارہ میں اضافہ کرتا ہے۔

تیسری منزل (۱) جو لوگ معبودیت الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں ان کا شمار چوپایوں میں ہے وہ پیغمبر صلعم کی بات نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔

ام تحسب ان اکثرھم یسمعون — یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے
او یعقلون ان ھم الا کالانعام — یا سمجھتے ہیں یہ محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ

[illegible] (سورہ فرقان [illegible] پارہ ۱۹) ان سے بھی [illegible] قوت
سماعت اور قوت عاقلہ نہیں رکھتے لیکن انسان ان قوتوں سے
سرفراز ہونے کے باوجود ہوائے نفس سے ان قوی کو معطل کر رکھے ہیں)

(۲) جو لوگ معبودیت الٰہیہ کی تصدیق کے ساتھ نیک اعمال کرتے ہیں انکو بشارت دی جاتی ہے کہ ان کا شمار صالحین میں ہوگا۔

والذین آمنوا وعملوا الصالحت لندخلنھم فی الصالحین (عنکبوت ع ۲ پ ۲۰)
جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کو ہم صالحین میں داخل کریں گے۔

<u>چوتھی منزل</u> (۱) ہوائے نفسی (انکار مالکیت وحاکمیت الٰہیہ) کی آخری منزل قرآن حکیم نے یہ تبلائی ہے کہ انسان بدترین مخلوق بن جاتا ہے اور اس کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔

ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جھنم خالدین فیھا اولئک ھم شر البریہ (سورہ بینہ ع ۲ پ ۳۰)
اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہیں وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ تمام مخلوقات سے بدتر ہیں۔

(۲) جو لوگ ایمان کے ساتھ عمل صالح کرتے ہیں ان کو خلافت ارضی عطا کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحت لیستخلفنھم فی الارض الخ (النور ع ۷ پ ۱۸)
جو لوگ تم میں ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کو خلافت ارضی دی جائیگی۔

تیسری منزل میں جو آیۃ قرآنی ہم نے پیش کی ہے اس میں لفظ "کالانعام" اور چوتھی منزل کی آیۃ میں "شر البریہ" کے الفاظ محتاج غور ہیں اور ہمارے مقصود کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

<u>لفظ نعم کا زبان عرب میں استعمال</u> زبان عرب میں لفظ نعم اونٹ کے لئے مختص ہے اور اس کی جمع انعام آتی ہے اور اس جمع کا اطلاق اونٹ گائے بیل بکری پر ہوتا ہے۔
امام راغب رح لکھتے ہیں۔

والنعم مختص بالابل وجمعہ انعام و
لفظ نعم اونٹ کے لئے مختص ہے اور اس کی جمع

ـیتہ بذلک لکون الابل عندہ اعظم نعمۃ لکن الانعام تقال للابل والبقر والغنم ولا یقال لہا انعام حتی یکون فی جملتہا الابل۔

(المفردات مطبوعہ مصر ص ۵۱۹)

انعام آتی ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اونٹ عرب کے پاس بڑی نعمت ہے لیکن انعام اونٹ اور بیل اور بکری کے لئے کہلاتا ہے اور انعام کا استعمال اس وقت تک نہیں کیا جاتا جبتک ان جانوروں میں اونٹ نہو۔

قرآن حکیم میں جہاں کہیں لفظ انعام آیا ہے اس سے یہی جانور مراد ہیں اور قربانی کے لئے بھی یہی جانور مختص کئے گئے ہیں ان جانوروں کے گوشت اور کھال اور بال تمام چیزوں سے انسان استفادہ کرتا ہے گوشت کھاتا ہے دودھ پیتا ہے کھال اور اون کا لباس بناتا ہے غربا کمبل بناتے ہیں امرا دشال اوڑھتے ہیں اور خیمے تیار کرتے ہیں

ان افراد انسانی کی تشبیہ جو مالکیت وحاکمیت الٰہیہ سے اعراض کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی بات پر کان نہیں دہرتے قانون فطرت نے ان جانوروں سے دی ہے جس سے انسان نفع حاصل کرتا ہے جیسے اونٹ گائے بیل بکری کہ انسان بہر حیثیت ان سے استفادہ کرتا ہے خواہ غذا و لباس وسواری کی جہت سے استفادہ کرے یا زینت وآرائش کے لئے ان کو استعمال کرے اور پھر ان کو معراج کمال پر پہونچاتا ہے اسی طرح صالحین ایسے افراد انسانی کو جو کالانعام ہوتے ہیں غلام بنلتے اور پھر ان کو تعلیم تربیت دے کے آزادی کی منزل پر پہونچاتے ہیں اور جو انسانی افراد مالکیت الٰہیہ سے اعراض کرکے ہوائے نفسی کی انتہائی منزل پر پہونچ گئے ہیں اور جن سے انسانی جماعت متضرر ہوتی ہے ان کو قانون فطرت نے شرالبریہ قرار دیا ہے جیسے سانپ بچھو وحشی درندے کہ ہر حکومت کا قانون خواہ وہ حکومت الٰہیہ ہو یا غیر الٰہی حکومت ان جانوروں کا قتل فرض قرار دیتی ہے حتی کہ انسانی حکومتوں نے ان جانوروں کے قتل پر انعامات علی قدر مراتب مقرر کئے ہیں۔ اب ہم ان ہی جماعتوں سے بحث کریں گے جو جہاد میں قتل کردی جاتی ہیں یا غلام بنالی جاتی ہیں۔

آنحضرت صلعم کی تنبیہ قانون فطرت نے ان ہی اعلانات وتصریحات پر اکتفا نہیں کیا ہے

بل هم اضل سبیلاً ۔ (سورۃ فرقان رکوع ۵) پارہ (۱۹) — ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں کیونکہ یہ جانور قوت سمات اور قوت عاقلہ نہیں رکھتے لیکن یہ انسان ان قوتوں سے سرفراز ہونیکے باوجود ہوائے نفس سے ان قوتوں کو معطل کر رکھے ہیں)

(۲) جو لوگ معبودیت الٰہیہ کی تصدیق کے ساتھ نیک اعمال کرتے ہیں انکو بشارت دی جاتی ہے کہ ان کا شمار صالحین میں ہوگا۔

والذین آمنوا وعملوا الصالحت لندخلنهم فی الصالحین (عنکبوت ع پ ۲۰) — جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کو ہم صالحین میں داخل کریں گے۔

چوتھی منزل (۱) ہوائے نفسی (انکار مالکیت وحاکمیت الٰہیہ) کی آخری منزل قرآن حکیم نے یہ بتلائی ہے کہ انسان بدترین مخلوق بن جاتا ہے اور اس کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔

ان الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین فی نار جهنم خالدین فیها اولئک هم شر البریه (سورۃ بینہ ع ۱ پ ۳۰) — اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہیں وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ تمام مخلوقات سے بدتر ہیں۔

(۲) جو لوگ ایمان کے ساتھ عمل صالح کرتے ہیں ان کو خلافت ارضی عطا کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

وعد الله الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحت لیستخلفنهم فی الارض الخ (النور ع پ ۱۸) — جو لوگ تم میں ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کو خلافت ارضی دی جائیگی۔

تیسری منزل میں جو آیۃ قرآنی ہم نے پیش کی ہے اس میں لفظ "کالانعام" اور چوتھی منزل کی آیۃ میں "شر البریه" کے الفاظ محتاج غور ہیں اور ہمارے مقصود کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

لفظ نعم کا زبان عرب میں استعمال — زبان عرب میں لفظ نعم اونٹ کے لئے مختص ہے اور اس کی جمع انعام آتی ہے اور اس جمع کا اطلاق اونٹ گائے بیل بکری پر ہوتا ہے۔

امام راغبؒ لکھتے ہیں۔

والنعم مختص بالابل وجمعه انعام و — لفظ نعم اونٹ کے لئے مختص ہے اور اس کی جمع

تسمیۃ بذلک لکون الابل عندھم اعظم نعمۃ لکن الانعام تقال للابل والبقر والغنم ولا یقال لھا انعام حتی یکون فی جملتھا الابل۔ (المفردات مطبوعہ مصر ص ۵۱۹)

انعام آتی ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اونٹ عرب کے پاس بڑی نعمت ہے لیکن انعام اونٹ اور بیل اور بکری کے لئے کہلاتا ہے اور انعام کا استعمال اس وقت تک نہیں کیا جاتا جبتک ان جانوروں میں اونٹ نہو۔

قرآن حکیم میں جہاں کہیں لفظ انعام آیا ہے اس سے یہی جانور مراد ہیں اور قربانی کے لئے بھی یہی جانور مختص کئے گئے ہیں ان جانوروں کے گوشت اور کھال اور بال تمام چیزوں سے انسان استفادہ کرتا ہے گوشت کھاتا ہے دودھ پیتا ہے کھال اور اون کا لباس بناتا ہے غربا کمبل بناتے ہیں امراء شال اوڑھتے ہیں اور خیمے تیار کرتے ہیں۔

ان افراد انسانی کی تشبیہ جو مالکیت و حاکمیت الٰہیہ سے اعراض کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی بات پر کان نہیں دھرتے قانون فطرت نے ان جانوروں سے دی ہے جس سے انسان تمتع حاصل کرتا ہے جیسے اونٹ گائے بیل بکری کہ انسان بہر حیثیت ان سے استفادہ کرتا ہے خواہ غذا و لباس و سواری کی جہت سے استفادہ کرے یا زینت و آرائش کے لئے ان کو استعمال کرے اور پھر ان کو معراج کمال پر پہونچاتا ہے اسی طرح صالحین ایسے افراد انسانی کو جو کالانعام ہوتے ہیں غلام بناتے اور پھر ان کو تعلیم تربیت دے کے آزادی کی منزل پر پہونچاتے ہیں اور جو انسانی افراد مالکیت الٰہیہ سے اعراض کرکے ہوائے نفسی کی انتہائی منزل پر پہونچ گئے ہیں اور جن سے انسانی جماعت متضرر ہوتی ہے ان کو قانون فطرت نے شر البریہ قرار دیا ہے جیسے سانپ بچھو وحشی درندے کہ ہر حکومت کا قانون خواہ وہ حکومت الٰہیہ ہو یا غیر الٰہی حکومت ان جانوروں کا قتل فرض قرار دیتی ہے حتی کہ انسانی حکومتوں نے ان جانوروں کے قتل پر انعامات علی قدر مراتب مقرر کئے ہیں۔ اب ہم ان ہی جماعتوں سے بحث کریں گے جو جہاد میں قتل کردی جاتی ہیں یا غلام بنالی جاتی ہیں۔

آنحضرت صلعم کی تنبیہ قانون فطرت نے ان ہی اعلانات و تصریحات پر اکتفا نہیں کیا ہے

بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان فقط گوشت و پوست چشم و ابرو خط و خال کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے اعضاء رئیسہ میں ایک عضو قلب ہے جس کی حکومت تمام اعضاء پر ہے اور جسم انسانی کی مشین اسی کارفرما رئیس کے احکام کے تحت عمل کرتی رہتی ہے اسی کی صلاح و فساد پر انسان کا عروج و کمال اور نقص و زوال منحصر ہے بصورت صلاح وہ انسانیت سے متصف ہونے کا حق رکھتا ہے اور بصورت فساد دائرہ انسانیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس پر انسان کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے جیسے گیاہ گندم پر گندم کا۔

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلح صلح الجسد کلہ واذا فسد فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔

خوب سنو کہ جسم انسانی میں ایک عضو (گوشت کا ٹکڑا) ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ خبردار ہو جاؤ کہ وہ دل ہے۔

حضور سرور کائنات کی یہ تنبیہ خاص اہمیت رکھتی ہے اور کچھ توضیحات کی بھی محتاج ہے۔

اعضاء و جوارح انسانی میں اگر فکر کی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ آنکھ محل بصارت ہے اور کان محل سماعت ہے اسی طرح انسان کا دل محل علم ہے اور علم ہی کی شرافت پر انسان کی شرافت و بزرگی سمجھی گئی ہے۔

اگر انسان مالکیت و حاکمیت الٰہیہ کا علم و یقین رکھتا ہے تو اس کی شرافت کی منزل اتنی بلند ہوتی ہے کہ وہ خلافت الٰہیہ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اپنی نفسی مالکیت و حاکمیت کا علم و یقین رکھتا ہے تو اس کے اس جہل کی رذیلت اس کو مستحق قتل بنا دیتی ہے یا غلامی کی منزل پر پہونچا دیتی ہے۔

قانون فطرت نے انسان کے علم و عمل کے آثار و نتائج کی بڑی تفصیل کی ہے اس کا قلمبند کرنا اس موقعہ پر باعث طوالت ہے بقدر ضرورت مقام ہم اسقدر مزید توضیح کرتے ہیں کہ انسانی علم و عمل کی صورتیں بھی جداگانہ عالم مثال میں بنتی رہتی ہیں

جو ایک غیر عنصری جسم کا عالم ہے اور جس کو ماہرین الٰہیات نے عالم مثال سے موسوم کیا ہے
عالم مثال کی صورتیں۔ (۱) جو لوگ اپنی ذاتی مالکیت و حاکمیت کا علم رکھتے ہیں اور
مالکیت و حاکمیت الٰہیہ سے اعراض و انحراف کرتے ہیں۔ ان کی مثالی صورت اس
غیر مادی عالم مثال میں جو روپ اختیار کرتی ہے اس کی توضیح قرآن حکیم نے اس طرح کی

یاایھا الذین اوتوا الکتاب آمنوا	اے اہل کتاب تم اس علم پر ایمان لاؤ جس
بما نزلنا مصدقا لما معکم من قبل	ہم نے نازل کیا ہے اور جو تمہاری سابقہ کتب
ان نطمس وجوھا فنردھا علیٰ	کی تصدیق کرتا ہے قبل اسکے کہ ہم چہرے مسخ کر دیں
ادبارھا او نلعنھم کما لعنا	ان صورتوں کو الٹی جانب پشت کی طرف لگا دیں یا ہم ان
اصحاب السبت الخ (سورۂ نساء ع پ)	لعنت کریں جیسے اصحاب سبت پر کی تھی۔

اس امر پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ علم الٰہی سے انحراف کرنے کی وجہ سے انسا
کی صورت عالم مثالی میں منحرف کر دی جاتی ہے اور ان کی پشت کی جانب ان کا منہ کر
جاتا ہے اسی مناسبت سے اس دنیا میں عبادت الٰہیہ سے انحراف غلامی کی اصل علت
مگر اس کے ساتھ کچھ اور شروط بھی ہیں چنانچہ علامہ حلبی نے اپنے حاشیہ شرح وقایہ موسو
ذخیرہ العقبیٰ میں استرقاق کی علت حسب ذیل الفاظ میں بیان کی ہے۔

لانہ دلے الاسترقاق یقع جزاءً	اس لئے کہ غلامی بدل ہے انسان کے اپنے
لاستنکافہ عن عبادۃ ربہ فانہ	رب کی عبادت سے انکار کا۔ جب بندے
لما استنکف عن عبادۃ ربہ جازاہ	اپنے رب کی عبادت سے انکار کیا تو
اللہ تعالیٰ بان صیر عبد عبیدہ	بھی اس کی جزا یہ دی کہ اس کو اپنے بندوں
باب المنثور ص ۲۳۰ مطبوعہ مصر۔	کا غلام بنا کر چھوڑ دیا۔

علامہ موصوف نے انکار عبادت رب سے اس کے وہ نتائج مراد لئے ہیں
جن سے انسان اولئک کالانعام کی منزل پر پہونچ جاتا ہے کیونکہ محض شرک و کفر
اس دنیا میں غلامی کا سبب نہیں بنتا ہے تاوقتیکہ اس قوم کے ساتھ جو شر البریہ
منزل پر پہونچ گئی ہو شریک و رفیق نہ ہو جائے ورنہ آج اس دنیا میں خدا کی عبادت

کوئی منکر آزاد انہ زندگی بسر نہ کر سکتا۔
(۲) اسی طرح علم حق مالکیت و حاکمیت الٰہیہ کے اعتقاد کی صورت عالم مثال میں دودھ کی ہے اور یہ وہ تعبیر ہے جو حضور انور صلعم نے دی ہے۔

عن ابن عمرؓ قال سمعت رسولؐ	ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلعم
یقول بینا انا نائم اُوتیت بقدح	کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب میں سویا ہوا تھا
لبن فشربت حتیٰ انی لاری الری	میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے اسکو
یخرج فی اظفاری ثم اعطیت	پیا یہاں تک کہ میں سیرابی کو دیکھنے لگا کہ میرے
فضلی عمر بن الخطاب قالوا	ناخنوں سے ظاہر ہو رہی ہے پھر میں نے اپنا
فما اولتہ یا رسول اللہ	بچا ہوا عمرؓ کو دیدیا صحابہ نے عرض کیا آرسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم قال العلم	پھر آپنے اس سے کیا تعبیر لی۔ فرمایا علم۔

بخاری باب العلم

(۳) اعمال انسانی جو علم الٰہی اور علم نفسی کے تحت انسان سے صادر ہوتے ہیں ان کی صورتیں بھی بہ مناسبت عمل جداگانہ ہوتی ہیں اور قانون فطرت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ کوئی عمل خواہ وہ ذرہ برابر ہی کیوں نہو ضائع نہیں ہوتا۔

فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیراً	جو شخص ذرہ برابر نیک عمل کرے وہ اس عمل کو دیکھے گا اور
یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ	جو ذرہ برابر برا عمل کرے گا وہ اس کو دیکھے گا۔
شراً یرہ۔ (الزلزال)	

اس کلیہ کی تائید میں ہم بعض اعمال کی مثالی صورتیں جو قانون فطرت نے بتلائی ہیں پیش کرتے ہیں۔

عمل خیر کا تمثل | آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے۔

(۱) لاحول ولاقوۃ الا باللہ	لاحول ولاقوۃ الا باللہ (ہر حرکت اور
غراس الجنۃ۔	ہر قوت اللہ کی جانب سے ہے) جنت کا ایک پودا ہے

احمد اور طبرانی اور نسائی نے معاذ بن جبل سے اس حدیث کی روایت کی ہے
(ملاحظہ ہو صفحہ ۲۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ بعضَ الظَّنِّ اِثمٌ

حقیقت یہ ہے کہ بعض قیاس و گمان ذہن انسانی کی غیر صحیح حرکت ہیں ذہنی معصیت سے محفوظ رہنے کیلئے اس واقعہ کو ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ رسالہ کی آمدنی بعد وضع حقیقی اخراجات دین کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے وقف رہیگی بہ توفیق الٰہی و بحمدہٖ مرتب رسالہ کی ذات رسالہ کی آمدنی سے مستفید نہ ہوگی اس لئے مالی تعاون کی درخواست نہیں ہے بلکہ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْراً فَھُوَ خَیْرٌ لَّهٗ اہل خیر ہی کار خیر کا اجر پائیں گے۔

ماہنامہ

الحق

فطرتِ انسانی کا تذکرہ

صفوۃ الرحمٰن صابر

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

فہرست مضامین

بابتہ ماہ رجب ۱۳۶۷ھ جلد ۲ عدد (۱۳)

فی پرچہ (۸ ــ سالانہ ۶ لے) تعاون حسب استطاعت

باہتمام صفوۃ الرحمن صابر اعظم اسٹیم پریس میں طبع ہو کر دفتر رسالہ الحق دیوڑھی شہریار جنگ محلہ سلطان شاہی حیدرآباد دکن سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں تو حق باطل کا دماغ پاش پاش کر دیتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے

فروغ نظر

"عقلی استدلال" "علمی ثبوت" دین اور مسائل دین کو سمجھانے کے لئے تقریر و تحریر کی جان، کلام کی قوت یہی دو چیزیں سمجھی جاتی ہیں۔ قرآنی طریقہ استدلال اگر عقلی استدلال نہیں ہے اور قرآن کی آیات بینات اگر علمی ثبوت نہیں ہیں بلکہ اپنے ذہن میں چند مقدمات کو قائم کرنا اور ان کے تحت تنقیحات ترتیب دیکر ان سے منطقی نتائج مستخرج کر کے حق و باطل کو ثابت کرنے کا نام عقلی استدلال ہے اور جو بات صرف انسانی تجربہ و مشاہدہ سے قیاسی و تخمینی طور پر ثابت ہو اس کا نام علمی ثبوت ہے تو ایسے عقلی استدلال و علمی ثبوت سے بحث و مباحثہ میں مخاطب و معترض کو خاموش تو کیا جا سکتا ہے مگر قبولیت حق کے لئے انسان کے فطری جذبہ حق پرستی کو بیدار نہیں کیا جا سکتا اس کے منطقی پہلو ہر چند بہت دلچسپ ہوں اور عجیب و غریب نکات بیان کئے گئے ہوں مگر وہ قلب مضطرب و مضمحل میں یقین کی قوت نہیں پیدا کر سکتے۔

علاج ضعف یقیں ان سے ہو نہیں سکتا
غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق (اقبال)

اسلام چونکہ دین فطرت ہے علم و عمل کی وہ روشنی ہے جو فطرت انسانی کے صحیح

حساسات وجذبات کی حقیقی رہنما ہے مطالبات فطرت کی تکمیل کا واحد ذریعہ ہے اس لئے کتاب وسنت میں افہام وتفہیم کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہی عقلی علمی وفطری طریقہ ہے اس کو عقلی استدلال اور علمی ثبوت نہ سمجھنا دین کی صحیح بصیرت نہیں ہے بصیرت دین میں اگر تھوڑا سا بھی نقص ہو تو اشاعت دین کے کام میں بنیادی خامی رہ جاتی ہے ایک حقیقت شناس کی بھی یہی رائے کہ ایسے استدلال سے جو ذہن انسانی کی تراش خراش ہو نہ کار دین انجام پا سکتا ہے اور نہ ایسا انسان رازدار دین ہو سکتا ہے اس کی بنیاد قوی مضبوط نہیں ہوتی بلکہ نہایت کمزور ہوتی ہے۔

گر بہ استدلال کار دیں بدے　　فخر رازی رازدار دیں بدے
پائے استدلالیاں چوبیں بود　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

خیالات، تصورات، نظریات سب کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے، شریعت میں اسی مفہوم کو واضح کرنے کے لئے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ عقائد ہے جو عقیدہ کی جمع ہے جس کا مصدر "عقد" ہے۔ عقد کے لغوی معنی ہیں بستن۔ باندھنا گرہ۔ لغوی معنی کے لحاظ سے عقائد کا مفہوم یہ ہوگا کہ انسان کے وہ تصورات ونظریات جن میں انسان کا ہر بن مو جکڑا ہوا ہے اگر انسان اس کے خلاف کوئی راہ عمل اختیار کریگا تو اس کی زندگی کا شیرازہ بکھر جائیگا۔ کسی نظریہ کو انسان اسی وقت بطیب خاطر بلا جبر واکراہ قبول کرتا ہے اور اس کے تحت زندگی گذارنے پر اسی وقت آمادہ ہوتا ہے جب کہ وہ اس نظریہ کو اپنی زندگی کی مشکلات کا واحد حل سمجھتا ہے اور یہی نظریہ اس کی زندگی کے تمام کاروبار کی اساس وبنیاد ہوتا ہے۔ شریعت میں عقائد کا مفہوم بھی بالکلیہ یہی ہے کہ انسان کی زندگی کے وہ اساسی وبنیادی حقائق جو انسان کی زندگی پر مسلط اور اس کی پوری زندگی کو احاطہ کئے ہوئے ہیں، اور ان کی بندشوں سے انسان آزاد نہیں ہو سکتا اور انسان کی بھلائی وبرائی ان ہی حقائق کو سمجھنے اور نہ سمجھنے پر منحصر ہے۔ ان

حقائق کے تحت زندگی بسر کرنے کے بعد ہی انسان ایک پر مسرت و با مراد زندگی حاصل کر سکتا ہے اگر ان سے روگردانی کی جائیگی اور ان کے خلاف عمل کیا جائیگا تو انسان افکار و آلام میں مبتلا رہیگا اور زندگی میں اعتدال و توازن باقی نہ رہے گا اور نہ حقیقی راحت و شادمانی نصیب ہوگی جو انسان کی ایک فطری خواہش ہے اور اسی ایک فطری خواہش کو پورا کرنے کے لئے انسان تا دم آخر اپنی جسمانی و دماغی، مالی قوتوں کو خرچ کرتا رہتا ہے۔

ان حقائق کے منجملہ ایک حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک ازلی ابدی غیر محدود قدرت رکھنے والی ہمہ داں و ہمہ گیر ہستی کا ایسا عبد غلام ہے جس کا نظام زندگی موت کے بعد ختم نہیں ہوتا بلکہ بدل جاتا ہے سعی و عمل جد و جہد کی محدود دنیا ختم ہو جاتی ہے اور جزائے سعی و عمل کا غیر محدود ابدی عالم شروع ہو جاتا ہے حیات آفریں کی ذات اعلیٰ و عظیم غیر محدود و لازوال ہے اس کی بخشی ہوئی حیات کا سلسلہ بھی تب تک وہ چاہیگا باقی رہیگا موت اختتام حیات نہیں انتقال مقام ہے اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے عقلی دلائل اور منطقی موشگافیوں کی ضرورت نہیں۔ حیات ابدی کی فطری خواہش جو ہر انسان میں موجود ہے وہ خود ایک قابل قبول گواہی ہے اس سلسلہ میں عبد کے معنی کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے بندہ اس لفظ کا عام ترجمہ ہے اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ ذات انسان اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس کے آقا و مالک کی ملک ہے انسان کے جسم صورت، روح دل و دماغ اعضا ظاہری و باطنی حرکات و سکنات کا مالک وہی ہے جس نے اس کو پیدا کیا بنانے والا ہی اپنی بنائی ہوئی شے کا مالک ہے وہی اس کا رب حاجت روا ہے یعنی اپنے عبد کے جسم و صورت کی پرورش اسکی تعلیم و تربیت اسکی فلاح و بہبودی اسکی فلاح و فوز کا انتظام کرنے والا ہے رب کے پیش نظر مربوب کی فلاح و خیر ہوتی ہے چند روزہ سعی و عمل کی زندگی اور بقائے زندگی کے لئے سامان زندگی جس نے عطا فرمایا ہے وہی اس زندگی میں سکون و اطمینان اور عالم ابدی میں عیش و عشرت راحت

ومسرت کی زندگی عطا کرنے والا ہے، اپنے عبدؔ غلام کے لئے یہ عالم عارضی دنیائے علم وعمل آرام گاہ نہیں، امتحان گاہ اور بلحاظ علم وعمل غیر محدود و لافانی عالم جزا قائم و آباد کرنا جسکی صفت رحمانیت ہے۔ بلا لحاظ اسباب ظاہری اپنے نیکوکار بندوں کی تائید وامداد اور استحقاق سے زیادہ انعام واکرام سے سرفراز کرنا جسکی صفت رحیمیت ہے۔ بندوں کے عیوب و نقائص کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا جسکی صفت ستاریت ہے، بڑی بڑی خطاؤں کو معاف کرنا اور چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے درگذر کرنا جسکی صفت غفاریت ہے انسان اسی ذات اعلیٰ وعظیم کا عبد ہے فقیر ومحتاج ہے اس ذات عزوجل کی توجہ وامداد کے بغیر نہ انسان کا دل ودماغ کام کرسکتا ہے نہ اعضا وجوارح حرکت کرسکتے ہیں اپنے عبد اور اللہ جل شانہ کے رب ہونے کی یہ وجدانی حقیقت پر جب انسان مطلع ہوجاتا ہے تو اسکے اندر یہ مطالبہ پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ جس آقائے حقیقی کا عبد ہے فقیر ومحتاج ہے اور ہر آن جس کے احسانات کی بارش اس پر ہورہی ہے اس مولا وآقا کے جمال جہاں آرا کو دیکھے اور دولت لقاء رب سے سرفراز ہو اور اسکے فضل ومرضی کی تلاش وجستجو میں لگا رہے جسکے رضا کے ظہور کا حقیقی مقام وہ عالم آخرت ہے جہاں بندۂ وفادار وجانباز غیر محدود وابدی نعمتوں سے سرفراز ہوتا رہیگا۔ دین اسلام کو قبول واختیار کرنا اسی لئے انسان پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرکے لقاء رب کے قابل اور ابدی سرفرازیوں کا مستحق ہوجائے اس ابدی عالم جزا کو قرآن میں (معاد) لوٹنے کی جگہ فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ

ترجمہ۔ خدا نے تم پر قرآن کو فرض کیا ہے کہ آپ کو اپنی اصلی جگہ لوٹائے۔

جو انسان اپنی فطری حیثیت اور فطرت کے متذکرہ صدر باطنی مطالبات پر مطلع ہوکر اس عالم اخروی کے واقع ہونے پر یقین کرلیگا وہی قرآنی دعوت حق کو قبول و اختیار کرلیگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَۃِ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ

ترجمہ:۔ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہی قرآن پر ایمان لاتے ہیں

اللہ جل شانہ کا قطعی فیصلہ ہے کہ حیات آخرۃ کا قرآنی تفصیلات اور اس زندگی کے سلسلہ کے قرآنی تصورات پر جب تک یقین نہ پیدا ہوگا انسان کا دل و دماغ قرآنی دعوت کو قبول نہیں کر سکتا قرآن مجید میں وہ تمام علم و عمل کی تفصیل موجود ہے جسکو قبول و اختیار کرنے کی دعوت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ذریعہ دیگئی ہے اور جو حیات آخرہ کی تعمیر کے حقیقی اجزا ہیں اس لئے قرآن مجید میں مصلح اسی کو فرمایا گیا ہے جو بلحاظ علم و عمل قرآنی فکر و نظر رکھتا ہے چاہے اصلاح کا تعلق اپنی ذات سے ہو یا دوسروں سے۔

وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتَابِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ

ترجمہ:۔ جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں ہم ایسے اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

تمسک بالکتاب کا ایک مطلب یہ ہے کہ انسان کی عارضی و ابدی زندگی کی صلاح و فلاح و فوز جن قرآنی حقائق سے وابستہ ہے اور جو فطرت انسانی کے حقیقی داعیات و مطالبات ہیں اسکو اس طرح قبول و اختیار کر لیا جائے کہ اسکے خلاف سوچنے سمجھنے کو خلاف عقل و فطرت سمجھے اور ہر وہ خیال و نظریہ جو اسکے خلاف ہو اسکو ٹھکرا دے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کے ان طریقوں پر کاربند ہو جو کتاب و سنت میں درج ہیں اس میں اپنی ذہنیت کو شامل کر کے بدعت و ضلالت میں مبتلا نہ ہو اور طریقہ دعوت و اصلاح میں قرآنی اصول کو پیش نظر رکھے جیسا کہ تاکید فرمائی جا رہی ہے۔

فَذَکِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ

ترجمہ:۔ قرآن کے طریقہ پر ایسے شخص کو نصیحت کیجئے جو میری وعید سے ڈرتا ہے

قرآنی طریقہ دعوت یہی ہے کہ ابتداءً اخروی زندگی کے حقائق کو جسکے مصداقات فطرت انسانی میں موجود ہیں اس طرح ذہن نشین کرنے کی کوشش فرمائی گئی ہے کہ انسان اسی اساس و بنیاد پر زندگی کے تمام کاروبار کو انجام دے۔ عہد جب یہ محسوس

یگا کہ رب و مولا کی ناراضگی کی وجہ سے وہ رب و مولا کی ابدی رحمت و نعمتوں سے محروم کردیا جائیگا
اور اسطرح ابدی زندگی سخت تکلیف دہ زندگی ہوجائیگی تو رب کی ناراضگی کا خوف اس کے
سب پر پیدا ہوجائیگا انجام آخرت کا یہی خوف حصول رضائے الٰہی کا ابتدائی زینہ ہے اور
یہی خشیت الٰہی امراض نفسی و قلبی کا واحد علاج ہے قلب میں خوف خدا دراصل ناراضگی رب و اخروی زندگی
کی تباہی و بربادی کے خیال سے پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ اس عالم میں انعامات الٰہیہ کی بارش نافرمان و
فرماں بردار دونوں پر یکساں ہے بلکہ بظاہر نافرمان ہی زیادہ دنیاوی نعمتوں سے سرفراز ہیں اگرچہ یہی
نعمتیں انکی بربادی کا سامان بنی ہوئی ہیں یہی خوف و خشیت الٰہی کی کیفیت انسان کو بصد
ذوق و شوق اس علم و عمل کو قبول و اختیار کرنے پر آسانی و آمادہ کرتی رہتی ہے جو اس عالم کے
تعمیری اجزاء ہیں۔

ولمن خاف مقام ربه جنتان

ترجمہ:۔ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اسکے لئے دو جنتیں ہیں۔
جنت غیر محدود و غیر فانی غیر منقطع راحت و شادمانی کی دنیا جہاں کی سب سے اعلیٰ و افضل ترین
نعمت دید و لقاء رب ہے جس کا شوق انسان کا ایک اعلیٰ ترین باطنی جذبہ ہے۔

صدیوں سے مسلمانوں میں دینی تعلیمات کا جو طریقہ رائج ہے اور جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہے کہ
مسلمانوں میں دین کی اہمیت گھٹتی جارہی ہے اور دینی جمود و تعطل بڑھتا جارہا ہے شائد
اسکو دیکھ کر بعض اہل فکر اہل حق کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہوگیا ہے کہ جنت و دوزخ
کے تصور سے (جو آخرت کی سکھ و دکھ والی دنیا کا نام ہے) کوئی مجاہدانہ جذبات پیدا نہیں ہوتے
شائد یہی وجہ ہے کہ اصلاحی جدوجہد کا مقصد آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول
ظاہر کرنے کے باوجود وہ حضرات اپنی اصلاحی تحریر و تقریر میں حیات آخرۃ کے تصور
کو قرآنی انداز میں بشدت و بتکرار پیش کرنے کی جانب مائل نظر نہیں آتے حالانکہ قرآنی
بصیرت تو یہی ہے کہ حیات آخرۃ کے ابدی راحتوں درجات و فضیلتوں اور ابدی تکالیف
کے یقین سے مجاہدانہ جذبہ پیدا ہوتا ہے قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں بصیرت بیان کی گئی ہے

ان الذین یؤمنون بالآخرۃ یؤمنون بہ

ترجمہ:- جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہی قرآن پر ایمان لاتے ہیں

اللہ جل شانہ کا قطعی فیصلہ ہے کہ حیات آخرۃ کی قرآنی تفصیلات اور اس زندگی کے سکھ دکھ کے قرآنی تصورات پر جب تک یقین نہ پیدا ہوگا انسان کا دل و دماغ قرآنی دعوت کو قبول نہیں کر سکتا قرآن مجید میں وہ تمام علم و عمل کی تفصیل موجود ہے جسکو قبول و اختیار کرنے کی دعوت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ذریعہ دیگئی ہے اور جو حیات آخرہ کی تعمیر کے حقیقی اجزا ہیں اس لئے قرآن مجید میں مصلح اسی کو فرمایا گیا ہے جو بلحاظ علم و عمل قرآنی فکر و نظر رکھتا ہے چاہے اصلاح کا تعلق اپنی ذات سے ہو یا دوسروں سے۔

والذین یمسکون بالکتاب واقاموا الصلوٰۃ انا لا نضیع اجر المصلحین

ترجمہ:- جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں ہم ایسے اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

تمسک بالکتاب کا ایک مطلب یہ ہے کہ انسان کی عارضی و ابدی زندگی کی صلاح و فلاح و فوز جن قرآنی حقائق سے وابستہ ہے اور جو فطرت انسانی کے حقیقی داعیات و مطالبات ہیں اسکو اس طرح قبول و اختیار کر لیا جائے کہ اسکے خلاف سوچنے سمجھنے کو خلاف عقل و فطرت سمجھے اور ہر وہ خیال و نظریہ جو اسکے خلاف ہو اسکو ٹھکرا دے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کے ان طریقوں پر کاربند ہو جو کتاب و سنت میں درج ہیں اس میں اپنی ذہنیت کو شامل کرکے بدعت و ضلالت میں مبتلا نہ ہو اور طریقہ دعوت و اصلاح میں قرآنی اصول کو پیش نظر رکھے جیسا کہ تاکید فرمائی جا رہی ہے۔

فذکر بالقرآن من یخاف وعید

ترجمہ:- قرآن کے طریقہ پر ایسے شخص کو نصیحت کیجئے جو میری وعید سے ڈرتا ہے

قرآنی طریقہ دعوت یہی ہے کہ ابتداءً اخروی زندگی کے حقائق کو جسکے مصداقات فطرت انسانی میں موجود ہیں اس طرح ذہن نشین کرنے کی کوشش فرمائی گئی ہے کہ انسان اسی اساس و بنیاد پر زندگی کے تمام کاروبار کو انجام دے۔ عبد جب یہ محسوس

کریگا کہ رب ومولا کی ناراضگی کی وجہ سے وہ رب ومولا کی ابدی رحمت ونعمتوں سے محروم کردیا جائیگا اور اسطرح ابدی زندگی سخت تکلیف دہ زندگی ہوجائیگی تو رب کی ناراضگی کا خوف اس کے قلب پر پیدا ہوجائیگا انجام آخرت کا یہی خوف حصول رضائے الٰہی کا ابتدائی زینہ ہے اور یہی خشیت الٰہی امراض نفسی وقلبی کا واحد علاج ہے قلب میں خوف خدا اور اصل الاصول اخروی زندگی کی تباہی وبربادی کے خیال سے پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ اس عالم میں انعامات الٰہیہ کی بارش نافرمان و فرماں بردار دونوں پر یکساں ہے بلکہ بظاہر نافرمان ہی زیادہ دنیاوی نعمتوں سے سرفراز ہیں اگرچہ یہی نعمتیں انکی بربادی کا سامان بنی ہوئی ہیں یہی خوف وخشیت الٰہی کی کیفیت انسان کو بصد ذوق وشوق اس علم وعمل کو قبول واختیار کرنے پر اکساتی وآمادہ کرتی رہتی ہے جو اس عالم کے تعمیری اجزاء ہیں۔

ولمن خاف مقام ربه جنتان

ترجمہ:- جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اسکے لئے دو جنتیں ہیں۔

جنت غیر محدود وغیر فانی غیر منقطع راحت وشادمانی کی دنیا جہاں کی سب سے اعلیٰ و افضل ترین نعمت دید و لقاء رب ہے جس کا شوق انسان کا ایک اعلیٰ ترین باطنی جذبہ ہے۔

صدیوں سے مسلمانوں میں دینی تعلیمات کا جو طریقہ رائج ہے اور جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں دین کی اہمیت گھٹتی جارہی ہے اور دینی جمود وتعطل بڑھتا جارہا ہے شائد اسکو دیکھ کر بعض اہل فکر اہل حق کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہوگیا ہے کہ جنت و دوزخ کے تصور سے (جو آخرت کی سکھ دکھ والی دنیا کا نام ہے) کوئی مجاہدانہ جذبات پیدا نہیں ہوتے شائد یہی وجہ ہے کہ اصلاحی جد وجہد کا مقصد آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ظاہر کرنے کے باوجود وہ حضرات اپنی اصلاحی تحریر وتقریر میں حیات آخرہ کے تصور کو قرآنی انداز میں بشدت وبتکرار پیش کرنے کی جانب مائل نظر نہیں آتے حالانکہ قرآنی بصیرت تو یہی ہے کہ حیات آخرہ کی ابدی راحتوں درجات وفضیلتوں اور ابدی تکالیف کے یقین سے مجاہدانہ جذبہ پیدا ہوتا ہے قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں بصراحت بیان کی گئی ہے

یہاں صرف ایک آیت کو پیش کیا جاتا ہے۔

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ الخ

ترجمہ:۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے انکی جانوں مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کیلئے جنت ہے وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔

آیہ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ جان و مال کی قربانی کا جذبہ حیات آخرہ کے قرآنی تصور ہی سے پیدا ہوتا ہے جس شخص نے رشتہ عبدیت حقیقی رب الہ سے جوڑ دیا تو گویا اس کے رب حقیقی نے اسکی جان و مال کو بمعاوضہ جنت خرید لیا ایسے عبد کی جسمانی۔ تبلیغی۔ مالی۔ جو حرکت بھی ہوگی اس کا محرک جنت کا قرآنی تصور ہوگا جو رضائے الٰہی کے ظہور کا مقام ہے۔ یقاتلون فی سبیل اللہ سے ظاہر ہے کہ اس تصور جنت کے تحت جو رضائے الٰہی کے ظہور کا مقام ہے کارزار حق و باطل میں حرب و ضرب مومن کی زندگی کا مشغلہ ہوگا بالسیف ہو یا باللسان مختصر یہ کہ آخرت کی بامراد و پر مسرت زندگی انسان کی ایک فطری آرزو و تمنا ہے خالق فطرت نے اسی کی دعوت دی ہے جس کا یہ آرزو مند ہے

واللہ یدعو الی دار السلام

ترجمہ:۔ اللہ (تمکو) ابدی عالم امن و سلامتی کی طرف بلاتے ہیں۔

واللہ یدعو الی المغفرۃ والجنۃ

ترجمہ:۔ اللہ انکو مغفرت اور ابدی دنیا راحت شادمانی کی طرف بلاتے ہیں۔

یہی حکم دیا گیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی جسمانی دماغی توانائیاں عطا کی گئی ہیں ان سے دار آخرت کی تعمیر کا سامان کیا جائے۔

وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الآخرۃ۔

ترجمہ:۔ تجھکو اللہ نے جو کچھ دیا ہے اس میں دار آخرت کی جستجو کر۔

یہی تاکید فرمائی جا رہی ہے کہ جو عمل بھی اس دنیا میں کیا جائے وہ آخرت کے نفع و ضرر کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے۔

ولتنظر نفس ما قدمت لغد

ترجمہ:۔ ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے لئے اس نے کیا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ص۱۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاقی تصوف

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

(سلسلہ ۹)

خیر یہ تو ایک ذیلی واقعہ تھا' نظام الملک کی زبان سے ایک تعریضی فقرہ نکلا تھا' کون جانتا تھا کہ وہی واقعہ کی شکل اختیار کرنے والا ہے۔

ہوا یہ کہ الپ ارسلان ارمانوس ہی کی فکر میں اپنے پایہ تخت رَے سے نکل کر شام کے علاقوں میں گشت کر رہا تھا اس عرصے میں ارمانوس اور الپ ارسلان کے درمیان خلیفہ بغداد نے صلح کرانے کی بھی کوشش کی تھی اور صلحنامہ گویا ایک طرح سے طے ہو چکا تھا' اس عرصے میں شدید قسم کا قحط شامی علاقوں میں پھوٹ پڑا' الپ ارسلان نے مجبوراً فوجیوں کو خراسان جانے کا حکم دے دیا لیکن خود خاصے کے چار ہزار غلاموں کے ساتھ وہ شامی علاقے ہی میں ٹھیرا رہا' اسی حال میں اچانک اس کو خبر ملی کہ سرحد پر ارمانوس نے عظیم الشان تیاریوں کے ساتھ حملہ کر دیا ہے' ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ارمانوس کے ساتھ تین لاکھ آدمی تھے[1] سینکڑوں گاڑیاں تھیں جن پر سامان جنگ لدا ہوا تھا' منجنیقوں عرادوں' دبابوں کی تعداد بھی کافی تھی' بعض بعض منجنیقیں اتنی بڑی تھیں کہ بارہ بارہ سو آدمی مل کر اس کو کھینچتے تھے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ ایک طرف تین لاکھ "ٹڈی دل" انسانوں کا مجمع ہے' اور دوسری طرف مسلمان بادشاہ کے ساتھ صرف چار ہزار غلام ہیں' فوج کے اصلی سپاہی وطن جا چکے تھے۔ قدرتاً الپ ارسلان کی سخت آزمائش کا وقت تھا لیکن اس نے اپنے قلب میں قوت محسوس کی' جمعہ کا دن تھا جب دونوں میں مٹ بھیڑ

---

[1] ابن جوزی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک لاکھ آدمی تو صرف نقب لگانے زمین کھودنے اور راستہ وغیرہ ہموار کرنے کیلئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ جنگی سپاہیوں کے اس زمانہ میں بھی انجنیری کا کافی عملہ فوج کے ساتھ رہتا تھا

ہونے والی تھی، الپ ارسلان مسجد آیا، پہلے خوب رویا چہرے پر خاک ملی اور حق تعالیٰ سے توفیق و نصرت کا طالب ہوا پھر اس نے ساتھیوں کی طرف خطاب کرکے کہا کہ بادشاہی اور افسری ختم ہوچکی میری حیثیت اسلام کے ایک ادنیٰ سپاہی سے زیادہ اب نہیں رہی ہے میں نے تو ارادہ کرلیا ہے کہ اسلام کے اس دشمن کے مقابلہ سے پیٹھ نہ پھیروں، خواہ میں مارا ہی کیوں نہ جاؤں یا خدا مجھے کامیابی نصیب کرے، آپ لوگوں کو اختیار ہے جس کا جی چاہے اس جہاد میں میری رفاقت کرے، اور جس کا جی چاہے چلا جائے، لکھا ہے کہ اس نے سر سے کفن باندھا، تیر و کمان ترکش سب کو پھینک کر، گرز بدست گھوڑے پر سوار، ارمانوس کی اسی ٹڈی دل فوج پر غضبناک شیر کی طرح ٹوٹ پڑا، بادشاہ کے اس حال کو دیکھ کر غلاموں کا جو دستہ اس کے ساتھ تھا، جان پر کھیل کر دشمن کی فوج میں گھس پڑا لوگوں کا بیان ہے کہ چند گھڑیاں بھی گذرنے نہ پائی تھیں کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے افراتفری ان کی فوج میں پھیل گئی، بڑی تعداد تو ان لوگوں کی قتل ہوگئی، بھاگنے کی راہ جنہیں ملی وہ بھاگ گئے، باقی گرفتار ہوئے، الپ ارسلان جب اپنے خیمے کی طرف واپس آیا تو وہی فوجی آفیسر جس نے نظام الملک کے سامنے غلام کو پیش کرتے ہوئے اس تعریضی فقرے کو سنایا تھا، وہی بادشاہ کے پاس حاضر ہوا اور آکر عرض کیا کہ میرے غلاموں نے جن قیدیوں کو پکڑا ہے کہتے ہیں کہ ان میں ارمانوس یعنی خود شاہ قسطنطنیہ بھی ہے اور اس کا پکڑنے والا وہی غلام ہے جسے تعریضاً نظام الملک نے کہا کہ شاہ روم ہی کو تو قید کرکے یہ لے آئیگا" الپ ارسلان کے ساتھ ایسے آدمی موجود تھے جو قسطنطنیہ متعدد سفارتوں میں جاچکے تھے ارمانوس کو خوب پہچانتے تھے، وہی بھیجے گئے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ واقعہ صحیح ہے، الپ ارسلان نے اپنی اس غیرمعمولی کامیابی پر سجدہ شکر بجالایا، ارمانوس اس کے بعد الپ ارسلان کے سامنے حاضر کیا گیا، شرم سے اس کی گردن جھکی ہوئی تھی، دونوں میں گفتگو ہوئی جو دلچسپ ہے، تاریخوں میں اس کی تفصیل پڑھئے۔ [1]

---

[1] لکھا ہے کہ اصلی تحقیق ہوجانے کے بعد کہ واقعی خود شاہ قسطنطنیہ گرفتار ہوگیا ہے الپ ارسلان نے حکم دیا کہ میرے پاس پابزنجیر جس حال میں وہ ہے حاضر کیا جائے، بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑا ہوا

خلاصہ یہ ہے کہ الپ ارسلان نے بجائے سختی کے ارمانوس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا زر فدیہ لے کر اسکو چھوڑ دیا۔ خود تین میل تک اسکو پہونچانے گیا'

ارمانوس بادشاہ کے سامنے لایا گیا چونکہ حملہ کی خبر سن کر الپ ارسلان نے ارمانوس کے پاس اپنا قاصد بھیجا تھا کہ میرے اور تمہارے درمیان خلیفہ بغداد نے جو صلح کا معاہدہ طے کرادیا ہے اسکی تم نے خلاف ورزی کی ہے' اس لئے مناسب ہے کہ تم واپس ہو جاؤ، جواب میں ارمانوس نے کہلا بھیجا کہ میں نے اس مہم کی تیاری میں بہت زیادہ دولت صرف کر دی ہے' اور مختلف علاقوں سے جنگی سورماؤں کو جمع کرنے میں کامیاب ہوا ہوں کہتے ہیں کہ تیس ہزار چیدہ یورپین سوار اور اسی کے قریب ایشیائی علاقے کے جنگجو بہادر اس کے ساتھ تھے علاوہ اس کے اس نے پولینڈ، بلقان وغیرہ سے سپاہی فراہم کئے تھے' بہرحال آخر میں اس نے لکھا تھا کہ اب میرے اور تمہارے درمیان معاہدہ رے ہی پہونچکر ہوگا" اس فقرے نے الپ ارسلان کو دیوانہ بنا رکھا تھا' غصہ کی آگ میں جل رہا تھا' جونہی کہ ارمانوس اس حال میں اس کے سامنے پیش ہوا بادشاہ کے ہاتھ میں کوڑا تھا' کھینچ کر تین تازیانے اس کی پیٹھ پر رسید کئے' ارمانوس سر جھکائے کھڑا تھا کوڑے کھانے کے بعد اس نے الپ ارسلان سے کہا

"اے بادشاہ اب سرزنش بیکار ہے' میں نے تیاری پوری کی تھی لیکن خدا نے تمہاری مدد کی اب جو جی میں تمہارے آئے فیصلہ کرو"

یہ سن کر الپ ارسلان نے کہا کہ جس حال میں تم ہو' اگر تمہارے سامنے میں اسی حال میں پیش کیا جاتا تو بتاؤ تمہارا سلوک میرے ساتھ کیا ہوتا" ارمانوس نے کہا "برے سے برا سلوک جو سوچا جاسکتا ہے وہی میں اختیار کرتا" ارمانوس کی راست بیانی سے الپ ارسلان متاثر ہوا اور چلا کر بولا' اگر اس جواب کے سوا کوئی دوسرا جواب دیتا تو یقیناً وہ جھوٹ ہوتا' پھر اس نے ارمانوس سے کہا کہ تمہارے ساتھ میں کیا کرونگا کیا تم اس کا اندازہ کرسکتے ہو' اس نے کہا تین ہی چیزوں کا تمہیں اختیار ہے' چاہے قتل کردو چاہے اپنے ممالک محروسہ میں مشتہر کر کے مجھے رسوا کرو' رہی تیسری بات سو وہ تو ذکر کے قابل بھی نہیں ہے' الپ ارسلان نے کہا کہ نہیں بتاؤ آخر وہ کیا ہے' اس نے کہا کہ میرے قصور کو معاف کردو اور زر فدیہ لیکر مجھے چھوڑ دو' الپ ارسلان نے کہا کہ گویا میں نے اسی تیسری شق کے اختیار کرنے کا ارادہ کیا ہے پھر الپ ارسلان نے اپنے ہاتھ سے ارمانوس کی بیڑیاں نکالدیں اور ایک خاص شاہی خیمے میں اسے ٹھیرایا گیا اس کا تاج اور لباس جو چھینے گئے تھے دوبارہ پہنا دئے گئے' ارمانوس بھی الپ ارسلان کے اس حسن سلوک سے بہت زیادہ متاثر ہوا، طے ہوا کہ آئندہ سے قسطنطنیہ میں وہ الپ ارسلان کے نائب ہونیکی حیثیت سے حکومت کریگا اور سالانہ خراج بھی ارسال کرتا رہے گا زر فدیہ میں بیش قرار رقم کے دینے کا وعدہ کیا' بادشاہ نے ارمانوس کے ساتھ اس کے چند سرداروں کو بھی خلاصی بخشی'

(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

واقعہ یہ ہے کہ یورپ کے مقابلہ میں اسلام کی اس عجیب و غریب فتح کا جو قصہ پیش آیا تھا اور اس غیر متوقع کامیابی سے مسلمان جتنا متاثر ہوئے تھے اس کا اندازہ ابن جوزی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے جنہوں نے کچھ ہی دن بعد اپنی تاریخ المنتظم میں اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

وھذا الفتح فی الاسلام کان عجبا لانظیر لہ۔ — یہ فتح اسلام کے عجائبات میں شمار ہوئی ہے جس کی مثال نہیں ہے۔

پھر خود ہی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

اس مہم میں دشمن چاروں طرف سے اس لئے سمٹ کر آئے تھے کہ اسلام اور اسلام والوں کی بنیاد ہی نکال کر پھینک دیں گے، قسطنطنیہ کا بادشاہ یہ ارادہ کرکے چلا تھا کہ مسلمانوں کے بادشاہ کے لئے اگر رے (سلجوقیوں کے پایۂ تخت) تک جانا پڑیگا تو بڑھتا چلا جاؤنگا، عیسائی سرداروں مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں کو آپس میں تقسیم کر چکے تھے، شاہ قسطنطنیہ نے خصوصیت کے ساتھ اپنے اس سردار کو جس کے حصہ میں بغداد پڑا تھا یہ وصیت کی تھی کہ دیکھنا بغداد کے اس بڈھے کا خیال رکھنا وہ نیک آدمی ہے اور میرا دوست ہے' (یعنی خلیفہ) عیسائی سردار جس وقت اپنے ملک سے روانہ ہوئے تھے تو باہم ایک دوسرے سے کہتے کہ سردیوں کا موسم تو ہم لوگ رے میں گذاریں گے' اور گرمی عراق میں' واپسی میں شامی علاقوں کا بھی فیصلہ کرلیں گے" ج ۸ ص ۲۶۴

اور یہ واقعہ تو مشرق میں پیش آیا' امام غزالی کی اس وقت عمر تیرہ چودہ سال کے درمیان تھی' کم از کم ابن جوزی کے زمانہ تک "اسلامی فتوحات" کے سلسلہ میں اس عجیب و غریب

خود تین میل تک ارمانوس کی مشایعت میں گیا' لکھا ہے کہ جب الپ ارسلان سے رخصت ہوکر ارمانوس اپنے ملک کی طرف روانہ ہوا' تو اس نے دریافت کیا کہ بغداد کس سمت میں واقع ہے جب بتایا گیا تو خلافت اسلامی پایۂ تخت اور خلیفہ کی طرف منہ کرکے اس نے تعظیماً سر کو جھکایا اور یوں قصہ ختم ہوا' آگے جو واقعہ پیش آیا انہیں تاریخ میں پڑھئے ابن جوزی نے لکھا ہے کہ یہ معرکہ جس جگہ پیش آیا تھا اسکا نام زہوہ تھا ۱۲

فتح وکامیابی کی نظیر مسلمانوں کی تاریخ میں موجود نہ تھی، "اسلامی دنیا" پر اس غیر معمولی کامیابی کا جو اثر مرتب ہوا ہوگا، اس کا اندازہ تو اس وقت بھی کیا جا سکتا ہے ابن جوزی نے لکھا ہے

"جب بغداد میں اس فتح کی خبر پہونچی تو ہر ہر گلی کوچے میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے "بیت النوبۃ" میں لوگ جمع ہوئے اور فتح کی خوشخبری کے جو خطوط آئے تھے وہ پڑھے گئے"

بہر حال یہ قصہ تو اس وقت کا ہے جب امام حجۃ الاسلام طالب العلمی کی زندگی گذار رہے تھے اسی کے کچھ دن بعد جب وہ بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی صدارت پر فائز ہو چکے تھے اور اسلامی دنیا کے ممتاز و سربرآوردہ علماء کی صف میں داخل ہو چکے تھے کم وبیش ان کی عمر اس وقت ۲۹ سال کے قریب تھی مغرب میں اسی کے قریب قریب ایک دوسرا فیصلہ کن معرکہ یورپ اور اسلام کے درمیان پیش آیا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اس واقعہ کا نام "وقعۃ الزلاقہ" ہے زلاقہ اس میدان کا نام تھا جہاں یہ معرکہ پیش آیا تھا تفصیلات کا مطالعہ تو عام تاریخوں میں کیجئے میں صرف خلاصہ اس کا درج کرتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ پہلے بھی لکھا ہے کہ پانچویں صدی میں اندلس کے مسلمانوں کی مرکزی سلطنت طوائف الملوکی کی شکل اختیار کر چکی تھی لیکن اندلس کے سامنے مغرب اقصیٰ کا علاقہ افریقہ میں جو تھا وہاں مسلمانوں کی ایک عظیم الشان حکومت ان لوگوں کی قائم ہو گئی تھی جن کا نام اسلامی تاریخ میں "ملثمین" یا "نقاب پوشوں کی حکومت" تھی امام غزالی کے زمانہ میں اس حکومت کا فرماں روا وہی یوسف بن تاشفین تھا، جس کے متعلق الیافعی کے حوالہ سے گذر چکا کہ اپنے وقت میں کرۂ زمین کا سب سے بڑا طاقتور بادشاہ تھا۔

زلاقہ کا واقعہ اسی یوسف بن تاشفین کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اس زمانہ میں اندلس کے ایک بڑے حصہ میں عیسائیوں کی بھی حکومت قائم ہو چکی تھی ان کا پایہ تخت طلیطلہ تھا، طلیطلہ میں ازفونس نامی عیسائی حکمراں حکمرانی کرتا تھا قصہ بہت طویل ہے، حاصل یہ ہے کہ اندلس کے ملوک الطوائف جن میں اشبیلہ کا حکمراں معتمد بن عباد سب سے

واقعہ یہ ہے کہ یورپ کے مقابلہ میں اسلام کی اس عجیب وغریب فتح کا جو قصہ پیش آیا تھا اور اس غیر متوقع کامیابی سے مسلمان جتنا متاثر ہوئے تھے اس کا اندازہ ابن جوزی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے جنہوں نے کچھ ہی دن بعد اپنی تاریخ المنتظم میں اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

وھذا الفتح فی الاسلام کان عجبا لا نظیر لہ۔ یہ فتح اسلام کے عجائبات میں شمار ہوئی ہے جس کی مثال نہیں ہے۔

پھر خود ہی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

> اس مہم میں دشمن چاروں طرف سے اس لئے سمٹ کر آئے تھے کہ اسلام اور اسلام والوں کی بنیاد ہی نکال کر پھینک دیں گے، قسطنطنیہ کا بادشاہ یہ ارادہ کرکے چلا تھا کہ مسلمانوں کے بادشاہ کے لئے اگر رے (سلجوقیوں کے پایۂ تخت) تک جانا پڑیگا تو بڑھتا چلا جاؤنگا، عیسائی سرداروں مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں کو آپس میں تقسیم کر چکے تھے، شاہ قسطنطنیہ نے خصوصیت کے ساتھ اپنے اس سردار کو جس کے حصہ میں بغداد پڑا تھا یہ وصیت کی تھی کہ دیکھنا بغداد کے اس بڈھے کا خیال رکھنا وہ نیک آدمی ہے اور میرا دوست ہے' (یعنی خلیفہ) عیسائی سردار جس وقت اپنے ملک سے روانہ ہوئے تھے تو باہم ایک دوسرے سے کہتے کہ سردیوں کا موسم تو ہم لوگ رے میں گذاریں گے' اور گرمی عراق میں، واپسی میں شامی علاقوں کا بھی فیصلہ کرلیں گے" ج ۸ ص ۲۶۴

اور یہ واقعہ مشرق میں پیش آیا' امام غزالی کی اس وقت عمر تیرہ چودہ سال کے درمیان تھی، کم از کم ابن جوزی کے زمانہ تک "اسلامی فتوحات" کے سلسلہ میں اس عجیب وغریب

خود تین میل تک ارمانوس کی مشایعت میں گیا، لکھا ہے کہ جب الپ ارسلان سے رخصت ہوکر ارمانوس اپنے ملک کی طرف روانہ ہوا، تو اس نے دریافت کیا کہ بغداد کس سمت میں واقع ہے جب بتایا گیا تو خلافت اسلامی پایۂ تخت [illegible] کی طرف [illegible] تعظیم [illegible] اور [illegible] ہوا [illegible] جو واقعہ پیش آ[illegible] انہیں تاریخ میں پڑھ کر ابن جوزی نے لکھا ہے کہ [illegible] جس جگہ پیش آیا تھا [illegible] ۱۲

امیابی کی نظیر مسلمانوں کی تاریخ میں موجود نہ تھی، "اسلامی دنیا" پر اس غیر معمولی کامیابی
اثر مرتب ہوا ہوگا، اس کا اندازہ تو اس وقت بھی کیا جا سکتا ہے ابن جوزی نے لکھا ہے

"جب بغداد میں اس فتح کی خبر پہونچی تو ہر ہر گلی کوچے میں خوشی کے
شادیانے بجنے لگے "بیت النوبۃ" میں لوگ جمع ہوئے اور فتح کی خوشخبری
کے جو خطوط آئے تھے وہ پڑھے گئے"

سال یہ قصہ تو اس وقت کا ہے جب امام حجۃ الاسلام طالب العلمی کی زندگی گذار رہے تھے
ے کچھ دن بعد جب وہ بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی صدارت پر فائز ہو چکے تھے اور
ی دنیا کے ممتاز و سربرآوردہ علماء کی صف میں داخل ہو چکے تھے کم و بیش ان کی
اس وقت ۲۹ سال کے قریب تھی مغرب میں اسی کے قریب قریب ایک دوسرا
لہ کن معرکہ یورپ اور اسلام کے درمیان پیش آیا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اس واقعہ کا نام "وقعۃ الزلاقہ" ہے زلاقہ اس میدان کا
تھا جہاں یہ معرکہ پیش آیا تھا تفصیلات کا مطالعہ تو عام تاریخوں میں کیجئے میں صرف
صہ اس کا درج کرتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ پانچویں صدی میں اندلس کے مسلمانوں
مرکزی سلطنت طوائف الملوکی کی شکل اختیار کر چکی تھی لیکن اندلس کے سامنے مغرب اقصیٰ
علاقہ افریقہ میں جو تھا وہاں مسلمانوں کی ایک عظیم الشان حکومت ان لوگوں کی قائم
ئی تھی جن کا نام اسلامی تاریخ میں "ملثمین" یا "نقاب پوشوں کی حکومت" تھی امام غزالی
زمانہ میں اس حکومت کا فرماں روا وہی یوسف بن تاشفین تھا، جس کے متعلق الیافعی
حوالہ سے گذر چکا کہ اپنے وقت میں کرۂ زمین کا سب سے بڑا طاقتور بادشاہ تھا۔

زلاقہ کا واقعہ اسی یوسف بن تاشفین کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اس زمانہ میں
دلس کے ایک بڑے حصہ میں عیسائیوں کی بھی حکومت قائم ہو چکی تھی، ان کا پایہ تخت
یطلہ تھا، طلیطلہ میں ازفونش نامی عیسائی حکمراں حکمرانی کر رہا تھا قصہ بہت طویل ہے،
ل یہ ہے کہ اندلس کے ملوک الطوائف جن میں اشبیلیہ کا حکمراں معتمد بن عباد سب سے

واقعہ یہ ہے کہ یورپ کے مقابلہ میں اسلام کی اس عجیب و غریب فتح کا جو قصہ پیش آیا تھا اور اس غیر متوقع کامیابی سے مسلمان جتنا متاثر ہوئے تھے اس کا اندازہ ابن جوزیؒ کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے جنہوں نے کچھ ہی دن بعد اپنی تاریخ المنتظم میں اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

وهذا الفتح في الاسلام كان عجبا لا نظير له — یہ فتح اسلام کے عجائبات میں شمار ہوئی ہے جس کی مثال نہیں ہے۔

پھر خود ہی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

اس مہم میں دشمن چاروں طرف سے اس لئے سمٹ کر آئے تھے کہ اسلام اور اسلام والوں کی بنیاد ہی نکال کر پھینک دیں گے قسطنطنیہ کا بادشاہ یہ ارادہ کر کے چلا تھا کہ مسلمانوں کے بادشاہ کے لئے اگر رے (سلجوقیوں کے پایہ تخت) تک جانا پڑیگا تو بڑھتا چلا جاؤں گا، عیسائی سرداروں مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں کو آپس میں تقسیم کر چکے تھے، شاہ قسطنطنیہ نے خصوصیت کے ساتھ اپنے اس سردار کو جس کے حصہ میں بغداد پڑا تھا یہ وصیت کی تھی کہ دیکھنا بغداد کے اس بڈھے کا خیال رکھنا وہ نیک آدمی ہے اور میرا دوست ہے' (یعنی خلیفہ) عیسائی سردار جس وقت اپنے ملک سے روانہ ہوئے تھے تو باہم ایک دوسرے سے کہتے کہ سردیوں کا موسم تو ہم لوگ رے میں گذاریں گے' اور گرمی عراق میں' واپسی میں شامی علاقوں کا بھی فیصلہ کر لیں گے" ج ۸ ص ۲۶۴

اور یہ واقعہ مشرق میں پیش آیا' امام غزالی کی اس وقت عمر تیرہ چودہ سال کے درمیان تھی' کم از کم ابن جوزی کے زمانہ تک "اسلامی فتوحات" کے سلسلہ میں اس عجیب و غریب

خود تین میل تک ارمانوس کی مشایعت میں گیا' لکھا ہے کہ جب الپ ارسلان سے رخصت ہو کر ارمانوس اپنے ملک کی طرف روانہ ہوا' تو اس نے دریافت کیا کہ بغداد کس سمت میں واقع ہے جب بتایا گیا تو خلافت اسلامی پایہ تخت اور خلیفہ کی طرف جس نے تعظیماً سر کو جھکایا اور یوں قصہ ختم ہوا' آگے جو واقعات پیش آئے انہیں تاریخ میں پڑھیے ابن جوزی نے لکھا ہے کہ یہ معرکہ جس جگہ پیش آیا تھا اس کا نام زہوہ تھا ۱۲

فتح و کامیابی کی نظیر مسلمانوں کی تاریخ میں موجود نہ تھی۔ "اسلامی دنیا" پر اس غیر معمولی کامیابی کا جو اثر مرتب ہوا ہوگا، اس کا اندازہ تو اس وقت بھی کیا جا سکتا ہے ابن جوزی نے لکھا ہے کہ

"جب بغداد میں اس فتح کی خبر پہونچی تو ہر ہر گلی کوچے میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے "بیت التوبہ" میں لوگ جمع ہوئے اور فتح کی خوشخبری کے جو خطوط آئے تھے وہ پڑھے گئے"

بہر حال یہ قصہ تو اس وقت کا ہے جب امام حجۃ الاسلام طالب العلمی کی زندگی گذار رہے تھے اسی کے کچھ دن بعد جب وہ بغداد کے مدرسۂ نظامیہ کی صدارت پر فائز ہو چکے تھے اور اسلامی دنیا کے ممتاز و سربرآوردہ علماء کی صف میں داخل ہو چکے تھے کم و بیش ان کی عمر اس وقت ۲۹ سال کے قریب تھی مغرب میں اسی کے قریب قریب ایک دوسرا فیصلہ کن معرکہ یورپ اور اسلام کے درمیان پیش آیا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اس واقعہ کا نام "وقعۃ الزلاقہ" ہے زلاقہ اس میدان کا نام تھا جہاں یہ معرکہ پیش آیا تھا تفصیلات کا مطالعہ تو عام تاریخوں میں کیجیے، میں صرف خلاصہ اس کا درج کرتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ پانچویں صدی میں اندلس کے مسلمانوں کی مرکزی سلطنت طوائف الملوکی کی شکل اختیار کر چکی تھی لیکن اندلس کے سامنے مغرب اقصیٰ کا علاقہ افریقہ میں جو تھا، وہاں مسلمانوں کی ایک عظیم الشان حکومت ان لوگوں کی قائم ہو گئی تھی جن کا نام اسلامی تاریخ "ملثمین" یا "نقاب پوشوں کی حکومت" تھی، امام غزالی کے زمانہ میں اس حکومت کا فرماں روا وہی یوسف بن تاشقین تھا، جس کے متعلق الیافعی کے حوالہ سے گذر چکا کہ اپنے وقت میں کرۂ زمین کا سب سے بڑا طاقتور بادشاہ تھا۔

زلاقہ کا واقعہ اسی یوسف بن تاشقین کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اس زمانہ میں اندلس کے ایک بڑے حصہ میں عیسائیوں کی بھی حکومت قائم ہو چکی تھی، ان کا پایۂ تخت طلیطلہ تھا، طلیطلہ میں ازفونش نامی عیسائی حکمراں حکمرانی کرتا تھا قصہ بہت طویل ہے، حاصل یہ ہے کہ اندلس کے ملوک الطوائف جن میں اشبیلیہ کا حکمراں معتمد بن عباد سب سے

زیادہ سیر آوردہ تھا، ان سب کے اشارے سے اذفونش کے مقابلہ کے لئے یوسف بن تاشفین
مراکش سے اپنی فوج کے ساتھ اندلس پہونچا، اذفونش شاہ طلیطلہ کو جب اس کی خبر ملی
یوسف بن تاشفین جو عام طور پر امیر المسلمین کے نام سے پکارے جاتے تھے خلافت بغداد
سے یہی خطاب ان کو ملا بھی تھا، ان کے نام اذفونش نے ایک طویل خط لکھا جس میں
امیر المسلمین کو اس نے نصیحت کی تھی کہ میری طاقت و قوت کا چونکہ صحیح اندازہ تم کو
نہیں ہے اس لئے بے سوچے سمجھے مسلمانان اندلس کے اکسانے پر تم یہاں چلے آئے ہو
مناسب یہ ہے کہ خیر و عافیت کے ساتھ اپنے ملک کو واپس ہو جاؤ، بہر حال اسی قسم کے
مضامین سے اس کا خط بھرا ہوا تھا، امیر المسلمین کے پاس جب یہ خط پہونچا تو اپنے سکرٹری
کو بلا کر جواب لکھنے کا حکم دیا، سکرٹری جب جواب لکھ کر لایا تو سننے کے بعد امیر المسلمین نے
کہا کہ یہ تو بڑی طول طویل عبارت ہے، پھر خود قلم ہاتھ میں لیا اور اذفونش کے خط کے پشت پر
اپنے ہاتھ سے لکھا،

الذی ستکون تراہ۔ جو کچھ ہو کر رہے گا اسے تو خود دیکھ لے گا۔

اس جواب کے بعد اذفونش کے لئے مقابلہ کے سوا دوسرا چارہ کار ہی کیا تھا، آخر
دونوں طرف سے فوجیں بڑھیں، مسلمانوں نے اپنا کیمپ بطیلوس کے علاقہ میں اس
میدان میں قائم کیا تھا، جس کا نام "زلاقہ" تھا اسی نام سے اب تک تاریخوں میں یہ جنگ مشہور ہے
لکھا ہے کہ اذفونش کے ساتھ پچاس ہزار یورپ کے چیدہ اور جنگ جو سوار ہاتھے
ان ہی پر اس کو ناز تھا، ادھر امیر المسلمین کی فوج تھی جو افریقہ سے آئی تھی اور اندلس کے
چند ملوک الطوائف کے سپاہی اور رضا کار مسلمان تھے۔ اذفونش نے دھوکہ میں رکھ کر
مسلمانوں پر حملہ کر دیا، دونوں طرف سے خوب کشمکش ہوئی لیکن آخری نتیجہ یہ نکلا جیسا کہ
کامل ابن اثیر میں ہے کہ

لم یرجع من الفرنج الی بلادھم غیر ثلاثمائۃ فارس۔ ج ۱۰ ص ۵۳۔ یورپین فرنگی سپاہیوں میں سے نہیں واپس ہوئے اپنے ملکوں کی طرف مگر صرف تین سو سوار۔

اور یوں اذفونش کے پچاس ہزار فرنگی نوجوان زلاقہ کے میدان میں کھیت

ہو کر رہ گئے، لکھا ہے کہ

جعل المسلمون من رؤس القتلی کوما کثیراً فکانوا یوذنون علیھا الی ان جیفت فاحرقوھا۔ ص۳۵

مسلمانوں نے مقتولوں کی لاش کے ڈھیر سے بکثرت ٹیلے بنائے اور ان ہی ٹیلوں پر چڑھ کر اذان دیتے تھے تا آنکہ لاشیں سڑ گئیں تو جلا دیں

ٹھیک جیسے ارمانوس کے مقابلہ میں الپ ارسلان کو کامیابی جمعہ کے دن ہوئی تھی، آج بھی اتفاقاً جمعہ ہی کا دن تھا[1] مشرق و مغرب کے ان دونوں غیر معمولی کامیابیوں میں کل سولہ سال کا فاصلہ تھا، یہاں یہ سوچنے کی بات ہے کہ کسی ایک قوم کو ایک ہی سمت میں نہیں بلکہ مشرق میں بھی اور مغرب میں بھی اپنے سب سے بڑے حریف کے مقابلہ میں اتنے قلیل عرصے میں یعنی کل پندرہ سولہ سال کے اندر اندر ایسی عظیم الشان کامیابیاں جس وقت میسر آئی ہونگی، اس کا اثر ان کے نفسیات پر قدرتاً کیا پڑ سکتا تھا، میرا مطلب یہ ہے کہ جس زمانہ میں یہ واقعات پیش آئے ہیں، دنیا میں مسلمانوں کو

---

[1] میں نے جو لکھا تھا کہ اذفونش نے دھوکہ دیکر مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ لڑائی جمعہ کے دن ہوگئی قصہ یہ ہوا کہ جب دونوں جانب فوجیں اتر گئیں تو اذفونش نے مسلمانوں کے پاس خط لکھا کہ کل تو جمعہ کا دن ہے جو تمہاری عید کا روز ہے اور اس کے ایک دن بعد اتوار کا دن آتا ہے جو ہماری عید کا روز ہے، پس مناسب ہے کہ مقابلہ دوشنبہ کے دن سے شروع ہو، مسلمانوں نے اسکی بات مان لی، لیکن اذفونش نے جمعہ کے دن یہ سمجھ کر کہ مسلمان تو مطمئن ہونگے حملہ کر دیا مگر اسکے اس کید اور چال کو خدا نے ناکام فرما دیا۔ لکھا ہے کہ اذفونش نے اس زمانہ میں جب طلیطلہ سے چلا تو خواب دیکھا کہ وہ ہاتھی پر سوار ہے اسکے آگے ایک چھوٹا سا ڈھول رکھا ہے جس پر وہ ٹھوکریں لگاتا ہے، پادریوں سے اس خواب کی تعبیر اس نے پوچھی لیکن انہوں نے معذوری ظاہر کی تب ایک مسلمان عالم کو بلا کر اس نے تعبیر دریافت کی انہوں نے کہا کہ بادشاہ اس خواب کی تعبیر اگر مجھ سے نہ پوچھیں تو بہتر ہے مگر جب مصر ہوا تو انہوں نے سورۃ الم تر کیف کا مضمون اس کو سنایا اور کہا کہ آپ کو اس جنگ میں ناکامی ہوگی اور ڈھول کے نقر و ٹھونکنے کے متعلق بھی قرآنی آیت فاذا نقر فی الناقور سے استنباط کیا کہ تمہارے لئے یہ دن سخت دشوار ہوگا، اذفونش اس تعبیر کو سن کر خاموش ہو گیا جب اپنی فوجی ساز و سامان اور اپنے سورماؤں کو اس نے دیکھا تو اس مسلمان عالم کو بلوا کر اس نے کہا کہ اس فوج کے ساتھ تو محمدؐ کے خدا کے ساتھ بھی میں لڑ سکتا ہوں ۱۲

زیادہ بہرآور دہ تھا، ان سب کے اشارے سے اذفونش کے مقابلہ کے لئے یوسف بن تاشفین
مراکش سے اپنی فوج کے ساتھ اندلس پہونچا، اذفونش شاہ طلیطلہ کو جب اس کی خبر ملی تو
یوسف بن تاشفین جو عام طور پر امیر المسلمین کے نام سے پکارے جاتے تھے خلافت بغداد
سے یہی خطاب ان کو ملا بھی تھا، ان کے نام اذفونش نے ایک طویل خط لکھا جس میں
امیر المسلمین کو اس نے نصیحت کی تھی کہ میری طاقت وقوت کا چونکہ صحیح اندازہ تم کو
نہیں ہے، اس لئے بے سوچے سمجھے مسلمانان اندلس کے اکسانے پر تم یہاں چلے آئے ہو
مناسب یہ ہے کہ خیر وعافیت کے ساتھ اپنے ملک کو واپس ہو جاؤ، بہرحال اسی قسم کے
مضامین سے اس کا خط بھرا ہوا تھا، امیر المسلمین کے پاس جب یہ خط پہونچا تو اپنے سکرٹری
کو بلاکر جواب لکھنے کا حکم دیا، سکرٹری جب جواب لکھ کر لایا تو سننے کے بعد امیر المسلمین نے
کہا کہ یہ تو بڑی طول طویل عبارت ہے، پھر خود قلم ہاتھ میں لیا اور اذفونش کے خط کے پشت پر
اپنے ہاتھ سے لکھا،

الذی ستکون تراہ ۔ جو کچھ ہو کر رہے گا اسے تو خود دیکھ لے گا۔

اس جواب کے بعد اذفونش کے لئے مقابلہ کے سوا دوسرا چارہ کار ہی کیا تھا، آخر
دونوں طرف سے فوجیں بڑھیں، مسلمانوں نے اپنا کیمپ بطلیوس کے علاقہ میں اس
میدان میں قائم کیا تھا، جس کا نام "زلاقہ" تھا اسی نام سے اب تک تاریخوں میں یہ جنگ مشہور ہے
لکھا ہے کہ اذفونش کے ساتھ پچاس ہزار یورپ کے چیدہ اور جنگ جو سور ما تھے
ان ہی پر اس کو ناز تھا، ادھر امیر المسلمین کی فوج تھی جو افریقہ سے آئی تھی اور اندلس کے
چند ملوک الطوائف کے سپاہی اور رضا کار مسلمان تھے۔ اذفونش نے دھوکہ میں رکھ کر
مسلمانوں پر حملہ کر دیا، دونوں طرف سے خوب کش مکش ہوئی لیکن آخری نتیجہ یہ نکلا جیسا کہ
کامل ابن اثیر میں ہے کہ

لم یرجع من الفرنج الی بلادھم غیر ثلاثمائۃ فارس ۔ ص۵۳ ج۱۰۔ — یورپین فرنگی سپاہیوں میں سے نہیں واپس ہوئے اپنے ملکوں کی طرف مگر صرف تین سو سوار۔

اور یوں اذفونش کے پچاس ہزار فرنگی نوجوان زلاقہ کے میدان میں کھیت

ہوکر رہ گئے، لکھا ہے کہ

جعل المسلمون من رؤس القتلی وما کثیراً فکانوا یوذنون علیها الی ان جیفت فاحرقوها۔ ص۳۵

مسلمانوں نے مقتولوں کی لاش کے ڈھیر لگا دیے بکثرت ٹیلے بنائے اور ان ہی ٹیلوں پر چڑھ کر اذاں دیتے تھے۔ تا آنکہ لاشیں سڑ گئیں تب جلا دی گئیں

ٹھیک جیسے ارمانوس کے مقابلہ میں الپ ارسلان کو کامیابی جمعہ کے دن ہوئی تھی، آج بھی اتفاقاً جمعہ ہی کا دن تھا[1] مشرق و مغرب کے ان دونوں غیر معمولی کامیابیوں میں کل سولہ سال کا فاصلہ تھا، یہاں یہ سوچنے کی بات ہے کہ کسی ایک قوم کو ایک ہی سمت میں نہیں بلکہ مشرق میں بھی اور مغرب میں بھی اپنے سب سے بڑے حریف کے مقابلہ میں اتنے قلیل عرصے میں یعنی کل پندرہ سولہ سال کے اندر اندر ایسی عظیم الشان کامیابیاں جس وقت میسر آئی ہونگی، اس کا اثر ان کے نفسیات پر قدرتاً کیا پڑ سکتا تھا، میرا مطلب یہ ہے کہ جس زمانہ میں یہ واقعات پیش آئے ہیں، دنیا میں مسلمانوں کے

---

[1] میں نے جو لکھا تھا کہ اذفونش نے دھوکہ دیکر مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ لڑائی جمعہ کے دن ہوگئی قصہ یہ ہوا کہ جب دونوں جانب فوجیں اتر گئیں تو اذفونش نے مسلمانوں کے پاس خط لکھا کہ کل تو جمعہ کا دن ہے جو تمہاری عید کا روز ہے اور اس کے ایک دن بعد اتوار کا دن آتا ہے جو ہماری عید کا روز ہے، پس مناسب ہے کہ مقابلہ دوشنبہ کے دن سے شروع ہو، مسلمانوں نے اسکی بات مان لی، لیکن اذفونش نے جمعہ کے دن یہ سمجھ کر کہ مسلمان تو مطمئن ہونگے حملہ کر دیا مگر اسکے اس کید اور چال کو خدا نے ناکام فرما دیا۔ لکھا ہے کہ اذفونش نے اس زمانہ میں جب طلیطلہ سے چلا تو خواب دیکھا کہ وہ ہاتھی پر سوار ہے اسکے آگے ایک چھوٹا سا ڈھول رکھا ہے جس پر وہ ٹھوکریں لگاتا ہے، پادریوں سے اس خواب کی تعبیر اس نے پوچھی لیکن انہوں نے معذوری ظاہر کی تب ایک مسلمان عالم کو بلا کر اس نے تعبیر دریافت کی انہوں نے کہا کہ بادشاہ اس خواب کی تعبیر اگر مجھ سے نہ پوچھیں تو بہتر ہے مگر جب مصر ہوا تو انہوں نے سورۃ الم تر کیف کا مضمون اس کو سنایا اور کہا کہ آپ کو اس جنگ میں ناکامی ہوگی اور ڈھول کے نقر (ٹھونکنے) کے متعلق بھی قرآنی آیت فاذا نقر فی الناقور سے استنباط کیا کہ تمہارے لئے یہ دن سخت دشوار ہوگا، اذفونش اس تعبیر کو سن کر خاموش ہو گیا جب اپنی فوجی ساز و سامان اور اپنے سورماؤں کو اس نے دیکھا تو اس مسلمان عالم کو بلوا کر اس نے کہا کہ اس فوج کے ساتھ تو محمد کے خدا کے ساتھ بھی میں لڑ سکتا ہوں ۱۲

زیادہ سربرآوردہ تھا، ان سب کے اشارے سے اذفونش کے مقابلہ کے لئے یوسف بن تاشفین مراکش سے اپنی فوج کے ساتھ اندلس پہونچا، اذفونش شاہ طلیطلہ کو جب اس کی خبر ملی تو یوسف بن تاشفین جو عام طور پر امیر المسلمین کے نام سے پکارے جاتے تھے خلافت بغداد سے یہی خطاب ان کو ملا بھی تھا، ان کے نام اذفونش نے ایک طویل خط لکھا جس میں امیر المسلمین کو اس نے نصیحت کی تھی کہ میری طاقت وقوت کا چونکہ صحیح اندازہ تم کو نہیں ہے، اس لئے بے سوچے سمجھے مسلمانان اندلس کے اکسانے پر تم یہاں چلے آئے ہو مناسب یہ ہے کہ خیر وعافیت کے ساتھ اپنے ملک کو واپس ہو جاؤ، بہرحال اسی قسم کے مضامین سے اس کا خط بھرا ہوا تھا، امیر المسلمین کے پاس جب یہ خط پہونچا تو اپنے سکرٹری کو بلاکر جواب لکھنے کا حکم دیا، سکرٹری جب جواب لکھ کر لایا تو سننے کے بعد امیر المسلمین نے کہا کہ یہ تو بڑی طول طویل عبارت ہے، پھر خود قلم ہاتھ میں لیا اور اذفونش کے خط کے پشت پر اپنے ہاتھ سے لکھا،

الذی ستکون تراہ۔ جو کچھ ہو کر رہے گا اسے تو خود دیکھ لے گا۔

اس جواب کے بعد اذفونش کے لئے مقابلہ کے سوا دوسرا چارہ کار ہی کیا تھا، آخر دونوں طرف سے فوجیں بڑھیں، مسلمانوں نے اپنا کیمپ بطلیوس کے علاقہ میں اس میدان میں قائم کیا تھا، جس کا نام "زلاقہ" تھا اسی نام سے اب تک تاریخوں میں یہ جنگ مشہور ہے لکھا ہے کہ اذفونش کے ساتھ پچاس ہزار یورپ کے چیدہ اور جنگ جو سورما تھے ان ہی پر اس کو ناز تھا، ادھر امیر المسلمین کی فوج تھی جو افریقہ سے آئی تھی اور اندلس کے چند ملوک الطوائف کے سپاہی اور رضا کار مسلمان تھے۔ اذفونش نے دھوکہ میں رکھ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا، دونوں طرف سے خوب کش مکش ہوئی لیکن آخری نتیجہ یہ نکلا جیسا کہ کامل ابن اثیر میں ہے کہ

لم یرجع من الفرنج الی بلادھم غیر ثلاثمائة فارس۔ ج ۱ ص ۵۳۔ یورپین فرنگی سپاہیوں میں سے نہیں واپس ہوئے اپنے ملکوں کی طرف مگر تین سو سوار۔

اور یوں اذفونش کے پچاس ہزار فرنگی نوجوان زلاقہ کے میدان میں کھیت

ہو کر رہ گئے، لکھا ہے کہ

جعل المسلمون من رؤس القتلی کوما کثیرًا فکانوا یوذنون علیها الی ان جیفت فاحرقوها۔ ص۵۳

مسلمانوں نے مقتولوں کی لاش کے ڈھیر کے بکثرت ٹیلے بنائے اور ان ہی ٹیلوں پر چڑھ کر اذاں دیتے تھے۔ تا آنکہ لاشیں سڑ گئیں تب جلا دی گئیں

ٹھیک جیسے ارمانوس کے مقابلہ میں الپ ارسلان کو کامیابی جمعہ کے دن ہوئی تھی، آج بھی اتفاقاً جمعہ ہی کا دن تھا[1] مشرق و مغرب کے ان دونوں غیر معمولی کامیابیوں میں کل سولہ سال کا فاصلہ تھا، یہاں یہ سوچنے کی بات ہے کہ کسی ایک قوم کو ایک ہی سمت میں نہیں بلکہ مشرق میں بھی اور مغرب میں بھی اپنے سب سے بڑے حریف کے مقابلہ میں اتنے قلیل عرصے میں یعنی کل پندرہ سولہ سال کے اندر اندر ایسی عظیم الشان کامیابیاں جس وقت میسر آئی ہونگی اس کا اثر ان کے نفسیات پر قدرتاً کیا پڑ سکتا تھا، میرا مطلب یہ ہے کہ جس زمانہ میں یہ واقعات پیش آئے ہیں، دنیا میں مسلمانوں کو

---

[1] میں نے جو لکھا تھا کہ اذفونش نے دھوکہ دیکر مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ لڑائی جمعہ کے دن ہو گئی قصہ یہ ہوا کہ جب دونوں جانب فوجیں اتر گئیں تو اذفونش نے مسلمانوں کے پاس خط لکھا کہ کل تو جمعہ کا دن ہے جو تمہاری عید کا روز ہے اور اس کے ایک دن بعد اتوار کا دن آتا ہے جو ہماری عید کا روز ہے، پس مناسب ہے کہ مقابلہ دوشنبہ کے دن سے شروع ہو، مسلمانوں نے اسکی بات مان لی، لیکن اذفونش نے جمعہ کے دن یہ سمجھ کر کہ مسلمان تو مطمئن ہونگے حملہ کر دیا مگر اسکے اس کید اور چال کو خدا نے ناکام فرما دیا۔ لکھا ہے کہ اذفونش نے اس زمانہ میں جب طلیطلہ سے چلا تو خواب دیکھا کہ وہ ہاتھی پر سوار ہے اسکے آگے ایک چھوٹا سا ڈھول رکھا ہے جس پر وہ ٹھوکریں لگاتا ہے، پادریوں سے اس خواب کی تعبیر اس نے پوچھی لیکن انہوں نے معذوری ظاہر کی تب ایک مسلمان عالم کو بلا کر اس نے تعبیر دریافت کی انہوں نے کہا کہ بادشاہ اس خواب کی تعبیر اگر مجھ سے نہ پوچھیں تو بہتر ہے مگر جب مصر ہوا تو انہوں نے سورۂ الم تر کیف کا مضمون اس کو سنایا اور کہا کہ آپ کو اس جنگ میں ناکامی ہوگی اور ڈھول کے نقر و ٹھوکنے کے متعلق بھی قرآنی آیت فاذا نقر فی الناقور سے استنباط کیا کہ تمہارے لئے یہ دن سخت دشوار ہوگا، اذفونش اس تعبیر کو سن کر خاموش ہو گیا جب اپنی فوجی ساز و سامان اور اپنے سور ماؤں کو اس نے دیکھا تو اس مسلمان عالم کو بلوا کر اس نے کہا کہ اس فوج کے ذریعہ محمد کے خدا کے ساتھ بھی میں لڑ سکتا ہوں ۱۲

کسی قسم کا خطرہ اگر اس عہد میں کسی سے تھا تو وہ ان ہی عیسائی قوموں سے تھا جو یورپ کے مشرقی اور مغربی حدود میں ان سے پنجہ آزمائی کر رہی تھیں، ورنہ عیسائیوں کے سوا مسلمانوں سے ہاتھ ملانے کی جرات اس زمانے میں دنیا کی کون قوم کر سکتی تھی، تاتاریوں کا ظہور تو ساتویں صدی کی ابتداء میں ہوا اور امام غزالی کے سامنے یہ دونوں مشرقی و مغربی فیصلہ کن معرکے پانچویں صدی ہجری میں پیش آئے تھے، یقیناً غلامی کے اس عہد میں مسلمانوں کے ان فتوحات اور ان کے نفسیاتی آثار ونتائج کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے، قوموں کے مقابلہ میں جب قدرت کسی قوم کو اس قسم کی غیر معمولی فاتحانہ برتری عطا کرتی ہے تو جو نشہ اسکے بعد سوار ہوتا ہے اور اخلاقی بنیادوں میں جو تغیرات شعوری و غیر شعوری طور پر ان حالات میں طبعاً رونما ہوتے ہیں ان کا مشاہدہ اسی قسم کی کسی قوم کے افراد میں ہم کر سکتے ہیں جسے عالم میں اس نوعیت کی برتری میسر آئی ہو آخر نفسیات انسانی کے نباض اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ بلاوجہ نہیں فرمایا تھا

واللہ ما الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوها کما تنافسوها وتلهیکم کما الهتهم۔

(رواہ البخاری)

قسم خدا کی محتاجی اور غربت کا تمہارے متعلق اندیشہ نہیں ہے مگر میں جس چیز سے ڈر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا میں تمہارے وسعت عطا کی جائیگی جیسے گذشتہ قومیں جو تم سے پہلے گذریں ان کی دنیا میں وسعت بخشی گئی تھی پھر جیسے گذشتہ قوموں میں کشمکش پیدا ہوئی تم بھی باہم ایک دوسرے کے مقابلے میں نفسانیت سے کام لوگے اور جیسے دنیا نے ان کو غافل بنا دیا تمہیں بھی بنا دے گی۔

یقیناً جو کچھ فرمایا گیا تھا اس کا سامنے آنا ضروری تھا اور میں تو خیال کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی سیزدہ صد سالہ تاریخ میں ہر ”بدر“ کے پیچھے کسی نہ کسی شکل میں ”احد“ کا نقشہ بھی مسلسل عمل کرتا ہوا جو نظر آتا ہے یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں ہے بلکہ حکیم کی حکمت کا یہ اقتضا ہے۔

خیر اس مسئلہ کو تو جانے دیجئے، میں تو اس وقت آپ کے سامنے اس سیاسی ماحول کا ایک سرسری خاکہ پیش کرنا چاہتا تھا، جس میں امام حجۃ الاسلام پیدا ہوئے، اور زندگی گذاری تھی،

ایک بڑی غلط فہمی جس میں مسلمانوں کی تاریخ کے عام مطالعہ کرنے والوں کو مبتلا پاتا ہوں یہ ہے کہ مسلمان سلاطین و امراء کی باہمی اندرونی خلفشار کے جن قصوں کا ہماری کتابوں میں تذکرہ کیا گیا ہے، سمجھنے والے سمجھ لیتے ہیں کہ شائد ان سے مسلمانوں کے عام طبقات بھی متاثر ہوئے تھے، لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے واقعہ یہ ہے کہ وہی طبقہ جو براہ راست حکومت اور سیاست میں دخیل تھا اس پر تو مسلمان سلاطین اور امراء کی باہمی آویزشوں کے نتائج کا اثر ضرور پڑتا تھا لیکن عوام ہی نہیں بلکہ حکومت کے غیر سیاسی محکموں سے جن لوگوں کا تعلق تھا، عموماً گھر کے ان خانگی انقلابات سے وہ بہت کم متاثر ہوئے تھے مثلاً عدالت کے محکمہ میں قضاۃ، میزان عدل وغیرہ کے فرائض جو علماء انجام دیتے تھے، یا درس و تدریس کے مشاغل میں جو مصروف رہتے تھے اور حکومت سے ان کو امداد ملتی تھی، آپ دیکھیں گے، کہ بادشاہوں یا شاہی خانوادوں کے بدل جانے کے بعد بھی اپنے خدمات پر عموماً وہ باقی رہتے تھے، ان کے احترام و اعزاز آمدنی یا تنخواہ وغیرہ پر اس انقلاب کا عموماً کوئی اثر نہیں پڑتا تھا سیاسی دوائر میں خواہ کسی قسم کا طوفان برپا ہو لیکن عام حالات میں اس طوفان کے تھپیڑوں سے اس قسم کے طبقات عموماً محفوظ رہتے تھے، امام غزالی کے قلم سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس قسم کے فقرے بے ساختہ جو احیاء العلوم میں نکلتے چلے گئے ہیں مثلاً پہلی جلد کے ابتدائی اوراق ہی میں اس کی شکائت کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کو علم طب سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے، فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے

ان الطب لیس تیسیر الوصول به الی تولی الاوقاف والوصایا وحیازة مال الایتام وتقلد القضاء والحکومة والتقدم	کہ طب پڑھ کر اوقاف اور وصیتوں کے متولی ہونے اور یتیموں کے مال کی نگرانکاری اور قاضی بننے اور حکومت میں شریک ہونے ہمچشموں میں برتری حاصل کرنے دشمنوں پر

به علی الاقران والتسلط به علی الاعداء[16] قابو یافتہ ہونے کا موقع لوگوں کو نہیں ملتا۔
اور وہی قرآن و حدیث فقہ و اصول فقہ وغیرہ دینی و اسلامی علوم جن کے پڑھنے والے
آج خال خال نظر آ رہے ہیں ان ہی علوم پر لوگ ٹوٹے پڑتے تھے کہ مذکورہ بالا مقاصد
و اغراض کے حصول کا واحد ذریعہ اس زمانہ میں یہی علوم تھے، اور طب جیسا شریف
معاشی فن جس کی ضرورت کسی خاص قوم و امت، یا طبقہ یا فرقہ کے ساتھ وابستہ
نہیں ہے، اسی لئے "معاشی ضمانت" کے لحاظ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ طب سے زیادہ محفوظ
پیشہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، ہندو مسلمان عیسائی، یہودی، مشرقی و مغربی سب اس کے
محتاج ہیں اور ہر زمانہ میں محتاج رہیں گے، لیکن اس شریف فن کی بھی بے قدری کرتے
ہوئے جن علوم میں مسلمان اس وقت ڈوبے ہوئے تھے، یقیناً "اطمینان کی روٹی" اور
اطمینان کی عزت کے وہ بہترین ذرائع ہونگے، اور اس کی وجہ یہی تھی، خانگی جھگڑوں کی
وجہ سے سیاسی انقلابات کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا جو ان علوم کی راہ سے
حکومت کے خدمات پر قبضہ کئے ہوئے تھے،

اور امام غزالی نے جس عہد میں ہوش سنبھالا اور آنکھیں کھولی تھیں اس وقت تو
یہ کریلا ایک خاص وجہ سے یوں خیال کیجئے کہ نیم ہی پر چڑھ گیا تھا، عرض کر چکا ہوں کہ
مشرق میں یہ سلجوقیوں کی حکومت کا دور تھا، اور سلجوقی سلاطین میں حسن اتفاق سے مدرسے کے
ایک ملا کو ایک ایسے غیر معمولی رسوخ و نفوذ کے حاصل کر لینے میں کامیابی ہوئی تھی کہ گویا در حقیقت
وہی واقعی حکمران اور جزو کل کا مالک تھا، میرا اشارہ سلجوقی دربار کے مشہور وزیر نظام الملک
طوسی کی طرف ہے جیسا کہ معلوم ہے نظام الملک کی ابتدائی زندگی ملاؤں کی زندگی تھی
اس عہد کے تعلیمی نصاب کی باضابطہ انہوں نے تکمیل کی تھی، علماء دین کے اعزاز و
احترام کا آفتاب نظام الملک طوسی کے عہد میں سمت الراس پر پہونچ کر جو چمک رہا تھا
اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ خود ان علوم میں ذاتی طور پر کافی دستگاہ رکھتے تھے،[1]

---

[1] - اردو زبان میں ضخیم کتاب "نظام الملک طوسی" کے حالات پر شائع ہو چکی ہے اور یوں بھی پڑھے لکھے
مسلمان ان کے حالات سے ناواقف نہیں ہیں ایا تمی نے لکھا ہے کہ اشتغل فی ابتداء امرہ بالحدیث والفقه
(ملاحظہ ہو تتمہ ابید)۔

مورخین نے اس عہد کے علماء مثلاً امام الحرمین[له] یا شیخ ابواسحاق شیرازی وغیرہ

(بقیہ صفحہ ۱۸) (یعنی اپنی ابتدائی زندگی میں نظام الملک نے حدیث اور فقہ کی تحصیل کی تھی) وکان مجلسہ عامراً بالقراء والفقہاء (ان کی مجلس قراء اور فقہاء سے ہمیشہ بھری رہتی تھی) ان ہی کے الفاظ میں رغب فی العلم واملاء وحدیث (علم کی طرف مائل تھے درس بھی دیا اور حدیث کی روایت بھی کرتے تھے) اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ "نظامیہ" کے نام سے ممالک محروسہ سلجوقیہ میں اسی شخص کی توجہ سے بیسیوں دارالعلوم اور مدارس تعمیر ہوئے جن میں نظامیہ بغداد ونیشاپور نے خاصی شہرت حاصل کی لکھا ہے کہ نظام الملک کے پاس امام الحرمینؒ یا ابوالقاسم قشیری ابوعلی فارمدی جیسے علماء وصوفیا جب آتے تھے تو ان کی تنظیم میں حد سے زیادہ مبالغہ سے کام لیتے تھے، حتیٰ کہ خود وزارت کی "مسند" سے اٹھ جاتے اور ان لوگوں کو اپنی جگہ بٹھاتے۔ دیکھو کتاب کور ج ۳ ص ۱۴۲

له امام الحرمین کی عظمت وجلالت کیلئے یہی کیا کم ہے کہ سلجوقیوں کا وزیر نظام الملک ان کیلئے (اپنی مسند چھوڑ دیتا تھا) تیس سال تک مدرسہ نظامیہ نیشاپور کی صدارت پر فائز رہے اور ایک صدارت درس ہی کیا لکھا ہے کہ فسلم لہ المحراب والمنبر والخطابۃ والتدریس ومجلس التذکیر یوم الجمعہ والمناظرہ۔ ص ۱۲۶ ج ۳ - (یعنی درس کے سوا نیشاپور کے محراب منبر پر بھی ان ہی کا قبضہ تھا وہی امام اور خطیب تھے اور وعظ ومناظرہ کی مجلس بھی ان ہی کی باقی رہ گئی) ان کی وفات کے دن جو منظر دیکھا گیا کہا جاتا ہے کہ اس کی نظیر مشکل ہی سے دیکھی گئی ہے شہر کے دروازے بند کر دئے گئے تھے اور سال بھر تک لوگ ان کے ماتم میں سر برہنہ رہے جس منبر پر خطبہ دیتے تھے وہ توڑ دیا گیا طلبہ نے اپنی دواتیں پھوڑ دیں سال بھر تک درس بند رہا نوحہ خوانی کرتے رہے یہ عجیب بات ہے کہ امام غزالی کی عمر جیسے (۵۵) سال سے زیادہ نہ ہوئی اسی طرح ان کے استاد بھی ساٹھ سے پہلے (۵۹) سال کی عمر میں انتقال کر گئے اور یہ حال تو امام الحرمین کا تھا شیخ ابواسحاق شیرازی کے متعلق لکھا ہے کہ بغداد سے سفارت پر جب وہ شیراز روانہ ہوئے تو راستہ میں عموماً مسلمانوں کے جن شہروں یا آبادیوں سے انکا گذر ہوتا تھا، لوگ راستے کے استقبال اور دیدار کیلئے باہر نکل آتے تھے، اور ان کی ڈولی پر ہر پیشہ والے اپنے پیشہ کی مناسبت سے چیزیں نچھاور کرتے تھے حتیٰ کہ نانبائی روٹیوں کو نثار کرتے تھے، مٹھائی والے مٹھائیاں لٹاتے تھے پھل والے پھلوں کی بارش کرتے تھے، حد یہ ہو گئی کہ کفش دوزوں نے بچوں کے پاؤں کی سینکڑوں ہلکی ہلکی جوتیاں بنائیں اور ان ہی کو شیخ کی سواری پر وہ نثار کرتے تھے، خود خلیفہ وقت تک شیخ کا احترام کرتا تھا، اور یہ حالات عام کتابوں میں پائے جاتے ہیں، میری غرض ان واقعات کے ذکر سے صرف یہ ہے کہ سلاجقہ کے عہد میں یا بالفاظ دیگر امام غزالی نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں، علمائے دین کے اقبال وعروج کا کیا حال تھا، پڑھنے والوں کو ان مثالوں سے تھوڑا بہت اس کا اندازہ ہو سکتا ہے ۱۲

حضرات کی جن تکریمی داستانوں کو مزے لے لے کر بیان کیا ہے اس میں شک نہیں کہ بجائے خود ان بزرگوں کے غیر معمولی علمی و دینی کمالات کو بھی ان میں دخل تھا لیکن اسی کے ساتھ اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عوام کے رجحانات حکومتِ وقت کے طرزِ عمل سے بھی ضرور متاثر تھے، آخر نظام الملک سے پہلے بھی تو علما کے اس طبقہ میں بڑے بڑے صاحب کمال موجود تھے لیکن خصوصیت کے ساتھ سلجوقیوں کے عہد کے ان علمار کے ساتھ عوام و خواص کی دلچسپیاں اس حد کو کیوں پہونچ گئی تھیں، جن کی نظیر نہ اس عہد سے پہلے ملتی ہے، اور اس کے بعد بھی مشکل ہی سے انکی مثالوں کے تلاش کرنے میں ہم کامیاب ہو سکتے ہیں،

کوئی شبہ نہیں کہ نظام الملک کی طرف سے یہ جو کچھ ہو رہا تھا اس کی بنیاد ان کی علمی قدر شناسیوں اور ان کے صحیح دینی جذبات پر قائم تھی لیکن جو دنیا کے طالب تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ دین کی راہ سے بھی وہی دنیا مل سکتی ہے جو امام الحرمین جیسے بزرگوں کو ملی ہوئی تھی تو شائد یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ دین داروں کا گروہ دنیا داری کی طرف چل پڑا، بلکہ صحیح تعبیر اصل واقعہ کی یہ ہو سکتی ہے کہ جو دنیا دار تھے وہ دینداروں کی بھیڑ میں گھل مل گئے، امام حجۃ الاسلام کی اس قسم کی نوحہ خوانیاں اور ماتم سرائیاں مثلاً احیاء العلوم کے ابتدائی اوراق میں فرماتے ہیں،

هيهات هيهات قد اندرس

علم الدين بتلبيس العلماء السوء	ہائے ہائے علماء سوء (بُرے علماء) کی حق
فالله المستعان واليه الملاذ	پوشیوں کی وجہ سے علم دین مٹ گیا بس
في ان يعيذنا من هذا الغرور	اللہ ہی سے امداد اس دشواری میں چاہی
الذی یسخط الرحمن و	جاتی ہے وہی پشت و پناہ ہے بچا سکتا ہے اس فریب سے جس سے
یضحک الشیطان . ص ۱۶ ج ۱ احیاء	خدا کا غصہ بھڑکتا ہے اور شیطان بھی جس پر ہنستا ہے۔

اور تو اور خود امام غزالی کے بھی استاد امام الحرمین کے متعلق تقریباً اکثر تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں امام غزالی نے اپنی کتاب

منخول" جب لکھی اور استاذ کے سامنے پیش کی تو بجائے تعریف کرنے اور خوش ہونے کے کہتے ہیں کہ امام الحرمین نے امام غزالی کو مخاطب کر کے کہا،

دفنتنی وانا حی هلا صبرت — تو نے تو مجھے زندہ دفن ہی کر دیا، اتنا تو

حتی اموت۔ منتظم ص ۱۶۹/۹ — صبر کرتے کہ جب میں مرجاتا (اس کتاب کو لکھتے)

امام غزالی کی کسی اور کتاب کو دیکھ کر امام الحرمین میں اس قسم کے جذبات پیدا ہوتے تو شائد اس پر اتنی حیرت نہ ہوتی، یہ "منخول" اس نہج کی کتاب تھی، جیسے غزالی نے اپنے استاذ ہی کی ایک کتاب "مغیث الخلق" کے نمونے پر لکھی تھی اور "مغیث الخلق" کس قسم کی کتاب ہے، اب میں کیا بتاؤں، امام الحرمین بڑے آدمی ہیں ادب مانع ہے، ورنہ شائد میں یہ کہہ سکتا تھا کہ احیاء العلوم میں اس قسم کے اشارے جو

---

[1] امام الحرمین نے یہ کتاب امام ابوحنیفہ اور ان کے مذہب کی تنقید پر لکھا ہے، تنقید و تحقیق تو علماء کا کام ہی ہے لیکن اس کتاب کے دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے کہ اتنی بڑی عظیم شخصیت سے بھی تعصب کے بعد کیا کچھ نہیں سرزد ہو جاتا ہے ابتداء ہی اس کتاب کی ایسے طرز سے ہوئی ہے کہ اسی سے آئندہ جو کچھ لکھا جا سکتا ہے اس کا پتہ چل جاتا ہے، یعنی پہلی وجہ امام ابوحنیفہ اور ان کے مذہب کے ضعف کی یہ بیان کی ہے کہ ابوحنیفہ نبطی تھے (یعنی ایرانی کسان خاندان سے تعلق رکھتے تھے پھر ایسے بے سرو پا واقعات کا تذکرہ کیا ہے کہ جن کو سن کر تاریخ کا معمولی طالب العلم بھی شائد ہنس دے، مثلاً ہارون الرشید کے دربار میں لکھا ہے کہ امام شافعی بلائے گئے، ان کے احترام و اعزاز کو قاضی ابویوسف اور محمد بن حسن الشیبانی جو دربار میں موجود تھے حسد میں جلنے لگے، حالانکہ امام شافعی جس زمانہ میں بغداد پہلی دفعہ آئے تھے قاضی ابویوسف کا انتقال ہو چکا تھا اور اس سے بھی زیادہ تعجب اس پر ہے کہ محمود غزنوی کے دربار میں قفال سے جو مشہور کیا گیا ہے کہ حنفیوں کی مسنون نماز کی شکل بتاتے ہوئے یہ کہا کہ کتے کی کھال اوڑھی اور آدھے جسم پر غلاظت لیٹی، پھر نبیذ سے وضو کیا اور فارسی میں تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ باندھ کر "دو برگک سبز" بولے اور زمین پر سر سے دو ٹھوکریں لگائیں پھر بیٹھ کر تشہد کے بعد زور سے ریاح خارج کی اور سلام پھیرے بغیر سلطان سے کہا کہ حنفیوں کی مسنون نماز ادا ہو گئی، اس میں شبہ نہیں کہ بعض مسخروں نے اس لطیفے کو ضرور مشہور کیا ہے لیکن امام الحرمین جیسے امام علامہ سے یقیناً اس کی توقع نہ تھی کہ اس قسم کے بازاری گپ کا تذکرہ اپنی کتاب میں کریں گے مگر جس عصبیت بیجا کا اظہار اپنی اس کتاب میں انہوں نے کیا ہے اسکو سامنے رکھ لینے کے بعد تعجب کا ازالہ ہو جاتا ہے بیچارے امام غزالی نے بھی اپنی جوانی میں اسکو علمی کمال خیال کر کے "منخول" نامی کتاب لکھی تھی لیکن آخر میں جاہلی عصبیت کی اپنی کتابوں میں انہوں نے خود مذمت کی ہے لیکن حنفیوں میں ایک قسم کی گرانی اس کتاب کی وجہ سے امام غزالی کے

پائے جاتے ہیں، مثلاً اپنے عہد کے علماء سوء کی ایک عام عادت یہ بتاتے ہیں،

انھم یبالغون فی التعصب و ینظرون الی المخالفین بعین الازدراء والاستحقار۔

حق کی حمایت میں بے جا تعصب سے کام لیتے ہیں اس میں حد سے بڑھ جاتے ہیں اور اپنے مخالفوں کو حقارت وذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

پھر چند ناصحانہ کلمات کے بعد فرماتے ہیں،

ولکن لما کان الجاہ لا یقوم الا باستتباع ولا یستمیل الاتباع مثل التعصب واللعن والشتم للخصوم اتخذوا التعصب عادتھم وآلتھم وسموہ ذبا عن الدین ونضالا عن المسلمین وفیہ علی التحقیق ھلاک الخلق۔ ص ج ۱۔

اور جاہ وعزت کے حاصل ہونے کی صورت یہی ہے کہ بہت سے لوگ پیرو بن جائیں اور لوگوں کو اپنی پیروی کی طرف مائل کرنے کا قاعدہ یہی ہے کہ تعصب سے کام لیا جائے مخالفوں پر لعنت وملامت اور سب وشتم کیا جائے اسی لئے ان لوگوں نے تعصب کو اپنی عادت بنا لیا ہے مگر منہ سے کہتے ہیں کہ ہم دین کی طرف سے جواب دیتے ہیں اور مدافعت کا فرض ادا کرتے ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے مقابلہ کرتے ہیں حالانکہ خدا کی مخلوق کی اس میں بربادی ہے

کون کہہ سکتا ہے کہ شنیدہ سے زیادہ خود "دیدہ مشاہدات" ہی نے اس قسم کی باتوں کے لکھنے پر امام کو مجبور نہیں کیا تھا،

اور سچی بات تو یہ ہے کہ خود "امام الحرمین" کے اس لقب خاص کے متعلق تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا[1] لیکن خصوصیت کے ساتھ اسی زمانہ میں اسی کے قریب قریب

---

[1] امام الحرمین کی کتاب "مغیث الخلق" کو علامہ الکوثری الحنفی نے اپنے حواشی نوٹوں کے ساتھ حال میں جو شائع کیا ہے اسی میں وہ لکھتے ہیں کہ ایک خاص حادثہ کی وجہ سے کچھ دن کے لئے امام الحرمین نے اپنے وطن نیشاپور سے ہجرت کرکے حجاز چلے گئے تھے، اسی زمانہ میں کچھ دن ان کا قیام مکہ میں اور کچھ دن مدینہ میں رہا، جہاں رہتے تھے وہاں نمازوں میں عالم ہونے کی وجہ سے امامت کرنے کا موقع ملتا رہا اسی لئے

(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

ایسے القاب و آداب مثلاً قاضی الخافقین یا "ذوالشرفین" "فقیہ العراقین" وغیرہ کی بھرمار علماء کے اسماء گرامی کے ساتھ جو نظر آتی ہے یہ بلا وجہ نہیں ہے، اور امام حجۃ الاسلام علماء کے جن حالات سے متاثر تھے ان کی غمازی خود یہ الفاظ بھی کسی نہ کسی حد تک ضرور کر رہے ہیں بلکہ چاہا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ "شنیدہ" اور "دیدہ" سے بھی آگے بڑھ کر ان چیزوں کی حیثیت امام حجۃ الاسلام کے لئے تو "چشیدہ" کی تھی، دوسروں کی شہادت سے نہیں، بلکہ خود امام کے ذاتی اعترافات ہی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، علماء سوء کی عصبی جاہلیت کا ذکر کرتے ہوئے اور اس سلسلہ میں جدلیات و خلافیات کے نام سے فتنوں کی جو آگ مسلمانوں کے درمیان ان ہی مولویوں نے بھڑکا رکھی تھی امام ہی کے حوالہ سے گذر چکا کہ بظاہر گو انہوں نے بھی یاور کرایا تھا کہ مقصود ان کوششوں سے

(بقیہ صفحہ ۲۲)

"امام الحرمین" کے نام سے مشہور ہو گئے دیکھو کوثری کی کتاب احقاق الحق بابطال الباطل فی مغیث الخلق صـ ۱۲

سلہ۔ قاضی الخافقین کے متعلق لکھا ہے کہ بہت بڑا علاقہ ان کے قضا سے چونکہ تعلق رکھتا تھا اس لئے اس لقب سے مشہور ہوئے دیکھو الیافعی صـ ۱۵ ج ۳ ذوالشرفین کا نام سید مرتضیٰ تھا اپنے وقت کے بہت بڑے محدث بھی تھے اور دولت مند بھی، دس ہزار سالانہ اپنے مال کی زکواۃ نکالتے تھے الیافعی صـ ۱۳۳ ج ۳ ۴۸۰ھ میں وفات ہوئی اسی طرح فقیہ العراقین ابن صباغ کا لقب تھا، یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے استاذ ابو اسحاق شیرازی کے روپوش ہو جانے کی وجہ سے مدرسہ نظامیہ کی صدارت کا عہدہ قبول کیا تھا ۴۷۷ھ میں وفات ہوئی، الغرض زیادہ تر اس قسم کے القاب کی کثرت سلجوقیوں ہی کے زمانہ میں ہوئی بلکہ مشرق کے عام مسلمانوں میں "الدین" کی اضافت والے ناموں کی کثرت جو نظر آتی ہے، الیافعی نے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ اس کی ابتدا بھی اسی زمانہ میں ہوئی، ان کا بیان ہے کہ سب سے پہلے نظام الملک طوسی کے نام کے ساتھ "قوام الدین" کے لقب کو اسلامی تاریخ میں پایا جاتا ہے ورنہ اس سے پہلے "الدولہ" یا "الملک" کی اضافت کا خطابوں میں رواج تھا پچھلے زمانہ میں اس "الدین" والے ناموں کا جو طوفان مسلمانوں میں برپا ہوا ہے اس پر الیافعی بہت بگڑے ہیں، کہ آج ہر فاسق و فاجر شمس الدین نور الدین بنا ہوا ہے پھر ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ ان سارے ناموں میں میرے نزدیک صرف صارم الدین ہی کا نام صحیح ہے یعنی دین کے کاٹنے والے ورنہ اسکے سوا عموماً برعکس نہند نام زنگی کافور کی شکل صادق آتی ہے۔ دیکھو مرآۃ الجنان صـ ۱۳۵ ج ۳

دین کی حمایت اور مسلمانوں کی نصرت وپشت پناہی ہے لیکن امام نے فرمایا تھا کہ

وفیہ علی التحقیق هلاک الخلق — درحقیقت اسی میں خلقت کی تباہی اور بربادی ہے

بہر حال احیاء العلوم میں اسی موقعہ پر اس نصیحت کے بعد

فایاک وان تحوم حولها واجتنبها اجتناب سم القاتل فانها الداء العضال وهو الذی رد الفقهاء کلهم الی طلب المنافسة والمباهاة ج ۱ ص ۳۱ — خبردار! جو اس طریقے کے تم قریب بھی جاؤ اس سے پرہیز کرنے رہنا ایسا پرہیز جیسے زہر قاتل سے آدمی پرہیز کرتا ہے کیونکہ یہی ناقابل علاج مرض ہے اور اسی چیز نے سارے فقہا (مولویوں) کو نفسانیت اور ناز و نخوت میں مبتلا کر دیا۔

امام نے لکھا ہے کہ ممکن ہے میرے اس بیان کو سن کر

یقال الناس اعداء لما جهلوا۔ — کہا جائے کہ لوگ جس چیز سے ناواقف ہوتے ہیں اسکے دشمن بن جاتے ہیں (یہ عربی زبان کی ایک ضرب المثل ہے)

اسی کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ

فلا تسمع ذلک فعلی الخبیر سقطت۔ — تم ہرگز اس کی نہ سنو! کیونکہ (کسی ناواقف کے پاس تم نہیں ہو بلکہ ایک بڑے واقف کار کے پاس تم پہونچ گئے ہو)

"الخبیر" یا "بڑے واقف کار" سے اشارہ امام نے خود اپنی طرف کیا ہے اور اسی کے بعد اپنے "چشیدہ" حالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں،

فاقبل هذه النصیحة ممن ضیع العمر فیه زمانا وزاد علی الاولین تصنیفا وتحقیقا وجدلا وبیانا۔ — تم کو چاہیے اس شخص کی بات مانو جس نے اپنی عمر کا ایک حصہ اسی قصے میں برباد کیا ہے اور پہلوں کے مقابلہ میں اس نے اس راہ میں زیادہ کام کیا ہے کتابیں لکھیں تحقیق کی بھی داد دی لڑا جھگڑا بھی اور خوب کھول کر چیزوں کو اس نے بیان کیا

جہاں تک میرا خیال ہے ان کا اشارہ اپنے اسی کام کی طرف ہے جس کا میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں، یعنی اپنے استاد امام الحرمین کے نقش قدم پر "المنخول" نامی کتاب انہوں نے جو لکھی تھی اور امام الحرمین نے ان کی کتاب کو دیکھ کر جو یہ کہا تھا کہ کاش تم میرے مرنے کا انتظار کرتے، تو شاید اسی کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے کہ پہلوں سے میرا کام ہر لحاظ سے ترقی یافتہ تھا بہرحال آخر میں لکھتے ہیں

ثم الھمہ اللہ رشدہ و　　پھر خدا نے اس شخص کو اپنی سوجھ بوجھ عطا کی اور
اطلعہ علی عیبہ فھجرہ　　اپنے عیب سے وہ آگاہ ہوا پس اس شغل کو اس نے
واشتغل بنفسہ۔ ص۱۳　　چھوڑ دیا اور اپنی نیٹرنے میں مشغول ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "المنخول" یا اسی قسم کے جو کارنامے علم کی خدمت کے نام سے امام نے اس زمانے میں کیے تھے، ان کو زندگی کے دوسرے دور میں پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے جدلیاتی کاروبار کی تصحیح میں امام الحرمین سے جو باتیں امام نے سنی تھیں آگے ان ہی کا جواب دیتے چلے گئے ہیں اگرچہ ان کے نام کی صراحت انہوں نے کی ہے۔ احیاء العلوم میں یہ مقام خاص طور پر قابل توجہ ہے خیر یہ الگ مسئلہ ہے میری غرض تو ان الفاظ کے نقل کرنے سے یہی ہے کہ مسلمانوں میں عموماً اور طبقہ علماء میں خصوصاً جن عیوب کا امام کو احساس ہوا تھا تو دوسروں کے ساتھ بھی اس کا بھی اقرار انہوں نے کیا ہے کہ ان عیوب میں زمانے تک وہ خود بھی مبتلا تھے۔ اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ امام کے متعلق مختلف مورخین نے اس قسم کی باتیں جو لکھی ہیں، مثلاً مشہور محدث و مورخ امام جلیل عبد الغافر الفارسی جو جامعہ نیشاپور کے خطیب اعظم تھے کے حوالے سے الیافعی نے ان کی چشم دید تجربی شہادت جو نقل کی ہے یعنی "الفارسی" نے یہ لکھ کر لقد زرتہ مرارا (غزالی سے کئی بار میں مل چکا ہوں) آگے لکھا ہے کہ

وما کنت احدث فی نفسی　　اس شخص کو پہلے جس حال میں پایا تھا میں
مما عھدتہ فی سالف الزمان　　ان باتوں کا جو پہلے دیکھا تھا ان کی [illegible]

علیہ من الشعارۃ والحاشیۃ
الناس والنظر الیہم
بعین الازدراء والاستحقار
ھم کبراً وخیلاءً واغتراراً
بمارزق من البسطۃ فی النطق
والخاطر والعبارۃ وطلب
الجاہ والعلو والمنزلۃ و
کنت اظن انہ متلفع
بجلباب التکلف ولتیمن
بما صار الیہ فتحققت
بعد التروی والتنقیر
ان الامر علی خلاف المظنون
وان الرجل افاق
بعد الجنون ۔(ص ۱۸۴ ج ۲)

تند خوئی، لوگوں کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دینا، ان کو حقارت کی نظر سے محض اسلئے دیکھنا کہ خدا نے گویائی کا جو کمال ان کو عطا کیا تھا اور ذہنی انتقال میں جو کشادگی تھی، ہر مطلب کی تعبیر کی قدرت ان میں جو پائی جاتی تھی، ان ہی چیزوں پر ان کو ناز تھا، اسی طرح جاہ و عزت کی جستجو کا جو جذبہ اس شخص میں پایا جاتا تھا (ان ہی گذشتہ باتوں کو سوچ کر) میں بھی خیال کرتا رہا کہ صرف تکلف کی چادر اس شخص نے اوڑھ لی ہے اور زبردستی اچھے لوگوں میں شریک ہونے کی کوشش کر رہا ہے لیکن جب زیادہ کنج کاؤ اور تحقیق سے میں نے کام لیا تو یہ ماننا پڑا کہ میرا خیال صحیح نہیں ہے اور جنون کی اس قدیم بیماری سے واقعۃً یہ شخص صحت یاب ہو چکا ہے'

یا اسی کے قریب قریب ابن جوزی نے خلافت عباسیہ کے ایک وزیر انوشرواں نامی کے حوالے سے یہ قصہ "المنتظم" میں جو نقل کیا ہے یعنی انوشرواں کا بیان تھا میں امام غزالی سے ملاقات کرنے کے لئے ان کے پاس گیا ہوا تھا، انہوں نے مجھے یہ نصیحت شروع کی کہ دیکھئے آپ کی زندگی کا جو زمانہ ہے اس کے ایک ایک لمحہ کا حساب آپ سے لیا جائیگا اور آپ کی مثال اس شخص کی ہے جسے مزدوری اور اجرت پر کام کرنے کے لئے کسی نے مقرر کیا ہو، پس اپنی آمدنی کے اضافہ میں جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنا یہ میری ملاقات سے تمہارے لئے کہیں بہتر ہے"

انوشرواں ان کی اس نصیحت کو سن کر جب باہر نکلا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ

لا الہ الا اللہ ھذا الذی کان فی اول عمرہ یستزید نی فضل لقب فخر القابہ کان یلبس الذہب والحریر فآل امرہ الی ھذا الحال۔

خدا کی شان ہے اس آدمی کا حال زندگی کے ابتدائی دنوں میں یہ تھا کہ اپنے القاب میں مجھ سے خواہش رکھتا تھا کہ مزید اضافہ کروں سونا اور حریر استعمال کرتا تھا اور آج اسکا حال یہ ہے۔

الغرض یہ یا اسی قسم کی دوسری شہادتیں امام غزالی کی زندگی کے ابتدائی دور کے متعلق جو ملتی ہیں، ان کو خواہ مخواہ مشکوک قرار دینے کی بظاہر مجھے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی، بلکہ اسے بلاوجہ بدگمانی اگر نہ ٹھیرایا جائے تو اس خیال کی تردید کی بھی ضرورت معلوم نہیں ہوتی، یعنی وطنی تعلقات کی بنیاد پر اگر یہ سمجھا جائے کہ نظام الملک طوسی کا نمونہ امام غزالی کی ابتدائی زندگی میں شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کی راہ نمائی کر رہا تھا تو شاید یہ محض ایک بے بنیاد سوء ظن نہیں ہو سکتا بلکہ فطرت انسانی کے عام اقتضار کے مطابق ہے، امام غزالی نے طوس کے علاقہ میں جب آنکھیں کھولیں تو یقیناً طوس اپنے اس با اقبال و سعادت مند فرزند طالع ارجمند کے چرچوں سے گونج رہا ہوگا جس نے فقر و فاقہ کی خاندانی[1] زندگی سے ترقی کرکے اس دولت قاہرہ کی مسند وزارت

---

[1] جن نے جیسا کہ عرض کیا خواجہ نظام الملک طوسی کی طویل و ضخیم سوانح عمری مولفہ مولوی عبد الرزاق صاحب مصنف البرامکہ کے قلم سے مدت ہوئی کہ شائع ہو چکی ہے، اردو خوانوں کے عام افراد اب نظام الملک سے نامانوس نہیں ہیں ان کے والد جن کا نام علی بن اسحاق تھا حکومت کے محکمہ کے معمولی صیغہ دار تھے، اس زمانے کے لکھانے کا شوق مفرط ان پر مسلط تھا، لکھا ہے کہ اسی وجہ سے ہمیشہ تنگ دست رہتے تھے، نظام الملک جن کا اصلی نام حسن تھا جب پیدا ہوئے تو باوجود تنگ دستی کے ان کے والد نے تعلیم پر خاص توجہ کی، شروع میں قرآن یاد کرایا، پھر باضابطہ اسلامی علوم کی تکمیل کرکے آبائی پیشہ یعنی صیغہ داری کی نوکری اختیار کی، آخر میں بلخ کے حاکم ابن شاداں عمید کے دربار کے میر منشی ہو گئے لیکن ابن شاداں سے بنی نہیں بالآخر الپ ارسلان کے باپ چقر بیگ تک ان کی رسائی ہوئی، الپ ارسلان ابھی ولی عہد ہی تھا چقر بیگ نے الپ ارسلان کا سکرٹری ان کو مقرر کر دیا، یہی ذریعہ ان کی غیر معمولی ترقی کا بن گیا۔

(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

کبریٰ تک پہونچ جانے میں کامیابی حاصل کی تھی جو اس زمانہ میں کرۂ زمین کی سب سے بڑی حکومت تھی، امام حجۃ الاسلام کے گھر میں جب یہ مثال موجود تھی، تو اپنی قدرتی صلاحیتوں کا اندازہ کرتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ اسی کوہ طور کی سیر کا شوق نہ پیدا

(بقیہ صفحہ ۶۷)
الپ ارسلان نے بادشاہ ہونے کے بعد وزارت خواجہ کے سپرد کی، گو سلجوقیہ حکومت کی دارمداری اسی زمانہ میں ان کی ذات پر مرکز ہو چکی تھی لیکن الپ ارسلان کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سلجوقی چونکہ محض خواجہ ہی کی کوشش سے بادشاہ ہونے میں کامیاب ہوا تھا اس لئے ملک شاہی دور میں حکومت سلجوقیہ کے واقعی فرماں روا خواجہ نظام الملک طوسی ہی تھے ملک شاہ نے عام اعلان کر دیا تھا کہ تخت اور شکار کے سوا......... حکومت کے کسی شعبہ سے مجھے کوئی تعلق نہیں "سب کچھ خواجہ حسن ہیں" بیس سال تک اس خان کی وزارت تو ملک شاہ کے زمانہ میں ان کے قبضہ میں رہی اور دس سال الپ ارسلان کی وزارت کی مدت تھی یوں (۲۹) سالہ دور وزارت میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچے ان کی دولت و حشمت اور اسی کے ساتھ ان کی بے مثال فیاضیوں کی داستان طویل ہے خصوصاً علم دوستی معارف نوازی اور علماء کی قدر افزائیوں میں شاندار عہد کی نظیر اسلامی تاریخ میں نہیں مل سکتی کچھ بھی نظام الملک اپنے ایام عروج و اقبال میں زندگی کے ان دنوں کو یاد کیا کرتے تھے جن سے انہیں گذرنا پڑا تھا روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ کسی علاقہ سے خبر آئی کہ ان کی کوہستانی چراگاہ میں پانسو گھوڑے جو نہایت اعلیٰ نسل کے تھے اڑنے والے پرندوں سے بھڑک کر دریا میں کود گئے اور سب کے سب غرق ہو گئے چرواہے نے خواجہ کو دیکھا کہ اس خط کو پڑھ کر آبدیدہ ہو گئے پھر رونے لگے اور خوب روئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ میں گھوڑوں کے مرنے کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں خدا کے فضل سے پانسو گھوڑوں کی قیمت اس وقت میری نگاہ میں کیا قیمت ہو سکتی ہے لیکن اپنی ابتدائی زندگی کا وہ قصہ یاد آ گیا جب میں غزنی سے خراسان آ رہا تھا میرے پاس مشکل تین اشرفیاں تھیں ایک صاحب سے دو اشرفیاں قرض لیکر پانچ اشرفیوں میں میں نے سفر خراسان کے لئے ایک ٹٹو خرید لیکن روانگی کا بھی موقع نہ ملا کہ "ہماں روز آں اسپ بچراگاہ آخرت رفت" صفحہ ۱۰۲ ج ۴ رد۔ اس ٹٹو کے مرنے کا جو غم ہوا تھا اسی غم کا آنسو خیال آ گیا کہ ایک دن مجھ پر وہ بھی گذرا ہے کہ ایک معمولی ٹٹو کیلئے میں رو رہا تھا اسی قسم کے بیسیوں قصے کتابوں میں انکے متعلق ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زندگی خواجہ کی عسرت اور تنگی سے شروع ہوئی تھی

ہوا ہوگا یا نہیں پیدا ہو سکتا تھا؟

بہرحال کوئی تصریحی شہادت تو اس کی میرے پاس نہیں ہے لیکن ان کے سوانح نگاروں نے اتنا تو لکھا ہے کہ امام الحرمین کی درسگاہ سے الگ ہونے کے بعد معاشی زندگی میں شریک ہونے کے لئے امام حجۃ الاسلام نظام الملک کے دربار میں حاضر ہوئے وہ ان کا ہی ہموطن وزیر دولت سلجوقیہ تھا، الیافعی نے لکھا ہے

جب امام الحرمین کی وفات ہوئی تو امام غزالی نے العسکر (شاہی کیمپ) کی طرف رخ کیا، اور وزیر نظام الملک سے ملے وزیر نے امام کا اکرام کیا، اور غیر معمولی طور پر ان کی طرف متوجہ ہوا" ص ۱۷۸ ج ۳۔

الفارسی ابن جوزی الغرض امام کے اکثر سوانح نگاروں نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کیا ہے نظام الملک کے اس کیمپ میں پہونچ کر امام حجۃ الاسلام کو کن تجربات سے گذرنا پڑا، میرا تو خیال ہے کہ احیاء العلوم وغیرہ کتابوں کے بیسیوں نظریات اور فیصلے ان کے ان ہی تجربات پر مبنی ہیں علماء کے باہمی علمی مناظروں کی خرابیوں کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے اس قسم کی باتیں جو لکھی ہیں کہ سارے ذلیل جذبات میں کو ظم ان ہی سے پیدا ہوتے ہیں، فرماتے ہیں کہ

سارے برے اخلاق جن کا شیطان مداح ہے، اور خدا جن سے ناخوش ہوتا ہے وہ ان مناظروں سے ابھر جاتے ہیں"

پھر مثال دیتے ہوئے انہوں نے بیان کیا ہے

اپنے ہم چشموں پر برتری حاصل کرنے کی خواہش ان مناظروں سے قدرتاً آدمی پر مسلط ہو جاتی ہے چاہتا ہے کہ اپنی حیثیت سے زیادہ اسکی آؤبھگت کی جائے بلکہ بسا اوقات یہ مناظرہ کرنے والے لوگ اس پر اڑ بیٹھتے ہیں کہ مجلس میں سب سے ممتاز جگہ ان ہی کو کیوں نہ ملی صدر مجلس سے قریب بیٹھنے کا موقعہ اسے کیوں نہ دیا گیا یا چلتے ہوئے تنگ راستہ اگر سامنے آجائے تو چاہتے ہیں کہ ان ہی آگے بڑھنے کی درخواست کی جائے "

(باقی)

لبری تک پہونچ جانے میں کامیابی حاصل کی تھی جو اس زمانہ میں کرۂ زمین کی سب سے بڑی حکومت تھی، امام حجۃ الاسلام کے گھر میں جب یہ مثال موجود تھی، تو اپنی قدرتی صلاحیتوں کا اندازہ کرتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ اسی کوہ طور کی سیر کا شوق نہ پیدا

(بقیہ صفحہ ۲۷)

الپ ارسلان نے بادشاہ ہونے کے بعد وزارت خواجہ کے سپرد کی، گو سلجوقیہ حکومت کی دارمداری اسی زمانہ میں ان کی ذات پر مرکز ہو چکی تھی لیکن الپ ارسلان کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سلجوقی چونکہ محض خواجہ ہی کی کوشش سے بادشاہ ہونے میں کامیاب ہوا تھا اس لئے ملک شاہی دور میں حکومت سلجوقیہ کے واقعی فرماں روا خواجہ نظام الملک طوسی ہی تھے ملک شاہ نے عام اعلان کر دیا تھا کہ تخت اور شکار کے سوا .... حکومت کے کسی شعبہ سے مجھے کوئی تعلق نہیں "سب کچھ خواجہ حسن ہیں" بیس سال تک اس شان کی وزارت تو ملک شاہ کے زمانہ میں ان کے قبضہ میں رہی اور دس سال الپ ارسلان کی وزارت کی مدت تھی یعنی (۲۹) سالہ دور وزارت میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچے ان کی دولت وحشمت اور اسی کے ساتھ ان کی بے مثال فیاضیوں کی داستان طویل ہے خصوصاً علم دوستی معارف نوازی اور علماء کی قدر افزائیوں میں شاندار ان کے عہد کی نظیر اسلامی تاریخ میں نہیں مل سکتی کبھی کبھی نظام الملک اپنے ایام عروج واقبال میں زندگی کے ان دنوں کو یاد کر لیا کرتے تھے جن سے انہیں گذرنا پڑا تھا روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ کسی علاقہ سے خبر آئی کہ ان کی کوہستانی چراگاہ سے پانسو گھوڑے جن میں بعض عربی النسل تھے اڑنے والے پرندوں کی طرح بھڑک کر دریا میں گر گئے بچ رہے تھے وہ بیکار ہو گئے چرنیاں ان کی ٹوٹ گئیں خواجہ کو دیکھا گیا کہ اس خط کو پڑھ کر آبدیدہ ہو گئے پھر رونے لگے اور خوب روئے لوگوں کو تعجب ہوا تب خود کہنے لگے میں گھوڑوں کے مرنے کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں خدا کے فضل سے پانسو گھوڑوں کی اس قیمت میری نگاہ میں کیا قیمت ہو سکتی ہے لیکن اپنی ابتدائی زندگی کا وہ قصہ یاد آ گیا جب میں غزنی سے خراسان آ رہا تھا میرے پاس مشکل تین اشرفیاں تھیں ایک صاحب سے دو اشرفیاں قرض لیکر پانچ اشرفیوں میں میں نے سفر خراسان کیلئے ایک ٹٹو خریدا لیکن روانگی کا بھی موقع نہ ملا کہ "ہماں روز آں اسپ بیچارہ گاہ آخرت رفت" صفحہ ۲ ج ۴ رد و۔ اس ٹٹو کے مرنے کا مجھے جو غم ہوا تھا اسی غم کا آج خیال آ گیا کہ ایک دن مجھ پر وہ بھی گذرا ہے کہ ایک معمولی ٹٹو کیلئے میں رویا تھا اس قسم کے بیسیوں قصے کتابوں میں ان کے متعلق ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زندگی خواجہ کی عسرت اور تنگی سے شروع ہوئی تھی"

ہوا ہوگا یا نہیں پیدا ہو سکتا تھا؟

بہرحال کوئی قطعی شہادت تو اس کی میرے پاس نہیں ہے لیکن ان کے سوانح نگاروں نے اتنا تو لکھا ہے کہ امام الحرمین کی درسگاہ سے الگ ہونے کے بعد معاشی زندگی میں شریک ہونے کے لئے امام حجۃ الاسلام اُس شخص کے دربار میں حاضر ہوئے جو ان کا ہی ہموطن وزیر دولت سلجوقیہ تھا' الیافعی نے لکھا ہے

جب امام الحرمین کی وفات ہوئی' تو امام غزالی نے العسکر (شاہی کیمپ) کی طرف رخ کیا' اور وزیر نظام الملک سے ملے وزیر نے امام کا اکرام کیا' اور غیر معمولی طور پر ان کی طرف متوجہ ہوا" ص۱۷۸ ج ۳۔

الفارسی ابن جوزی الغرض امام کے اکثر سوانح نگاروں نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کیا ہے نظام الملک کے اس کیمپ میں پہونچ کر امام حجۃ الاسلام کو کن تجربات سے گذرنا پڑا' میرا تو خیال ہے کہ احیاء العلوم وغیرہ کتابوں کے بیسیوں نظریات اور فیصلے ان کے ان ہی تجربات پر مبنی ہیں علماء کے باہمی علمی مناظروں کی خرابیوں کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے اس قسم کی باتیں جو لکھی ہیں کہ سارے ذلیل جذبات میں خواطم ان ہی سے پیدا ہوتے ہیں' فرماتے ہیں کہ

سارے برے اخلاق جن کا شیطان مداح ہے' اور خدا جن سے ناخوش ہوتا ہے وہ ان مناظروں سے ابھر جاتے ہیں"

پھر مثال دیتے ہوئے انہوں نے بیان کیا ہے

اپنے ہم چشموں پر برتری حاصل کرنے کی خواہش ان مناظروں سے قدرتاً آدمی پر مسلط ہو جاتی ہے چاہتا ہے کہ اپنی حیثیت سے زیادہ اسکی آؤبھگت کی جائے بلکہ بسا اوقات یہ مناظرہ کرنے والے لوگ اس پر اڑ بیٹھتے ہیں کہ مجلس میں سب سے ممتاز جگہ ان ہی کو کیوں نہ ملی' صدر مجلس سے قریب بیٹھنے کا موقعہ اسے کیوں نہ دیا گیا یا چلتے ہوئے تنگ راستہ اگر سامنے آجائے تو چاہتے ہیں کہ ان ہی سے آگے بڑھنے کی درخواست کی جائے"

(باقی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قانون کا حقیقی تصور

اور

انسانی آزادی

از جناب مولوی جمیل الدین احمد صاحب

(سلسلہ ۱۳)

ریخی شہادت | یورپ کا علمی خزانہ چونکہ انبیاء علیہم السلام اور خالص وحی الٰہی سے
الی ہے اس لئے بعض جدید تعلیم یافتگان یورپ جن کا سرمایہ ناز محض یورپ کے
لمی خزاین ہیں انسانی صورتوں کے اس تمثل کو ترہیب و تخویف پر محمول کرکے یہ رائے
لکھتے ہیں کہ انسان کے طبعی میلان کو بداخلاقیوں سے روکنے کے لئے ایسے احکام بیان
ئے جاتے ہیں اور فی الحقیقت ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے نعوذ باللہ منہا۔ لیکن
ہاں تاریخ ان واقعات پر شہادت دے تو اس بت کے سامنے فوراً سربسجود ہو جاتے
ں اس لئے ہم علامہ ابن جوزی کی سیرۃ عمر بن الخطاب رض کو شہادت میں پیش کرتے ہیں
علامہ موصوف نے اپنی کتاب میں متعدد مشاہدات درج کئے ہیں جن میں سے ایک واقعہ
ورت انسانی کے اسی دنیا میں مسخ ہو جانے کا پیش کرتے ہیں۔

ن ابی المحیا التیمی قال حدثنی
وذن علی۔ قال خرجت انا و
می الی مکران وکان معنا رجل
سب ابابکر و عمرؓ فنھیناہ فلم
نتہ فقلنا اعتزلنا۔ فاعتزلنا

ابی محیا تیمی سے روایت ہے کہ اس نے کہا مجھکو
موذن علی نے بیان کیا کہ میں اور میرے چچا مکران
کی طرف چلے اور ہمارے ساتھ ایک مرد تھا
جو حضرت ابوبکر و عمرؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔
ہم نے اس کو منع کیا تو وہ اپنے اس فعل سے

دنا خروجنا تذممنا فقلنا
صحبنا حتى نرجع الى الكوفه
فلقينا غلامه فقلنا قل لمولاك
بعد الينا قال ان مولاى قد
حدث له امر عظيم قد مسخت
يداه يدى خنزير قال فاتيناه
فقلنا ارجع الينا قال انه قد حدث
بى امر عظيم ثم اخرج ذراعيه
فاذا هما ذراعا خنزير قال
فصحبنا حتى انتهينا الى
قرية من قرى السواد
كثيرة الخنازير فلما راها
صاح صيحة ووثب فمسخ
خنزيرا وخفى علينا
صحبنا بغلامه ومتاعه الى الكوفه
(سیرۃ عمرؓ باب ۸ ص ۲۴۹)

باز نہ آیا پھر ہم نے اس سے کہا کہ ہم سے
الگ ہوجا تو وہ الگ ہوگیا۔ جب ہمارا
کوچ قریب آگیا تو ہم نے اپنے اس فعل کو
مذموم سمجھا پھر ہم نے کہا کاش وہ ہمارے ساتھ
ہوتا کوفہ پہونچنے تک۔ ہم کو اس کا غلام ملا
ہم نے اس سے کہا کہ تیرے مولی سے کہنا کہ
ہمارے پاس واپس ہوجا اس نے کہا کہ میرے
آقا پر ایک بڑی مصیبت آگئی ہے کہ اس کے
دونوں ہاتھ سور کے ہوگئے ہیں ہم اس کے پاس پہونچے
اور اس سے کہا کہ ہمارے پاس واپس آ (وہ آیا)
اور ہم سے کہا کہ مجھ پر ایک بڑی مصیبت آگئی ہے
پھر اپنے دونوں ہاتھ نکالے تو (ہم نے دیکھا) کہ وہ
دونوں سور کے ہیں۔ علی کا بیان ہے کہ پھر وہ ہمارے ساتھ
ہولیا یہاں تک کہ ہم ایسے گاؤں پر پہونچے جس میں
بہت سور تھے جب اس شخص نے ان سوروں کو
دیکھا تو ایک چیخ ماری اور ایک جست کیا پھر وہ
پورا سور بن گیا اور ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔
ہم نے اس کے غلام اور اسباب کو کوفہ تک لایا۔

علامہ ابن جوزی کی احادیث نبوی صلعم کی تنقید میں جو شدت ہے وہ ارباب علم سے مخفی نہیں ہے پھر اس واقعہ اور بہت سے ایسے واقعات کا ان کے قلم سے لکھنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے کذب کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اگر جدید تعلیم یافتگان یورپ کے خیال میں کتاب وسنت کے احکام محض تخویف و ترغیب پر مبنی ہوں تو ان کی کوئی اصلیت علم نبوت سے جہل کی وجہ سے ان کے نامعقول جرح و تعدیل کے معیار میں نہو تو کچھ پروا نہیں بعد الموت انکو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قانون کا حقیقی تصور

اور

انسانی آزادی

از جناب مولوی جمیل الدین احمد صاحب

(سلسلہ ۱۳)

تاریخی شہادت | یورپ کا علمی خزانہ چونکہ انبیاء علیہم السلام اور خالص وحی الٰہی سے خالی ہے اس لئے بعض جدید تعلیم یافتگان یورپ جن کا سرمایہ ناز محض یورپ کے علمی خزاین ہیں انسانی صورتوں کے اس تمثل کو ترہیب و تخویف پر محمول کرکے یہ رائے رکھتے ہیں کہ انسان کے طبعی میلان کو بداخلاقیوں سے روکنے کے لئے ایسے احکام بیان کئے جاتے ہیں اور فی الحقیقت ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے نعوذ باللہ منہا۔ لیکن جہاں تاریخ ان واقعات پر شہادت دے تو اس بت کے سامنے فوراً سربسجود ہوجاتے ہیں اس لئے ہم علامہ ابن جوزی کی سیرۃ عمر بن الخطاب رض کو شہادت میں پیش کرتے ہیں علامہ موصوف نے اپنی کتاب میں متعدد مشاہدات درج کئے ہیں جن میں سے ایک واقعہ صورت انسانی کے اسی دنیا میں مسخ ہوجانے کا پیش کرتے ہیں۔

عن ابی المحیا التیمی قال حدثنی موذن علی۔ قال خرجت انا و عمی الی مکران وکان معنا رجل یسب ابابکر وعمر رض فنھیناہ فلم ینتہ فقلنا اعتزلنا۔ فاعتزلنا

ابی محیا تیمی سے روایت ہے کہ اس نے کہا مجھکو موذن علی نے بیان کیا کہ میں اور میرے چچا مکران کی طرف چلے اور ہمارے ساتھ ایک مرد تھا جو حضرت ابوبکر و عمر رض کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ہم نے اس کو منع کیا تو وہ اپنے اس فعل سے

فلما دنا خروجنا تذممنا فقلنا لو صحبنا حتی نرجع الی الکوفه فلقینا غلامه فقلنا قل لمولاک بعد الینا قال ان مولای قد حدث له امر عظیم قد مسخت یداه او یدای خنزیر قال فاتیناه فقلنا ارجع الینا قال انه قد حدث بی امر عظیم ثم اخرج ذراعیه فاذا هما ذراعا خنزیر قال فصحبنا حتی انتهینا الی قریة من قری السواد کثیرة الخنازیر فلما راها صاح صیحة ووثب فمسخ خنزیرا وخفی علینا صحبنا بغلامه ومتاعه الی الکوفه

(سیرۃ عمرؓ باب ۸ ص ۲۴۹)

باز نہ آیا پھر ہم نے اس سے کہا کہ ہم سے الگ ہوجا تو وہ الگ ہوگیا۔ جب ہمارا کوچ قریب آگیا تو ہم نے اپنے اس فعل کو مذموم سمجھا پھر ہم نے کہا کاش وہ ہمارے ساتھ ہوتا کوفہ پہونچنے تک۔ ہم کو اس کا غلام ملا، ہم نے اس سے کہا کہ تیرے مولی سے کہنا کہ ہمارے پاس واپس ہوجا اس نے کہا کہ میرے آقا پر ایک بڑی مصیبت آگئی ہے کہ اس کے دونو ہاتھ سور کے ہوگئے ہیں ہم اس کے پاس پہونچے اور اس سے کہا کہ ہمارے پاس واپس آ (وہ آیا) اور ہم سے کہا کہ مجھ پر ایک بڑی مصیبت آگئی ہے پھر اپنے دونو ہاتھ نکالے تو (ہم نے دیکھا) کہ دونو سور کے ہیں۔ علی کا بیان ہے کہ پھر وہ ہمارے ساتھ ہولیا یہاں تک کہ ہم ایسے گاؤں پر پہونچے جس میں بہت سور تھے جب اس شخص نے ان سوروں کو دیکھا تو ایک چیخ ماری اور ایک جست کیا پھر وہ پورا سور بنگیا اور ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ ہم نے اس کے غلام اور اسباب کو کوفہ تک لایا۔

علامہ ابن جوزی کی احادیث نبوی صلعم کی تنقید میں جو شدت ہے وہ ارباب علم سے مخفی نہیں ہے پھر اس واقعہ اور بہت سے ایسے واقعات کا ان کے قلم سے لکھنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے کذب کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اگر جدید تعلیم یافتگان یورپ کے خیال میں کتاب وسنت کے احکام محض تخویف وترہیب پر مبنی ہوں اور ان کی کوئی اصلیت علم نبوت سے جہل کی وجہ سے ان کے نامعقول جرح وتعدیل کے معیار میں نہو تو کچھ پرواہ نہیں بعدالموت کو

اس کا مشاہدہ ہوگا۔ اور وہ ایسا وقت ہوگا کہ اس مصیبت سے یورپ کے علوم ان کو نجات نہ دے سکیں گے۔

حکماء کی شہادت حکماء کی نظر اگرچہ عقلیات کی حد تک محدود ہے اور ماوراء عقل مشکوٰۃ نبوت سے استفادہ کرنے میں وہ قاصر ہیں لیکن فن اخلاق پر جو کتابیں حکمائے لکھی ہیں ان میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ نفس انسانی کی تین متباین قوتیں ہیں۔

(۱) نفس ملکی (۲) نفس سبعی (۳) نفس بہیمی۔

بطریقے ملا جلال الدین محقق دوانی نے اپنی کتاب اخلاق جلالی کے لمعہ اول میں نفس انسانی کے قوتوں کی جو تقسیم حکمائے نے کی ہے اس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے

بطریقے دیگر گفتہ اند کہ نفس انسانی را سہ قوت است متباین کہ باعتبار آں قوی آثار مختلفہ ازو صادر شود بر وفق ارادت وچوں یکے ازاں قوی بر دیگرے غالب شود آں دیگر مقہور یا مفقود شود یکے قوت ناطقہ کہ آں را نفس ملکی و نفس مطمئنہ گویند وآں مبدء فکر و تمیز است و شوق بنظر در حقائق امور۔ دوم قوت غضبی کہ آں را نفس سبعی و نفس لوامہ گویند و آں مبدء غضب و دلیری و اقدام بر اہوال است و شوق بہ تسلط و ترفع جاہ سوم قوت شہوی کہ آں را نفس بہیمی و نفس امارہ خوانند و آں مبدء شہوت و طلب غذا و شوق بالتذاذ بمآکل و مشارب و مناکح است۔

(اخلاق جلالی (مطبع نولکشور) ص ۴۹ و ۵۰)

حکمائے نے دوسرے طور پر یوں بیان کیا ہے کہ نفس انسانی کی تین جداگانہ قوتیں ہیں جن سے مختلف آثار انسان سے اس کے ارادے کے تحت ظاہر ہوتے ہیں اور جب ایک قوت دوسری قوت پر غالب ہو جاتی ہے تو وہ دوسری قوت یا تو مغلوب ہو جاتی ہے یا مفقود ہوتی ہے۔ ان میں ایک قوت ناطقہ ہے جس کو نفس ملکی اور نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور یہ قوت فکر و تمیز کا مبدء ہے اور اس کا کام حقائق میں غور و فکر ہے دوسری قوت غضبی ہے جس کو نفس سبعی اور نفس لوامہ کہتے ہیں یہ قوت مبدء غضب ہے اور دلیری اور خوفناک امور میں پیش قدمی کرنا اس کا خاصہ ہے اور ترفع جاہ و منصب کی مشتاق ہے تیسری قوت شہوی [illegible] امارہ موسوم

کرتے ہیں یہ قوت شہوت کا مبدا ہے۔ اور غذا کی طلب اور کھانے پینے کی چیزوں اور نکاح جماع لذت حاصل کرنا اس کا فریضہ ہے۔

ہمارا مقصد حکماء اخلاق کے ان بیانات کو پیش کرنے سے یہ ہے کہ اگرچہ حکماء کو مثالی صورتوں کا مشاہدہ نصیب نہ ہو لیکن آثار و نتائج سے ان کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ نفس انسانی میں تین قوتیں ہیں۔ ایک قوت ملکی ہے۔ دوسری قوت غضبی ہے جس کی تعبیر وہ نفس کی درندگی سے کرتے ہیں۔ تیسری قوت شہوی ہے جس کی تعبیر وہ بہیمیت سے کرتے ہیں اگر علوم انبیاء اور وحی الٰہی کے تحت ان کے ادراکات ہوتے تو ان کو بھی انبیاء کے نور کا ایک حصہ حاصل ہوتا اور یہ اس مشاہدہ کی سعادت سے محروم نہ ہوتے۔

مثالی صورتوں کا مشاہدہ جو لوگ بصیرت محمدیہ صلعم سے سرفراز ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ جب انسان اپنی مالکیت و حاکمیت کا ادعا کرتا اور مالکیت و حاکمیت الٰہیہ کا انکار کرتا ہے تو اسکے اغراض و انکار کی مناسبت سے قوائے غضبیہ و شہویہ امراض ردیہ پیدا کرتے ہیں اور انسان کے علمی و عملی تناسب سے اس کی مثالی صورت کتے، بیل، بندر، سور، کتے اور دیگر وحشی درندوں کی بن جاتی ہے اور ان حیوانات میں جو عادات و خصائل جبلی ہیں وہ انسان میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

ویدانت کے فلسفی بھی انسان کی صورت مثالی کا نام اپنی زبان میں "سوکشم شریر" رکھتے ہیں اور یہ بیان کرتے ہیں کہ اخلاقی برائیوں سے انسان کی صورت مثالی جانوروں کی بن جاتی ہے لیکن فلسفیانہ خیالات کی آمیزش سے وہ اس کی تعبیر مسئلہ تناسخ و جنم سے کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بعد الموت پھر انسان اسی دنیا میں ان جانوروں کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور اس کا یہی سلسلہ جاری رہتا ہے جسکو وہ آواگون کہتے ہیں۔

اس عقیدہ کا یہ جزو کہ انسان پھر اسی دنیائے فانی میں پیدا ہو جاتا ہے اور سابقہ جنم کے اعمال کی سزا بھگتتا رہتا ہے خود ان منتروں سے جو برہمن ایصال ثواب کے وقت پڑھتے ہیں مشکوک ثابت ہوتا ہے۔

برہمن ایصال ثواب کے لیئے جو مذہبی عمل کرتے ہیں اس کو لفظ "شرادھ" سے

موسوم کرتے ہیں اور اس کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے۔
[شرا]دہ وہ مذہبی عمل ہے جس سے ان ارکان خاندان کو جو دوسرے عالم میں [ہیں ثو]اب پہونچے۔

"[illegible]

اس تعریف شرادہ میں ان ارکان خاندان کو ایصال ثواب کے لئے مختص کرنا جو دوسرے عالم میں رہتے ہیں اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ ہندو مذہب جس کا تعلق انبیائی دین سے رہا ہے یہ تسلیم نہیں کرتا کہ انسان اس دنیا سے کوچ کرنے کے بعد پھر اسی دنیا میں جزا و سزا کے لئے پیدا ہوجاتا ہے حکمائے یونان میں حکیم فیثاغورث بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا چونکہ سابقہ انبیاء کے ادیان میں حکما کے خیالات کے اختلاط سے آمیزش علوم وحی کی حفاظت باقی نہیں رہی اسلئے اب تمیز کرنا کہ خالص وحی الٰہی کیا ہے اور اس میں کس قدر انسانی خیالات کی آمیزش ہوگئی ہے دیگر ادیان کے علماء سے بہت دشوار ہوگیا ہے ہمارا اصل مقصد موضوع زیر بحث صرف یہ واضح کرنا ہے کہ انسانی اعمال کی صورتیں جو عالم مثال میں بنتی ہیں اس کا تعلق عامۃ الناس کے لئے تو ایمان بالغیب سے ہے اور خواص کے لئے جو بصیرت محمدیہ صلعم کامل حاصل کرلیتے ہیں یہ مسئلہ بالکل بدیہی ہوجاتا ہے۔ الحاصل یہ وہ اطلاعات و اعلانات ہیں جو قانون فطرت کے ذریعہ دی گئی ہیں کہ جب انسان مالکیت و حاکمیت الٰہیہ سے اعراض کرتا ہے تو اس کا شمار چوپایوں میں ہونے لگتا ہے اور اپنے اعراض و انکار کے مدارج میں جیسے جیسے ترقی کرتا ہے ویسے ویسے اس کے منازل و مقامات فطرت الٰہیہ تبدیل کرتی رہتی ہے کبھی وہ صرف چوپایوں کے شکل ہوجاتا ہے جس کی تعبیر قانون فطرت کالانعام سے کرتا ہے کہ اس کی صورت مثالی گائے بیل بکری کی ہوتی ہے اور کبھی اس سے تجاوز کرکے شیر ریچھ۔ سانپ وغیرہ کی صورت میں مسخ ہوجاتا ہے۔ جس سے اسکی انسانیت کی قدر باقی نہیں رہتی اور اسفل السافلین اس کا مقام بن جاتا ہے۔

ایک آخری اطلاع ان تمام تفصیلی ہدایات و اعلانات و احکام کی اشاعت کے بعد بھی قانون فطرت نے پیروان صحیفہ فطرت پر ایک اور اطلاع فرض کی ہے کہ جب مفسدین

مشرکین کی جماعت کی جانب سے نظام تمدن میں فساد پیدا ہو جائے اور انسانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہے اور صالح جماعت پر حسب احکام قانون فطرت یہ ذمہ داری عائد ہو کہ ان مفسدین کے ساتھ جنگ کرکے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور خدا کی زمین کو فتنہ و فساد سے پاک کیا جائے تو اس سلسلہ جنگ میں بھی اتمام حجت کے لئے ان مفسد جماعتوں کو سب سے پہلے قبول حق کی دعوت دی جائے جس سے امن و سلامتی کی تخم ریزی قلوب انسانی کی زمین میں ہوتی ہے اور اگر اس دعوت سے انکار اور اسکو رد کر دیا جائے تو اطاعت کے ساتھ جزیہ قبول کرنے کا الٹیمٹم دیا جائے اور ان ہر دو صورتوں سے انکار کی صورت میں اللہ پر توکل کرکے جنگ شروع کر دیا جائے۔

قتل و غلامی و آزادی کا اختیار | جب یہ جنگ اشرار و مفسدین کے خون سے زمین کو لالہ زار بنا دیتی ہے اور مفسدین جو برسر پیکار تھے اسیر ہو جاتے ہیں تو قانونِ فطرت نے خلیفہ وقت کو اختیارات ذیل عطا کئے ہیں۔

بہ تقاضائے حالات اسیران جنگ۔

(۱) قتل کئے جائیں یا (۲) غلام بنائے جائیں یا (۳) بالمعاوضہ رہا کئے جائیں یا (۴) بلا معاوضہ آزاد کئے جائیں۔ آخر الذکر صورتوں سے تو اس وقت کوئی بحث نہیں ہے۔ صرف صورت ثانی فی الحقیقت زیر بحث ہے اور صورت اول سے ضمناً و تبعاً بحث کرنا ضروری ہے جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ قتل و غلامی کے علل و اسباب ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ خلیفہ وقت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اسیرانِ جنگ میں جو اشخاص صفت سبعی (درندگی) سے متصف پائے جائیں اور شر البریہ کی منزل پر ہوں وہ قتل کر دئیے جائیں اور جن میں صفت بہیمی پائی جائے اور کالانعام ہوں ضمناً و تبعاً جماعت اول کا ساتھ دیں (جیسے عورتیں اور بچے) ان کو غلام بنایا جائے۔ کیونکہ ان میں انسانیت کی طرف عود کرنے کی صلاحیت ابھی باقی ہے اسی لئے

[قا]نون فطرت نے ان پر انعام کا حکم نہیں بلکہ کالانعام کا حکم لگایا ہے۔ الحاصل اسیران جنگ پر قتل یا استرقاق کے احکام کے اجرا کے لئے امور ذیل لازمی ہیں۔

(۱) یہ کہ مشرکین پیروان صحیفہ فطرت کے ساتھ برسرپیکار ہوں۔ (۲) یہ کہ جنگ بموجب احکام قانون فطرت اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہو (۳) اور مشرکین اس جنگ میں اسیر ہوں (۴) خلیفہ وقت قتل یا استرقاق کا حکم جاری کرے۔ ان متذکرۂ صدر صورتوں میں سے کوئی ایک صورت بھی مفقود ہو تو قتل و استرقاق کے احکام نہیں دیئے جا سکتے اور اسی بنیاد پر آنحضرت صلعم نے غلام بنانے کے جو غیر فطری طریقے دنیا میں رائج تھے ان سب کو منسوخ فرما کر غلامی کا صرف وہی قاعدہ رائج فرمایا جو عین فطرت انسانی کے مطابق تھا۔

غلامی کا مبنی بر عدل ہونا کیا وہ جماعت جو اپنی مالکیت و حاکمیت کے ادعا سے قانون فطرت کی خلاف ورزی میں اتنے مراحل طے کر چکی ہو کہ اس کے خصائل میں بہیمیت اور سبعیت رس بس گئی ہو اور جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ انسانی برادری کا قتل و خون روا رکھے اور اس کے مال و جائداد پر تصرف کر کے اس کی آزادی سلب کر دے اور اپنے بھائیوں کی بہو بیٹیوں کی عصمت دری کرے اور ان کی عفت و غرت کا کوئی احترام باقی نہ رکھے اگر اس کو اس کے اخلاقی صفات درندگی کی وجہ سے قتل کیا جائے یا صفات بہیمی کی وجہ سے غلام بنایا جائے تو کیا جرم ہے اور ایسی گندہ آزادی کا سلب کرنا جس سے انسانی برادری امن و عافیت سے زندگی بسر کرے کیا کسی قانونی و اخلاقی و سیاسی نقص پر محمول کیا جا سکتا ہے اور کیا یہ ردعمل مطابق فطرت اور عین فطرت ہے یا نہیں۔ جس جماعت نے دوسرے انسانوں کا امن و چین برباد کر دیا ہو اور ان کی آزادی سلب کر دی ہو اس کی آزادی سلب کرنا قانون مجازات کا اقتضا ہے یا نہیں۔ فطرت انسانی کا فیصلہ اس باب میں کیا ہے۔

جزاء سیئۃ سیئۃ مثلها (سورۂ شوریٰ ع ۵ پ ۲۵) برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔ عین عدل ہے یا نہیں۔ اور بقائے اصلح کا یہی اصول ہے یا کچھ اور۔

کیا کبھی ایسے انسان کو جو دنیا سے انسانیت کو نابود کرنا چاہتا ہے یا ان لوگوں کا معین ومددگار ہو جو صالح تمدن کو فاسد و برباد کرنا چاہتے ہیں کسی قانون نے آزاد رکھنے کا حکم دیا ہے۔

اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر قید و ضبطی جائداد کی سزا کیا ہے جو ہر حکومت کے قانون میں سب سے پہلے حصہ میں مدون کر دی گئی ہے۔

اس غلام میں جو قانون فطرت کے احکام کے مطابق غلام بنایا گیا ہو اور اس مجرم میں جس کو سزائے قید کے ساتھ سزائے ضبطی جائداد لازمی دی جاتی ہے، بلحاظ سلب آزادی کیا فرق ہوا امتیاز ہے۔ غلامی کی تعبیر قید و ضبطی جائداد سے کرنا اور یہ ادعا کرنا کہ غلامی کا قانون یورپ نے باقی نہیں رکھا۔ چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ کا مصداق ہے یا نہیں۔

استرقاق کا حکم تو قانون فطرت کی رو سے صرف جنگ کی مخصوص صورت سے متعلق ہے اور اسیران جنگ سے ہی اس کا تعلق ہے لیکن سزائے ضبطی جائداد تو جنگ کی تیاری کی صورت میں بھی دی جاتی ہے اگرچہ ابھی جنگ کی کوئی صورت پیدا ہی نہ ہوئی ہو جس کی تصریح ہم نے بحوالہ دفعات تعزیری پیش کی ہے۔

کیا یہ تصور صحیح ہو سکتا ہے کہ انسانی غیر الٰہی حکومتوں کے ساتھ بغاوت کی صورت میں قتل و قید و ضبطی جائداد کی سزا لازمی قرار دی جائے لیکن حقیقی مالک الملوک اور احکم الحاکمین کے انکار اور اس کے خلیفہ کے ساتھ بغاوت اور خدا کے بندوں کے قتل و غارتگری اور انسانوں کی آزادی سلب کرنے کی صورتوں میں استرقاق و استعباد کا اختیار صحیح نہ ہو۔

وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلمٰتہ وھو السمیع العلیم (سورۂ انعام ع ۲ پ ۸)

اور تمہارے رب کا ارشاد (کلمہ طیبہ) صداقت اور عدل کے اعتبار سے پورا ہو گیا کوئی ایسا ہیکڑ نہیں ہے کہ اس کے کسی حکم کو ٹال دے اور وہی سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے

قانون فطرت نے ان پر انعام کا حکم نہیں بلکہ کالانعام کا حکم لگایا ہے۔ الحاصل اسیران جنگ پر قتل یا استرقاق کے احکام کے اجرا کے لئے امور ذیل لازمی ہیں۔

(۱) یہ کہ مشرکین پیروان صحیفہ فطرت کے ساتھ برسرپیکار ہوں۔ (۲) یہ کہ جنگ بموجب احکام قانون فطرت اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہو (۳) اور مشرکین اس جنگ میں اسیر ہوں (۴) خلیفہ وقت قتل یا استرقاق کا حکم جاری کرے۔

ان متذکرہ صدر صورتوں میں سے کوئی ایک صورت بھی مفقود ہو تو قتل و استرقاق کے احکام نہیں دیئے جا سکتے اور اسی بنیاد پر آنحضرت صلعم نے غلام بنانے کے جو غیر فطری طریقے دنیا میں رائج تھے ان سب کو منسوخ فرما کر غلامی کا صرف وہی قاعدہ رائج فرمایا جو عین فطرت انسانی کے مطابق تھا۔

غلامی کا مبنی بر عدل ہونا | کیا وہ جماعت جو اپنی مالکیت و حاکمیت کے ادعا سے قانون فطرت کی خلاف ورزی میں اتنے مراحل طے کر چکی ہو کہ اس کے خصائل میں بہیمیت اور سبعیت رس بس گئی ہو اور جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ انسانی برادری کا قتل و خون روا رکھے اور اس کے مال و جائداد پر تصرف کر کے اس کی آزادی سلب کر دے اور اپنے بھائیوں کی بہو بیٹیوں کی عصمت دری کرے اور ان کی عفت و غرت کا کوئی احترام باقی نہ رکھے اگر اس کو اس کے اخلاقی صفات درندگی کی وجہ سے قتل کیا جائے یا صفات بہیمی کی وجہ سے غلام بنایا جائے تو کیا جرم ہے اور ایسی گندہ آزادی کا سلب کرنا جس سے انسانی برادری امن و عافیت سے زندگی بسر کرے کیا کسی قانونی و اخلاقی و سیاسی نقص پر محمول کیا جا سکتا ہے اور کیا یہ رد عمل مطابق فطرت اور عین فطرت ہے یا نہیں۔ جس جماعت نے دوسرے انسانوں کا امن و چین برباد کر دیا ہو اور ان کی آزادی سلب کر دی ہو اس کی آزادی سلب کرنا قانون مجازات کا اقتضا ہے یا نہیں۔ فطرت انسانی کا فیصلہ اس باب میں کیا ہے۔

جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا (سورۂ شوریٰ ع ۴ پ ۲۵) برائی کا بدلا اسی جیسی برائی ہے۔

عین عدل ہے یا نہیں۔ اور بقائے اصلح کا یہی اصول ہے یا کچھ اور۔

کیا کبھی ایسے انسان کو جو دنیا سے انسانیت کو نابود کرنا چاہتا ہے یا ان لوگوں کا معین و مددگار ہو جو صالح تمدن کو فاسد و برباد کرنا چاہتے ہیں کسی قانون نے آزاد رکھنے کا حکم دیا ہے۔

اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو عمر قید و ضبطی جائداد کی سزا کیا ہے جو ہر حکومت کے قانون میں سب سے پہلے حصہ میں مدون کر دی گئی ہے۔

اس غلام میں جو قانون فطرت کے احکام کے مطابق غلام بنایا گیا ہو اور اس مجرم میں جس کو سزائے قید کے ساتھ سزائے ضبطی جائداد لازمی دی جاتی ہے، بلحاظ سلب آزادی کیا فرق و امتیاز ہے۔ غلامی کی تعبیر قید و ضبطی جائداد سے کرنا اور یہ ادعا کرنا کہ غلامی کا قانون یورپ نے باقی نہیں رکھا۔ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ کا مصداق ہے یا نہیں۔

استرقاق کا حکم تو قانون فطرت کی رو سے صرف جنگ کی مخصوص صورت سے متعلق ہے اور اسیران جنگ سے ہی اس کا تعلق ہے لیکن سزائے ضبطی جائداد تو جنگ کی تیاری کی صورت میں بھی دی جاتی ہے اگرچہ جنگ کی کوئی صورت پیدا ہی نہ ہوئی ہو جس کی تصریح ہم نے بحوالہ دفعات تعزیری پیش کی ہے۔

کیا یہ تصور صحیح ہو سکتا ہے کہ انسانی غیر الٰہی حکومتوں کے ساتھ بغاوت کی صورت میں قتل و قید و ضبطی جائداد کی سزا لازمی قرار دی جائے لیکن حقیقی مالک الملوک اور احکم الحاکمین کے انکار اور اس کے خلیفہ کے ساتھ بغاوت اور خدا کے بندوں کے قتل و غارتگری اور انسانوں کی آزادی سلب کرنے کی صورتوں میں استرقاق و استعباد کا اختیار صحیح نہو۔

وتمت کلمة ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلمٰته وهو السمیع العلیم (سورۃ انعام ع ۲ پ ۸)

اور تمھارے رب کا ارشاد (کلمہ طیبہ) صداقت اور عدل کے اعتبار سے پورا ہو گیا کوئی ایسا ہیکڑ نہیں ہے کہ اس کے کسی حکم کو ٹال دے اور وہی سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے

کیا متلاشیان حق وصداقت کو اب بھی کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) اور احکام قرآنی کی صداقت و عدالت کے تسلیم کرنے میں جس کا اشارہ آیت مذکورہ میں ہے انکا اعراض ہوسکتا ہے کہ جس کی تصدیق کے ساتھ انسانیت کی بقا وابستہ ہو اور یہی نہیں بلکہ قرب الٰہی وخلافت الٰہی بھی اس کلمہ طیبہ کے احکام کے تحت عمل کرنے پر منحصر کر دی گئی ہو اور خلافت ارضی عطا کرنے کا بھی ضمنی وعدہ اسی علم وعمل سے متعلق ہو۔ اور جس کی تکذیب کے نتائج و آثار اس دنیا میں قتل وسلب آزادی (غلامی) اور آخرت میں عذاب ابدی موعود ہو جس کا تخلف محال ہے۔

ہم کو اس سے بحث نہیں ہے کہ کسی انسان کو اس کا شعور حاصل ہو یا نہو لیکن تصدیق وتکذیب کے نتائج سے وہ لامحالہ دوچار ہوتا ہے۔

غلامی کا مبنی بر سیاست ہونا | اب ایک اور اہم اعتراض باقی رہ جاتا ہے کہ ان بچوں اور عورتوں کا کیا قصور ہے جو اسیران جنگ کے ساتھ گرفتار ہو جاتے ہیں اور ان کو غلام ولونڈی بنا لیا جاتا ہے۔

یہ واقعہ مسلمہ ہے کہ قانون فطرت کی رو سے عموماً ہتیار اٹھانے والے مرد قتل کئے جاتے ہیں کیونکہ ان درندوں کا ہلاک کرنا اور ان کے مظالم سے خدا کے بندوں کو محفوظ رکھنا ہی عدل ہے اور قانون فطرت نے اس کو انسانیت کے فرائض میں داخل کیا ہے۔

اور اصول سیاست کے اعتبار سے " افعی کشتن وبچہ اش نگاہ داشتن وآتش کشتن و اخگر گذاشتن کار خردمنداں نیست" کے مقولہ پر عمل کر کے بچوں اور عورتوں کے قتل کے جواز کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے جس کا نظارہ یورپ کے حالیہ جنگ میں بھی دنیا کی آنکھوں نے دیکھا ہے لیکن قانون فطرت کی نظر میں یہ اصول سیاست مبنی بر ظلم وجبر و استبداد و بے رحمی تھا اس لئے قانون فطرت نے بچوں اور عورتوں کے قتل کے بجائے ان کو غلام اور لونڈی بنانے کے احکام

دیئے ہیں اور یہ احکام۔

اولاً تو مبنی بر سیاست ہیں کہ جس سے عقل سلیم انکار نہیں کر سکتی۔

کیونکہ جو بچے اپنے مشرک و مفسد والدین کے ساتھ اور جو عورتیں اپنے مشرک و مفسد شوہروں یا دیگر اقارب کے ساتھ بہیمی و سبعی زندگی بسر کی ہوں اور اسی ماحول میں پرورش پائی ہوں اگر ان کو آزاد کر دیا جائے تو بچوں کا جوان ہو کر وہی اعمال و کردار اختیار کرنا لازمی ہے جو ان کے آبا و اجداد کے تھے اور عورتیں ایسی اولاد پیدا کریں گی جس سے انسانیت کو وہی خطرات لاحق ہوں جو ان کے شوہروں سے پیدا ہو چکے تھے جیسا کہ حضرت نوح کا ارشاد قرآن حکیم نے نقل کیا ہے۔

ولا یلدوا الا فاجرا کفارا۔ اور یہ نہیں جنیں گے مگر کافر فاجر کو۔

سعدی۔ عاقبت گرگ زادہ گرگ شود۔

امام ابو حنیفہ اور صاحبین رح نے یہی وجہ عورتوں اور لڑکوں اور گھوڑوں اور ہتیار کے عوض فدیہ لینے کے امتناع کی قرار دی ہے۔

واتفقوا انہ لا یفادی بنساء و صبیان و خیل و سلاح الا لضرورۃ۔ (درمختار باب المغنم) امام ابو حنیفہ اور صاحبین اس پر متفق ہیں کہ عورتوں اور گھوڑوں اور ہتیار کے عوض فدیہ نہ لیا جائے مگر کسی خاص ضرورت پر۔

قانون الٰہی اور غیر الٰہی کی سیاست کا توازن در باب غلامی

اور ثانیاً یہ سیاسی احکام مبنی بر عفو و رحم و ایثار و احسان الٰہی ہیں کہ قتل کے وجوب و جواز کے باوجود جان بخشی کی جاتی ہے اور لزوم قید و حراست کے باوجود نقل و حرکت کی آزادی دی جاتی ہے اور حق تصرف جائداد مسلوب ہونے کے باوجود استحقاق تصرف جائداد کے مواقع عطا کیے جاتے ہیں جیسے ماذون غلام کو یہ حق ہے کہ بیع و شراء اور تمام دیگر تصرفات کرے اور دائمی غلامی کے احکام باوجود غلاموں کے آقاؤں پر آزادی

بعض صورتوں میں واجب اور بعض صورتوں میں جائز قرار دی جاتی ہے او
استحصال کی ترغیب و تحریص دلاکر قانون فطرت نے جو فیاضی کی ہے
نظیر پیش کرسکتا ہے نہ کوئی قانون جس کا کچھ اقتباس ہم نے شد
کے احکام کی شکل میں مقابلتاً پیش کیا ہے۔

اب یورپ کی سیاست پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے کہ یورپ نے
غلامی کی نوعیتیں کتنی ہیں اور غلامی سے یورپ کا مقصد کیا ہے۔

یورپ نے غلامی کی دو قسمیں کی ہیں۔

(۱) شعوری غلامی جس کی تعبیر قوانین یورپ نے قید و ضبطی جائداد سے کی۔

(۲) لاشعوری غلامی جس کو نہ کسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے نہ کسی عنوان سے

قسم اول کی غلامی کی تفصیل ہم نے اس رسالہ کے جلد ۱ نمبر (۱۲) میں بحوالہ دفعہ
تعزیری کی ہے۔

دوسری غلامی جس کا نام ہم نے لاشعوری غلامی رکھا ہے اس کا تعلق عدلیہ
نہیں ہے بلکہ حکومت کے مختلف شعبہ جات کے ذریعہ غیر یورپین اقوام پر
قواعد و ضوابط نافذ کئے جاتے ہیں کہ ان کا دل و دماغ قوائے عقلی و علمی سے معطل
ہو جائیں اور دولت کے بجائے وہ افلاس و گداگری کا شکار بنے رہیں۔ حاکمانہ
حیثیت کے بجائے غلامانہ ذہنیت پیدا کرلیں۔ دین کے بجائے لادینی،
خوش اخلاقی کے بدل بد اخلاقی کی طرف ترقی کریں۔

چونکہ یہ سزائے غلامی رعایا کے کسی جرم کی پاداش میں نہیں دی جاتی
نہ رعایا کے کسی خاص فرد یا جماعت کے ساتھ مختص کیجاتی ہے بلکہ عام طور
ایسے احکام دیئے جاتے ہیں کہ رعایا کے جذبات کی قوت محرکہ مفلوج ہو جاتی
ہے اور احساس سلب آزادی مفقود ہو جاتا ہے اسلئے غلامی کا کوئی شعور
باقی نہیں رہتا۔ مثلاً صنعت و حرفت کے ایک شعبہ کو لیجئے کہ رعایا کو نشتر
کے بنانے اور کارخانہ جات کے قیام سے ممنوع کردیا جاتا ہے اور دیگر

مشنری کے ذریعہ جو ضروریات زندگی تیار کی جاتی ہیں وہ ایسے ارزاں دام میں فروخت ہونے لگتی ہیں کہ گھریلو دستی صنعتوں سے رعایا خود بخود دست کش ہوجاتی ہے کیونکہ جو چیز دستی صنعت سے رعایا ایک مہینہ میں تیار کرتی ہے وہ مشین کے ذریعہ ایک دن میں تیار ہوتی ہے اور اس لئے مشین کی تیار کی ہوئی اشیاء جس ارزاں دام میں بازار میں ملتی ہیں وہ گھریلو صنعتوں کے ذریعہ تیار ہو کر فروخت نہیں ہوسکتی ہیں۔ اور چونکہ عام طور پر غربا کی کثرت ہوتی ہے اسلئے ارزانی مایحتاج کا خیال ان کو اپنی دستکاری کے تعطل کی جانب مائل نہیں کرتا۔ صیغہ ملازمت پر غور فرمائیے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ حکومت کے اعلیٰ خدمات گوروں کے لئے مختص ہوتی ہیں۔ اسلحہ سازی کی صنعت کو تو کسی حال میں دوسری قوموں کے ہاتھ میں نہیں رکھا جاتا بلکہ سرے سے ہتیار رکھنے کی اجازت ہی نہیں دی جاتی بجز اس کے کہ لائسنس حاصل کرلیا جائے۔

بہرحال ہر صیغہ اور ہر شعبہ میں دیگر اقوام کو یورپین اقوام کا محتاج بنانا حکومتوں کا مقصود ہوتا ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ اس لاشوری غلامی کے مہلک نتائج کی تفصیل جو خود بعض مصنفین یورپ کے قلم سے ظاہر ہوئی ہے قسم اول کی غلامی سے زیادہ خطرناک اور خرمن سوز انسانیت ثابت ہوئی ہے۔ الرق فی الاسلام کے حصہ اول کے صفحات ٢٣٧ تا ٢٥٦ ملاحظہ ہوں۔ لیکن یورپ نے اپنے ان کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اسلامی قانون غلامی کی خلاف ورزی سے جو نتائج دنیا میں پیدا ہو رہے تھے ان کو اسلامی قانون غلامی کے نتائج سے مشہور کردیا۔ اور قانون فطرت کے عدل و نصفت کو ظلم سے اور محبت و شفقت کو عداوت و نفرت سے نامزد کیا۔ اور اس پروپگنڈے کا اثر اس نوبت پر پہونچا کہ بعض علمائے اسلام کی ذہنیت بھی مرعوب ہوگئی جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے عرض کیا ہے۔ لیکن فطرت کا قانون تو یہ ہے کہ حقائق پر لاکھ نقاب ڈالنے کی کوشش کی جائے وہ بے نقاب ہوتی جاتی ہیں۔ یورپ نے جس شدت کے ساتھ اپنے عدل و احسان کا پروپگنڈا کیا ہے اسی قوت کے ساتھ ہندوستان پر اجتماعی غلامی کا ظلم بے نقاب ہوتا گیا۔ بالآخر ہندوستان یوروپ کی

غلامی سے آزاد ہوا۔

[illegible] حکومت برطانیہ کا مقصد ہمیشہ یہ رہا کہ حکومت ہند کی باگ ڈور برطا
کے ہاتھ سے کسی طرح نہ چھوٹے لیکن عنان حکومت جاتی ہی رہی۔ فکر مادر کاما آزار ما
کیا یہ مالکیت و حاکمیت الٰہیہ کے غضب کا نتیجہ نہیں تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابص

بہر حال حکومت الٰہیہ کا مقصد غلاموں کو آزاد کرنا ہے جس کی تفصیل ہم نے
پیش کی ہے اور حکومت غیر الٰہی کا مقصد آزادوں کو غلام بنانا ہے جس پر ہندستان
ڈومینین کاربند ہے۔ اور دیدۂ بصیرت منتظر ہے کہ بہت قریب زمانہ میں ان لادینی افکا
کا نتیجہ دیکھے۔

قانون فطرت کی غلامی عشق و محبت کی بنیاد ہے

یہ عنوان تو بہت حیرت افزا ہے۔ "غلامی اور عشق و محبت" کیونکہ
یورپ کے مورخین و مصنفین نے غلاموں پر مظالم کی جو داستانیں
قلمبند کی ہیں جن سے تاریخ کے روشن صفحات بھی سیاہ رو ہو گئے ہیں بہت طولانی
ہیں۔ بادی النظر میں تو غلامی اور محبت میں نفرت و عداوت کا علاقہ ہے اور
ایک کو دوسرے سے بڑا بیر ہے الضدان لایجتمعان اور واقعہ بھی یہی ہے کہ قانون
فطرت کے خلاف غلامی کی رسم جن نجس و ناپاک اغراض و مظالم پر مبنی ہے جس کا ایک دھندلا
خاکہ ہم نے پیش کیا ہے ان کا بیان کرنا کسی دردمند دل کا کام نہیں ہے لیکن یورپ کے
متعصب مصنفین نے جس دروغ بافی سے کام لیا ہے اور اپنے ہوائے نفسی کے قوانین کے
معائب کو محاسن کی صورت میں ظاہر کرنے کیلئے قانون فطرت کے احکام غلامی پر ظلمت کا
جس شوخی و بیباکی سے اڑایا ہے اس کا اٹھانا ہم نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ
میں عشق و محبت کے روشن و تابناک چہرے پر اگر دروغ بافی کی ظلمت و سیاہی کا غازہ
مل دیا گیا ہے تو صرف یہی ایک قانون فطرت کی غلامی کا روئے زیبا ہے جس کو
گورے ہاتھوں نے اپنے تعصب قلبی کی سیاہی سے سیاہ کر دکھایا ہے باقی کسی
انجمن میں عشق و محبت کا چہرہ ایسی ذلت و خواری سے پامال نہیں ہوا۔

(باقی)

(بقیہ فکر و نظر صفحہ ۸) عقلمندی یہی قرار دی گئی ہے کہ انسان کی تمام جد و جہد کا واحد مقصد حیات بعد الموت ہی کی تعمیر ہو۔

الکیس من دان نفسہ و عمل لما بعد الموت (حدیث)

ترجمہ:۔ عقلمند وہی ہے جس نے اپنے نفس کو قابو میں کر لیا اور جو عمل کرتا ہے حیات بعد الموت کے لئے کرتا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ اس عالم میں بندے کی ہر حرکت و سکون جو مرضی الٰہی کے مطابق ہو وہی عمل لما بعد الموت ہے۔

جب قرآنی تعلیم و دعوت یہی ہے کہ مقصد حیات۔ حیات آخرہ کی تعمیر ہے تو آخرت کی تفصیلات کو بشدت و بہ تکرار پیش کر کے دنیا پرست انسان کی ذہنیت کو اس طرح آراستہ کرنے کی ضرورت ہے کہ آخرت ہی کی زندگی اصلی و حقیقی دوامی زندگی ہے اور ان ہی جاذبات و احساسات کی زندگی ہے تاکہ حریص انسان کی آرزوؤں اور تمناؤں کا رخ اس دوامی زندگی کی طرف پھر جائے۔ اور اس علم میں فرائض حیات کی انجام دہی میں وہ بے لوث و بے غرض ہو جائے اور یہاں کے کاروبار عدل و احسان کے تحت انجام پا سکیں۔ فرائض خلافت جو انسان کا موروثی منصب ہے اسکو کما حقہ انجام دینے کے لئے انسان میں بے لوثی بے غرضی اور عدل و احسان کے صفات۔ حیات آخرہ کے قرآنی تصورات کے بغیر پیدا نہیں ہوتے۔ واقعہ عرض کرتا ہوں کہ حیات آخرہ کا تصور جو ایک حقیقت نفس الامری ہے جب تک اس عملی زندگی کی اساس و بنیاد نہ ہو جائے باطن کی اصلاح ہو سکتی ہے اور نہ ظاہر کی اور نہ باطل کے خلاف اعلاء کلمۃ الحق کا کوئی جذبہ پیدا ہو تا ہے موت کے تصور سے انسان پر جو بزدلی پیدا ہو جاتی ہے اس مرض موذی کا علاج حیات آخرہ کے قرآنی تصورات ہی ہیں۔

یہ دیوانوں کی باتیں ہیں کوئی ہشیار کیا جانے

دین کی ابتدائی منزل میں عبد و رب کے درمیان جو غائبانہ ربط و تعلق

قائم ہوجاتا ہے اسکی انتہا بمقام احسان منزل قرب ہے۔ انسانی زندگی کو جو حقائق گھیرے ہوئے ہیں اس مقام پر اسکی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے، قرب، اقربیت، احاطت، معیت کے الفاظ کے ذریعہ قرآن مجید میں جسکی جانب توجہ دلائی گئی ہے اور جسکا حصول حقیقی طلب و تشنگی پر منحصر ہے اس مقام کے علم و عمل کا یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان اپنی خودی سے نکل کر بے خودی کے عالم میں داخل ہوجاتا ہے جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ایک بیہوشی کے عالم میں پڑا رہتا ہے بلکہ فنائے خودی کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں یہ شعور پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ اللہ ہی کی قیومیت سے قائم ہے اللہ کی حیات سے زندہ ہے اللہ ہی کی سماعت بصارت سے دیکھتا ہے سنتا ہے اللہ ہی اس کو چلاتے ہیں کھلاتے ہیں پلاتے ہیں اپنی ذات اور تمام مخلوق کے متعلق اسکی دانش بینش، دانش بینش حق کے مطابق ہوجاتی ہے۔

شعوری طور پر نور حق اسکی تمام حرکات و سکنات کا مبدا ہوجاتا ہے۔ اس کے کاروبار و معاملات میں نفسانیت کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا۔ اس کے لوازم بشری تحت خواہش نفس نہیں بلکہ تحت تکوین انجام پاتے رہتے ہیں دنیا اس کی نظروں میں حقیر اور ناقابل التفات ہوجاتی ہے اور صرف لقاء و دیدار رب ہی اس کی آرزو و تمنا ہوتی ہے، فیضان علم حق کا وہ محل ہوجاتا ہے علم و حکمت کے چشمے اسکی زبان سے جاری کردیئے جاتے ہیں اسی مقام کے انسان کے متعلق حضرت رومی فرماتے ہیں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس کا اصلاحی طریقہ کار یہ نہیں ہوتا کہ جنگلی درختوں کو کاٹ کر پھولوں کے درخت نصب کردے بلکہ وہ جنگلی درختوں کو پھولوں کا درخت بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور یہی طریقہ کار طریقۂ مصطفوی ہے۔

جامعہ نگر (دہلی)

ماہنامہ

الحق

فطرتِ انسانی کا تذکرہ

مترجم

صفوۃ الرحمٰن صابر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

حقیقت یہ ہے کہ بعض قیاس وگمان ذہن انسانی کی غیر صحیح حرکت ہیں ذہنی معصیت سے محفوظ رہنے کے لئے اس واقعہ کو ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ رسالہ کی آمدنی بعد وضع حقیقی اخراجات دین کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے وقف رہیگی بہ توفیق الٰہی و بحمدہ مرتب رسالہ کی ذات رسالہ کی آمدنی سے مستفید نہ ہوگی اس لئے مالی تعاون کی درخواست نہیں ہے بلکہ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِکُمْ اہل خیر ہی کار خیر کا اجر پائیں گے۔

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

فہرست مضامین

بابتہ ماہ شعبان ۱۳۶۷ھ جلد ۲ عدد ۱۲

فی پرچہ (۸ر- سالانہ ۶ لے) تعاون حسب استطاعت

باہتمام صفوۃ الرحمن صابر اعظم اسٹیم پریس میں طبع ہو کر دفتر رسالہ الحق دیوڑھی شہریار جنگ

محلہ سلطان شاہی حیدر آباد دکن سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فإذا هو زاهق

بلکہ ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں تو حق باطل کا دماغ پاش پاش کر دیتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے

مہر و نظر

انسان کے جسقدر فطری جاذبات ہیں اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جذبۂ محبت ان تمام فطری جاذبات کی اساس و بنیاد ہے۔ جذبہ محبت ہی انسان کی تمام زندگی میں کار فرما نظر آتا ہے۔ توالد و تناسل کا سلسلہ، معاشی جدو جہد، وطن کی خدمت، قومیت کی تعمیر و ترقی، نسل و رنگ کے امتیازات، شہرت و ناموری کے کارنامے، زن، زر، زمین کے لئے جدال و قتال، علوم و فنون کے تحقیقاتی کام، صنعتی ایجادات و ترقیات، تزئین جسم و صورت، نفس پرستی کے مظاہرے ان سب کا محرک جذبہ محبت ہی ہے، جنس قوی و لطیف کا ایک دوسرے کی جانب فطری میلان، اولاد کی نگہداشت و پرورش ان کی تعلیم و تربیت کے لئے والدین کا ایثار و قربانی اولاد میں والدین کی خدمت گذاری کا احساس، انسانی ہمدردی کا وہ جذبہ جو ہر انسان میں پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے باہم میل جول، ربط و تعلق پیدا ہو کر یکجہتی و یگانگت بڑھتی جاتی ہے اور بالآخر ایک مدنی زندگی ظہور میں آتی ہے، محبت ہی کی نمائش ہے، محبت ہی روح زندگی ہے۔ زندگی میں حرکت ہے تو جذبہ محبت ہی کی وجہ سے ہے تنوع ہے تو محبت ہی کی وجہ سے ہے، نشاط کار ہے تو محبت ہی کی وجہ سے کارخانۂ

عالم میں رونق ہے تو محبت ہی کی وجہ سے ہے ہر شے جو انسان اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور ہر شے جس کو انسان اپنے اندر جذب کر رہا ہے محبت ہی کی کرشمہ سازی ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ کائنات کی ہر شے جو وجود میں آتی ہے بالآخر انسان تک پہونچتی اور انسان کی خدمت انجام دے رہی ہے گویا انسان کی ہستی تمام کائنات کی محبوب ہستی ہے۔

انسان کی پیدائش اور انسان کے لئے تمام کائنات کی تخلیق، عناصر کائنات کا باہمی جذب وکشش سے مختلف اشیاء کی صورت اختیار کرنا ہر ہر شے جو اپنے منازل ترقی کو طے کرتے ہوئے انسان تک پہونچ رہی ہے اور انسان کی خدمت میں مصروف ہے۔ ہر شے کے وہ آثار و افعال جو حیات انسانی کے لئے مفید یا مضر ہیں ان اشیاء کے خواص و آثار کو پہچاننا اور ان اشیاء کو استعمال کرنے کی توفیق و ہدایت رحمت و مودت کے یہ مظاہرے محبت کی فراوانی، رحمت و مودت کی یہ ان گنت نہریں یا محبت کی یہ دنیا خود انسان نے تو نہیں بنائی اور خود بخود پیدا ہو جانا ایک احمقانہ و جاہلانہ خیال ہے تو جو شے پیدا ہوتی ہے اس کا جو پیدا کرنے والا ہے یہ اسی کی صفت رحمانیت ہے جو کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری وساری ہے۔ نظام کائنات اسی خالق کائنات کی صفت رحمانیت سے قائم و باقی ہے۔ کائنات کے ہر ذرہ میں اور تمام بنی آدم میں جو باہمی جذب وکشش پائی جاتی ہے وہ خالق کائنات کی صفت رحمانیت کا ایسا فیضان عام ہے جس میں کوئی نقص وکجی نہیں پائی جاتی۔

ما تری فی خلق الرحمٰن من تفوت (الملک)

(ترجمہ) تو رحمٰن کی خلقت میں کوئی خلل نہ دیکھیگا۔

ہر ہر ذرہ زبان حال سے اس فیضان رحمانیت کا اعلان کر رہا ہے۔

ربنا وسعت کل شئ رحمہ۔

(ترجمہ) اے ہمارے رب آپکی رحمت ہر شے کو شامل ہے۔

افسوس کہ جاہل انسان نے محبت کی دنیا کو فتنہ وفساد کی دنیا بنا رکھا ہے محض

اس وجہ سے محبت کی دنیا بنانے والے سے غافل ہو کر اس کی ہدایات کے تحت جذبہ محبت کا استعمال نہیں کر رہا ہے ملائکہ نے جہل انسانی کو دیکھکر یہ حکم لگایا تھا۔

یفسد فیھا و یسفک الدماء۔

(ترجمہ) زمین میں فساد کریگا اور خون ریزی کریگا۔

مگر اس مجسمہ محبت کو بنانے والے کے اس ارشاد میں

علّم اٰدم الاسماء کلھا۔

(ترجمہ) علم دیا اللہ نے آدم کو تمام اسماء کا۔

یہ بلیغ اشارہ موجود ہے کہ علم حق کی روشنی میں اگر یہ لطیف جذبہ محبت بیدار رہیگا تو محبت کی دنیا آباد رہیگی اور یہی دراصل منصب خلافت ہے۔

اس اصول کے تحت کہ ہر شے اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے انسان کو یہی دعوت دی گئی کہ وہ اپنے مبدء رحمت کی طرف رجوع کرے اسی سے وابستہ رہ کر اس کے سایہ رحمت میں سارخی و ابدی زندگی کی تعمیر میں مصروف رہے

لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم

جس ذات رحمٰن و رحیم نے بکمال رحمت خلعت وجود بخشا۔ انسان جس کے آغوش رحمت میں پرورش پاتا ہوا اپنے ارتقائی منازل کو طے کر رہا ہے اس کی دعوت رحمت کو بصد ذوق و شوق بہ ہزار فوائی محبت قبول کرنا ہی سعادت انسانی ہے۔ الرحمٰن کی طرف دعوت دینے کے لئے جذبہ محبت کو اس کے مرکز اصلی سے وابستہ کرنے کیلئے ایک مربی کامل نمونہ رحمت مظہر شان رحمت کی ضرورت تھی۔ ذات رسالت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا اور تشنگان رحمت حق کے لئے اپنی پیاس بجھانے کا سامان قیامت تک کے لئے مہیا کر دیا گیا۔ اس واسطہ رحمت کے بغیر نہ کوئی تشنہ رحمت حق کا بندہ جاں نثار [illegible] ہو سکتا ہے [illegible] مقرب ہے [illegible] پر فائز ہونے کے لئے [illegible] ہو جائے گا [illegible]

ارشاد گرامی ہے۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ (حدیث)

اللہ جل شانہ سے شدید محبت ہی کمال ایمان ہے بلکہ مقتضائے ایمان ہے۔

الذین آمنوا اشد حبا للہ

(ترجمہ) اہل ایمان کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے

اس آیت میں "الذین آمنوا" سے وہی حضرات مراد ہیں جو ذات رسالت صلعم کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ ایمان کی لذت وشیرینی اس کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔

قال ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما الخ

(ترجمہ) فرمایا تین باتیں جس کسی میں ہوں گی ایمان کی لذت اس کو حاصل ہوگی یہ کہ اللہ ورسول ما سوا سے زیادہ محبوب ہوں۔

ہم رنگ محبوب ہو جانا محبت کا اقتضا ہے علماً وعملاً محبوب کی اتباع ہی ہم رنگ حدیث بنا جو ہوتا ہے۔ علماً وعملاً اتباع رسالت کے بغیر حب الٰہی وحب رسول کا دعویٰ صحیح نہیں ہو سکتا

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی (قرآن)

(ترجمہ) کہیے اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو۔

من احب سنتی فقد احبنی (حدیث)

(ترجمہ) جس نے میری سنت کو دوست رکھا اس نے مجھکو دوست رکھا۔

حب خدا اور رسول میں اس طرح غرق ہو کر مجسمہ محبت بن جانا ہی وہ رنگینی ہے جسکو صبغۃ اللہ فرمایا گیا۔ اللہ جس کو اس رنگ میں رنگ دے اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ (البقرہ)

(ترجمہ) رنگ اللہ کا اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے۔

الرحمٰن کی دعوت رحمت لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم کو قبول کرنے کے بعد رحمت خصوصی جو "الرحیم" سے نمایاں ہے متعلق ہو جاتی ہے۔

وکان بالمومنین رحیما

(ترجمہ) اللہ مومنوں پر رحیم ہیں

اس وجہ سے محبت کی دنیا بنانے والے سے غافل ہو کر اس کی ہدایات کے تحت جذبہ محبت کا استعمال نہیں کر رہا ہے ملائکہ نے جہل انسانی کو دیکھکر یہ حکم لگایا تھا۔

یفسد فیھا و یفسک الدماء۔

(ترجمہ) زمین میں فساد کریگا اور خون ریزی کریگا۔

مگر اس مجسمہ محبت کو بنانے والے کے اس ارشاد میں

علّم آدم الاسماء کلھا۔

(ترجمہ) علم دیا اللہ نے آدم کو تمام اسماء کا۔

یہ بلیغ اشارہ موجود ہے کہ علم حق کی روشنی میں اگر یہ لطیف جذبہ محبت بیدار رہیگا تو محبت کی دنیا آباد رہیگی اور یہی در اصل منصب خلافت ہے۔

اس اصول کے تحت کہ ہر شے اپنے اصل کے طرف رجوع کرتی ہے انسان کو یہی دعوت دی گئی کہ وہ اپنے مبدء رحمت کی طرف رجوع کرے اسی سے وابستہ رہ کر اس کے سایۂ رحمت میں عارضی و ابدی زندگی کی تعمیر میں مصروف رہے

لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم

جس ذات رحمٰن و رحیم نے بکمال رحمت خلعت وجود بخشا۔ انسان جس کے آغوش رحمت میں پرورش پاتا ہوا اپنے ارتقائی منازل کو طے کر رہا ہے اس کی دعوت رحمت کو بصد ذوق و شوق بہ ہزار فراوانی محبت قبول کرنا ہی سعادت انسانی ہے الرحمٰن کی طرف دعوت دینے کے لئے جذبۂ محبت کو اس کے مرکز اصلی سے وابستہ کرنے کیلئے ایک مربی کامل نمونہ رحمت، مظہر شان رحمت کی ضرورت تھی۔ ذات رسالت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت العالمین بنا کر بھیجا گیا اور تشنگان رحمت حق کے لئے اپنی پیاس بجھانے کا سامان قیامت تک کے لئے مہیا کر دیا گیا۔ اس واسطہ رحمت کے بغیر نہ کوئی تشنہ رحمت حق کا بندہ جاں نثار فرماں بردار ہو سکتا ہے اور نہ بندہ مقرب۔ ایمان کے مرتبہ پر فائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ذات گرامی جان مال و اولاد سب سے زیادہ محبوب ہو جائے جیسا۔

ارشاد گرامی ہے۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ (حدیث)

اللہ جل شانہ سے شدید محبت ہی کمال ایمان ہے بلکہ مقتضائے ایمان ہے۔

الذین آمنوا اشد حبا للہ

(ترجمہ) اہل ایمان کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے

اس آیت میں "الذین آمنوا" سے وہی حضرات مراد ہیں جو ذات رسالت صلعم کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ ایمان کی لذت و شیرینی اس کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔

قال ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما الخ

(ترجمہ) فرمایا تین باتیں جس میں ہونگی ایمان کی لذت اسکو حاصل ہوگی ایک یہ کہ اللہ و رسول ما سوا سے زیادہ محبوب ہوں۔

ہم رنگ محبوب ہو جانا محبت کا اقتضا ہے علماً و عملاً محبوب کی اتباع ہی ہم رنگ حدیث محبوب ہوتا ہے۔ علماً و عملاً اتباع رسالت کے بغیر حب الٰہی و حب رسول کا دعویٰ صحیح نہیں ہو سکتا

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی الخ (قرآن)

(ترجمہ) کہئے اگر تمکو اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو۔

من احب سنتی فقد احبنی (حدیث)

(ترجمہ) جس نے میری سنت کو دوست رکھا اس نے مجھکو دوست رکھا۔

حب خدا اور رسول میں اس طرح غرق ہو کر مجسمہ محبت بن جانا ہی وہ رنگینی ہے جسکو صبغۃ اللہ فرمایا گیا۔ اللہ جس کو اس رنگ میں رنگ دے اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ (البقرہ)

(ترجمہ) رنگ دیا اللہ نے اس کے رنگ سے بہتر کون رنگ ہو سکتا ہے۔

الرحمٰن کی دعوت رحمت لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم کو قبول کرنے کے بعد رحمت خصوصی جو "الرحیم" سے ظاہر ہے متعلق ہوجاتی ہے۔

کان بالمومنین رحیما

(ترجمہ) اللہ مومنین کے لئے رحیم ہیں۔

ت العالمین کی ذات گرامی بھی رحمت خصوصی کی منظہر ہو جاتی ہے۔

بالمومنین رؤف رحیم

جاننے والے جانتے ہیں کہ ان ادراکات ایمانیہ میں کیا ذوق ہے کیا مستی ہے

یارب تو رحیمی و رسول تو رحیم

صد شکر کہ ہستیم میان دو رحیم

اس ذوق و مستی کو قرآن شریف میں "فرح" فرمایا گیا اور اسی رحمت عام
ص کے تعلق سے مومنین کو شاداں فرحاں رہنے کی تاکید فرمائی گئی۔

قل بفضل اللہ و برحمۃ فبذالک فلیفرحوا۔

(ترجمہ) کہہ دیجئے کہ لوگوں کو خدا کے اس فضل و رحمت پر مسرور و شاداں رہنا چاہئے۔

اس خصوصی رحمت کو کتنے محبانہ انداز سے واضح فرمایا گیا۔

وصف تقویٰ اگر ہے تو بندہ مومن محبوب حق ہے۔

ان اللہ یحب المتقین

خطاؤں پر ندامت۔ طلب عفو ہے یعنی توبہ ہے تو محبوب حق ہے ان اللہ یحب التوابین
ائب و مشکلات و آفات کو الرحمٰن الرحیم کی طرف سے اپنے لئے
سمجھ کر برداشت کیا جاتا ہے تو بندہ مومن محبوب حق ہے۔

واللہ یحب الصابرین

فضل و کرم ہے کیا رحمت خصوصی ہے کہ طہارت جسمانی کو محبت کا ذریعہ بنا دیا گیا

واللہ یحب المطہرین

غرض ایمان کا دائرہ حب الہیٰ ہے جب بندہ اس دنیا میں داخل
جاتا ہے تو حب للہ و بغض للہ اس کی زندگی کا شعار ہو جاتا ہے۔
ل ایمان محبت حق کی اسی کیف و مستی میں سرشار رہتے ہیں۔

یحبہم و یحبونہٗ

تو عرض کرتا ہوں کہ الایمان الحب۔

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اقبال نے سچ کہا

عشق نہیں تو شرع و دیں تبکدۂ تصورات

رحمت و مودت کے چند اعتبارات کو اس لئے پیش کیا گیا کہ اہل ایمان اپنے جبّی جاذبات کو بیدار کر کے محبت کی دنیا آباد کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیں۔

اللھم انی اسئلک حبک وحب نبیک

اس مقام پر ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے یہ جو مشہور ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے یا ضابطہ و قانون اور ہے محبت کا آئین اور ہے ایسی باتیں نفسانی محبت پر الٰہی محبت کو قیاس کرنے کا نتیجہ ہیں اس پندار غلط کی وجہ سے عملی زندگی میں اتباع رسالت کا پہلو کمزور ہو جاتا ہے جو ایک اہم نقص ہے الٰہی محبت اندھی نہیں ہوتی اس محبت میں بڑی بینائی بصیرت حاصل ہو جاتی ہے یہ محبت انسان کو با ادب اور باشعور بناتی ہے اللہ رسول کی رضا و خوشنودی محبت الٰہی کی جان ہوتی ہے اللہ رسول کی رضا و خوشنودی یہی ہے کہ بندہ حق سر تا پا مرضی حق ہو جائے۔ اللہ رسول کی مرضی کے خلاف کوئی خیال کوئی حرکت کہیں دیکھ پائے، انفس میں یا آفاق میں گھر میں ہو یا گھر کے باہر تو حب الٰہی کا اقتضا یہی ہے کہ قلب بے چین مضطرب ہو جائے اور اسکو دفع و پامال کرنے کی فکر و جد و جہد پیدا ہو جائے دین اسلام مرضی الٰہی ہے۔

رضیت لکم الاسلام دینا

(ترجمہ) دین اسلام کو میں نے تمھارے لئے پسند کیا۔

دین اسلام کو قبول و اختیار کرنا دین اسلام کا احیاء و اشاعت حق سبحانہ و تعالیٰ کی مرضی ہے پس مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ ہر طالب حق آشنائے حق کی زندگی کا شعار ہونا چاہیئے اقتضاء ایمان اقتضاء محبت یہی ہے کہ اللہ کی مرضی کو ہر گز

حتی المقدور نافذ کرنے کا فرض ہر بندہ حق کی زندگی کا اولین فریضہ ہو جائے۔

ہندستان کے نئے گورنر جنرل نے جو مادر ہند کے جاں نثار سپوت ہیں ۲۱ جون کو حلف وفاداری اٹھایا یعنی حلفاً ملک معظم اور ان کے خاندان کے وفادار رہنے کا اعلان کیا آزاد ہندوستان کے آزاد سپوت کی زبان سے دل و دماغ کی غلامی کا یہ اعلان جو در اصل ایک حقیقی غلامی ہے ایک طرفہ تماشا ہے ۔ غلامی و گرفتاری میں مبتلا رہ کر آزادی کا راگ الاپنا جہل ہی نہیں جہل مرکب ہے ۔

انسان جب اپنے حقیقی مالک و آقا کی غلامی کے حدود سے باہر ہو جاتا ہے تو اپنے جیسے انسانوں کی غلامی اس کی قسمت میں لکھ دی جاتی ہے ۔

خالق انسان سے بے تعلق ہو جانے کے بعد انسانیت کتنی حقیر ہو جاتی ہے افسوس تو یہ ہے کہ مخلوق کی غلامی سے آزاد رکھنے والا پیام حق و حریت کے علمبردار (مسلمان) بھی آج اس پیام حریت کو فراموش کرکے شخصی و خاندانی وفاداری یعنی انسان کی غلامی کا طوق گردن میں ڈال کر آزادی کے نعرے لگا رہے ہیں کیا غضب ہے کہ زبان پر نعرۂ تکبیر اللہ اکبر اور دل و دماغ میں انسان کی کبریائی بسی ہوئی ہے ایسے نعرۂ تکبیر پر رحمت نازل ہوگی یا قہر، اپنے پیدا کرنے والے مالک و حاکم حقیقی کے اقتدار کو بھول کر شخصی و خاندانی اقتدار کو قائم رکھنے والے اور اپنے شخصی اقتدار کے فریب میں مبتلا رہنے والے ہر دو کو زندگی کی یہ پہلی فرصت میں غور کرنا چاہئے کہ جس کی کبریائی اور اقتدار اعلیٰ کے تصور سے ان کے دل و دماغ خالی ہیں کل وہ اس کے روبرو کیا منہ لیکر حاضر ہونگے جس دن اسی ذات "العلی الکبیر" کے حکم و اقتدار کے سوا کسی کا اقتدار نہ ہوگا ۔

والامر یومئذ للہ ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اطلاقی تصوف

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

(سلسلہ (۷))

یہ اور اسی قسم کے دوسرے امور کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں،

"ان میں بعض غبی لوگ لیکن جو چالباز ہوتے ہیں، وہ اپنے دل میں اس قسم کی باتیں بناتے ہیں کہ ان مطالبات سے مقصود علم اور دین کے احترام کی حفاظت ہے یا اپنی خودداری کے بچانے کی یہ کوشش ہے، مومن کے لئے مذہب نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے"

پھر غصہ سے بیتاب ہو کر ان مولویانہ تاویلوں پر جتنی لعنت و ملامت وہ کر سکتے تھے کرتے چلے گئے ہیں، انہوں نے اسی سلسلہ میں لکھا ہے کہ مناظرہ کرنے والوں کے قلوب میں ہر اس شخص کی جانب سے عداوت پیدا ہو جاتی ہے جو ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتا، یا ان کی ہمنوائی سے لاپروائی اختیار کرتا ہے، فریق مقابل کی توہین و تحقیر اور مختلف پیرایوں میں اپنے علم و فضل، کثرت مطالعہ، وسعت نظر وغیرہ کا اظہار اور اس قسم کے دعوے کہ بھلا ایسی باتیں مجھ سے مخفی رہ سکتی ہیں، میں نے کس علم کی کتابیں کھنگالی ہیں، لیکن اصولی باتوں پر میں نے غور نہیں کیا ہے، حتیٰ کہ اسی مناظرے کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ

اپنے حریف کے متعلق بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس کی زندگی کے پوشیدہ پہلوؤں کی جستجو میں بھی لوگ مشغول ہو جاتے ہیں کسی مناظرہ کرنے والے عالم کے متعلق خبر ملتی ہے کہ ان کے شہر میں

آیا ہو تو مختلف ذرائع سے اس کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں لوگ لگ جاتے ہیں اور معلومات کے ان ذخیروں کو اس لئے محفوظ کرتے چلے جاتے ہیں کہ مقابلہ کے وقت اس شخص کو زک دینے اور عام مجمع میں ذلیل و رسوا کرنے میں ان ہی معلومات سے کام لیا جائیگا یہانتک کہ اس غریب نو وارد عالم کے بچپن کے قصوں اور سرگزشتوں کا پتہ چلایا جاتا ہے یا کسی جسمانی عیب میں اتفاقاً بے چارا اگر مبتلا ہے تو دلچسپی سے اس کا بھی سراغ لگایا جاتا ہے اور موقع پر ان حربوں سے کام نکالا جاتا ہے" صـ ۳۵ ج ۱ ۔

دور تک وہ ان تجربات کو نقل کرتے چلے گئے ہیں اور یہ لکھکر کہ یہ حال تو ان کا ہے جو اپنے آپ کو لئے دیے رہتے ہیں اور علمی وقار و وزن کا خیال رکھتے ہیں ورنہ مناظروں میں جو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں ان کو تو دیکھا گیا ہے کہ جوتے لات تک نوبت پہونچا دیتے ہیں باہم ایک دوسرے کے گریبان میں الجھ جاتا ہے یہ اس کی ڈاڑھی نوچتا ہے اور وہ اس کے بال پکڑتا ہے باہم ایک دوسرے کے اساتذہ اور والدین کو گالیاں دیتے ہیں امام نے لکھا ہے کہ یہ لوگ تو خیر کسی شمار و قطار میں نہیں ہیں بلکہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں یہ حال ان لوگوں کا ہے جن کی سنجیدگی اور متانت بڑائی اور دانشمندی دنیا میں مسلم ہے لیکن جب مناظرے کی راہ وہ اختیار کرتے ہیں تو مذکورہ بالا عیوب سمجھئے سوا عام حالات میں یہ ساری باتیں ان میں پیدا ہو جاتی ہیں یعنی

غرور بدنفسی کینہ حرص مال اور جاہ کی خواہش دوسروں کو مغلوب کرنے کی کوشش اپنی برتری کا ان کے مقابلہ میں اظہار کبر و ناز امیروں اور دولت مندوں سلاطین اور بادشاہوں کا تقرب ان کے درباروں میں آمد و رفت کے پیدا کرنے کی راہوں کی تلاش سواری لباس وغیرہ کے ذریعہ سے اپنی شان و شوکت کی نمائش عوام الناس کی تحقیر ان کے میل جول سے احتراز بے نتیجہ کاموں میں مشغولیت بکواس

اور (آخر میں تو) ان کے قلوب سے خدا کا خوف نکل جاتا ہے، دل میں نرمی باقی نہیں رہتی، غفلت ان پر چھا جاتی ہے حتی کہ ان میں جو نماز کے عادی ہوتے ہیں ان کو قطعًا اس سے سروکار باقی نہیں رہتا کہ آخر وہ کیا پڑھتے ہیں، کس سے نماز میں ان کی گفتگو ہوتی ہے (کیونکہ ان کا سارا وقت) ان ہی معلومات کے حاصل کرنے میں صرف ہوتا ہے جن سے مناظرہ کی مجلسوں میں مدد مل سکتی ہو" صـ ۳۶ ج ۱۔

میں ان چیزوں کو کہاں تک نقل کروں، مقصد کے لئے یہی بہت زیادہ ہے، کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ ان چیزوں کو اپنے سامنے رکھ لیجئے اور اس کے بعد مورخین کی ان شہادتوں کو پڑھیے مثلاً علامہ عبد الغافر الفارسی جو امام کے ملنے والوں میں ہیں فرماتے ہیں

نظام الملک طوسی کا دربار اس زمانہ میں علماء کا دنگل تھا، دنیا کے مقررین خطبا کی آماجگاہ بنا ہوا تھا (امام غزالی جب اس دربار میں پہونچے) تو اس عہد کے بڑے بڑے سربرآوردہ لوگوں سے ٹکر لینے کا ان کو خوب موقع ملا، اس زمانہ میں جن کا شمار فحول (نر) علماء میں تھا ان میں اور غزالی میں خوب خوب مقابلے ہوئے، اس وقت کی اونچی سی اونچی ہستیوں پر غزالی نے تنقیدیں کیں۔ مراۃ الجنان ج ۳ صـ ۱۰۷

الیافعی نے بھی لکھا ہے

"وزیر کے دربار میں ارباب فضل و علم کا جو گروہ تھا، ان میں اور امام غزالی میں مناظروں اور مقابلوں کا سلسلہ جاری ہوا، وزیر کے سامنے متعدد مجلسوں میں بڑے بڑے علمی معرکے پیش آئے جن میں امام غزالی بازی لے گئے۔"

لکھا ہے کہ امام کی ان غیر معمولی کامیابیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک ان کے علم و فضل کے چرچوں سے گونج اٹھا چند ہی دنوں کے بعد ممالک سلجوقیہ کے سب سے بڑے دار العلوم یعنی نظامیہ بغداد کی صدارت امام کے سپرد ہو گئی، جس وقت وہ صدارت کا جائزہ لینے کے لئے

بغداد پہونچے ہیں ابن جوزی نے ابو منصور الرزاز الفقیہ کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے وہ کہتے تھے کہ

"ابو حامد جس وقت بغداد شہر میں داخل ہوئے تو ہم لوگوں نے تخمینہ کیا تھا کہ ان کا لباس اور ان کی سواری پانسو اشرفیوں سے کم قیمت کی نہ تھی" صفحہ ۱۷۰ ج ۹ منتظم۔

نظامیہ کی صدارت نے تو ان کی عظمت میں اور بھی چار چاند لگا دیئے، بقول الفارسی پہلے تو صرف خراسان ہی کے امام تھے، اب خراسان کے ساتھ عراق کی امامت کے مرکز بھی وہ بن گئے، بغداد جو صدیوں سے اسلامی علوم و فنون کا سب سے بڑا مرکز تھا، وہاں پہونچ کر جب یہ دیکھا گیا ابن جوزی نے لکھا ہے کہ

حضرہ الائمہ الکبار کابن عقیل[1] وابی الخطاب[2] وتعجبوا من کلامہ واعتقدوہ وفائدۃ و نقلوا کلامہ فی مصنفاتھم ۔ صہ ۱۶۹

امام کی مجلس میں وقت کے بڑے بڑے ائمہ آکر شریک ہونے لگے مثلاً ابن عقیل ابی الخطاب اور ان کے کلام سے ان کو حیرت ہوتی تھی آخر ان کے یہ لوگ معتقد ہو گئے اور امام غزالی کی باتوں کو اپنی تصنیفات میں نقل کرنے لگے

---

[1] حنبلی مذہب کے ابن عقیل فحول علماء میں شمار ہوتے ہیں، بلکہ اپنی محققانہ کتابوں کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کیلئے انکا وجود سرمایہ ناز ہے، ابن جوزی نے منتظم میں انکے خود نوشت حالات نقل کئے ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں خود ان کا بیان ہے کہ بارہ سال کی عمر میں میں بالغ ہوا اور اس وقت اسّی سال کا ہو لیکن اپنی فکری و ذہنی قوتوں بلکہ بینائی شنوائی وغیرہ حواس کسی میں کسی قسم کا فرق محسوس نہیں کرتا اس وقت بھی باریک سے باریک بال کو دیکھ لیتا ہوں البتہ جوانی کی تر و تازگی اور شادابی باقی نہیں رہی ہے، وجہ اسکی یہ تھی جیسا کہ خود لکھا ہے کہ ساری زندگی پارسائی اور عفت کے ساتھ گذارنے کا موقع انکو ملا، اپنے علمی شوق کو بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ آج اسّی سال کی عمر میں بھی مطالعہ اور کتابوں کے پڑھنے کا شوق مجھ میں اس وقت سے زیادہ ہے جب بیس سال کا تھا تقریباً ۹۰ سال کی عمر پائی آخر میں کہتے تھے کہ اچھا ہوا کہ میرے سارے دوست میرے سامنے چلے گئے اب دنیا سے مجھے کچھ دلچسپی باقی نہ رہی نزع کا حال طاری تھا گھر کی عورتیں رونے لگیں بولے چپ ہو پچاس سال سے جسکی ملاقات کی آرزو میں تھا مجھے چھوڑ دو اس کا استقبال کروں اور خوش آمدید کہوں لوگوں کا بیان ہے کہ تین لاکھ سے کم آدمی ان کے جنازہ میں نہ تھے ۴۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۱۳ھ میں وفات ہوئی۔

[2] بڑے خاندانی رئیس گھرانے کے آدمی تھے قراۃ میں کملہ اور معجد دو مشہور کتابوں کے مصنف ہیں ۴۲۱ھ میں پیدا ۴۹۵ھ میں وفات ہوئی ۱۲

اور ان شہادتوں کے ساتھ عبدالغافر الفارسی اور انوشروان وزیر خلافت عباسیہ کے ان اقوال کو بھی ملا لیجئے جنھیں پہلے نقل کر چکا ہوں، کیا ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس خیال کی تردید کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ مناظرہ اور مجادلہ کے جن آفات کا ذکر امام نے اپنی کتابوں میں کیا ہے ان میں خود ان کے ذاتی تجربات کو دخل نہیں ہے خصوصاً جب ہم یہی دیکھتے ہیں کہ بغداد پہونچنے کے بعد بھی زمانہ تک جن مشاغل میں وہ مصروف رہے ان کا نتیجہ جیسا کہ ان کے دوست علامہ عبدالغافر الفارسی نے لکھا ہے کہ

علت حشمته ودرجته فی بغداد حتی کادت تغلب حشمته الاکابر والامراء دار الخلافه (مراۃ ص۱۸۲ ج ۳)

ان کے جاہ وجلال میں بغداد پہونچکر اور اضافہ ہوا اور عروج کے اس نقطہ تک پہونچ گئے کہ پایۂ تخت خلافت کے اکابر اور امراء سب پر قریب تھا کہ ان کی عظمت وسطوت غالب آجائے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء اور فقہاء کے دائرے ہی تک ان کی عظمت وجلال کی بلندیاں محدود نہ رہی تھیں، بلکہ پایۂ تخت خلافت کے "الاکابر والامراء" کا جو میدان تھا، اس میدان میں بھی وہ اپنے کو آگے بڑھانے میں کامیاب ہو چکے تھے، یا قریب تھا کہ کامیاب ہو جاتے اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس راہ میں ان کی رفتار کچھ اور دن جاری رہتی تو اپنے ہم وطن وزیر کے مقام تک پہونچنے سے وہ روکے جا سکتے تھے؟ بلکہ ایک واقعہ جس کی طرف بعض مورخین نے اجمالی اشارے کئے ہیں یعنی ابن کثیر وغیرہ نے جو یہ لکھا ہے کہ بغداد پہونچنے کے بعد درمیان میں امام غزالی نے مصر اور سکندریہ کا سفر کیا اور سکندریہ سے چاہا تھا کہ

الرکوب فی البحر الی بلاد المغرب علی عزم الاجتماع بالامیر یوسف بن تاشقین صاحب مراکش (مراۃ ص۱۸۷ ج ۳)

جہاز میں سوار ہو کر مراکش کے بادشاہ یوسف بن تاشقین سے ملنے کے لئے مغرب روانہ ہوں۔

یا موحدین کی مغربی حکومت کے بانی محمد بن تومرت جو مہدی کے نام سے بھی مشہور تھا، اور موحدین کی اس نئی حکومت کے قائم کرنے میں کامیاب ہوا تھا اسی کے حال میں

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ محمد بن تومرت مغرب سے بغداد [illegible] میں پہونچا تو

"لوگوں کا خیال ہے کہ وہ امام غزالی سے بھی ملا تھا، اور اپنے پروگرام کو اس نے امام کے آگے بھی پیش کیا تھا" صفحہ ۲۲۶ ج ۶۔

ابن خلدون نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام غزالی نے محمد بن تومرت کی ہمت افزائی کی، اور ایک ایسی حکومت کے قائم کرنے کی تجویزیں بتائیں جس کی مدد سے اسلام کا شیرازہ منتشر ہونے سے محفوظ ہو جائے۔ لہ

لہ۔ بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ محمد بن تومرت بانی دولت موحدین نے امام غزالی سے تعلیم بھی حاصل کی تھی، بہرحال مغربی افریقہ کی ان حکومتوں سے یعنی مرابطین سے جن کا بادشاہ یوسف بن تاشقین تھا، یا موحدین سے جن کا بانی محمد بن تومرت تھا، امام غزالی کا کوئی تعلق تھا یا نہیں، اور تھا بھی تو اس کی کیا نوعیت تھی، افسوس ہے کہ اس کی طرف ان کے سوانح نگاروں نے توجہ نہیں کی، بلکہ الیافعی وغیرہ جیسے حضرات نے یہ خیال کرکے اس سے امام کی دینی زندگی چونکہ متاثر ہوتی ہے، اس لئے انہوں نے سرے سے اس واقعہ ہی کو غلط قرار دیا ہے کہ امام غزالی نے ابن تاشقین شاہ مراکش سے ملنے کا ارادہ کیا تھا پھر ابن تاشقین کے مرنے کے بعد محمد بن تومرت کا مشرقی ممالک کی طرف آنا اور امام غزالی سے مل کر اپنے وطن واپس جانا، وہاں ایک خالص مذہبی اور دینی حکومت کے قائم کرنے کی کوشش میں کامیاب ہونا اکثروں نے تو اس کا ذکر ہی غیر ضروری سمجھا، اور جنہوں نے ذکر کیا ہے انہوں نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی، لیکن میرے نزدیک یہ دونوں چیزیں تحقیق و تلاش کی محتاج ہیں، امام غزالی کی زندگی کا ایک نیا پہلو لوگوں کے سامنے آجائیگا۔ ان لوگوں کے لئے جو آئندہ امام غزالی پر کام کرنا چاہتے ہیں میں نے یہ چند اشارات کر دیئے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مرابطین کے بادشاہ دینی یوسف بن تاشقین کے بیٹے علی بن یوسف کے متعلق کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ امام غزالی کے تصنیفات میں آگ لگانے کا اس نے حکم دیا تھا اور اس کے حکم سے امام کی کتابیں جلائی گئیں، اس واقعہ کا مذہب کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ سیاست کا تعلق نہ تھا ۱۲

میں امام حجۃ الاسلام کی مفصل سوانح عمری میں نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ ان کی زندگی کے ان جستہ جستہ واقعات، اور گوشوں کو سامنے لانے کی غرض صرف یہ ہے کہ آخرت کی زندگی، اور اسکی اہمیت کا احساس دلوں میں جب دھیما پڑ جاتا ہے تو اس کے بعد ساری توانائیوں اور مساعی کا رخ صرف شکم مادر اور شکم قبر کے درمیانی زندگی ہی کی طرف پھر جاتا ہے۔

اس وقت جس جس قسم کے چھوٹے بڑے گھاؤ، پھوڑے اور پھنسیوں سے اپنے باطن کو آدمی معمور پاتا ہے، ایک زخم اگر اچھا ہوتا ہے تو اپنی جگہ بیسیوں جراحتوں کو چھوڑ جاتا ہے، امام حجۃ الاسلام نے اپنی کتابوں میں ان ہی باطنی زخموں اور ان کی تپک اور کسک کی جو تفصیل فرمائی ہے، جہاں تک میرا خیال ہے اور جن واقعات کی طرف میں نے اجمالی اشارے کئے ہیں، جنکی بھی ان پر نظر ہو گی وہ شاید میرے اس خیال سے اختلاف نہیں کر سکتا کہ اس روئداد کی تیاری میں دوسروں سے زیادہ شاید امام کو اپنے ذاتی تجربات سے بھی مدد ملی ہے، غزالی بھی اگر غزالی نہیں، بلکہ حسن طوسی کے جیسا دل و دماغ رکھتے تو بالکل ممکن تھا کہ سلجوقیوں یا مرابطین وغیرہ جیسی حکومتوں کے ممتاز وزراء میں سے ایک وزیر بن کر رہ جاتے لیکن قدرت نے اسلام اور مسلمانوں کے لئے جسے حجت بنا کر پیدا کیا تھا اس کی عقابی نگاہوں پر چند ابتدائی پروازوں ہی کے بعد

ولم یرو الا الحیوۃ الدنیا ذالک مبلغھم من العلم ۔ (النجم)

اور بجز دنیاوی زندگی کے کوئی مقصود نہ ہو یہ ہے انکے علم کی رسائی کا مقام

کا راز کھل گیا اور ان کی ابتدائی زندگی کے ان ہی تجربات نے "دینی زندگی" کے لئے ایک ایسے نظام کے پیش کرنے کے قابل ان کو بنا دیا جس سے خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے ڈوبتوں کو ابھرنے کا موقع امام کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی سینکڑوں سال سے مل رہا ہے۔

امام غزالی اگر فطرۃً سیدھے سادے آدمی ہوتے اور دیکھنے والوں نے بغداد ہی کی گلیوں میں اس حال میں جو ان کو دیکھا تھا، ابن جوزی نے ان الفاظ میں جسے ادا کیا ہے کہ

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ محمد بن تومرت مغرب سے سفر کرتا ہوا جب مشرقی ممالک میں پہونچا تو

"لوگوں کا خیال ہے کہ وہ امام غزالی سے بھی ملا تھا، اور اپنے پروگرام کو اس نے امام کے آگے بھی پیش کیا تھا" ص ۲۲۶ ج ۶۔

ابن خلدون نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام غزالی نے محمد بن تومرت کی ہمت افزائی کی، اور ایک ایسی حکومت کے قائم کرنے کی تجویزیں بتائیں جس کی مدد سے اسلام کا شیرازہ منتشر ہونے سے محفوظ ہو جائے۔ ؎

؎۔ بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ محمد بن تومرت بانی دولت موحدین نے امام غزالی سے تعلیم بھی حاصل کی تھی، بہرحال مغربی افریقہ کی ان حکومتوں سے یعنی مرابطین سے جن کا بادشاہ یوسف بن تاشقین تھا، یا موحدین سے جن کا بانی محمد بن تومرت تھا، امام غزالی کا کوئی تعلق تھا یا نہیں، اور تھا بھی تو اس کی کیا نوعیت تھی، افسوس ہے کہ اس کی طرف ان کے سوانح نگاروں نے توجہ نہیں کی، بلکہ الیافعی وغیرہ جیسے حضرات نے یہ خیال کر کے اس سے امام کی دینی زندگی چونکہ متاثر ہوتی ہے، اس لئے انہوں نے سرے سے اس واقعہ ہی کو غلط قرار دیا ہے کہ امام غزالی نے ابن تاشقین شاہ مراکش سے ملنے کا ارادہ کیا تھا پھر ابن تاشقین کے مرنے کے بعد محمد بن تومرت کا مشرقی ممالک کی طرف آنا اور امام غزالی سے مل کر اپنے وطن واپس جانا، وہاں ایک خالص مذہبی اور دینی حکومت کے قائم کرنے کی کوشش میں کامیاب ہونا اکثروں نے تو اس کا ذکر ہی غیر ضروری سمجھا، اور جنہوں نے ذکر کیا ہے انہوں نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی، لیکن میرے نزدیک یہ دونوں چیزیں تحقیق و تلاش کی محتاج ہیں، امام غزالی کی زندگی کا ایک نیا پہلو لوگوں کے سامنے آجائیگا۔ ان لوگوں کے لئے جو آئندہ امام غزالی پر کام کرنا چاہتے ہیں میں نے یہ چند اشارات کر دیئے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مرابطین کے بادشاہ یعنی یوسف بن تاشقین کے بیٹے علی بن یوسف کے متعلق کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ امام غزالی کی تصنیفات میں آگ لگانے کا اس نے حکم دیا تھا اور اس کے حکم سے امام کی کتابیں جلائی گئیں، اس واقعہ کا مذہب کے ساتھ ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ سیاست کا تعلق نہ تھا ۱۲

بہرحال امام حجۃ الاسلام کی مفصل سوانح عمری میں نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ ان کی زندگی کے ان جستہ جستہ واقعات، اور گوشوں کو سامنے لانے کی غرض صرف یہ ہے کہ آخرت کی زندگی، اور اسکی اہمیت کا احساس دلوں میں جب دھنسا پڑجاتا ہے تو اس کے بعد ساری توانائیوں اور مساعی کا رخ صرف شکم مادر اور شکم قبر کے درمیانی زندگی ہی کی طرف پھر جاتا ہے۔

اس وقت جس جس قسم کے چھوٹے بڑے گھاؤ، پھوڑے اور پھنسیوں سے اپنے باطن کو آدمی معمور پاتا ہے، ایک زخم اگر اچھا ہوتا ہے تو اپنی جگہ بیسیوں جراحتوں کو چھوڑ جاتا ہے، امام حجۃ الاسلام نے اپنی کتابوں میں ان ہی باطنی زخموں اور ان کی ٹیک اور کسک کی جو تفصیل فرمائی ہے، جہاں تک میرا خیال ہے اور جن واقعات کی طرف میں نے اجمالی اشارے کئے ہیں، جسکی بھی ان پر نظر ہوگی وہ شاید میرے اس خیال سے اختلاف نہیں کرسکتا کہ اس روئداد کی تیاری میں دوسروں سے زیادہ شاید امام کو اپنے ذاتی تجربات سے بھی مدد ملی ہے، غزالی بھی اگر غزالی نہیں، بلکہ حسن طوسی کے جیسا دل و دماغ رکھتے تو بالکل ممکن تھا کہ سلجوقیوں، یا مرابطین وغیرہ جیسی حکومتوں کے ممتاز وزراء میں سے ایک وزیر بن کر رہ جاتے لیکن قدرت نے اسلام اور مسلمانوں کے لئے جسے حجت بنا کر پیدا کیا تھا اس کی عقابیں نگاہوں پر چند ابتدائی پروازوں ہی کے بعد

ولم یروا الا الحیوٰۃ الدنیا — اور بجز دنیاوی زندگی کے کوئی

... ذالک مبلغهم من العلم ۔ (النجم) — مقصود نہو یہی ہے انکے علم کی رسائی کا مقام

کا راز کھل گیا اور ان کی ابتدائی زندگی کے ان ہی تجربات نے "دینی زندگی" کے لئے ایک ایسے نظام کے پیش کرنے کے قابل ان کو بنا دیا جس سے خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے ڈوبتوں کو ابھرنے کا موقع امام کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی سینکڑوں سال سے مل رہا ہے۔

امام غزالی اگر فطرۃً سیدھے سادے آدمی ہوتے اور دیکھنے والوں نے بغدادی کی گلیوں میں اس حال میں جوان کو دیکھا تھا، ابن جوزی نے ان الفاظ میں جسے ادا کیا کہ

فلما تزهد وعاد الى بغداد
قوّمنا ملبوسه خمسة
عشر قيراطا۔

جب دنیا سے وہ الگ ہوئے اور دوبارہ بغداد .... پہونچے تو ہم نے ان کے لباس کی قیمت کا اندازہ یہ لگایا کہ پندرہ قیراط سے زیادہ نہیں ہے۔

س حال کی طرف واپسی اگر اس کیفیت کے بعد نہ ہوتی جب ان ہی کے لباس اور واری کی قیمت کا اندازہ پانسو اشرفیوں سے کیا گیا تھا تو یقین مانئے کہ آپکو ان کی ابوں میں بھی شائد وہ چیزیں نہ ملتیں جن کی تفصیل پر ان تجربات سے گذرنے کے بعد ہ قادر ہوئے۔ کچھ بھی ہو میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہ سارا زور جو ان کی کتابوں میں ظر آتا ہے "گرد وگذشت" ہی کا نظر آتا ہے، انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے لئے سی بیرونی آئینے میں نظر ڈالنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ نظام الملک طوسی کے دربا بن محمد بن محمد الغزالی کے نام سے جو نوجوان عالم داخل ہوا تھا اور نظامیہ بغداد کا صدر ن کر بغداد داخل ہوا تھا یہی ایک ایسا آئینہ ان کے پاس موجود تھا جس میں اس عہد ے مسلمانوں کے دینی اور دنیوی پیشواؤں اور سرداروں کے ایک ایک خط وخال کو وہ یکھ سکتے تھے، اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہی انہوں نے کہا بھی ہے بلکہ اس درجہ ان الات سے جو وہ متاثر نظر آتے ہیں، زیادہ دخل اس میں اسکو بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود ن حالات سے گذر رہے ہوئے تھے،

وہ دیکھ رہے تھے کہ باہر سے مسلمانوں کا حال جس حد تک اطمینان بخش نظر آرہا ہو یکن ان کی باطنی زندگی میں باہر کی اسی فردوسی اطمینان نے انتشار کی جس جہنم کو بھڑکا دیا ہے اگر اس کے بجھانے میں پیش قدمی سے کام نہ لیا گیا تو "اندر" کی بھی آگ بالآخر "باہر" کو بھی بھسم کرکے رہیگی، دینی پیشواؤں کے طبقے میں تو وہ براہ راست خود شریک ہی تھے، اور دنیا میں بھی جس حد تک آگے بڑھنے کا موقع ان کو مل چکا تھا مسلمانوں کے دنیوی سرداروں کے حالات کے لئے اتنا تجربہ انکے لئے کافی تھا[1]

[1] اسکی تفصیل کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے لیکن مثالاً چند چیزوں کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے

(بقیہ برحاشیہ صفحہ آئندہ)

یہ مسئلہ کہ امام حجۃ الاسلام کی بازگشت، یا اس سمت کی طرف اپنی فطری اور کسبی صلاحیتوں کی مدد سے وہ آگے بڑھے چلے جا رہے تھے، اچانک اس رخ سے جو وہ پلٹ پڑے اس کے واقعی اسباب کیا تھے؟ اس سوال کا جواب ان کے سوانح نگاروں کے فرائض میں ہے، ان کی فکری اور ذہنی رفتار جب ارتیاب اور شک کی منزل پر پہنچ گئی وہاں سے پلٹے؟ اپنی بعض کتابوں میں امام نے کچھ اسی قسم کی باتیں لکھی ہیں، یا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) جن میں ایک کا تعلق مشرق سے اور دوسرے کا مغرب کے مسلمانوں کی زندگی سے ہے دیکھیے یہ بغداد ہے، امام غزالی بغداد ہی میں غالباً موجود ہیں، مسلمانوں کی ایک برات کا نقشہ مورخین نے کھینچا ہے،

ایک سو تیس اونٹوں پر دلہن کے جہیز کا سامان جا رہا تھا، ہر اونٹ پر رومی دیبا اور حریر کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں، اونٹوں پر جو سامان لدا ہوا تھا زیادہ تر اس میں طلائی اور نقرئی چیزیں تھیں، تین عماریاں تھیں، ستر خچر تھے جن پر شاہانہ جھولیں پڑی ہوئی تھیں، ہر خچر کی گردن میں سونے اور چاندی کی گھنٹیاں لٹک رہی تھیں، چھ خچر ان میں وہ بھی تھے جن کی پشت پر ادھر ادھر دو دو صندوق رکھے ہوئے تھے، یہ صندوق خالص چاندی کے تھے ان بارہ صندوقوں میں جواہرات کے جڑاؤ طلائی زیورات بھرے ہوئے تھے جن کی قیمت کا اندازہ دشوار ہے، ان خچروں کے آگے (۳۳) بہترین نسل کے منتخب گھوڑے تھے جن پر زین لگام اور دوسرے ساز و سامان سب سونے چاندی اور جواہرات سے بنے ہوئے تھے"

اس کے بعد دلہن کی سواری تھی کیسی سواری؟

دلہن کے آگے آگے سارے وزراء امراء کی بیویاں محفوں میں سوار تھیں، ہر ایک کے ساتھ سوار بھی تھے اور شمع بردار بھی جنکی تعداد ہر ایک کی حیثیت کے مطابق تھی اور آخر میں دلہن کا محفہ (پینس) تھی، جس پر زرتار پردہ پڑا ہوا تھا اور جواہرات سے جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا دلہن کی پینس کے چاروں طرف دو سو ترک لونڈیاں گھوڑوں پر سوار زرق برق لباس میں تھیں"

اس شان سے دلہن کا داخلہ دولھے کے گھر ہوا، صبح کو ولیمہ کی دعوت ہوئی اس میں چالیس ہزار من صرف شکر خرچ ہوئی تھی، دعوت میں شریک ہونے والوں کو کھانے کے سوا ایک ایک جوڑا بھی حسب حیثیت تقسیم کیا گیا ہر جوڑا کافی قیمتی تھا ص $\frac{55}{ج 10}$ کامل ابن اثیر۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کسی معمولی

خشیت الٰہی اور خوف کے کسی غیر معمولی واردات کا ان کے قلب پر حملہ ہوا، القاسمی نے انکی براہ راست گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے اسی کو ان کی حرکت بازگشت کا سبب قرار دیا ہے اور بعضوں نے اس قسم کے اشارے جو کئے ہیں یعنی ابتدائی زندگی کے تعصب امیین تک پہونچ

آدمی کی برات نہ تھی یعنی خود خلیفہ بغداد مقتدر باللہ کی برات تھی اور دلہن بھی ملک شاہ سلجوقی کی لڑکی تھی مگر الناس علی دین ملوکھم (عوام اپنے بادشاہوں کے طریقوں کو اختیار کرتے ہیں) اس قاعدہ کی بنا پر ہم خود بغداد کے مسلمانوں کی زندگی کا اندازہ نہیں کر سکتے آخر غزالی ہی کے زمانہ میں تو دیار بکر کا وہ امیر بھی جس کا نام احمد بن مروان اور لقب القادر نصر الدولہ تھا ابن جوزی کا بیان ہے کہ اسکے پاس پانسو حوارا دہم بستری کرنے کے لئے چھوکریاں تھیں، اور پانسو خدام تھے لکھا ہے کہ ان چھوکریوں میں بعضوں کو اس نے پانچ ہزار اشرفیوں سے چودہ چودہ ہزار اشرفیوں تک میں خریدا تھا صـ ٢١٢ ج ٨ المنتظم۔ اسی کتاب میں ابن جوزی نے ایک امیر سیف الدولہ نامی کا ذکر کیا ہے امام غزالی بغداد ہی میں موجود تھے بغداد کے مشرقی سمت پر جوبستان تھا اس میں یہ دعوت ہوئی تھی، اس دعوت میں ایک ہزار مینڈھے اور گائے اونٹ ایک سو گوشت کے لئے ذبح ہوئے تھے اور دس ہزار من شکر سے مٹھائیاں ڈھالی گئی تھیں جن میں ایک حصہ سے طرح طرح کے وحشی جانور شیر، چیتے، بھیڑیے اور قسم قسم کے پرندوں کی شکل کی مٹھائیاں ڈھالی گئی تھیں شرکاء دعوت اسے توڑ توڑ کر کھاتے جاتے تھے، آگے دسترخوان خاصہ کا جہاں بچھا تھا اس کی تصویر ابن جوزی نے کھینچی ہے کہ دیبا کے خیمے نصب کئے گئے تھے، جن میں دیبا ہی کے پردے لٹکے ہوئے تھے اور خاصہ کے اس دسترخوان پر پانسو نقری ظروف چنے گئے، ادہر ادہر موقع موقع سے کافور، عنبر، مشک وغیرہ سے مجسمے جانوروں پرندوں وغیرہ کے بنا کر جما دئے گئے تھے۔ صـ ٢ ج ٩ المنتظم یہ بغداد کی ایک دعوت کا ذکر ہے جو بادشاہ کی طرف سے نہیں کی گئی تھی، بلکہ حکومت کے ایک عہدہ دار کی طرف سے ہوئی تھی، اور یہ حال تو مشرق کا تھا اسی زمانہ میں مغرب کے مسلمانوں کی زندگی تعیش بے جا کے کس نقطہ تک پہونچی ہوئی تھی اسکو بھی سن لیجئے، ذکر کر چکا ہوں کہ غزالی کے زمانہ میں اندلس کی مرکزی حکومت ختم ہو چکی تھی طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی، تقریباً ہر ضلع کا حاکم وہاں کا بادشاہ بن بیٹھا تھا، ان ہی ملوک الطوائف میں ایک مشہور اندلسی امیر معتمد بھی ہے جس کا پایہ تخت قرطبہ تھا، یوسف بن تاشفین کی جو جنگ اذفونش سے ہوئی تھی اس میں شریک تھا بلکہ اسی کا بڑا حصہ تھا، بہرحال اس امیر معتمد کی ایک معشوقہ بیوی تھی جس کا نام اعتماد تھا۔ لکھا ہے کہ اعتماد کی ذرا سی ناگواری معتمد کے لئے ناقابل برداشت بن جاتی تھی، ایک دن جھروکے سے باہر کے میدانوں کا نظارہ اعتماد کر رہی تھی، معتمد بھی بیٹھا تھا، اس وقت اتفاقاً برف گر رہی

[illegible] نموں سے ان کو دوچار ہونا پڑا، ان ہی ناکامیوں میں ان کی ساری کامیابی کا راز پوشیدہ تھا، بہر حال میں صحیح طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ مذکورہ بالا اسباب میں سے کون سی صورت پیش آئی تھی یا تھوڑا بہت دخل ان کی واپسی میں ان سارے اسباب کو تھا، واللہ اعلم بالصواب، سچ پوچھئے تو اس قسم کی لا حاصل سراغ رسانیوں کا نتیجہ اب کوئی فائدہ بھی نہیں ہے بس اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ازل میں جو سعادت ان کے لئے مقدر ہو چکا تھا اسی ازلی تقدیر کا ظہور [illegible] کسی شکل اور [illegible] ہوا۔

[illegible] میں یہ صورت کم پیش آتی ہے [illegible] برف باری [illegible] نظارہ [illegible] آیا کہ اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے [illegible] آنسوؤں کو دیکھ کر [illegible] رفیقوں [illegible] ہوا اس نے [illegible] کیوں [illegible] تمہیں دنیا [illegible] دل [illegible] ہوتی [illegible] موسم سرما [illegible] چاہتا ہے کسی ایسی جگہ جا کر بکھیر دوں جہاں برف باری کا یہ نظارہ میرے سامنے پیش ہو اور سفید سفید برف [illegible] کتنی خوبصورت ہیں، [illegible] نے سن کر اسی وقت باغوں کے داروغہ کو بلا کر حکم دیا کہ محل [illegible] طرف جو میدان ہے [illegible] بادام کے درخت اس ترتیب سے نصب کئے جائیں کہ [illegible] موسم سرما میں ان کے سفید سفید پھول اسی طرح کا نظارہ پیش کریں جو اس وقت نظر آ رہا ہے حکم کی تعمیل کی گئی [illegible] خوش ہو گئی، اس سے بھی دلچسپ قصہ اسی [illegible] کا یہ ہے کہ [illegible] نے ایک دن پھر اس کو کچھ غمزدہ پایا [illegible] پوچھنے [illegible] محلوں میں آ کر میری زندگی اکارت گئی [illegible] راستہ [illegible] دیکھا کہ [illegible] کام کر رہی تھیں [illegible] گاتی جاتی تھیں [illegible] کیا زندگی ہے میرے لئے [illegible] زندگی [illegible] کے ساتھ [illegible] نے [illegible] کہ مشک و عنبر اور دوسری خوشبودار چیزوں کی ڈھیر لگا دی جائے اور [illegible] پانی [illegible] عرق گلاب [illegible] سے اس کو تر کیا جائے [illegible] اس نے [illegible] سے کہا کہ جاؤ اپنی سہیلیوں کے ساتھ اس کیچڑ کو روندو [illegible] اتری اور سہیلیوں کے ساتھ اسی مشک [illegible] عنبر کیچڑ روندتے [illegible] باتیں [illegible] کبھی [illegible] سے [illegible] شکایت کرتی تو کہتا کہ کیا کیچڑ والے [illegible] دن [illegible] نے قدر [illegible] الیاس [illegible] متعلق [illegible]

[illegible]

[illegible] البیان [illegible] ۱۳۲ [illegible]

خود ان ہی کا بیان ہے کہ ابتدا میں سیدنا ابو علی فارمدی[1] رحمۃ اللہ علیہ سے اس راہ میں وہ مستفید ہوئے، ان کے الفاظ کا ترجمہ ہے کہ

عبادات واذکار کے جن طریقوں کی فارمدی نے مجھے تلقین کی
ان میں مشغول ہوا، اور راہ کی گھاٹیوں کو میں نے طے کیا تا اینکہ
جس چیز کی مجھے تلاش تھی وہ مل گئی۔

ابن جوزی کی روایت ہے کہ اس انقلاب کے بعد

ترک التدریس والریاست ولبس الخام الغلیظ و لازم الصوم وکان لا یاکل الا من اجرت النسخ
ص ۱۷۶ ج ۹ منتظم۔

پڑھنا پڑھانا غزالی نے چھوڑ دیا، اور صدارت درس کے جس منصب پر مامور تھے اس سے دست کش ہو گئے کھادی کا لباس اختیار فرما لیا روزے کو لازم کر لیا اور کتابت کی مزدوری سے جو مل جاتا اسکے سوا انکے خورد نوش کا اور کوئی دوسرا ذریعہ تھا

پھر انہوں نے کچھ دن حج اور مختلف مشاہد و مقابر کی زیارتوں میں گذارے، اور کرتے رہے جو کچھ کرتے رہے، مجھے اس وقت بحث ان کے "طریقہ غزالیہ" سے ہے جسے بازگشت کی اس حرکت کے بعد اپنی کتابوں خصوصاً احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ میں امام نے پیش کیا ہے اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ تصوف یا صوفیوں کے جس مسلک اور مشرب کے ترجمان ان کتابوں میں بنے، ان کے اس "طریقہ خاص" کی واقعی نوعیت کیا ہے، امام نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا تھا اور بے ہوش کئے جانے کے بعد پھر نیا ہوش ان میں جب پیدا ہوا، اب دیکھ چکے کہ یہ وقت تھا جس میں مسلمان دنیا کی سب سے بڑی سیاسی و اقتداری قوت کی حیثیت کرۂ زمین پر حاصل کئے ہوئے

---

[1] ان کا نام فضل بن محمد تھا ابو علی کنیت تھی شیخ ابو القاسم القشیری جن کا رسالہ تصوف کی اساسی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے ان ہی کی صحبت میں سلوک کی راہ فارمدی نے طے کی تقریر و خطابت میں عدیم النظیر قشیری نے لکھا ہے کہ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے نظام الملک طوسی ان کی غیر معمولی عزت کرتا تھا ستر سال کی عمر پا کر ۴۷۷ھ میں وفات پائی ۱۲

اور غزالی کے زمانہ میں تو ان کا یہ اقتدار ارتقاء عروج کے آخری نقطہ تک مشرق میں بھی
اور مغرب میں بھی پہونچا ہوا تھا مسلمانوں کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے عرض کر چکا
ہوں کہ انسانی فطرت کا یہ عام قانون ہے کہ مسابقت اور منافست کی بساط اس کے
بعد بچھ جاتی ہے پھر اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے، اس کا ایک سرسری خاکہ آپ کے سامنے
گذر چکا، ان حالات میں .... امام نے اپنے آپ کو خود مبتلا پایا تھا، خدا نے ان کو
جب صحت عطا کی تو جہاں تک میرا خیال ہے اسی صحت کے شکریہ میں عام مسلمانوں
کے لئے امام کے نزدیک اپنے تجربات کے بنا پر جس "لائحہ عمل" کے پیش کرنے کی ضرورت تھی
درحقیقت اپنی ان کتابوں کی تصنیف سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کی یہی غرض تھی
اور اس سلسلہ میں انہوں نے ان سارے علوم سے مدد لی ہے جن کے وہ عالم تھے اور
عام مسلمانوں میں بھی زیادہ قریبی تعلق انہی کا چونکہ علماء کی جماعت سے تھا اس لئے
زیادہ رخ ان کی گفتگو کا قدرتاً علماء ہی کی طرف جھکا ہوا رہا۔

احیاء العلوم کے دیباچہ کے آغاز میں عام مسلمانوں کی باطنی زندگی کی تباہی و
بربادی کا ماتم کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ

راہ کے راہ بر تو علماء ہیں، پیغمبروں کے بھی جانشین اور وارث یہی
لیکن زمانہ ان سے خالی ہو چکا اب تو صرف لکیروں کے پیٹنے والے
فقیر ہی رہ گئے ہیں، جن میں اکثروں پر شیطان چڑھا ہوا ہے اور انکی
سرکشی نے سیدھی راہ سے انھیں بھٹکا دیا ہے، ان میں ہر ایک
اسی موجودہ زندگی کے عشق میں سرشار ہو چکا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے
کہ بھلائیاں برائیاں اور برائیاں بھلائیاں نظر آتی ہیں، دین کا
علم مٹ گیا، ہدایت کے میناروں کی روشنی بجھ گئی، اب تو ان
مولویوں نے دنیا کو یہ باور کرا رکھا ہے کہ شریعت کے صرف وہی
معلومات جن سے حکومت "قانون" کا کام لیتی ہے اور عدالتوں کے مقدمات
کا جن کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا ہے ان کے سوا علم دین اور کچھ نہیں ہے

خود ان ہی کا بیان ہے کہ ابتدا میں سیدنا ابو علی فارمدی[1] رحمۃ اللہ علیہ سے اس راہ میں وہ مستفید ہوئے، ان کے الفاظ کا ترجمہ ہے کہ

> عبادات واذکار کے جن طریقوں کی فارمدی نے مجھے تلقین کی ان میں مشغول ہوا، اور راہ کی گھاٹیوں کو میں نے طے کیا تا اینکہ جس چیز کی مجھے تلاش تھی وہ مل گئی۔

ابن جوزی کی روایت ہے کہ اس انقلاب کے بعد

ترک التدریس والریاست ولبس الخام الغلیظ و لازم الصوم وکان لا یاکل الا من اجرت النسخ صـ ۱۷۶ ج ۹ منتظم۔

پڑھنا پڑھانا غزالی نے چھوڑ دیا، اور صدارت ورئیس کے جس منصب پر مامور تھے اس سے دست کش ہوگئے کھادی کا لباس اختیار فرما لیا روزے کو لازم کر لیا اور کتابت کی مزدوری سے جو مل جاتا اس کے سوا ان کے خورد نوش کا اور کوئی دوسرا ذریعہ تھا

پھر انہوں نے کچھ دن حج اور مختلف مشاہد، مقابر کی زیارتوں میں گذارے، اور کرتے رہے جو کچھ کرتے رہے، مجھے اس وقت بحث ان سے "طریقہ غزالیہ" سے ہے جسے بازگشت کی اس حرکت کے بعد اپنی کتابوں خصوصاً احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ میں امام نے پیش کیا ہے اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ تصوف یا صوفیوں کے جس مسلک اور مشرب کے ترجمان ان کتابوں میں بنے، ان کے اس "طریقہ خاص" کی واقعی نوعیت کیا ہے، امام نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا تھا اور بے ہوشی کے بعد پھر نیا ہوش ان میں جب پیدا ہوا، اب دیکھ چکے کہ یہ وقت تھا جس میں مسلمان دنیا کی سب سے بڑی سیاسی و اقتداری قوت کی حیثیت کرۂ زمین پر حاصل کئے ہوئے تھے

---

[1] ان کا نام فضل بن محمد تھا ابو علی کنیت تھی شیخ ابو القاسم القشیری جن کا رسالہ تصوف کی اساسی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے ان ہی کی صحبت میں سلوک کی راہ فارمدی نے طے کی تقریر و خطابت میں عبد الغافر فارسی نے لکھا ہے کہ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے نظام الملک طوسی ان کی غیر معمولی عزت کرتا تھا ستر سال کی عمر پاکر ۴۷۷ھ میں وفات پائی ۱۲

در غزالی کے زمانہ میں تو ان کا یہ اقتدار ارتقاد عروج کے آخری نقطہ تک مشرق میں بھی
در مغرب میں بھی پہونچا ہوا تھا مسلمانوں کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے، عرض کر چکا
ہوں کہ انسانی فطرت کا یہ عام قانون ہے کہ مسابقت اور منافست کی بساط اس کے
بد بچھ جاتی ہے پھر اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے، اس کا ایک سرسری خاکہ آپ کے سامنے
لذر چکا، ان حالات میں ...... امام نے اپنے آپ کو خود مبتلا پایا تھا، خدا نے ان کو
جب صحت عطا کی تو جہاں تک میرا خیال ہے اسی صحت کے شکریہ میں عام مسلمانوں
کے لئے امام کے نزدیک اپنے تجربات کے بنا پر جس "لائحہ عمل" کے پیش کرنے کی ضرورت تھی
درحقیقت اپنی ان کتابوں کی تصنیف سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کی یہی غرض تھی
در اس سلسلہ میں انہوں نے ان سارے علوم سے مدد لی ہے جن کے وہ عالم تھے اور
عام مسلمانوں میں بھی زیادہ قریبی تعلق ان کا چونکہ علماء کی جماعت سے تھا، اس لئے
زیادہ رخ ان کی گفتگو کا قدرتاً علماء ہی کی طرف متوجہ ہوا ہے۔

احیاء العلوم کے دیباچہ کے آغاز میں عام مسلمانوں کی باطنی زندگی کی تباہی و
بربادی کا ماتم کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ

> راہ کے راہ بر تو علماء ہیں، پیغمبروں کے بھی جانشین اور وارث یہی
> لیکن زمانہ ان سے خالی ہو چکا، اب تو صرف لکیروں کے پیٹنے والا
> فقیر ہی رہ گئے ہیں، جن میں اکثروں پر شیطان چڑھا ہوا ہے اور انکی
> سرکشی نے سیدھی راہ سے انہیں بھٹکا دیا ہے، ان میں ہر ایک
> اسی موجودہ زندگی کے عشق میں سرشار ہو چکا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے
> کہ بھلائیاں برائیاں اور برائیاں بھلائیاں نظر آتی ہیں، دین کا
> علم مٹ گیا، ہدایت کے میناروں کی روشنی بجھ گئی، اب تو ان
> مولویوں نے دنیا کو یہ باور کرا رکھا ہے کہ شریعت کے صرف وہی
> معلومات جن سے حکومت قانون کا کام لیتی ہے اور عدالتوں کے مقدمات
> کا جن کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا ہے ان کے سوا علم دین اور کچھ نہیں ہے

یا باہمی مقابلہ کی گرم بازاری میں جن معلومات سے کام نکلتا ہو،
ان کو یہ یاد کرتے ہیں، یا عوام کے دلوں کو قابو میں لانے کے لئے
جن چیزوں سے مدد ملتی ہو"

ز میں ان کے ان الفاظ سے

م یروا ما سوی ھذہ — ان تین امور کے سوا وہ دیکھتے ہیں کہ حرام
ثلاثۃ معدۃ للحرام — لقموں کے شکار کرنے اور دنیاداری کی نمود،
شبکۃ للحطام — پھنسانے کا جال اور کچھ نہیں ہے۔

ن کا اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی برادری اور ہم پیشہ جماعت سے ان کے دل میں کتنی
انیاں تھیں،

اس لئے گو ابتدا میں ہر باب میں ان کے خطاب کا رنگ عام ہوتا ہے، مگر
ا جوں آگے بڑھتے جاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولویوں کے سوا ان کے
منے اب کوئی نہیں ہے، خصوصاً مولویوں کے جن عوارض میں وہ خود ایک زمانہ تک
ار ہے تھے ان کے ذکر پر پہونچنے کے ساتھ ہی ٹھیک وہی بات جیسا کہ انھوں نے
ا بھی ہے علی الخبیر سقطت (واقف کار کم پہونچ گئے) کا سماں نظر آتا ہے
ا معلوم ہوتا ہے کہ صحت یاب ہونے کے بعد اپنی بیماری کے ایک ایک پہلو کو
می جس ذوق و شوق سے بیان کرتا ہے، امام پر ان مقامات پر وہی حالت طاری
جاتی ہے، مثلاً کبر، فخر، ریا وغیرہ کے امراض کی تشریح و تفصیل میں ان کا یہی حال ہے
ہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جسکی تعبیر "الاخلاق الدقیقہ" سے فرمائی ہے
مسائل میں تو وہ بال کی بھی کھال نکالتے چلے جاتے ہیں،

شلاً احیاء العلوم میں ایک ہی صفحہ پر اس نکتہ نوازی کی بڑی داد دیتے ہیں
در ضرورت سے زیادہ مکانوں کی تعمیر پر بہت کرنا بھی اسراف اور فضول خرچی
یا ہے، بلکہ راہ چلتے ہوئے اونچے مکانوں کو سر اٹھا اٹھا کر جو دیکھتے ہیں، اسراف
اس گناہ میں ان کا بھی حصہ ہے اس لئے کہ ان ہی دیکھنے والوں کے دیکھنے کی

میدہی پر تو اونچے اونچے مکانوں کی تعمیر کی ہمت افزائی ہوتی ہے گویا یہ راہگیر
یکھنے والا خود مجرم نہ سہی مگر مجرم کی اعانت میں وہ بھی شریک ہے مگر چند سطروں
ہی کے فرق سے بجائے باطنی تطہیر کے بیرونی طہارت اور صفائی کا تذکرہ کرتے ہوئے
یہ دیکھ کر کہ دھوبیوں کے دھوئے کپڑوں کو بعض لوگ اس وقت تک استعمال کرنا
جائز نہیں سمجھتے جب تک کہ خود اپنے ہاتھ سے بھی اسکو نہ دھولیں، امام فرماتے ہیں کہ
یہ اضاعت وقت کے سوا اور کچھ نہیں ہے، پھر صدر اول صحابہ کے طرز عمل کا حوالہ
دیتے ہوئے امام غزالی ہی فرماتے ہیں کہ

کانوا یجتنبون النجاسة اذا شاهدوها ولا یدققون نظرهم فی استنباط الاحتمالات الدقیقه ۔ ص ۹۵ ۔

ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ صرف اسی نجاست سے پرہیز کرتے تھے جو نظر آجاتی تھی لیکن اس قسم کی نکتہ نوازیوں سے کام نہیں لیتے تھے کہ دھوبی نے کپڑے کو جس پانی میں دھویا وہ پانی کیسا تھا، پاک تھا یا ناپاک اور خشک کرنے کیلئے تر کپڑوں کو جس مقام پر اس نے پھیلایا وہ جگہ کیسی تھی، خود دھوبی پاکی اور ناپاکی کے مسائل سے واقف بھی ہے یا نہیں ان امور کی تحقیق نہیں کرتے تھے۔ له

له ۔ اور کپڑوں کا مسئلہ تو خیر کپڑوں ہی کا ہے، امام غزالی نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ عہد صحابہ میں چمڑے کی پوستینوں کے استعمال کا بھی عموماً رواج تھا لیکن کبھی نہیں سنا گیا کہ وہ اسکی تحقیق کرتے پھرتے تھے کہ یہ کس قسم کے جانور کی ہے، ذبیحہ کی ہے یا غیر ذبیحہ کی پھر دباغت بھی اسکی آتی ہوئی ہے یا نہیں جس کے بعد چمڑا پاک ہو جاتا ہے، بلکہ بازار میں پوستین بکتی تھی، خرید لیتے تھے استعمال کرتے تھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غیر مسلم لوگوں کی طرف سے تحفے میں چمڑے کے موزے وغیرہ آتے تھے نہیں سنا گیا کہ اس قسم کی تحقیق آپ نے فرمائی ہو، ہجرت کے سفر میں تشریف لے جارہے تھے راستہ میں بعض صحابیوں سے ملاقات ہوئی جو شام سے کپڑے لا رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند کپڑے پیش کئے گئے، اسی وقت آپ نے زیب بدن فرمایا اور یہ نہ دریافت فرمایا کہ کن لوگوں نے ان کو بنایا تھا، پاکی ناپاکی کے مسائل سے واقف نہ تھے ۱۲

یہ اور اس قسم کے باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کھائی ہوئی چوٹوں کی کسک وہ آخر وقت تک محسوس کرتے رہے، اسی لئے جہاں کہیں ان چوٹوں کا ذکر آجاتا ہے، آپے سے باہر ہوجاتے ہیں اور جہاں تک ان کا ذہن اس میدان میں جولانی دکھا سکتا ہے وہاں تک جانے سے نہ خود جھکتے ہیں نہ دوسروں کی تکان کی پروا کرتے ہیں،

حقیقت یہ ہے کہ "تصوف" کے لحاظ سے ان تفصیلات کی جو بھی قیمت ہو، یا بقول شاہ ولی اللہ رح وہ "لاشی" ہی ہوں، لیکن چونکہ ان پر امام حجۃ الاسلام کے دماغ نے کام کیا ہے، اس لئے میں تو خیال کرتا ہوں "نفسیات انسانی" کے فلسفہ کے نقطہ نظر سے اگر امام کے ان تدقیقات کا مطالعہ کیا جائے تو ایک مستقل اسکول اس فن کا محض انکی کتابوں کی مدد سے بنایا جاسکتا ہے "مسلمانوں کے نفسیات" پر کتاب لکھنے کا ارادہ اگر کسی زمانہ میں کیا گیا تو اس فن جدید کا بہت بڑا سرمایہ امام غزالی کے یہاں انشاء اللہ ڈھونڈنے والوں کو ملے گا۔

اسی کے ساتھ جیسا کہ میں نے عرض کیا جس خاص "لائحہ عمل" کو پیش نظر رکھ کر امام نے کام کیا ہے، اس میں غیر معمولی دلآویزی اور اثر پیدا کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ہر قسم کے معلومات سے کام لیا ہے، ان کی کتاب کا ایک حصہ اگر کلامی مسائل پر مشتمل ہے، مثلاً پہلا عقائد کا حصہ بالکلیہ ایک علم کلام کی کتاب معلوم ہوتی ہے اسی طرح احیاء العلوم میں "فقہ" کے کافی مسائل مختلف ابواب کے ذیل میں درج ہوگئے ہیں انھوں نے آثار و احادیث سے بھی کام لیا ہے اور جہاں اس قسم کی چیزیں انکی کتابیں پائی جاتی ہیں، ان ہی کے ساتھ ساتھ امام سے پہلے تصوف کے نام سے جو کتابیں مسلمانوں میں پھیلی ہوئی تھیں ان کے مضامین سے بھی انہوں نے کافی فائدہ اٹھایا ہے، اسی لئے خاص فن تصوف کی کتاب ان کی ان کتابوں کو قرار دینا غالباً صحیح نہ ہوگا، اپنی اس مصلحت کو یعنی مقصود تو ایک خاص لائحہ عمل کا آگے بڑھانا ہے پھر اس مقصد کی تکمیل میں جن جن چیزوں سے مدد ملنے کی ان کو توقع تھی، ان سے مصلحۃً انھوں نے نفع اٹھایا ہے، اس کا اظہار بھی احیاء العلوم کے شروع میں

نہوں نے کر دیا ہے، ایک مثال بیان کی ہے کہ ایک طبیب نے طب کی کتاب کسی رئیس
کے لئے لکھی، رئیس کا طب سے زیادہ فطری میلان علم نجوم کی طرف تھا، طبیب نے
رئیس کے اس میلان کو دیکھ کر کتاب کو اس طریقہ سے مرتب کیا جیسے علم نجوم کی کتابیں
لکھی جاتی ہیں یعنی اس میں جدولیں اور طرح طرح کے خانے بنائے ان خانوں اور
جدولوں پر ہندسے لگائے الغرض دیکھنے والے کی نظر جب اس کتاب پر پڑتی ہے تو معلوم
ہوتا ہے کہ علم نجوم کی کتاب ہے حالانکہ مضامین سب اس میں علم طب کے درج تھے،
نام بھی اس کتاب کا طبیب نے "تقویم الصحۃ" رکھا تھا، امام نے لکھا ہے کہ میں نے بھی
اپنی اس کتاب میں کچھ اسی قسم کے طرز عمل کو اختیار کیا ہے،

تلطف فی استدراج القلوب ص ۱

نرمی کے ساتھ دلوں کو (اس کتاب کے مضامین کی طرف) بتدریج مائل کرنے کیلئے ایسا کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے زمانے کے عام مسلمانوں کے لئے عموماً اور علم دین کے جو
نمائندے اس عہد میں تھے ان کے لئے خصوصاً [illegible] عمل کو وہ پیش کرنا
چاہتے تھے، تاثیر بخشی میں زیادہ سے زیادہ کارگر بنا سکے سے جن جن علوم وفنون
اور ان کے مسائل سے استفادہ امام نے ضروری خیال کیا ہے سب ہی کا ذکر مناسب
مقامات پر وہ کرتے چلے گئے ہیں بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس زاویہ نگاہ سے اسلامی علوم ہی کی
حد تک امام نے اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا ہے بلکہ طبیعیات، ہیئت، طب وغیرہ
کے مسائل سے بھی انہوں نے مختلف مقامات [illegible] چوتھی جلد میں مصنوعات
الٰہی میں "غور و فکر" کا جو باب قائم کیا ہے اس باب میں تو علم تشریح الابدان (اناٹومی)
علم نباتات معدنیات وغیرہ کے مسائل اور معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اسی لئے
احیاء العلوم وغیرہ امام کی کتابوں کے مضامین کی [illegible] مستقل دو قسمیں ہیں یعنی
تائیدی حیثیت سے امام نے جن چیزوں سے استفادہ کیا ہے ان کی حیثیت ان امور
سے مختلف ہے جو ان کے پیش کردہ [illegible] عمل کے حقیقی عناصر ہیں، امام کی امامت
اور عبقریت کا [illegible] امور میں نمایاں ہوتی ہے [illegible] شبہ نہیں کہ ان کی کتا

یہ اور اس قسم کے باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کھائی ہوئی چوٹوں کی کسک وہ آخر وقت تک محسوس کرتے رہے، اسی لئے جہاں کہیں ان چوٹوں کا ذکر آجاتا ہے، آپے سے باہر ہوجاتے ہیں اور جہاں تک ان کا ذہن اس میدان میں جولانی دکھاسکتا ہے وہاں تک جانے سے نہ خود جھکتے ہیں نہ دوسروں کی تکان کی پروا کرتے ہیں،

حقیقت یہ ہے کہ "تصوف" کے لحاظ سے ان تفصیلات کی جو بھی قیمت ہو، یا بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وہ "لاشی" ہی ہوں، لیکن چونکہ ان پر امام حجۃ الاسلام کے دماغ نے کام کیا ہے، اس لئے میں تو خیال کرتا ہوں "نفسیات انسانی" کے فلسفہ کے نقطۂ نظر سے اگر امام کے ان تدقیقات کا مطالعہ کیا جائے تو ایک مستقل اسکول اس فن کا محض انکی کتابوں کی مدد سے بنایا جاسکتا ہے "مسلمانوں کے نفسیات" پر کتاب لکھنے کا ارادہ اگر کسی زمانہ میں کیا گیا تو اس فن جدید کا بہت بڑا سرمایہ امام غزالی کے یہاں انشاء اللہ ڈھونڈنے والوں کو ملے گا۔

اسی کے ساتھ جیسا کہ میں نے عرض کیا جس خاص "لائحہ عمل" کو پیش نظر رکھ کر امام نے کام کیا ہے، اس میں غیر معمولی دلآویزی اور اثر پیدا کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ہر قسم کے معلومات سے کام لیا ہے، ان کی کتاب کا ایک حصہ اگر کلامی مسائل پر مشتمل ہے، مثلاً پہلا عقائد کا حصہ، بالکلیہ ایک علم کلام کی کتاب معلوم ہوتی ہے اسی طرح احیاء العلوم میں "فقہ" کے کافی مسائل مختلف ابواب کے ذیل میں درج ہوگئے ہیں، انھوں نے آثار و احادیث سے بھی کام لیا ہے اور جہاں اس قسم کی چیزیں انکی کتابیں پائی جاتی ہیں، ان ہی کے ساتھ ساتھ امام سے پہلے تصوف کے نام سے جو کتابیں مسلمانوں میں پھیلی ہوئی تھیں ان کے مضامین سے بھی انہوں نے کافی فائدہ اٹھایا ہے، اسی لئے خاص فن تصوف کی کتاب ان کی ان کتابوں کو قرار دینا غالباً صحیح نہ ہوگا، اپنی اس مصلحت کو یعنی مقصود تو ایک خاص لائحہ عمل کا آگے بڑھانا ہے پھر اس مقصد کی تکمیل میں جن جن چیزوں سے مدد ملنے کی ان کو توقع تھی، ان سے مصلحتاً انھوں نے نفع اٹھایا ہے، اس کا اظہار بھی احیاء العلوم کے شروع میں

انھوں نے کر دیا ہے۔ ایک مثال بیان کی ہے کہ ایک طبیب نے طب کی کتاب کسی رئیس کے لیے لکھی، رئیس کا طب سے زیادہ فطری میلان علم نجوم کی طرف تھا، طبیب نے رئیس کے اس میلان کو دیکھ کر کتاب کو اس طریقہ سے مرتب کیا جیسے علم نجوم کی کتابیں لکھی جاتی ہیں یعنی اس میں جدولیں اور طرح طرح کے خانے بنائے ان خانوں اور جدولوں پر ہندسے لگائے الغرض دیکھنے والے کی نظر جب اس کتاب پر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم کی کتاب ہے حالانکہ مضامین سب اس میں علم طب کے درج تھے، نام بھی اس کتاب کا طبیب نے "تقویم الصحۃ" رکھا تھا۔ امام نے لکھا ہے کہ میں نے بھی پس اس کتاب میں کچھ اسی قسم کے طرز عمل کو اختیار کیا ہے،

تلطف فی استدراج القلوب

[illegible] دلوں کو اس کتاب کے مضامین کی طرف بتدریج مائل کرنے کیلئے ایسا کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے زمانہ کے عام مسلمانوں کے لئے عموماً اور علم دین کے جو شائقین اس عہد میں تھے ان کے لئے خصوصاً جس اسلامی لائحہ عمل کو وہ پیش کرنا چاہتے تھے، تاثیر بخشی میں زیادہ سے زیادہ کارگر ہو سکے، جن جن علوم و فنون اور ان کے مسائل سے استفادہ امام نے ضروری خیال کیا ہے ان کا ذکر مناسب مقامات پر وہ کرتے چلے گئے ہیں بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ دینی اور دیگر اسلامی علوم ہی کی حد تک امام نے اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا ہے، طبیعیات، ہیئت، طب وغیرہ کے مسائل سے بھی انہوں نے مختلف مقامات پر [illegible] چوتھی جلد میں "مصنوعات الٰہی میں غور و فکر" کا جو باب قائم کیا ہے اس باب میں تو علم تشریح الابدان (اناٹومی) علم نباتات، معدنیات وغیرہ کے مسائل اور معلومات کا [illegible] ذخیرہ جمع کر دیا ہے اسی لئے احیاء العلوم وغیرہ امام کی کتابوں کے مضامین کی [illegible] دو قسمیں ہیں یعنی تائیدی حیثیت سے امام نے جن چیزوں سے استفادہ کیا ہے ان کی حیثیت ان امور سے مختلف ہے جو ان کے پیش کردہ لائحہ عمل کے حقیقی عناصر ہیں، امام کی امامت اور عبقریت تو ان ہی امور میں نمایاں ہوئی ہے [illegible] شبہ نہیں کہ ان کی کتا

یہ حصہ مجتہدانہ کارنامہ ہے، کافی غور و خوض محنت اور توجہ سے اس میں کام لیا گیا ہے بر خلاف اس کے اول الذکر نوعیت کی چیزوں کی طرف امام نے صرف یہ کیا ہے کہ ان امور کے متعلق چند خاص کتابوں کا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کام نکالنے کے لئے انہوں نے انتخاب کر لیا ہے، اور جہاں جس چیز کی ضرورت پیش آتی ہے ان ہی کتابوں سے اخذ کر کے اپنی کتاب میں ان معلومات کو شریک کرتے چلے گئے ہیں، میرا خیال ہے ممکن ہے کہ دوسروں کو اس سے اتفاق نہ ہو کہ تصوف کے جن مسائل کا تذکرہ امام نے کیا ہے، ان کے اصلی لائحہ عمل کے مضامین کے حساب سے ان مسائل کی حیثیت بھی تائیدی مضامین ہی کی ہے، جیسے بیسیوں علوم کے مسائل کا تذکرہ اسی حیثیت سے ان کتابوں میں کیا گیا ہے۔ البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ تصوف کی کتابوں سے مضامین سے انہوں نے زیادہ نفع چونکہ اٹھایا ہے اس لئے تصوف کا عنصر ان کی کتابوں میں زیادہ غالب نظر آتا ہے اور یہی منشا ہے اس عام غلط فہمی کا جو ابتدا ہی سے ان خاص کتابوں یعنی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ کے متعلق لوگوں میں پائی جاتی ہے، گویا یہ کتابیں خاص طور پر تصوف ہی ان لوگوں کے لئے لکھی گئی ہیں جو صوفیوں کی راہ پر چلنا چاہتے ہیں، امام نے تو اصلی آدمی ... بیان کیا ... جاتا ہوں نہیں کی ہے کہ تصوف کے جن مضامین کو اپنی کتابوں میں شریک کیا ہے ان کا ماخذ کوئی کتاب ہے، بظاہر چند خاص کتابوں کو ان کا ماخذ قرار دینا صحیح بھی نہیں ہے لیکن جن لوگوں نے ابوطالب مکی کی کتاب قوت القلوب کا مطالعہ کیا ہے ان کا بیان ہے کہ زیادہ تر اس سلسلہ میں امام نے اسی کتاب کو اور اسی کے مضامین کو اپنے سامنے رکھا ہے، ابن جوزی جنہوں نے احیاء العلوم ... تنقید کی نقطہ نظر سے کیا ہے بلکہ ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس میں احیاء العلوم کے مضامین پر ابن جوزی نے تنقید کی ہے "اعلام الاحیاء باغلاط الاحیاء" ... اس کا نام بتایا ہے، بہرحال ان کی رائے بھی یہی ہے یہ لکھ کر کہ امام غزالی نے ابوطالب مکی کی کتاب کا ... تلخیص کتاب ابی طالب المکی ...

المتصوفة القدماء (منتظم ص ۱۶۹ ج ۹) قدیم صوفیہ کے کلام کا مطالعہ کیا۔

یہی رائے ابن جوزی نے ظاہر کی ہے کہ احیاء العلوم میں زیادہ تر ایسی حدیثیں
اور آثار جو پائے جاتے ہیں جو محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں، اس کی ذمہ داری امام
نہیں بلکہ ابوطالب مکی ہی پر عائد ہوتی ہے۔ خود ابوطالب مکی کے تذکرہ میں بھی
ابن جوزی نے یہی لکھا ہے کہ

صنف کتاباً سماه قوت القلوب — ابوطالب مکی نے قوت القلوب نامی کتاب
وذكر فيه احاديث لا اصل لها — لکھی اور اس کتاب میں ایسی حدیثیں بیان
(منتظم ص ۱۸۹ ج ۷) — کیں جن کی کوئی اصل نہ تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کا تذکرہ اپنی کتاب میں امام صاحب نے بحیثیت حدیث
کے کیا ہے ان کا کسی کتاب سے نقل کر دینا بس اسی قدر ان کا قصور ہے۔ ان کا خیال ہوگا کہ
ابوطالب مکی صوفی ہونے کی حیثیت سے خواہ کتنے بڑے آدمی ہوں لیکن ظاہر ہے کہ
وہ بہر حال ایک واعظ صوفی تھے، محدث تو نہیں تھے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ
ان کی نقل کردہ حدیثوں پر امام نے اتنا اعتماد کیوں کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ تنقید
ہے کہ ان کے کام کی قیمت بہت زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ اور جس زمانہ میں ان
کتابوں کو وہ لکھ رہے تھے اس وقت ان پر کس قسم کا حال طاری تھا کہ وہ جو بڑے
بڑے آدمی پر سخت سے سخت تنقید کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ یہ ان ہی کی حالت تھی کہ
کسی صوفی کی کتاب میں غالباً یہ قصہ ان کی نظر سے گذرا تھا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز میں جو
خوبیاں پائی جاتی تھیں ان کی وجہ یہ تھی کہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے زمانہ کے ایک
بزرگ ابو حازم کو بلا بھیجا کہ اپنی افطاری کا کچھ حصہ مجھے بھیج دیجئے۔ ابو حازم نے تھوڑا سا
ستو سلیمان کے پاس بھیجا۔ سلیمان نے سلسل تین دن تک ... کھایا ... روزہ افطار
نہیں کیا اور تیسرے دن اسی ستو سے روزہ کھولا۔

وجاء شهوة الجماعة ... — اور اس کے بعد ان کو جماع کی شہوت ہوئی ... عبدالعزیز
عليه العشر يعني (منتظم ابن جوزی ج ...) — ... عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اپنی کتاب مستظہری میں "مواعظ الخلفا" کا عنوان قائم کرکے بجنسہ بغیر کسی اعتراض و تنقید کے امام غزالی نے اس عجیب و غریب قصہ کو نقل کردیا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ عمر بن عبدالعزیز گویا سلیمان بن عبدالملک کے پوتے تھے، حالانکہ اسلامی تاریخ کا ابتدائی طالب العلم بھی شائد یہ سن کر اپنی ہنسی کو برداشت نہیں کرسکتا، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ امام کے دوست علامہ عبدالغافر الفارسی المحدث نے لکھا ہے کہ

> اس شخص نے اپنے نفس کی اصلاح میں مجاہدات شروع کئے اور غیر معمولی جد و جہد سے اس راہ میں کام لیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعونت کا شیطان اور سرداری و قیادت کے شوق کا لپکا جو ان کے پیچھے لگا ہوا تھا، بھاگ گیا، باطن کی شورش ختم ہوگئی ہر قسم کے رسمی وضع و قطع کو ترک کردیا۔

اس قسم کی باتوں کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ

> آخر میں اس شخص کی حالت یہ ہوگئی کہ جس قسم کی بے نیازی کی چمک معرفت کی ان کو محسوس ہوتی، اور خیال لذت کا مشاہدے کچھ بھی اسکا تعلق ہے، اس کے سامنے جھلک جاتے،

اور وہی غزالی جو اپنی ناک پر مکھی بھی بیٹھنے نہیں دیتے تھے، الفارسی نے ان ہی کو اس حال میں پایا کہ

> لوگ ان کے خلاف میں مختلف طریقوں سے فتنے اٹھاتے، ان کے کلام پر اعتراض کرکے ہر جگہ اپنے اعتراضات کو پھیلاتے پھرتے تھے حکومت تک بھی ان کی شکایتیں پہونچائی جاتی تھیں لیکن اللہ کا یہ بندہ سکون اور خاموشی کے ساتھ ساری باتوں کو برداشت کرتا اور کسی چیز سے متاثر نہ ہوتا، اعتراض کرنے والوں کے جواب کی طرف کبھی توجہ نہیں کی" صفحہ ۱۰۴۔

حال میں تو خیال کرتا ہوں کہ اس قسم کی معصومانہ غلطیاں امام کی کتابوں میں
در آگئی ہیں تو ان کی زیادہ تر وجہ غالباً ان کا یہی حال ہے۔

نہ صرف ابوطالب مکی بلکہ ابن جوزی نے "قدماء متصوفہ" کے نام سے اور شاہ ولی اللہؒ نے "اوائل" کے لفظ سے اسلام کی ابتدائی صدیوں کے جس طبقہ کی تعبیر کی ہے امام غزالیؒ نے ان لوگوں کی کتابوں کے مضامین سے بھی استفادہ کیا ہے میں نے عرض کیا تھا کہ یہ "اوائل" یا "قدیم متصوفہ" کے الفاظ بھی مستحق توجہ ہیں، اور اب میں اس کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

کچھ تصوف ہی میں نہیں بلکہ دینی علوم کے دیگر شعبوں میں "سلف" کے لفظ کو استعمال کر کے ایک عام رواج ہے جس کے سبب ہمارے عام مسلمانوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے گویا یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں جو رائیں قائم کی گئیں یا اسلامی حقائق کے متعلق جو فیصلے کئے گئے وہ پچھلی صدیوں کے مسلمانوں کے فیصلوں کے مقابلہ میں مذہب کی اصلی روح سے زیادہ قریب ہیں شاہ ولی اللہ نے اسی تصوف کے قصہ میں اوائل کے طریقہ کا تذکرہ کر کے متاخرین کے طرز عمل کو جو سراہا ہے تو جزئی نظر و اتفاقات پر نہیں ہے وہ کچھ جز رس ہوتے ہیں اور اس کا منشا یہی خیال ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے متعلق یہ باور کر لیا گیا ہے کہ مذہب کے جس شعبہ میں جو فیصلے اس زمانہ کے ہیں وہ اسلام کی صحیح تعلیم سے زیادہ مطابق ہیں لیکن جہاں تک میرا خیال ہے اس مسئلہ میں لوگ ایک خاص واقعہ سے نامعلوم کیوں لاپروائی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ اسلامی دین کے دائرے میں دوسرے ادیان و مذاہب کے ماننے والے ظاہر ہے کہ زیادہ تر اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی میں داخل ہوئے ہیں ان نومسلموں میں جو افواجاً کی شکل میں "دین اللہ" کے اندر داخل ہوتے چلے جا رہے تھے عام غیر کتابی بت پرستوں اور دہریوں کے سوا کافی تعداد عیسائیوں، یہودیوں مجوسیوں، صابیوں وغیرہ کی تھی، ان افراد کا دخل ان موثرات و محرکات کے تحت

ہوا" اس کا قصہ تو طویل ہے لیکن اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جن کا اپنے موروثی و آبائی عقائد و خیالات، اور دینی زندگی کے طریقوں سے جو انس تھا، اس کا بالکلیہ ازالہ نہیں ہوا تھا، اور عام حالات میں یہ واقعہ بھی ہے اسکی توقع انسانی فطرت سے کچھ بعید بھی ہے، شعوری طور پر نہ سہی لیکن غیر شعوری دباؤ کے نیچے صدیوں کے پرورش یافتہ جراثیم کا اچانک کلی استیصال آسان بھی نہیں ہے۔

اسی لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ سلف یا قدماء یا عصر اول وغیرہ کے الفاظ کے استعمال کے وقت مذکورہ بالا حقیقت" کو چاہیئے کہ لوگ اپنی نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہونے نہ دیں،

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ قلوب میں آخر یہ سوال پیدا کیوں نہیں ہوتا کہ عقائد واعمال کے لحاظ سے فرقہ بندیوں کی جتنی کثرت اسلام کی ابتدائی صدیوں میں نظر آتی ہے، ان کی یہی کثرت پچھلے قرون میں کیوں باقی نہ رہی؟ کاش سوچنے والے اس نظر کو سامنے رکھ کر اگر سوچتے تو سلف اور قدماء وغیرہ کے الفاظ کا وزن جتنا محسوس کیا جاتا ہے، یا دوسروں کو محسوس کرانے کی کوشش کی جاتی ہے اتنا وزن ان الفاظ میں باقی نہ رہتا۔

یہ مسئلہ ایک مستقل "علمی مہم" کا طالب ہے، کام کرنے والوں کے لئے بہت بڑا میدان ہے۔ ہزارہا اغلاط کا ازالہ اس راہ کی تحقیق سے انشاء اللہ ممکن ہو جائے گا میرے لئے اتنے اہم مسئلہ کی تفصیل کا تو موقعہ نہیں ہے البتہ بطور مثال کے ایک چیز کا تذکرہ کرتا ہوں،

جاننے والے جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں اعتقادی اختلافات کی ابتداء مسئلہ قدر یا تقدیر سے شروع ہوتی ہے، ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی دنیا میں موجود ہی تھے کہ بعض لوگوں نے اس مسئلہ کو اہمیت دینی شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی دن بعد "معتزلہ" یا قدریہ کے نام سے اسلام میں ایک مستقل فرقہ کی بنیاد پڑ گئی،

صحیح مسلم میں پہلی حدیث امام مسلم نے جو روایت کی ہے اسی میں ان الفاظ کے بعد یعنی

اول من قال فی القدر بالبصرۃ — مسئلہ قدر کا سب سے پہلے جس نے ذکر بصرے

معبد الجھنی۔ صنا ج ا۔ — میں چھیڑا وہ معبد جھنی نامی آدمی تھا۔

لکھا ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبداللہ بن عمر کے پاس شکایت کرتے ہوئے پہونچے،

اس وقت اس حدیث سے مجھے بحث نہیں ہے، بلکہ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ عہد صحابہ ہی میں فرقہ بندی کی یہ بنیاد جو پڑی تھی، اسکی ابتدا کن لوگوں کی طرف سے ہوئی تھی، مسلم کی مذکورہ بالا روایت کا میں نے جو حوالہ دیا ہے، اس میں "معبد الجھنی" کا نام جو لیا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ خود معبد بھی اس مسئلہ کا حقیقی بانی نہیں ہے، المقریزی نے لکھا ہے کہ

اخذ معبد ھذا الرائے عن رجل من الاساورۃ یقال لہ ابو یونس سنسویہ ویعرف بالاسواری۔

معبد نے یہ رائے ایک اور آدمی سے اخذ کی تھی جو "الاساورہ" کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا جس کی کنیت ابو یونس اور نام سنسویہ تھا، الاسواری کے نام سے مشہور تھا۔

صـ۱۸۱ ج ۴ مقریزی۔

سمجھا آپ نے کیا مطلب؟ "الاساورہ" اور "الاسواری" کے لفظ کا اطلاق کن لوگوں پر کیا جاتا تھا، البلاذری نے فتوح البلدان میں اسکے متعلق کافی معلومات جمع کردئے ہیں، میں اسکا حاصل درج کرتا ہوں، لکھا ہے کہ

یزدگرد شاہنشاہ ایران کے مقدمۃ الجیش کا کمانڈر یا سپہ سالار ایک شخص سیاہ نامی تھا، جو سیاہ الاسواری کے نام سے مشہور تھا، یزدجرد جب اپنے پایہ تخت مدائن سے بھاگ کر اصفہان پہونچا تو اس نے اپنی منتشر فوج کے سپاہیوں کی جستجو شروع کی خاص کر کے اس نے اسی سیاہ الاسواری کو ڈھونڈ کر اصفہان بلایا، تین سو چیدہ سواروں کے ساتھ اس نے اصطخر کی حفاظت کے لئے اسکو مقرر کیا

ان تیس سواروں میں ستر آدمی ایران کے عظماء و بڑے لوگوں میں شمار ہوتے تھے یزدگرد نے سیاہ اسواری کو اس کا بھی حکم دیا کہ ملک میں جہاں کہیں ایسے لوگ ملیں جن کو اپنی فوج میں وہ شریک کرنا چاہتا ہو، ان کو بھی ساتھ لینا چاہئے۔ سیاہ اسواری کو روانہ کرکے خود یزدگرد بھی اس کے بعد اصطخر کی طرف روانہ ہوا، اصطخر پہونچ کر سیاہ اسواری کو یزدگرد نے ابوموسیٰ اشعری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں سوس بھیجدیا۔ یہاں یہ لوگ ابوموسیٰ کے مقابلہ میں پڑے ہوئے تھے کہ اچانک ان کو یزدگرد کی فاش شکست اور فرار کی خبر ملی، تب ان اسواریوں نے طے کیا کہ ابوموسیٰ رض سے صلح کرلی صلح ہوگئی، اس عرصہ میں یزدگرد کے اور بہت سے رفقاء اصفہان سے چل کر سیاہ سے آملے، ان لوگوں کے سامنے سیاہ اسواری نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمانوں سے مقابلہ کا جو انجام ہوا وہ تم لوگ دیکھ چکے، تم سنتے چلے آرہے تھے کہ اصطخر کے ایوان[1] میں مسلمانوں کے گھوڑے لید کریں گے" اس کا تماشا بھی تمھارے سامنے پیش ہوچکا پس یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہم لوگ اب کیا کریں۔ بادشاہ تو بھاگ گیا، اس کے بعد سیاہ نے یہ تجویز پیش کی کہ اب مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دین

---

[1] اصطخر قدیم ایرانی سلاطین کے زمانہ میں ایران کا سب سے بڑا اور اہم مرکزی شہر تھا، یونانی اسی کو پرسی پولس کہتے تھے، ہخامنشی سلاطین کے زمانہ کے ایوان اور ان کے سنگین قلعوں کے آثار اب بھی اس مقام پر کھنڈر کی شکل میں موجود ہیں، ان محلات کی عظمت اور مہیب شکلوں کو دیکھ کر مسلمانوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں سے اس شہر کی تعمیر میں کام لیا تھا، کرسٹن کی کتاب تاریخ آل ساسان میں اس شہر کے ان ایوانات کا حال پڑھنے کے قابل ہے ابن حزم نے ملل و النحل میں لکھا ہے کہ پارسی مذہب کی کتاب جسے وہ اپنی آسمانی کتاب سمجھتے تھے اور "خدائے نامہ" اس کو کہتے تھے اس کتاب کے پڑھانے کی اجازت ایک زمانہ تک صرف اصطخر کے موبدین (علماء دین مجوس) کو تھی ص ۱۳ ج ۱ ملل جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطخر کی حیثیت کسی زمانہ میں ایران میں وہی تھی جو مدت تک ہندستان میں بنارس کو حاصل تھی!!

ہیں ہم لوگ داخل ہوجائیں۔

اسی پر سارے "اسواریوں" کا اتفاق ہوگیا۔ اور شیرویہ نامی سردار کو رئیس وفد بناکر دس آدمیوں کا ایک وفد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس تجویز کو لے کر حاضر ہوا، اسواریوں کی طرف سے جو شروط پیش ہوئے تھے وہ یہ تھے

(۱) کہ تمہارے دین میں داخل ہو کر ایرانیوں کے مقابلہ میں ہم لڑیں گے۔
(۲) لیکن خود عرب میں جب لڑائی ہوگی تو اس میں ہم شریک نہ ہوں گے۔
(۳) عرب اگر ہم پر چڑھائی کریں تو آپ لوگ ہماری مدد کریں گے۔
(۴) ہمیں اختیار ہوگا کہ مسلمانوں کے علاقہ میں جو جگہ بھی ہمیں پسند آجائے وہیں ہم آباد ہوں گے اور جس عربی قبیلہ سے حلافت کا معاہدہ ہم چاہیں کرلیں۔
(۵) فوجی خدمت کے صلہ میں خزانہ سے جیسے سب کو تنخواہ ملتی ہے ہم لوگوں کو بھی ملے گی۔
(۶) جو معاہدہ ہمارے اور تمہارے درمیان طے ہو اس کی توثیق تمہارے امیر (خلیفہ) کو کرنی پڑے گی۔

بڑے رد و کد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے "اسواریوں" کے سارے شرائط مان لئے گئے، اور یوں "اسواریوں" یا "الاساورہ" کا یہ ایرانی گروہ مسلمانوں میں شریک ہوگیا۔ بصرہ میں ان لوگوں نے قیام اختیار کیا ان کا اپنا ایک خاص محلہ بھی "بنی تمیم" کے قبیلہ میں تھا، اور ایک نہر خاص ان لوگوں نے اپنے لئے کھودی تھی جس کا نام نہر الاساورہ تھا، (دیکھو البلاذری صـ۳۸۱)

دیکھا آپ نے مسلمانوں کے فرقہ "قدریہ" یا "معتزلہ" کی تان کہاں جاکر ٹوٹی یزدگرد کے خاص فوجیوں کے آدمی میں اس عقیدہ کی بنیاد کا پتہ چلا، خود ان اساورہ کے سردار سیاہ کے حوالہ سے البلاذری نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، کہ

انا دخلنا فی ھذا الدین ہم لوگ یہ واقعہ ہے کہ ابتداءً محض

فی بدء امرنا تعوذا — جان بچانے اور پناہ لینے کے لئے ان میں دا
وان کان اللہ قدر رزق — ہیں داخل ہوئے تھے۔ اگرچہ انکی ید و
خیرا کثیرا۔ ص۳۸۱ — ہیں بہت سی بھلائیاں میسر آئیں۔

اور یہ ابو یونس الاسواری جس سے معبد جہنی نے اس عقیدہ کو حاصل کیا تھا سیاہ الاسواری کی جماعت کا آدمی تھا۔ ابو یونس کنیت تو مسلمان ہونے کے بعد اس نے اپنی رکھ لی تھی ورنہ اس کا اصلی نام سنسویہ تھا جیسا کہ مقریزی نے لکھا اس کا اصلی نام سیسویہ یا سوسن تھا واللہ اعلم بالصواب {دیکھو شرح صحیح مسلم فتح الملہم الاستاذ الامولانا شبیر احمد العثمانی متعنا اللہ بطول بقائہ}

ظاہر ہے کہ ایرانی مجوسیوں کا یہ آبائی عقیدہ کہ خدا خالق شر نہیں اسی کا شاخسانہ تو قدر کا یہ مسئلہ ہے، یعنی انسان کے برے بھلے افعال کا خالق نہیں بلکہ خود بندہ ہے۔

اور ایک یہی مسئلہ کیا؟ اس زمانہ میں یہودیوں، عیسائیوں اور ایر ہندستان چین وغیرہ ممالک کے باشندوں میں جس قسم کے اعتقادی جھگڑے چھڑے ہوئے تھے تحقیق کرنے والوں کو نظر آئیگا کہ الفاظ اور تعبیر وغیرہ کے تفاوت سے ان ہی اقوام وممالک کے لوگوں نے مسلمان بن کر اسلام میں بھی نہ کسی شکل میں ان جھگڑوں کو داخل کر دیا تھا۔ ہندستان ہی میں اس وقت یعنی چھٹی صدی عیسوی اور اس کے بعد کے زمانہ میں کرم کانڈ اور گیان کانڈ کا جھگڑا چھڑا ہوا تھا، میمانسا والوں اور ویدانت والوں میں بڑے بڑے مناظرے ہوتے تھے۔ ان اصطلاحات سے جو واقف ہیں، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مرجیہ اور معتزلہ کے درمیان ایمان و عمل کے متعلق جو جھگڑا تھا کہ نجات کی بنیاد ایمان ہے یا عمل پر؟ یہ وہی کرم کانڈ اور گیان کانڈ کے مذہبی قصوں کا عربی ترجمہ تھا

لہ۔ کرم کے معنی عمل کے ہیں کرم کانڈ والے کہتے تھے کہ صرف عمل اور قانون کی پابندی پر نجات کا دار و مدار ہے اور جسکے معنی معرفت کے ہیں اور در اصل پھر وہی ایمان کے لفظ کی تعبیر ہے اس گیان کانڈ والے ایمان ہی کو مدار نجات تھے، کرم کانڈ والوں کا قانون اور عمل پر اتنا زور تھا کہ انکا ایک مکتب خیال جسے یورپ میمانسا کہتے ہیں والے کہتے تھے کہ خدا پر ایمان لانا کیا معنی نجات کے لئے خود خدا کی بھی ضرورت نہیں، وہ عمل ہے قانون اور حق الہ اس کی تعبیر کی گئی ہے اس کو قدیم مانتے تھے ان کا مشہور عقیدہ یہ تھا کہ شبد (کلام) قدیم ہے، اسلام صدیوں میں کلام کے قدیم وحادث ہونے کا فتنہ جو اٹھا تھا، کون کہہ سکتا ہے کہ غیر ادیان کے نومسلموں طرف سے یہ چیزیں اسلام میں درآمد نہیں ہوئی تھیں ۱۲

یب بات ہے کہ ان فتنوں کی زیادہ تر ابتدا بصرہ ہی سے ہوئی تھی جہاں بحری
ں سے مشرقی اور مغربی ممالک کے باشندوں کی آمدورفت کا تانتا بندھا ہوا تھا
ستان کے ساتھ بصرہ کے تعلق کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ جہاں پر یہ شہر آباد ہوا تھا اسکا
ے ارض الہند تھا' اور جیسے ان نومسلموں کی راہ سے اس قسم کے قصے مسلمانوں میں
ہوئے' اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مذہبی زندگی کا اعلیٰ معیار کیا ہونا چاہئے
دال کے متعلق جو عملی مثالیں ان ہی ابتدائی صدیوں میں بعض افراد کی طرف
ہوتی ہیں یا اس کے جواب میں جو کتابیں اس زمانے میں لکھی گئی ہیں' ان کے
یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان جدید الاسلام لوگوں کے آبائی اور موروثی رجحانات
ں قطعاً شریک نہیں ہوئے ہیں۔
(باقی)

صفحہ (۴۰) آثار کے جمع فرمادیا ہے جن کی تفصیلات میں حکمائے صفحات
ہ کردئے ہیں۔

ب الی من دنیاکم — تمھاری دنیا کی چیزوں میں ......
النساء و الطیب وجعلت — مجھکو محبوب بنادی گئی ہیں۔ عورتیں
عینی فی الصلوٰۃ۔ — خوشبو اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے

اس ارشاد میں نفع اور لذت اور خیر کی تمثیلات (عورتیں۔ خوشبو۔ نماز) کا
ل کرآپنے مثلث کی طرف اشارہ فرمایا کہ خوشبو میں لذت ہے اور عورتوں میں
نفع ہردو کا اجتماع ہے اور خیر کی محبت کے غیر متغیر اور دائمی ہونے کے
، قرۃ عینی فی الصلوٰۃ سے تلمیح کی ہے کیونکہ آنکھ کی ٹھنڈک تو جب ہی ہوگی کہ
لش اس محبت کے زوال کی باقی نہ رہے اور یہ بھی واضح کردیا کہ نماز لذت و
خیر کی جامعیت رکھتی ہے جس کی تفصیل ہم آئندہ انشاءاللہ تعالیٰ پیش کریں گے۔
(باقی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قانون کا حقیقی تصور

اور

انسانی آزادی.

از جناب مولوی جمیل الدین احمد صاحب مصنف اطہر انعکا ابجدی

(سلسلہ ۱۴)

عدالت اور محبت کا توازن حکمائے جہاں ملکات فاضلہ میں عدالت کو مکارم اخلاق وفضائل کے اعتبار سے رئیس جملہ فضائل (حکمت وشجاعت وعفت) قرار دیا ہے جسکی تائید امام غزالی ؒ نے بھی احیاء العلوم میں کی ہے کہ ملکہ عدالت مستلزم ملکات وفضائل مذکورہ ہے چنانچہ عدل کی تعریف جو امام موصوف نے کی ہے اُس کو ملا جلال الدین محقق دوانی ؒ نے بعینہ ان کے الفاظ میں نقل کی ہے۔

العدل حالۃ للنفس وقوۃ بھا تسوس الغضب والشھوۃ وتحلھما علی مقتضی الحکمۃ وتضبطھما فی الاسترسال والانقباض علی حسب مقتضاھا۔

عدل نفس کی اس حالت وقوۃ کا نام ہے کہ غضب اور شہوت کی سیاست کرتی ہے اور مطابق حکمت ان ہردو قوتوں کو آمادہ کرتی ہے اور قبض وبسط میں ان ہردو کو مطابق حکمت استعمال کرتی ہے

لمعہ اول لامع اول اخلاق جلالی ص ۵۳ نولکشور

وہاں حکما کا یہ بھی مسلمہ ہے کہ محبت عدالت سے افضل ہے کیونکہ عدل وانصاف غیریت واثنینیت کا تقاضہ ہے اور محبت رفع اثنینیت چاہتی ہے اس لئے محبت کے بعد عدالت کی حاجت نہیں رہتی۔ (لمعہ دوم لامع سوم اخلاق جلالی ص ۲۳۸ نولکشور)

اسوقت تک قانون فطرت کے احکام غلامی کی جو تفصیل ہم نے پیش کی ہے ان کے فطری طور پر مبنی بر عدل و سیاست ہونے کے وجوہ و علل پیش کئے ہیں لیکن ہماری تحقیق میں یہ غلامی جس کی شریعت محمدی صلعم نے بعض خصوصی حالات میں مخصوص شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے علم حقائق کی رو سے عشق و محبت کا زینہ ہے اور تفقہ کی یہ وہ اعلیٰ ترین منزل ہے جو فقہ اکبر (عرفان) سے موسوم ہے اور جسکے لئے آنحضرت صلعم نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے یہ دعا فرمائی تھی "اللھم فقه في الدين وعلمه التاويل" یعنی اے اللہ ابن عباسؓ کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو حقائق کی طرف رجوع ہونے کا علم دے۔ آنحضرت صلعم کے الفاظ "علمه التاويل" اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ دین کے احکام کا مرجع یا ماخذ کچھ اور ہے۔ اور اس کے لئے بصیرت کی ضرورت ہے اور وہ بصیرت بھی کسی حکیم و فلسفی کی نہ ہو بلکہ بصیرت محمدیہ صلعم ہو۔ کیونکہ بصیرت محمدیہ کے سوا جو بصیرت بھی بہ اصطلاح قوم ہوگی وہ ھویٰ (علم باطل) سے خالی نہیں ہو سکتی اسی لئے آنحضرت صلعم نے اس ماخذ کی طرف اشارہ فرمایا جسکی تصریح ہم وحی الٰہی میں پاتے ہیں۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان	اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتے ہیں

عدل کی تعریف | عدل کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

العدل ھو المساواۃ فی المکافاۃ ان خیرا فخیر وان شرا فشر۔ مفردات امام راغب ص ۳۲۸	عدل بدلہ میں برابری کا نام ہے خیر کے مقابل خیر ہو اور شر کے مقابل شر۔

خیر و شر کی تعریف | چونکہ عدل کی تعریف میں خیر و شر کے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں اس لئے خیر و شر پر بھی روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے

جو چیز وجود اور ہستی کی طرف راجع ہو وہ خیر کہلاتی ہے مثلاً پیاسے کو پانی پلانا بھوکے کو کھانا کھلانا کہ ان اعمال میں اس شخص کی بقاء حیات ہے جس کو پانی پلایا جاتا ہے اور کھانا کھلایا جاتا ہے۔

ر جو چیز عدم و نیستی کی طرف پہونچاتی ہو وہ شر کہلاتی ہے مثلاً شراب کا پینا کہ اس سے
عقل زائل ہوتی ہے اور انسان علم سے جہل کی طرف نزول کرتا ہے یا جوا کھیلنا کہ اس
ل سے انسان دولت سے افلاس کی طرف پہونچ جاتا ہے۔

آنجا کہ وجود کردہ سیر است اے دل | جامی رح | میدان بہ یقین کہ محض خیر است اے دل
ہر شر ز عدم بود عدم غیر وجود | | پس شر ہمہ مقتضائے غیر است اے دل

خیر کے مقابلہ میں خیر کا عدل ہوتا تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے لیکن شر کے مقابلہ میں
شر کا عدل ہونا توضیح طلب ہے اسلئے اسکی دو مثالیں پیش کرکے ہم ضروری تفصیل کرتے ہیں۔

قتل شر ہے لیکن قاتل کا قتل بحکم شارع عدل ہے۔ اسی طرح غلامی شر ہے لیکن
جو شخص دوسروں کی آزادی سلب کرنا چاہتا ہو اور اس لئے وہ میدان جنگ میں آئے تو
اس کی آزادی سلب کرکے اسکو غلام بنانا عدل ہے کیونکہ قصاص میں متضمن فطرت نے
ہمدردی حیات رکھی ہے اور یہ محبت ہی کا ایک پنہاں جذبہ ہے۔

ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب | اور قصاص میں تمھارے لئے زندگی ہے اے عقلمندو۔

قانون الہٰی کی دوسری بنیاد احسان ہے اور احسان کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے

احسان کی تعریف | والاحسان ان | احسان یہ ہے کہ نیکی کا مقابلہ اس سے زیادہ
یقابل الخیر باکثر منه والشر | نیکی کے ساتھ کیا جائے اور برائی کا مقابلہ
باقل منه۔ مفردات امام راغب ۲۲۵ مصر | کمتر برائی کے ساتھ کیا جائے۔

احسان کی پہلی صورت محتاج غور و فکر نہیں ہے لیکن دوسری صورت
توضیح طلب ہے اس لئے ہم اس کی ایک مثال پیش کرکے اکتفا کرتے ہیں۔

وہ مشرکین جو میدان جنگ میں مسلمانوں کے مقابل ہوکر مسلمانوں کو قتل کرتے ہوں
اگر وہ گرفتار ہوجائیں تو ان کو قتل کرنے کے بجائے غلام بنا لینا احسان ہوگا۔

بہرحال شرعی احکام اگرچہ بادی النظر میں عدل اور ثنویت پر مبنی ہوتے ہیں
لیکن حقائق کے اعتبار سے ان کا مرجع وحدت و یگانگت ہوتا ہے۔

جسکی تصریح حضرت عارف باللہ خواجہ عبید اللہ المعروف بہ خواجہ خرد رح نے

یہ رسالہ نور وحدت میں ان الفاظ میں کی ہے۔

احکام شرعی کہ بنائے آں اثنینیت است	شرعی احکام جنکی بنیاد اثنینیت (دوی) پر
بالخاصہ متوسل بوحدت است وسر آں	بالخاصہ وحدت و یگانگت کیطرف پہنچاتے ہیں
شدہ اند و خاصان او بیں در ایصال اعمال	اور اسکا راز حدیٔ پاک اور اسکے خاص بندے جانتے ہیں
دمربوط بہ کثرت بود یہ سوئے وحدت	اسلئے اعمال شرعی (جو بظاہر کثرت سے مربوط ہیں) در حقیقت
اشارت است۔	وحدت کی طرف اشارہ ہے۔

اسی اشکال کی طرف عارف جامیؒ نے نہایت خوبی سے اشارہ کیا ہے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن۔

اب ہم محبت کے ضروری تفصیلات پیش کرتے ہیں جس سے غلامی کا تعلق بھی اسی طرح ہے جیسے اور اعمال شرعیہ کا ربط ہے۔ محبت کی تعریف امام غزالیؒ نے یوں کی ہے محبت کسی شے کی طرف وہ طبعی میلان ہے جس سے لذت ملتی ہو اور اس کے مقابل "نفرت" کا استعمال ہوتا ہے اگر یہ میل طبعی پختہ اور قوی ہو جاتا ہے تو اسکو عشق کہتے ہیں اور اس طرح جب نفرت قوی ہو جاتی ہے تو اسکو مقت کہتے ہیں۔ (باب ششم فصل اول احیاء العلوم جلد چہارم۔

الحاصل میلان طبعی کے انتہائی مرتبہ کا نام عشق ہے اور اسکے ابتدائی و درمیانی منازل طلب، شوق، انس محبت سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں عشق کی تعبیر "اشد حب" سے کی گئی ہے۔

والذین امنوا اشد حبا للہ

ایمان و توحید جس کو قرآن میں تقویٰ فرمایا گیا ہے باعث محبت الٰہی ہے۔

ان اللہ یحب المتقین۔

کفر و شرک باعث مقت الٰہی ہے۔

انہ من یشرک باللہ فقد حرم	بے شک جو اللہ کے ساتھ شریک قرار دیگا اس پر اللہ
اللہ علیہ الجنۃ وماواہ النار	جنت کو حرام کردیگا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

چونکہ تخلیق عالم کی علت محبت ہے اس لئے نظم عالم بھی محبت پر [illegible]
اور موجودات کے کمال و نقصان کے مراتب افراد محبت [illegible]
بعض علمائے متاخرین نے لفظ محبت کا استعمال اس محل پر نہیں کیا [illegible]
عناصر کے حیز طبعی کی طرف اور مرکبات میں ایک دوسرے کی طرف [illegible]
جو میلان ہوتا ہے جیسے لوہے اور مقناطیس میں ہے اس کا نام میل رکھتے ہیں اور
تباین مزاجی کے اعتبار سے جو باہم منافرت ہوتی ہے جیسے سرکہ اور [illegible]
میں ہے اس کا نام ہرب رکھتے ہیں اور حیوانات کی ملایمت و منافرت کو الفت و
نفرت کہتے ہیں۔ اور محبت و بغض یا عشق کے الفاظ کا استعمال ذوی العقول
میں کرتے ہیں۔ یہ تو لفظی اختلاف ہے اس سے حقیقت نہیں بدلتی اور حقیقت یہی ہے
کہ عالم کا ظہور براہ محبت مسلمہ ہے۔

كنت كنزا مخفيا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔
میں مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میری معرفت ہو تو میں نے مخلوق پیدا کی۔

جب کائنات کا ظہور براہ محبت ہو تو اس کے نظم کے لئے جو قانون ہوگا اس کا بھی
محبت پر موقوف ہونا ضروری ہے۔ (اخلاق جلالی لمعہ ہشتم لامع اول)
حکمائے نے جذبات محبت کو قوت سے فعل میں لانے کے اسباب حسب ذیل قرار دیے ہیں

۱۔ لذت ۲۔ نفع ۳۔ خیر

اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ اسباب جیسے انفرادی حیثیت سے باعث محبت ہیں
اجتماعی حیثیت سے بھی موجب محبت ہیں۔
اور اول الذکر اسباب (لذت و نفع) کو سریع الزوال محبت کا سبب بتلایا ہے
کیونکہ جس محبت کی علت لذت اور نفع ہو لذت اور نفع کے زوال پر وہ باقی نہ رہے گی
اور آخر الذکر سبب یعنے خیر سے جو محبت پیدا ہوتی ہے اس میں دوام ہوتا ہے کیونکہ خیر
امر ثابت اور غیر متغیر ہوتا ہے کیونکہ امر خیر میں توجہ ہستی و بقا کی طرف ہوتی ہے۔
صاحب جامع الکلم نے ان تینوں اسباب کو ایک ہی ارشاد میں بیان کر [illegible]
[illegible]

ماہنامہ

الحق

فطرت انسانی کا تذکرہ

مترجم

صفوۃ الرحمن صابر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان بعض الظن اثم

حقیقت یہ ہے کہ بعض قیاس و گمان ذہن انسانی کی غیر صحیح حرکت ہیں ذہنی معصیت سے محفوظ رہنے کے لئے اس واقعہ کو ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ رسالہ کی آمدنی بعد وضع حقیقی اخراجات دین کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے وقف رہیگی بہ توفیق الٰہی و بحمدہ مرتب رسالہ کی ذات رسالہ کی آمدنی سے مستفید نہ ہوگی اس لئے مالی تعاون کی درخواست نہیں ہے بلکہ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ اہل خیر ہی کار خیر کا اجر پائیں گے۔

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

فہرست مضامین

بابتہ ماہ رمضان سنہ ۱۳۶۷ھ جلد ۲ عدد (۹)

فی پرچہ (۸؍) سالانہ (للعہ) تعاون حسب استطاعت

باہتمام صفوۃ الرحمٰن صابر اعظم اسٹیم پریس میں طبع ہو کر دفتر رسالہ "الحق" دیوڑھی شہر یار جنگ

محلہ سلطان شاہی حیدر آباد دکن سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں حق باطل کا دماغ پاش پاش کر دیتا اور باطل نابود ہو جاتا ہے

غذائی مسئلہ

علم حق کی روشنی میں

(از صفوۃ الرحمٰن صابر مدنی)

غذا انسان کی زندگی کا ایک لاینفک جزو ہے غذا کے بغیر زندگی محال اور غذا کم میسر ہو تو زندگی دشوار۔ انسان کو ہوا و پانی کے بعد دیگر اشیاء کے مقابلہ میں غذا کی سب سے زیادہ احتیاج ہے۔ آج تمام اقوام عالم غذائی خلفشار میں مبتلا ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے مدبر اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں مصروف ہیں مگر یہ گتھی سلجھنے کے بجائے الجھتی جا رہی ہے اور انسان کا دماغ ہنوز کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہیں پہونچا۔ وہ آج بھی کہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کی آبادی کو آن واحد میں موت کی نیند سلا دینے والی اشیاء کو ایجاد کرنے والا دماغ مسئلہ غذا کا اطمینان بخش حل تجویز کرنے سے قاصر نظر آتا ہے طاقت اور دولت کے غرور کی طرح دانائی اور دانشمندی کا غرور بھی انسان کو اتنا بیخود بنا دیتا ہے کہ اصولی طریقہ پر غذا کے مسئلہ کو حل کرنے کی صلاحیت ہی دماغ میں نہیں رہتی اور ستم بالائے ستم یہ کہ اعتراف عجز و قصور کے بجائے استکبار میں اور اضافہ۔

قدرت نے تو غذا کی طرف سے انسان کو ایک حد تک بے فکر رہنے کا

استعمال کیا ہے مگر جہل و نادانی کا برا ہو کہ اس مسئلہ نے انسان کو سب سے زیادہ فکر و آلام میں مبتلا کر دیا اور اس غیر فطری طریقہ فکر نے مسئلہ کو سخت اور مشکل بنا دیا ورنہ اس کا حل بجائے خود نہایت آسان اور سہل ہے بے چارہ مدعی عقل و دانش، عقل و دانش سے اتنا مستغنی و دور ہو گیا ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے بھی سبق حاصل نہیں کر سکتا کیا نظر نہیں آرہا ہے کہ انسان جس چیز کا سب سے زیادہ محتاج ہے اس کا حصول بھی اس کے لئے اتنا ہی آسان ہے ہوا اور پانی کی ضرورت سب سے زیادہ ہے اس کے حصول میں بھی کوئی دقت نہیں ہے اس کے بمقابلہ دیگر سامان زینت و آرائش سے کے غذا کی احتیاج ہے ظاہر ہے کہ اس کی فراہمی میں بھی انسان کو ذہنی و دماغی کاوشوں سے ایک حد تک محفوظ رہنا چاہیے مگر بجائے اس کے غذا کے مسئلہ نے انسان کو ایک بحرانی کیفیت میں مبتلا کر دیا ہے تحقیقات کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے مگر غذا کی دشواری کا ایسا علاج کہ یہ گرانباری ختم ہو جائے دریافت نہ کیا جا سکا، دریافت کس طرح کیا جا سکتا کہ یہ تو ایک تعمیری پہلو ہوتا اور انحراف حق کے بعد انسان کا دماغ جو کچھ سوچ سکتا ہے اس کا نتیجہ تخریب اور ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے آخر ان تخریبی کارناموں کا یہی انجام ہوا کہ آج انسان کو فراغت و اطمینان قلبی کے ساتھ کھانا پینا بھی میسر نہیں ہے بلکہ دن بدن غذائی مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں اور افکار و آلام میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اقوام عالم سے جو انسانیت سوز حرکات سرزد ہو رہی ہیں وہ اس بحرانی کیفیت کا نتیجہ ہے جو مسئلہ غذا کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ صحیح راستہ کو چھوڑ کر منزل کی تلاش کرنا صریح گمراہی ہے۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَٰلُ

(ترجمہ) حق کے بعد جو کچھ ہے وہ گمراہی ہے۔

کسی صنعت یا ایجاد کو اس کے صانع و موجد کی ہدایت کے بغیر یا خلاف ہدایت استعمال کرنا اگر جہل و نادانی ہے اور اس کا انجام صانع یا موجد کا نقصان نہیں بلکہ اپنا ہی نقصان ہے تو اس عالم ایجاد کو اس کے پیدا کرنے والے سے منحرف ہو کر لطو

استعمال کرنے کا ادعا کس قدر نادانی ہے اس نادانی کو دانائی سمجھنا ہی باطل ہے
آسمان و زمین، نباتات و جمادات، غرض کائنات اور عناصر کائنات خود اپنی
وموت کو جب انسان نے پیدا نہیں کیا تو اس کے پیدا کرنے والے کو فراموش کر کے
اور اس کے احسانات کا انکار کر کے انسان کب تک چین و اطمینان کی زندگی بسر
کر سکتا ہے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے یہ جو مثال بیان کی گئی تھی کہ ناشکری کی سزا اس طرح
دی جائے گی کہ انسان قحط عظیم میں مبتلا کر دیئے جائیں گے کیا وہ اسی زمانہ کے لئے نہیں ہے

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (النحل)

اللہ تعالیٰ ایک ایسی بستی کی حالت عجیبہ بیان
فرماتے ہیں کہ وہ امن و اطمینان کی حالت
میں تھے ان کے کھانے پینے کی چیزیں ہر جانب
طرف سے ان کے پاس پہونچا کرتی تھیں پھر
انہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناقدری ناشکری
کی تو اللہ نے ان کو اس کفران نعمت کے سبب قحط عظیم و خوف کا مزہ چکھایا

کس بے فکری و اطمینان سے چند سال پہلے تک انسان اللہ کی گوناگوں نعمتوں سے
استفادہ کر رہا تھا رزق کے دروازے چو طرف سے کھلے ہوئے تھے زمین گویا رزق کے
خزانے اگل رہی تھی مگر انسان نے

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ

اللہ کی نعمتوں کی ناقدری و ناشکری کی، ناقدری و ناشکری یہ کہ ان کو اللہ کا فضل و
رحمت سمجھنے کے بجائے اپنی عقل و تدبیر کا نتیجہ سمجھتا رہا۔ دیگر یہ کہ زندگی اور سامان بقائے
زندگی اس لئے عطا کیا گیا ہے کہ انسان عطا کرنے والے کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے
برخلاف اس کے الٰہی تنبیہات سے بے خوف و نڈر اور انجام آخرت سے غافل ہو کر اللہ
کی نعمتیں اللہ کی نافرمانی و سرکشی میں فراغ دلی سے ساتھ استعمال کی جا رہی ہیں جس کی وجہ
سے انس و محبت امن و سلامتی کی دنیا بجائے فتنہ و فساد و جدال و قتال کی دنیا آباد ہو گئی۔
مہلت پر مہلت دی جاتی رہی مگر مجرم انسانے اقبال جرم نہیں کیا بالآخر معمولی سزا

لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى (السجدہ)

(ترجمہ) یقیناً ہم ان کو (اولاً) عذاب ادنیٰ کا مزہ چکھائیں گے۔

کا وقت آپہنچا اور وسعت رزق کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ خدا کی پناہ یہ معمولی سزا بھی کتنی سخت سزا ہے۔

دور تاریک کا انسان مصیبت میں خدا کی طرف رجوع کرتا تھا مگر روشن زمانہ کے انسان نے مصیبت میں خدا ہی کو بھلا دیا اور اپنے پیدا کرنے والے سے بے نیاز ہو کر زندگی کے مشکلات کو حل کرنے کے زعم باطل میں مشکلات کو بڑھاتا ہی جا رہا ہے اور انسانیت سے گرتا جا رہا ہے یگانگت و یکجہتی جو انسانیت کا خاصہ ہے اس کے بجائے عداوت و منافرت کے جراثیم اسقدر پھیلتے جا رہے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان سے اسی طرح خائف ہے جس طرح ایک جانور دوسرے جانور سے خوف زدہ رہتا ہے کیا عذاب ادنیٰ کا یہ مشاہدہ آخرت کے عذاب اکبر کی تصدیق اور اس سے خائف ہو کر اللہ جل شانہ کی طرف رجوع کرنے کے لئے ایک روشن دلیل نہیں ہے۔

رحمت کا سلسلہ جب تک جاری رہا اب رحمت کرنے والا ہی رحمت بند کرنا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ در رحمت کو کھول دے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ (الفاطر)

اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے وا کر دے تو اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں اور جب بند کر دے تو اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں۔

محتاج رحمت ہو کر جو رحمت سے بے نیاز ہو جانا چاہے وہ مستحق رحمت نہیں ہو سکتا اور طالب رحمت کو رحمت سے محروم نہیں کیا جاتا یہ قدرت کا اٹل قانون ہے مگر شان رحمت کے انداز بھی کتنے دلکش ہیں کہ رحمت سے محروم کر کے گویا طلب رحمت کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ

(ترجمہ) شاید کہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔

مربوب و محتاج کا یہ فرض ہے کہ رب و حاجت روا کی اطاعت کرے اور خوشنودی حاصل کرے کہ رحمت و مودت و شفقت والے خالق و رب کی شان رحمت رحم کو نادان مربوب ہی کو سمجھایا جاتا ہے

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ (الملک)

(ترجمہ) کیا کوئی اور تمکو رزق دے سکتا ہے جب اللہ اپنا رزق بند کر دے

غذائی صورت حال اس قرآنی صداقت اعلان الٰہی کی گواہی دے رہی ہے کہ اللہ ہی جب تم کو رزق کی پریشانی و تنگی میں مبتلا کرنا چاہے تو پھر تمہاری کوئی کوشش کوئی تدبیر تمہاری ذہانت و فراست رزق کو کشادہ نہیں کر سکتی۔ تمہارے حکم و تدبیر سے نہ بادل بارش برساتے ہیں اور نہ زمین غلہ اگاتی ہے جب انسان نے اپنے فرائض منصبی کو بھلا دیا تو زمین و آسمان کو انسان کی کما حقہ خدمت کرنے سے روک دیا گیا۔ تجربہ و مشاہدہ سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ جو خالق ہے وہی رزق کا کفیل ہے۔

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الفاطر)

(ترجمہ) کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو زمین و آسمان سے تم کو رزق دیتا ہے

خالق سے روگرداں اور منحرف ہو کر غذائی پریشانی سے محفوظ رہنے کا جو طریقہ بھی اختیار کیا جائیگا عبث و باطل ہے۔

وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ (الحج)

(ترجمہ) اور اللہ کے سوا جن چیزوں کو یہ لوگ پکار رہے ہیں باطل ہے

بہترین جدید آلات زرعی اور عمدہ سے عمدہ کھاد سے زمین کی استواری و تخم ریزی انسان کے حسن انتظام کی امکانی حد ہے اس کے بعد بروقت مینھ کا برسنا زمین کی سیرابی۔ بوئے ہوئے تخم کی آبیاری اور تخم کا ایک کیمیائی تغیر کے بعد زمین کو چیر کر نمودار ہونا اس کی نشوونما، زمین کا سبزہ زار ہو کر بے حساب غلہ کی پیداوار میں ظاہر ہے کہ انسان کی عقل، تدبیر کو رتی برابر دخل نہیں ہے۔ اسی حقیقت کو ان الفاظ میں واضح فرمایا گیا ہے:-

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا (النمل)

ترجمہ: (زمین سے شجر کو اگانا تمہارے بس میں نہیں ہے۔

جب یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے تو پھر خالق کائنات تمام انسانوں کا آقا و حاکم حقیقی اپنے حسن تدبر سے انسان کو اس کی محنت کا ثمرہ دیا کرتا ہے اور

بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ

(ترجمہ) اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔

کی بادشاہی میں جس نے فیض رحمت کو محدود کر دیا ہے اس خدائے دوجہاں کے پاس رزق کی تلاش مسئلہ غذا کا فطری اور واحد حل ہے۔

فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (العنکبوت)

پس تم رزق اللہ کے پاس تلاش کرو اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو۔ تم کو (بالآخر) اسی کے پاس واپس جانا ہے۔

اللہ ہی نے انسان کو اور برائے انسان تمام کائنات دنیا و آخرت (حیات بعد الموت) کو پیدا کیا انسان کے فرائض حیات اور مقصد حیات کو متعین کیا۔ چند روزہ دنیا کی زندگی کو فرائض حیات کی زندگی اور آخرت کی ابدی زندگی کو بدل و جزا کی زندگی قرار دیا۔ فرائض حیات کی انجام دہی کے لئے بقائے حیات کا سامان (رزق) کا انتظام فرمایا۔ جب انسان اپنی خواہشات نفس کا بندہ ہو کر اپنے مالک و حاکم حقیقی کو بھول جاتا ہے یعنی اپنی فطری حیثیت اللہ کی بندگی و غلامی کو فراموش کر دیتا ہے تو حصول رزق کے سلسلہ میں جو آسانیاں اس کے لئے فراہم کی گئی ہیں ان سے اس کو محروم کر کے مشکلات میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اب اگر وہ رزق کی کشائش چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنی فطرت پر قائم ہو جائے یعنی اللہ ہی کی بندگی کو اختیار کرے اللہ ہی کی عبادت اور اللہ کا شکر ابواب رزق کی کنجیاں ہیں۔

اللہ کون اللہ رسمی رواجی مجبور معطل ذہن انسان کا خود ساختہ اللہ نہیں

بلکہ وہ اللہ حقیقی و دوقی ہے جس کے قوانین قدرت جس کی ناطب
انسان کو اس طرح گھیرے ہوئے ہے کہ انسان نہ ان سے منحرف ہو
ہے اور نہ ان میں تعدیل کر سکتا ہے۔ انسان کے ہزاروں آرزوؤں
تمناؤں کی پامالی جس کے

يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ

(ترجمہ) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

کی گواہی دے رہی ہے، انسان کے عزائم کی شکستگی جس کے

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ

(وہ جو ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے

کا اعلان ہے انسان کا نسیان بھول

ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ

کی دلیل ہے مفید و مضر اشیاء کا انسان کے خلاف منشار اپنے خواص و آثار کا
ظاہر نہ کرنا جس کی قدرت مطلقہ

بیدہ ملکوت کل شی

(ترجمہ) ہر شے اسی کے دست قدرت میں ہے

کا بین ثبوت ہے۔ حوادث زمانہ سلطنتوں اور حکومتوں کے انقلابات جس
مالک الملک ہونے کے متعلق بزبان حال یہ اعلان کر رہے ہیں

تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء

(ترجمہ) تو جس کو چاہے حکومت دیدے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے

جس کی بسائی ہوئی دنیا میں جس کے مقررہ قوانین طبعی کے تحت انسان زندگی گذ
رہا ہے منازل حیات کو طے کر رہا ہے۔ ہر بن مو بزبان حال کہہ رہا ہے۔

ذالکم اللہ ربکم فاعبدہ

(ترجمہ) یہی اللہ تمھارا رب ہے تم اسی کی عبادت کرو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاقی تصوف

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

(سلسلہ ۸)

اور تو اور آپ کو صحیح حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ خود عہد نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قسم کے متعدد واقعات پیش آئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی زندگی کے مقابلہ میں بعض لوگوں نے ایسے معیار کے پیش کرنے کا ارادہ کیا جس سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ شاید پیغمبر کی زندگی بھی ان کے مفروضہ بلند معیار کے مطابق نہیں ہے، بخاری و مسلم میں آپ کو ایسی روایتیں مل جائیں گی جن سے میرے اس بیان کی توثیق ہوسکتی ہے، یہاں تک کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ان لوگوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔[1]

---

[1] مثلاً بخاری کے ابتدائی اوراق میں آپ کو وہ روایت مل جائیگی جس میں ہے کہ تین آدمی آنحضرت صلعم کی بعض بیویوں کی خدمت میں داخل ہوئے اور آپ کے شب و روز کے مشاغل دریافت کئے، راوی کا بیان ہے کہ ان سے جب آنحضرت صلعم کے مشاغل بیان کئے گئے تو سن کر انہوں نے کم خیال کیا" راوی کے الفاظ ہیں کانہم تقالّوہا گویا دینی زندگی کے بلند ترین معیار کا جو خاکہ ان کے دماغوں میں تھا اس پر آنحضرت صلعم کی زندگی بھی ان کے نزدیک منطبق نہ تھی مگر نبوت کا احترام بہرحال ان کے قلب میں تھا تو اس تاویل کے نیچے انہوں نے پناہ لی کہ "پیغمبر کا کیا وہ تو مغفور ہیں" پھر ایک نے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ رات بھر نمازیں پڑھتا رہے گا دوسرے نے کہا کہ صائم الدہر بن جاؤنگا تیسرے نے کہا کہ جیتے جی عورت کا منہ نہ دیکھونگا۔ جب رسول اللہ صلعم کو

جب عہد نبوت میں ہی ایسے رجحانات کا پتہ چلتا ہے تو نبوت [illegible]
راہ میں افراط و تفریط کی طرف بعض لوگوں کا مائل ہو جانا یقیناً عمل [illegible] ہوتا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حالانکہ فرما بھی دیا تھا کہ دینی زندگی کا وہ معیار جسے

ستجدون بقایاہم فی الصوامع — پاؤگے تم ان کی بچی کھچی خالیں عیسائیوں
والدیارات۔ (جمع الفوائد بحوالہ ابوداؤد) — کی خانقاہوں اور دیروں میں

یہ قابل رشک معیار نہیں ہے بلکہ "رہبانیت" کے نام سے تو خود قرآن نے اس زندگی پر تنقید کی تھی مگر پشتہا پشت سے "صوامع و دیارات" کی زندگی کا وزن جن لوگوں کے قلوب میں راسخ چلا آرہا تھا، اچانک مسلمان ہو جانے کے بعد ان کا ازالہ آسان نہ تھا، شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے آبائی دین کے اثرات میں اور اسلامی تعلیم کے نتائج میں تطبیق کی راہ اس قسم کے لوگ نکال لیتے تھے۔

خیر یہ قصہ تو طویل ہے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امام غزالی نے جن "قدماء صوفیہ" کی کتابوں کے مضامین سے نفع اٹھایا تھا، ان کے متعلق یہ خیال کر لینا شاید صحیح نہ ہوگا کہ قدیم ہونے کی وجہ سے ان بزرگوں کی کتابوں کے سارے مضامین افراط و تفریط کے ان اثرات سے محفوظ تھے جو مسلمانوں میں نئی داخل ہونے والی نسلوں کی راہ سے پھیل گئے تھے۔

آخر خود سوچیے کہ جس قرآن کی تعلیم

خلق لکم فی الارض جمیعا (البقرہ) — زمین میں جو کچھ ہے خدا نے تمہارے ہی لئے پیدا کیا ہے
سخر لکم ما فی السموات والارض جمیعا منہ۔ — تمہارے قابو میں دیا ان سب چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں سب کو۔

کے محور گھومتی ہو، بار بار تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مختلف پیرایہ بیان میں تفصیلاً و اجمالاً

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹)
اس کی خبر ہوئی تو دیکھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر غصہ کے علامات ہیں اور فرما رہے ہیں کہ تم میں سب سے زیادہ خدا کی معرفت اور خدا کا خوف مجھ میں ہے، اور اعلان فرما دیا گیا کہ میری راہ کو چھوڑ کر جو چلے گا وہ مجھ سے نہیں ہے اور یہ ایک ہی واقعہ نہیں ہے ایسی متعدد مثالیں عہد نبوت میں ملتی ہیں ۱۲

ہ مضمون کو مسلسل اس کتاب میں دہرایا گیا ہو، اسی کتاب کی آئت

اجعلنا ما علی الارض — زمین پر جو کچھ ہے اس کو ہم نے زمین کا
زینۃ لھا لنبلوھم احسن — سنگار بنایا تاکہ ہم جانچیں کہ کون ہے
عملا۔ (کہف) — اچھا عمل کے حساب سے۔

درج کرکے اس کی تفسیر میں یہ قول[1] امام غزالی نے نقل کیا ہے کہ

ایھم ازھد فیھا — یعنی زمین کا یہ سارا بناؤ سنگار زیب و زینت کا تماشا
احیاء العلوم صـ۱۷۵ ج ۴ — اس لئے کھڑا کیا گیا ہے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ ان کے
کتاب از صد ۱۲) — چھوڑنے اور ان سے بھاگنے میں سب سے آگے کون ہوتا ہے"

در جس تصوف کے نظام کو اپنی کتاب میں انہوں نے پیش کیا ہے اس نظام کا اہم ترین جزء اسی اصول کو انہوں نے جو قرار دیا ہے، اس دنیا گریز رجحان کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی دائرے کے باہر ہی سے یہ اثر ان مسلمانوں میں داخل ہوا تھا اگر واقعی قرآن کی آئت کا یہی مطلب ہے کہ قدرتی پیداواروں کے پیدا کرنے سے پیدا کرنے والے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی ضرورتوں میں ان کو استعمال کریں، بلکہ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ بھاگنے والے ان چیزوں سے بچنے اور بھاگنے میں کہاں تک ترقی کر سکتے ہیں اور اس راہ گریز کی رفتار کی تیزی و سستی میں انسانیت کی بلندی و پستی کا راز پوشیدہ ہے، میں نہیں سمجھتا کہ قرآن کی تعلیم بھی اگر یہی ہے تو جس "دینی زندگی" کی تعبیر یہ کی گئی ہے کہ اس کا پابند

> غذا کو بھی بلا کسی رغبت کے اسی طرح کھاتا ہے جس طرح ایک شخص جنگل سے گزر رہا ہو اور اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے اپنے بچے کا گوشت کھا رہا ہو۔ صـ۱۵۲ ج ۱ ہندی فلسفہ گیتا۔

[1] یہ ہندوستان کے مسلک (جوگیت) کی تعبیر ہے جس کے معنی یہی ہوئے کہ اپنے بچے کا گوشت کھانا اور قدرتی پیداواروں کا زندگی کی ضرورتوں میں استعمال کرنا اس مسلک کے رو سے برابر ہے ۱۲

تو اس میں اور قرآن کی پیش کردہ زندگی میں تعبیری یا لفظی فرق کے سوا غور کی سوچا جائے کہ اور کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ حضرت امام نے اسی موقعہ پر جہاں انہوں نے قرآنی آیت کی مذکورہ بالا الفاظ میں تفسیر درج کی ہے یہ بھی لکھا ہے کہ محظورات (یعنی شریعت نے جن چیزوں کے استعمال کو ممنوع ٹھیرایا ہے) ان کا چھوڑ دینا یہ وہ معیاری زندگی نہیں ہے جس پر زھد کا اطلاق کیا جائے، بلکہ

ترک المباحات التی جن چیزوں کو خدا نے مباح کر دیا ہے یعنی جن کا استعمال

حظ النفس (احیا، صفحہ ۱۵۵ ج ۴) جائز ہے ان کا چھوڑنا یہ زھد ہے کہ نفس کا حصہ ہے۔

مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا نے جن چیزوں کے استعمال کو منع کیا ہے، ان کی تعمیل تو خدا کی مرضی کی تعمیل ہے اور خدا کی مرضی کی تعمیل کرنے والے خدا کے پاس اجر و ثواب کی امید اگر لگائیں تو اس کی امید ان کو کرنی چاہئے لیکن خدا نے جن چیزوں کے چھوڑنے اور ترک کرنے کا مطالبہ نہیں کیا ہے، ان کا ترک ظاہر ہے کہ خدا کی مرضی کی نہیں بلکہ یقیناً خود اپنے نفس کی خواہش کی پیروی ہے، پھر ایسے عمل پر خدا کے پاس اجر کی توقع آخر کس بنا پر قائم کی جائیگی۔ انہوں نے ایک مثال سے بھی سمجھانا چاہا ہے کہ مباحات کو موجود زندگی میں جو ترک کرتا ہے یعنی جن چیزوں کے استعمال سے خدا نے منع نہیں کیا ہے ان استعمال کو ترک کرنے والا زیادہ سے زیادہ ایک ایسی چیز سے دست بردار ہوتا جس کی حیثیت برف کے ٹکڑے جیسی ہے کہ زمانہ جیسے جیسے اس پر گذرتا جائیگا فنا ہوتا جا فرماتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں جو اجر آخرت میں اس کو ملے گا چونکہ وہ خیر و ابقی ہے یعنی بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی ہے اس سے سمجھنا چاہئے کہ برف کے ٹکڑے بیچ کر یا دے کر الماس اور یاقوت کے ٹکڑے خرید رہا ہے؛

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کی نعمتوں کی بہت اچھی مثال برف کی ہے ان نعمتوں کو خدا کی مرضی اور خدا کے حکم سے جو نہیں چھوڑتا ہے بلکہ جن کے استعمال کی اجازت خدا کی طرف سے ہے، ان کو جو بھی چھوڑتا ہے اپنی مرضی سے اور اپنی خواہش سے چھوڑتا ہے، مان لیا جائے کہ اس نے برف ہی کے ٹکڑوں کو چھوڑ

لیکن ان کے معاوضہ میں خدا کے پاس جواہر (الماس و یاقوت) کے پانے کی امید آخر کس بنیاد پر کرتا ہے، جس نے خدا کی نہیں بلکہ اپنی مرضی کی پابندی کی ہے اسے چاہیے کہ خود اپنے آپ سے اجر طلب کرے نہ کہ خدا سے جس کی مرضی کی تعمیل میں اس نے ان مباحات کو قطعاً نہیں چھوڑا ہے۔

امام کے نظریات کے متعلق شاہ ولی اللہ نے جو یہ لکھا ہے پہلے میں نقل کر چکا ہوں کہ زتبیل تعضد یا اشعریہ وعظیہ متمسک تائید میں شاعرانہ مقدمات جو وعظوں میں استعمال ہوتے ہیں ان ہی کو پیش کرتے ہیں۔ می نمائند۔

غالباً ان کا اشارہ اسی قسم کی تمثیلی دلیلوں کی طرف ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کے دلائل کا بہت بڑا ذخیرہ ان کی کتابوں میں جمع ہو گیا ہے۔ بظاہر یہ چیزیں بھی ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہیں جن کے مضامین سے اپنے لائحۂ عمل کے آگے بڑھانے میں امام نے کام لیا ہے۔

بہرحال میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ اپنے زمانہ کے حالات کا اندازہ کرنے کے بعد امام پر واضح ہوا کہ وہی دولت و امارت جس کے چبوترے پر مسلمان دنیا کے سامنے کھڑے تھے اس چبوترے کے باہر کچھ ہی نظر آتا ہو لیکن اس کے اندر بہ تدریج ایسے آتش فشاں مواد کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہو گیا ہے کہ اس چبوترے پر کھڑے والے کو اگر نہ چونکایا گیا تو وہ خود اور وہ ساری چیزیں جن سے یہ بلندی ان کو حاصل ہوئی ہے اچانک اڑ جائیں گی میرا اشارہ مسلمانوں کے اخلاقی نظام کی غیر محسوس تباہی کی طرف ہے جس کی وجہ سے اندر ہی اندر ان کی اجتماعی زندگی کھوکھلی ہوتی جا رہی تھی وہ باہر سے جتنے بھی قوی دکھائی دے رہے ہوں لیکن جلیمانہ بصیرت کی روشنی سے جو سرفراز کیا گیا تھا اسے اسی قوت میں ان کمزوریوں کی ساری پرچھائیاں جھانکتی نظر آ رہی تھیں جن سے عام مسلمان اس زمانہ میں غافل تھے یا ان سے وہ غافل رہنا چاہتے تھے، امام نے ان کو جھنجوڑنے کا ارادہ فرمایا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طاقت سے انہوں نے اس کام کو انجام دیا وہ اپنی آپ نظیر ہے کہ آج سات آٹھ سو سال گذر جانے کے بعد بھی

ں چیخ اور پکار کی آواز بازگشت ہے اسلامی دنیا گونج رہی ہے جو امام حجۃ الاسلام کے
ے بلند ہوئی تھی، ان کا حقیقی مقصد جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں یہی تھا اسی لئے ان کی
ساری توجہ اسی مسئلہ پر مرکوز نظر آتی ہے جھنجھوڑنے اور چونکانے کا اس مہم میں کن کن
چیزوں سے کام لے رہے ہیں، جہاں تک میں سمجھتا ہوں شاید ان کی نظر میں ان کی
چنداں اہمیت نہیں تھی، جگا دینا چاہیے، ان کے دل میں اسی آرزو کی آگ بھڑک
رہی تھی، اس آرزو کی تکمیل میں جس چیز سے مدد مل سکتی تھی، ان سے نفع اٹھانے کی
امام نے کوشش کی لوگوں کو نکتہ چینی کا موقع اسی لئے مل گیا، حالانکہ آپ دیکھ چکے عموماً نمایاں
ان لوگوں کی ہیں جن کی کتابوں سے امام نے استفادہ کیا سب سے زیادہ حدیثوں کے
باب میں ان کی کتابیں بدنام ہیں لیکن یہ ان کا نہیں بلکہ ابو طالب مکی کا قصور ہے۔
"قوت القلوب" میں جن رطب و یابس روایتوں کو اس شخص نے استعمال کیا تھا، آنکھیں
بند کرکے امام ان کو نقل کرتے چلے گئے، ارباب صلاح و تقویٰ کے ساتھ جس قسم کا غیر معمولی
حسن ظن زندگی کے آخری دنوں میں امام کے اندر پیدا ہو گیا جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں
بہت کچھ دخل اس طرز عمل میں ان کے حسن ظن کو بھی ہے،

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خود "اخلاقیات" کے ابواب جن کا نام امام نے "مہلکات" رکھا ہے
کہ مسلمانوں کی ہلاکت کا راز ان اخلاقی ابواب میں نظر آرہا تھا اس میں شک نہیں کہ
بظاہر ان اخلاقی ابواب میں انہوں نے قرآنی آیات و احادیث و آثار سے بھی کافی
استفادہ فرمایا ہے، لیکن اخلاق و غرائز کی تصحیح میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے بجائے
ازالہ کی لاحاصل کوشش کے امالہ کی راہ جو اختیار کی ہے اس اصول سے انہوں نے

لے کہنا یہ ہے کہ فضائل ہوں یا رذائل تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ عموماً یہ جبلی ہوتے ہیں فطرۃً بعض لوگ
بخل و حسد کبر و نخوت کے صفات کو لیکر پیدا ہوتے ہیں اور جیسے رذائل کا یہ حال ہے یہی حال فضائل مثلاً
شجاعت سخاوت، ہمدردی مواسات جیسی اخلاقی خوبیوں کی ہے اور قاعدہ ہے کہ جبلی صفات کا ازالہ
اسی طرح ناممکن ہے جیسے خلقی شکل و صورت کا بدلنا آسان نہیں ہے جو چھوٹی چھوٹی آنکھیں لے کر پیدا
(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

ت کم کام لیا ہے یا کہا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ لیا ہی نہیں ہے اور سارا زور انہوں
یونانیوں کی تحسین (اخلاقیات) کے اس عام اور مشہور قاعدے کے انطباق پر

ہا یا اگر بخیل پیدا ہو گیا اسکی آنکھوں کو کوئی بڑی بنا دینے کی قدرت رکھتا ہے یا کرنجی آنکھوں کو سیاہ آنکھوں سے
میں بدل سکتا ہے الغرض جو حال (جسد کے بیرونی اوصاف خصوصیات) کا ہے قریب قریب یہی حالت اخلاق کی بھی
لئے ان جبلی اوصاف کے ازالہ کی جگہ اسلام نے یہ صورت اختیار کی ہے کہ صحیح مصرف کی طرف ان صفات کا رخ پھیر دیا
جن کا شمار رذائل کے ذیل میں کیا جاتا ہے قرآنی آیات مثلاً اشداء علی الکفار رحماء بینھم (کافروں پر
سخت ہیں اور باہم آپس میں ایک دوسرے پر مہربان) یا اعزۃ علی الکافرین اذلۃ علی المومنین
فروں کے سامنے تو اونچے ہیں اور ایمان والوں کے آگے جھکے ہوئے) وغیرہ میں اسی اصول کی طرف راہنمائی کی گئی ہے
یہ ہے کہ ایسی صورت انسانی فطرت کے سارے ایسے صفات جن میں سختی اور شدت پائی جاتی ہے کس قدر قیمتی بن جاتے ہیں
خس و خاشاک کے صاف کرنے کے لئے قدرت نے ان صفات کو آدمی میں پیدا کیا ہے الغرض رذائل کا صحیح
تعمال پیدا کرنا اسی تدبیر کا نام ازالہ ہے عداوت ایک بدترین رذیلہ پن سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن نے الشیطان
طرف اس غریزہ انسانی کا رخ پھیر کر یعنی ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا کا حکم دے کر
عداوت کو جنت کی کلید کی شکل میں بدل دیا وقس علیٰ ہذا- اسی طرح فضائل سے بعض افراد اگر
لی ہوں تو ان کو اسلام ناکارہ نہیں ٹھیراتا بلکہ یہ تلاش کرتا ہے کہ اس قسم کے افراد سے جو کام بھی
جا سکتا ہے وہی لیا جائے حضرت حسان بن ثابت صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فطرۃً بزدل تھے
ن میں شجاعت کی فضیلت نہیں پائی جاتی تھی جس کا وہ خود اقرار کرتے تھے، جنگ کے زمانہ
یں ان کو عورتوں کے ساتھ پناہ گاہوں میں چھپنے کی اجازت دے دی جاتی تھی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس فطری کوتاہی کی وجہ سے ان کو ناکارہ ٹھیرا کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ
ن میں شاعری کا جو فطری کمال تھا اس کمال سے کفر کے مقابلہ میں کام لیا جاتا تھا آنحضرت صلعم
فرماتے کہ حسان کے شعر تمہارے تیروں سے زیادہ کفار کے قلوب پر اثر ڈالتے ہیں (او کما قال) ان کیلئے مسجد نبوی
یں کرسی بچھائی جاتی جس پر بیٹھ کر وہ اشعار سناتے اور پیغمبر صلعم بیچ بیچ میں دعائیں دیتے جاتے کہ اے خدا
روح القدس سے اس شخص کی مدد کر الغرض جو پیدا ہوا ہے نا ممکن ہے کہ کسی کمالی وجود سے خالی ہو اگر وہ دماغ
نہیں بن سکتا تو انگلیوں کا کام تو کر سکتا ہے یہ تو استعمال لینے والے کے سلیقہ کی بات ہے کہ ہر پرزہ کو ٹھیک اس جگہ بٹھا دے

جہاں پر بیٹھ کر شینری کا وہ کوئی کار آمد صحیح جز بن جائے ۱۲

یح کردیا ہے جس میں ہر انسانی خلق میں اعلیٰ ادنیٰ اوسط تین مدارج پیدا کرکے بتایا ہے
ہر خلق کا وسطانی درجہ ہی مطلوب ہے اور اعلیٰ وادنیٰ کے حدود پر پہونچ کر یا ... انسانی
علاق غلط بن جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ توسط کا قاعدہ اخلاقیات میں ارسطو کا ...
یہ نہیں ہے کہ حجۃ الاسلام کی حکیمانہ نظر سے اس راہ کے حقائق اور واقعات پوشیدہ
ے رذائل ہوں یا فضائل عموماً یہ فطری ہوتے ہیں جن کے ازالہ کی کوشش لاحاصل کوشش ہے
حیاء العلوم میں ہندستان کے بعض لوگوں کے اس مسلک کا ذکر فرمانے کے بعد کہ ان میں
بعض لوگ موجودہ زندگی ہی کو ساری مصیبتوں اور تباہیوں کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں،
ہی لئے اس مصیبت سے نجات کی راہ ان کے نزدیک خودکشی ہے، ان میں بعض لوگ
پنے آپ کو آگ میں جلا ڈالتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ مصائب سے ان کو نجات
ل گئی، پھر غالباً بودھ مذہب کے طریقہ عمل کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں کہ

> ان میں بعض خودکشی کا تو انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اصل ضرورت ہے کہ ان بشری صفات کو مار ڈالا جائے، جن سے دنیا میں فساد پیدا ہوتا ہے اور نفس سے بالکلیہ ان کا ازالہ کردیا جائے، ان کا خیال ہے کہ خواہش اور غصہ سے پاک ہو جانا بس اسی میں سعادت انسانی کی ضمانت ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ

> پھر وہ ان صفات کے ازالہ کی کوشش میں مشغول ہوتے ہیں اور جہاں تک اپنے اوپر سختی کر سکتے ہیں، کئے چلے جاتے ہیں، بسا اوقات ان سختیوں کی بدولت دیکھا گیا ہے کہ لوگ مر گئے ہیں بعضوں کی عقل میں خلل پیدا ہو گیا، بعض پاگل ہو گئے یا کسی ہولناک بیماری میں مبتلا ہو گئے ص ۱۵۹ ج ۳

پھر یہ لکھ کر کہ ان صفات کا ازالہ ناممکن ہے آگے بڑھ کر ارشاد فرماتے ہیں
کہ مثلاً خواہش کا جذبہ آدمی میں بیکار نہیں پیدا کیا گیا ہے، آخر بھوک
ہی کی خواہش اور تقاضا جو آدمی میں پیدا کیا گیا ہے، اگر اس کو

شادیاں بانے تو کیا آدمی زندہ رہ سکتا ہے یا ہم بستری کی خواہش اگر غائب ہو جائے تو نسل انسانی کیا معدوم نہیں ہو جائیگی یہی حال غصہ کی صفت کا ہے، آدمی میں اگر غصہ کا جذبہ نہ ہو تو ان دشمنوں کا مقابلہ کیا آدمی کر سکتا ہے جو اس کی ہلاکت یا اس کو نقصان پہونچانے کے درپے ہوں"

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ

اور جب تک ان خواہشوں اور آرزوؤں میں آدمی مبتلا رہے گا ان کی تکمیل کے لئے اسے مال و زر کی بھی ضرورت ہوگی اور یوں مال کی محبت بھی آدمی سے نکل نہیں سکتی" ص۴۱ ج ۳۔

یہ اور اس قسم کی باتوں سے ان کی کتاب حالانکہ بھری ہوئی ہے مگر بایں ہمہ ہر پھر کر جب اخلاق انسانی کے معالجہ کی بحث شروع ہوتی ہے تو اس ارسطاطالیسی اصول کو عموماً پیش فرما دیتے ہیں یعنی

ولیس المطلوب اماطة ذالک بالکلیه بل المطلوب ردها الی الاعتدال الذی هو وسط بین الافراط والتفریط ص۲۱ ج۳۔

ان صفات کا کلی ازالہ و استیصال یہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ افراط و تفریط کے درمیان نقطہ اعتدال پر ان کو لانے کی کوشش کی جائے۔

پھر ہر ہر خلق کے تینوں مدارج کی تفصیل کر کے ہر ایک کی اعتدالی صورت کو آثار و علائم اور مثالوں سے سمجھانے کی امام نے بلیغ کوشش کی ہے، اگرچہ سب کچھ کہنے کے بعد آخر میں ان کو خود ہی یہ اقرار کرنا پڑا ہے

الوسط الحقیقی بین الطرفین فی غایة الغموض بل هو ادق من الشعر واحد من السیف ص۴۷ ج ۳۔

لیکن (ان صفات کے اعلیٰ و ادنیٰ مدارج کے بیچ میں) اس نقطہ کو متعین کرنا جو ٹھیک وسط میں ہو، حد سے زیادہ باریک مسئلہ ہے بال سے بھی زیادہ باریک اور تلوار سے بھی زیادہ تیز۔

ظاہر ہے کہ اصلاح کا ایک ایسا اجتماعی لائحہ عمل جس کا رخ قوم کے ہر عام و خاص آدمی

[...] عرض ہو یہی کہ ایسی تحقیق پر قائم کرنا جس [...]
زیادہ باریک اور تھوڑے سے بھی زیادہ تیز ہو گیا علمی [...]
ہو سکتا ہے فلسفہ تو امام کی باتوں کا بڑا خوش گوار اور معین [...]
زیادہ لذیذ جو تیار ہو سکتا ہے، لیکن بے چارے عوام سے اس کی توقع کرنا کہ فلسفیانہ
الجھنوں کے سلجھانے کے لئے وقت بھی دے سکیں گے اور دیں بھی تو ان کے سلجھانے میں
کامیاب ہو سکتے ہیں کیا کسی حیثیت سے بھی بجا توقع ہو سکتی ہے، لیکن بات وہی [...] اصولی
طے کر لینے کے بعد جس قسم کی کتابوں کے مضامین سے انہوں نے دیکھا کہ مدد مل سکتی ہے
ان کو وہ نقل کرتے چلے گئے ہیں، جب "اخلاقیات" کی بحث کی نوبت آئی تو اس زمانہ میں
ارسطاطالیسی اخلاقیات کے اصول پر لکھی ہوئی کتابیں عام طور پر دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں،
امام نے بھی ان ہی مضامین سے کام لیا، مواد تو ان کتابوں سے لیتے ہیں، اور پھر ان کی
تشریح و تفصیل میں ان کی خداداد فطری قابلیت نے ایک ایسا زور پیدا کر دیا کہ پڑھنے
والا جب پڑھتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے،

حیرت ہوتی ہے کہ وہ اس باب میں ان آیتوں اور حدیثوں کو بھی نقل کرتے ہیں
جن میں "امالہ" والی تدبیر کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے لیکن نتیجہ ان سے بھی وہی نکالنا
چاہتے ہیں جس سے توسط والے فلسفہ کی تائید ہوتی ہو، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

الشجاعة التي ترجع الى استعمال قوة الغضب على شرط العقل وحد الاعتدال۔	شجاعت (جو بزدلی اور تہور کے درمیان کا اعتدالی نقطہ ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل کے مشورے سے اعتدال کے نقطہ پر غضب اور غصہ کی قوت کو لانے کی کوشش کی جائے۔

اسی کی تائید میں قرآن سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فقد وصف الله تعالى الصحابة فقال اشداء على الكفار ورحماء بينهم۔	اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی تعریف کی اور فرمایا کہ کافروں پر وہ سخت ہیں اور باہم ایک دوسرے پر مہربان [...]

ظاہر ہے کہ یہاں قرآنی تعبیر میں "شدت" اور "رحمت" کے صفات کے صحیح محل استعمال
کو صرف بتلایا گیا ہے جو ان کی تدبیر کا مآل ہے، اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے،
جس سے یہ معلوم ہو کہ شدت کے صفات میں نقطہ وسط یا رحمت کی صفت کو نقطہ
اعتدال پر لانے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن امام نے اس کو پیش کیا ہے۔ اسی "نقطہ
اعتدال" والی تدبیر کی تائید میں حالانکہ خود ہی اس آئت کو نقل کرنے کے بعد یہی
فرماتے ہیں کہ

اشارة الی ان للشدة موضعا وللرحمة موضعا فليس الكمال في الشدة بكل حال ولا في الرحمة بكل حال ص ۴۰ ج ۳۔

اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ سختی کے استعمال کی خاص جگہ ہے اور جو رحمت و مہربانی کی بھی خاص جگہ ہے پس نہ سختی ہر حال میں کمال ہے اور نہ رحمت و مہربانی ہر حال میں کمال ہے۔

جو بالکلیہ طریقہ امالہ ہی کی واضح تعبیر ہے لیکن اب اس کو کیا کہا جائے کہ ان کے نزدیک
اس سے بھی اسی "نقطہ اعتدال" کی تلاش کا نتیجہ پیدا ہوتا ہے،

میں کہاں تک لکھوں، یوں ہی بات حد سے زیادہ متجاوز ہو گئی،
ورنہ مقصود صرف یہ تھا کہ اوائل یا قدماء صوفیاء کی جن کتابوں کو امام غزالی کا ماخذ
شاہ ولی اللہ یا ابن جوزی نے بتایا ہے، ان کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ محض اولیت
یا قدامت کے لفظ سے متاثر ہو کر یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان الفاظ سے اسلام کی جن
ابتدائی صدیوں کے لوگوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، ان میں صرف وہی لوگ
تھے جن میں قرب نبوت اور عہد صحابہ کی نزدیکی کی وجہ سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ
پہلے زمانے کے مسلمانوں سے زندگی کے تمام شعبوں میں اس عہد کے لوگ بہتر تھے
یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی [illegible]
[illegible] کے مسلمانوں کی زندگی [illegible]
بہتر تھی کیونکہ عمومیت [illegible]

کی فلسفہ [illegible] پر قائم کرنا جو [illegible] آسان [illegible]

[illegible] زیادہ تیز ہو گیا علمی تعمق کے پیدا کرنے میں کامیاب

[illegible] باتوں کا بڑا خوش گوار اور دہن آدمیوں کے لئے

زیادہ [illegible] ہو سکتا ہے لیکن بے چارے عوام سے اس کی توقع کہ ان فلسفیانہ

الجھنوں کے سمجھنے کے لئے وقت بھی دے سکیں گے اور دیں بھی تو ان کے سلجھانے میں

کامیاب ہو سکتے ہیں کیا کسی حیثیت سے بھی بجا توقع ہو سکتی ہے؟ لیکن بات وہی ہے کہ نصب العین

کے طے کر لینے کے بعد جس قسم کی کتابوں کے مضامین سے انہوں نے دیکھا کہ مدد مل سکتی ہے

ان کو وہ نقل کرتے چلے گئے ہیں، جب اخلاقیات کی بحث کی نوبت آئی تو اس زمانہ میں

ارسطاطیسی اخلاقیات کے اصول پر لکھی ہوئی کتابیں عام طور پر دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں،

امام نے بھی ان ہی مضامین سے کام لیا، مواد تو ان کتابوں سے لیتے ہیں، اور پھر ان کی

تشریح و تفصیل میں ان کی خداداد فطری قابلیت نے ایک ایسا زور پیدا کر دیا کہ پڑھنے

والا جب پڑھتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے،

حیرت ہوتی ہے کہ وہ اس باب میں ان آیتوں اور حدیثوں کو بھی نقل کرتے ہیں

جن میں "اماله" والی تدبیر کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے لیکن نتیجہ ان سے بھی وہی نکالنا

چاہتے ہیں جس سے توسط والے فلسفہ کی تائید ہوتی ہو، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

الشجاعة التي ترجع الى استعمال قوة الغضب على شروط العقل وحد الاعتدال۔	شجاعت (جو بزدلی اور تہور کے درمیان کا اعتدالی نقطہ ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل کے مشورے سے اعتدال کے نقطہ پر غضب اور غصہ کی قوت کو لانے کی کوشش کی جائے۔

اسی کی تائید میں قرآن سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فقد وصف الله تعالى الصحابة فقال اشداء على الكفار رحماء بينهم۔	اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی تعریف کی اور فرمایا کہ کافروں پر وہ سخت ہیں اور باہم ایک دوسرے پر مہربان۔

غرض یہ کہ اس قرآنی آیت میں "شدت" اور "رحمت" کے صفات کے صحیح محل استعمال کو صرف بتایا گیا ہے جو امام کی تدبیر کا حاصل ہے، اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے، جس سے یہ معلوم ہو کہ شدت کے صفات میں نقطہ وسط یا رحمت کی صفت کو نقطہ اعتدال پر لانے کی کوشش کرنی چاہیئے لیکن امام نے اس کو پیش کیا ہے۔ اسی "نقطہ اعتدال" والی تدبیر کی تائید میں حالانکہ خود ہی اس آئت کو نقل کرنے کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں کہ

:

اشارۃ الی ان للشدۃ موضعا وللرحمۃ موضعا فلیس الکمال فی الشدۃ بکل حال ولا فی الرحمۃ بکل حال ص۴ ج ۳۔	اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ سختی کے استعمال کی خاص جگہ ہے اور جو رحمت و مہربانی کی بھی خاص جگہ ہے پس نہ سختی ہر حال میں کمال ہے اور نہ رحمت و مہربانی ہر حال میں کمال ہے۔

جو بالکلیہ طریقہ امالہ ہی کی واضح تعبیر ہے لیکن اب اس کو کیا کہا جائے کہ ان کے نزدیک اس سے بھی اسی "نقطہ اعتدال" کی تلاش کا نتیجہ پیدا ہوتا ہے،

میں کہاں تک لکھوں، یوں ہی بات حد سے زیادہ متجاوز ہو گئی، ورنہ مقصود صرف یہ تھا کہ "اوائل" یا "قدماء صوفیاء" کی جن کتابوں کو امام غزالی کا ماخذ شاہ ولی اللہ یا ابن جوزی نے بتایا ہے، ان کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ محض اولیت یا قدامت کے لفظ سے متاثر ہو کر یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان الفاظ سے اسلام کی جن ابتدائی صدیوں کے لوگوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، ان میں صرف وہی لوگ تھے جن میں قرب نبوت، اور عہد صحابہ کی نزدیکی کی وجہ سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پچھلے زمانے کے مسلمانوں سے زندگی کے تمام شعبوں میں اس عہد کے لوگ بہتر تھے یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی عمومیت کا حال تو یہی تھا یعنی عموماً اس عہد کے مسلمانوں کی زندگی پچھلے زمانے کے عام مسلمانوں سے بہتر تھی اور ہر لحاظ سے بہتر تھی، کیونکہ عمومیت زیادہ تر اپنے کاروبار میں مشغول رہتی تھی، قرآن کی

[illegible] اور پیغمبر کی زندگی کے [illegible] کا ذکر بھی [illegible]
کسی زمانہ [illegible] کے سننے کا موقع [illegible] بہت کم ملتا تھا اس لئے [illegible]
[illegible] زندگی کے عام شعبوں میں وہ اسلام کی صحیح تعلیم سے قدرتاً [illegible]
لیکن ان ہی کے ساتھ نومسلموں [illegible] فکری اور ذہنی [illegible]
لے کر اسلام میں داخل ہوئے تھے جیسا کہ میں نے عرض کیا وہ بالکلیہ آبائی اور [illegible]
عقائد و خیالات سے بے تعلق ہونا نہیں چاہتے تھے، خواہ اپنی اس خواہش کا
ممکن ہے کہ ان کو احساس بھی نہ ہو، اور یہی طبقہ جو اسلامی اصول اور اپنے قدیم
آبائی اصول میں مطابقت اور مصالحت کی کوششوں میں ان فتنوں کے پیدا
کرنے کا باعث بن گیا، جن سے اسلام کی چند ابتدائی صدیاں بہت زیادہ متاثر
نظر آتی ہیں۔ لیکن جوں جوں زمانہ آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا ہر نئی نسل ان کی
اپنے قدیم موروثی اور خاندانی تاثرات سے دور ہوتی چلی گئی، ان میں خالص اسلامی
تعلیم کے ثمرات کی پیدائش زیادہ بہتر طریقہ سے ہونے لگی، تا آنکہ ہم یہ دیکھتے ہیں
کہ آہستہ آہستہ اس قسم کے سارے اعتقادی و عملی فتنوں کا زور پچھلی صدیوں میں
کم ہوتے ہوتے ایک ایسے نقطہ پر پہونچ گیا کہ مسلمانوں میں اسلام کی ابتدائی صدیوں
میں پیدا ہونے والے فرقوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

لہ یہ بڑا تفصیل طلب مضمون ہے میں نے اپنی بعض دوسری کتابوں میں بھی اس نکتہ کی طرف اشارہ
کئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرقہ بندیوں کی کثرت کی شکایت جو کی جاتی ہے اب ان کی
حیثیت صرف ایک تاریخی واقعہ کی رہ گئی ہے یعنی ان فرقوں کا کتابوں میں تو اب تک نام لکھا
ہوا ہے لیکن اس وقت کرۂ زمین کے طول و عرض میں پچاس ساٹھ کروڑ کے قریب مسلمانوں کی
جو تعداد ہے ان میں اگر غور کیا جائے تو خارجیوں کے دس بیس ہزار آدمیوں کے سوا جن کے متعلق
سنا جاتا ہے کہ عرب کے بعض ساحلی مقامات میں اب بھی پائے جاتے ہیں، صرف دو ہی فرقے صحیح
معنوں میں مسلمانوں میں باقی رہ گئے ہیں، سب سے بڑی اکثریت کثیرہ غالبہ تو اہل السنت و الجماعت
(ملاحظہ ہو ما بعد)

یہاں تک میرا خیال ہے مسلمانوں کا "تصوف" بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں رہا
تبدیلی ہوا ہے کہ دوسرے ادیان و مذاہب میں ایک خاص طبقہ "عبادت گذاروں"
کا اس شکل میں جو پایا جاتا تھا کہ دنیا کی کسی چیز سے ان کا تعلق باقی نہیں رہتا تھا، اور
ہر مذہب کے عوام کے قلوب ورین کی اس خصوصی زندگی گذارنے والی ہستیوں کے
احترام و عظمت سے معمور رہتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد اس قسم کی خاص زندگی کا
وزن بعض لوگوں کے دلوں میں باقی رہا، انہوں نے مسلمان ہو کر بھی چاہا کہ اس زندگی
کے نقشہ کو قائم رکھیں۔ ان میں بعض لوگ صاحب تالیف و تصنیف بھی تھے، دوسرں
کی کتابوں کے ساتھ امام غزالی کے سامنے ان لوگوں کی کتابیں بھی تھیں جن کی ذمہ داری
ان پر نہیں بلکہ ان کی کتابوں پر عاید ہوتی ہے، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ان ہی کتابوں
یا ان کتابوں کے اصول کے تحت جو لوگ زندگی گذار رہے تھے کچھ دن امام غزالی ان سے
ضرور متاثر رہے، خصوصاً اپنی زندگی کی اس منزل میں جب پہلی زندگی کو چھوڑ کر وہ ادہر
آئے تھے، وہ ان حالات سے غیر معمولی طور پر متاثر نظر آتے ہیں لیکن کچھ ہی دن بعد جب
سیر و سیاحت کے بعد وہ دوبارہ وطن واپس ہوئے اور وہیں قیام اختیار فرما لیا تو
ان کی زندگی کے اس آخری دور کا نقشہ موزخین نے جو کھینچا ہے مشکل ہی سے اس کو
زندگی کے اس معیاری نقشے پر منطبق کیا جا سکتا ہے جسے احیاء العلوم وغیرہ کتابوں میں

کی ہے اور ان کے مقابلہ میں امامیوں یا شیعوں کا ایک گروہ بھی پایا جاتا ہے لیکن اہل السنت کے مقابلہ
میں ان کی تعداد غالباً ہزار میں ایک کی ہوگی اور شیعہ و سنی یا خارجی یہ تینوں فرقے دراصل باہر کی پیداوار
میں یہی نہیں بلکہ اسلام کی ابتدائی عہد کے بعض سیاسی مناقشات سے اس کا تعلق ہے اگرچہ بعد کو مذہب
کا رنگ ان پر چڑھ گیا چونکہ بیرونی موثرات سے ان اختلافات کا تعلق نہ تھا اس لئے کسی نہ کسی شکل میں
وہ اب تک باقی ہیں باقی ان کے سوا بیسیوں فرقے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گئے تھے ان میں بیرونی
جراثیم کو دخل تھا اور قدیم موروثی تعلقات سے وہ پیدا ہوئے تھے۔ ان تعلقات کا اثر جب آنے والی
نسلوں کے دلوں سے مٹ گیا تو ان کے نتائج بھی ختم ہو گئے۔ ۱۲

تلاوت اور تفسیر کی زندگی کے پہلوؤں کا ذکر [illegible]
کسی نہ کسی چیز کے سننے کا موقع ملا بہت کم ملتا تھا اس لئے شعوری یا غیر شعوری
طور پر زندگی کے عام شعبوں میں وہ اسلام کی صحیح تعلیم سے قدرتاً قریب تر رہے
لیکن ان ہی کے ساتھ نو مسلموں میں جو بے فکری اور ذہنی مصلحتوں کو
لے کر اسلام میں داخل ہوئے تھے جیسا کہ میں نے عرض کیا وہ بالکلیہ آبائی اور موروثی
عقائد و خیالات سے بے تعلق ہونا نہیں چاہتے تھے، خواہ اپنی اس خواہش کا
ممکن ہے کہ ان کو احساس بھی ہو، اور یہی طبقہ جو اسلامی اصول اور اپنے قدیم
آبائی اصول میں مطابقت اور مصالحت کی کوششوں میں ان فتنوں کے پیدا
کرنے کا باعث بن گیا، جن سے اسلام کی چند ابتدائی صدیاں بہت زیادہ متاثر
نظر آتی ہیں لیکن جوں جوں زمانہ آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا، ہر نئی نسل ان کی
اپنے قدیم موروثی اور خاندانی تاثرات سے دور ہوتی چلی گئی، ان میں خالص اسلامی
تعلیم کے ثمرات کی پیدائش زیادہ بہتر طریقہ سے ہونے لگی، تا آنکہ ہم یہ دیکھتے ہیں
کہ آہستہ آہستہ اس قسم کے سارے اعتقادی و عملی فتنوں کا زور پچھلی صدیوں میں
کم ہوتے ہوتے ایک ایسے نقطہ پر پہونچ گیا کہ مسلمانوں میں اسلام کی ابتدائی صدیوں
میں پیدا ہونے والے فرقوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا[1]۔

---

[1] یہ بڑا تفصیل طلب مضمون ہے میں نے اپنی بعض دوسری کتابوں میں بھی اس نکتہ کی طرف اشارے
کئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرقہ بندیوں کی کثرت کی شکایت جو کی جاتی ہے اب ان کی
حیثیت صرف ایک تاریخی واقعہ کی رہ گئی ہے یعنی ان فرقوں کا کتابوں میں تو اب تک نام لکھا
ہوا ہے لیکن اس وقت کرۂ زمین کے طول و عرض میں پچاس ساٹھ کروڑ کے قریب مسلمانوں کی
جو تعداد ہے ان میں اگر غور کیا جائے تو خارجیوں کے دس بیس ہزار آدمیوں کے سوا جن کے متعلق
سنا جاتا ہے کہ عرب کے بعض ساحلی مقامات میں اب بھی پائے جاتے ہیں، صرف دو ہی فرقے صحیح
معنوں میں مسلمانوں میں باقی رہ گئے ہیں، سب سے بڑی اکثریت کثیرہ غالبہ تو اہل السنت والجماعت
(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

جہاں تک میرا خیال ہے مسلمانوں کا "تصوف" بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں رہا
ابتداء میں ہوا تھا یہ کہ دوسرے ادیان و مذاہب میں ایک خاص طبقہ "عبادت گذار دلوں"
کا اس رنگ میں جو پایا جاتا تھا کہ دنیا کی کسی چیز سے ان کا تعلق باقی نہیں رہتا تھا اور
ہر مذہب کے عوام کے قلوب دین کی اس خصوصی زندگی گذارنے والی ہستیوں کے
احترام و عظمت سے معمور رہتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد اس قسم کی خاص زندگی کا
وزن بعض لوگوں کے دلوں میں باقی رہا، انہوں نے مسلمان ہو کر بھی چاہا کہ اس زندگی
کے نقشہ کو قائم رکھیں۔ ان میں بعض لوگ صاحب تالیف و تصنیف بھی تھے، دوسروں
کی کتابوں کے ساتھ امام غزالی کے سامنے ان لوگوں کی کتابیں بھی تھیں جن کی ذمہ داری
ان پر نہیں بلکہ ان کی کتابوں پر عاید ہوتی ہے، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ان ہی کتابوں
یا ان کتابوں کے اصول کے تحت جو لوگ زندگی گذار رہے تھے کچھ دن امام غزالی ان سے
ضرور متاثر رہے، خصوصاً اپنی زندگی کی اس منزل میں جب پہلی زندگی کو چھوڑ کر وہ ادھر
آئے تھے، وہ ان حالات سے غیر معمولی طور پر متاثر نظر آتے ہیں لیکن کچھ ہی دن بعد جب
سیر و سیاحت کے بعد وہ دوبارہ وطن واپس ہوئے اور وہیں قیام اختیار فرما لیا تو
ان کی زندگی کے اس آخری دور کا نقشہ مورخین نے جو کھینچا ہے مشکل ہی سے اس کو
زندگی کے اس معیاری نقشے پر منطبق کیا جا سکتا ہے جسے احیاء العلوم وغیرہ کتابوں میں

کی ہے اور ان کے مقابلہ میں امامیوں یا شیعوں کا ایک گروہ بھی پایا جاتا ہے لیکن اہل السنت کے مقابلہ
میں ان کی تعداد غالباً ہزار میں ایک کی ہوگی اور شیعہ و سنی یا خارجی یہ تینوں فرقے دراصل باہر کی پیداوار
ہیں ہی نہیں بلکہ اسلام کی ابتدائی عہد کے بعض سیاسی مناقشات سے اس کا تعلق ہے اگرچہ بعد کو مذہب
کا رنگ ان پر چڑھ گیا چونکہ بیرونی موثرات سے ان اختلافات کا تعلق نہ تھا اس لئے کسی نہ کسی شکل میں
وہ اب تک باقی ہیں، باقی ان کے سوا جتنے فرقے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گئے تھے ان میں بیرونی
جراثیم کو دخل تھا اور قدیم موروثی تعلقات سے وہ پیدا ہوئے تھے۔ ان تعلقات کا اثر جب آنے والی
نسلوں کے دلوں سے مٹ گیا تو ان کے نتائج بھی ختم ہو گئے۔ ۱۲

تلاوت، اور پیغمبر کی زندگی کے نمونوں کا ذکر جن کتابوں میں تھا، ان سے زیادہ کسی نمایاں چیز کے سننے کا موقع ان کو بہت کم ملتا تھا، اس لئے شعوری یا غیر شعوری طور پر زندگی کے عام شعبوں میں وہ اسلام کی صحیح تعلیم سے قدرتاً قریب ہی رہتے تھے

لیکن ان ہی کے ساتھ نومسلموں میں جو بے فکری اور ذہنی صلاحیتوں کو لے کر اسلام میں داخل ہوئے تھے جیسا کہ میں نے عرض کیا وہ بالکلیہ آبائی اور موروثی عقائد و خیالات سے بے تعلق ہونا نہیں چاہتے تھے، خواہ اپنی اس خواہش کا ممکن ہے کہ ان کو احساس بھی ہو، اور یہی طبقہ جو اسلامی اصول، اور اپنے قدیم آبائی اصول میں مطابقت اور مصالحت کی کوششوں میں ان فتنوں کے پیدا کرنے کا باعث بن گیا، جن سے اسلام کی چند ابتدائی صدیاں بہت زیادہ متاثر نظر آتی ہیں لیکن جوں جوں زمانہ آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا، ہر نئی نسل ان کی اپنے قدیم موروثی اور خاندانی تاثرات سے دور ہوتی چلی گئی، ان میں خالص اسلامی تعلیم کے ثمرات کی پیدائش زیادہ بہتر طریقہ سے ہونے لگی، تاآنکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ اس قسم کے سارے اعتقادی و عملی فتنوں کا زور پچھلی صدیوں میں کم ہوتے ہوتے ایک ایسے نقطہ پر پہونچ گیا کہ مسلمانوں میں اسلام کی ابتدائی صدیوں میں پیدا ہونے والے فرقوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔[1]

---

[1] یہ بڑا تفصیل طلب مضمون ہے میں نے اپنی بعض دوسری کتابوں میں بھی اس نکتہ کی طرف اشارہ کئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرقہ بندیوں کی کثرت کی شکایت جو کی جاتی ہے اب ان کی حیثیت صرف ایک تاریخی واقعہ کی رہ گئی ہے یعنی ان فرقوں کا کتابوں میں تو اب تک نام لکھا ہوا ہے لیکن اس وقت کرۂ زمین کے طول و عرض میں پچاس ساٹھ کروڑ کے قریب مسلمانوں کی جو تعداد ہے ان میں اگر غور کیا جائے تو خارجیوں کے دس بیس ہزار آدمیوں کے سوا جن کے متعلق سنا جاتا ہے کہ عرب کے بعض ساحلی مقامات میں اب بھی پائے جاتے ہیں صرف دو ہی فرقے صحیح معنوں میں مسلمانوں میں باقی رہ گئے ہیں، سب سے بڑی اکثریت کثیرہ غالبہ تو اہل السنۃ والجماعۃ

(ملاحظہ ہو صفحہ مابعد)

جہاں تک میرا خیال ہے مسلمانوں کا "تصوف" بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں رہا
ابتدا میں یہ واقعہ ہے کہ دوسرے ادیان و مذاہب میں ایک خاص طبقہ "عبادت گذار"
کا اس رنگ میں جو پایا جاتا تھا کہ دنیا کی کسی چیز سے ان کا تعلق باقی نہیں رہتا تھا اور
ہر مذہب کے عوام کے قلوب دین کی اس خصوصی زندگی گذارنے والی ہستیوں کے
احترام و عظمت سے معمور رہتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد اس قسم کی خاص زندگی کا
وزن بعض لوگوں کے دلوں میں باقی رہا، انہوں نے مسلمان ہوکر بھی چاہا کہ اس زندگی
کے نقشہ کو قائم رکھیں۔ ان میں بعض لوگ صاحب تالیف و تصنیف بھی تھے، دوسرا
کی کتابوں کے ساتھ امام غزالی کے سامنے ان لوگوں کی کتابیں بھی تھیں جن کی ذمہ داری
ان پر نہیں بلکہ ان کی کتابوں پر عاید ہوتی ہے، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ان ہی کتابوں
یا ان کتابوں کے اصول کے تحت جو لوگ زندگی گذار رہے تھے کچھ دن امام غزالی ان سے
متاثر رہے خصوصاً اپنی زندگی کی اس منزل میں جب پہلی زندگی کو چھوڑ کر وہ اد
آئے تھے، وہ ان حالات سے غیر معمولی طور پر متاثر نظر آتے ہیں لیکن کچھ ہی دن بعد جب
سیر و سیاحت کے بعد وہ دوبارہ وطن واپس ہوئے اور وہیں قیام اختیار فرما لیا
ان کی زندگی کے اس آخری دور کا نقشہ مورخین نے جو کھینچا ہے مشکل ہی سے اس کو
زندگی کے اس معیاری نقشے پر منطبق کیا جا سکتا ہے جسے احیاء العلوم وغیرہ کتابوں میں

کی ہے اور ان کے مقابلہ میں امامیوں یا شیعوں کا ایک گروہ بھی پایا جاتا ہے لیکن اہل السنت کے مقابل
میں ان کی تعداد غالباً ہزار میں ایک کی ہوگی اور شیعہ و سنی یا خارجی یہ تینوں فرقے دراصل باہر کی پید
میں یہی نہیں بلکہ اسلام کی ابتدائی عہد کے بعض سیاسی مناقشات سے اس کا تعلق ہے اگرچہ بعد کو مذہ
کا رنگ ان پر چڑھ گیا، چونکہ بیرونی موثرات سے ان اختلافات کا تعلق نہ تھا اس لئے کسی نہ کسی شکل
وہ اب تک باقی ہیں، باقی ان کے سوا بیسیوں فرقے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گئے تھے ان میں
جراثیم کو دخل تھا اور قدیم موروثی تعلقات سے وہ پیدا ہوئے تھے۔ ان تعلقات کا اثر جب ا
مسلموں کے دلوں سے مٹ گیا تو ان کے نتائج بھی ختم ہو گئے۔ ۱۲

انھوں نے پیش کیا ہے،

تفصیلات کو تو میں ان کے مستقل سوانح نگاروں کے لئے چھوڑتا ہوں صرف ابن جوزی کی المنتظم سے ان الفاظ کا نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں وہ لکھتے ہیں

ثم عاد الی وطنه واتخذ فی جوارہ مدرسة و رباطاً للصوفیه دبنی داراً حسنة وغرس فیھا بستاناً۔ ص۱۷ ج ۹۔

پھر اپنے وطن امام غزالی واپس ہوئے اور اپنے گھر کے نزدیک ایک مدرسہ بنوایا، اسی طرح صوفیوں کے لئے ایک خانقاہ اور خود اپنے لئے ایک مکان کی تعمیر کی جس میں ایک باغ بھی لگایا تھا۔

خود ہی سوچ لیجے کہ "دار حسن" اور وہ بھی ایسا "دار حسن" جس میں باغ بھی لگایا گیا ہو، کیا اس کی گنجائش دین کی اس معیاری زندگی میں نکل سکتی ہے جس میں غیر ضروری بلندی رکھنے والے مکان کے بنانے ہی کو نہیں بلکہ دیکھنے تک کو جرم اور اعانت علی الجرم قرار دیا گیا ہو، پس بات وہی ہے کہ امام کا اصل مقصود تو اپنا لائحہ عمل پیش کرنا تھا ان کی نظر میں صرف اسی کو اہمیت تھی، باقی جن آلات و اوزارات سے اس راہ میں انہوں نے کام لیا ان کی حیثیت صرف وسیلہ کے تھی جو چیز بھی مل گئی اسی کو انہوں نے اٹھالیا اور آگے بڑھتے چلے گئے،

ماسوا اس کے ایک اور چیز بھی جیسا کہ ان ہی کے تصریحات سے معلوم ہوتا ہے ان کے سامنے تھی، ان کا خیال تھا جس کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ

وھذا الزمان زمان لاینبغی ان یستعمل فیه مع الخلق اسباب الرجا بل المبالغه فی التخویف ایضاً تکاد ان لاتردھم الی جادة الحق وسنن الصواب۔ ص۱۰۰

یہ ایسا زمانہ ہے جس میں یہ مناسب نہ ہوگا کہ لوگوں کے سامنے امیدی کے اسباب بیان کئے جائیں واقعہ تو یہ ہے کہ دھمکانے اور ڈرانے میں جب مبالغہ کیا جاتا ہے جب بھی یہ دھمکیاں لوگوں کو صحیح راہ کی طرف واپس لانے میں ناکافی ثابت ہو رہی ہیں،

یہ ظاہراً ان کی کتاب میں بعضوں کو جو سختیاں نظر آتی ہیں، اس کی ایک وجہ ان کا یہ احساس بھی ہے۔ اس احساس کی شدت ہی کا شائد یہ نتیجہ ہے کہ خود ہی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک نمونہ کو پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کی اتباع کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ لیکن دوسرے مقام پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو پیغمبر کے اس نمونہ کا علم بھی نہ تھا مثلاً خلاف دستور صحیحین کے نام کی تصریح کرتے ہوئے اس حدیث کو درج کرتے ہیں جس میں ہے کہ حبشیوں کی جماعت حراب (خنجر) کے ساتھ کھیلتی ہوئی عید کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلا کر ان کا تماشا دکھایا تھا اور فرماتے جاتے تھے کہ

دونکم بنی ارفدۃ۔ لینا ہے ارفدہ کے بچے۔

امام نے اس روایت کو درج کرکے حسب ذیل نتائج خود پیدا کئے ہیں۔

(۱) کھیل لھو کی اجازت ہے

(۲) بلکہ کھیلنے والوں کی ہمت افزائی کرنے میں بھی کوئی ہرج نہیں۔

اور آخر میں فرماتے ہیں

وفیہ دلیل علی حسن الخلق فی تطیب قلوب النساء والصبیان بمشاهدة اللعب احسن من خشونة الزهد ج۲ ص۱۸۹

یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عورتوں اور بچوں کے دلوں کو خوش کرنے کیلئے کھیل کود کا تماشا دکھانا یہ بھی حسن خلق ہے اور زہد کی سختی سے یہ کہیں بہتر ہے،

مگر وہی غزالی جو یہاں اتنے نرم نظر آتے ہیں، تقریبات اور ضیافتوں کی خرابیوں کو گنواتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

منها اجتماع النساء على السطوح للنظر الى الرجال۔ ص۲۳۶۔

ان خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ بھی ہے کہ جو کوٹھوں پر عورتیں مردوں کو دیکھنے کے لئے جمع ہوتی ہیں۔

ور اس کے بعد دوسری چیزوں کے ساتھ اس فعل کے متعلق یہ فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ
ل ذلک منکر منکرات یہ ساری چیزیں ناجائز ہیں' برعات ہیں
جب تغییرہا۔ جن کا بدلنا واجب ہے۔
الانکہ شادی بیاہ کے موقعوں پر بیچاری اس سے زیادہ اور کیا کرتی ہیں جسے خود
غیبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا تھا، آخر وہ کھیلنے والے حبشی مرد نہیں تھے
کیا یہ عورتوں کا مجمع تھا؟

پس واقعہ یہی ہے کہ اپنے زمانہ کے حالات سے وہ اتنا زیادہ متاثر ہیں کہ
س قسم کی چیزوں کا بھی خیال ان کو نہیں رہتا اور ان کی کتابوں میں ان مثالوں کی
ی نہیں ہے۔

یک اور نکتہ | اس بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ایک اور نکتہ کا بھی ذکر غالباً امام غزالی
ے مسلک کے سمجھنے میں مدد و معاون ہو سکتا ہے' میں نے کسی موقع پر ذکر کیا تھا کہ اس
سم کی غیر ضروری باتیں کہ دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں کو پھر دھویا جائے' امام نے بھی
ن امور کو" احتمالات دقیقہ" میں شمار کیا ہے' لیکن اسی کے ساتھ ایک عجیب نکتہ کا بھی
کر کرتے چلے گئے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض لوگ جن کا نام انہوں نے "بطالین"
لکھا ہے یعنی بے کار وقت ضائع کرنے والے لوگ' ان کا ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ
س طرح کے لوگوں کو اگر اسی قسم کے "احتمالات دقیقہ" میں مبتلا پایا جائے تو ان کو
وکنے کی ضرورت نہیں فرماتے ہیں کہ

ولم یشتغلوا بصرف الاوقات اگر ان غیر ضروری تدقیقات میں مشغول نہ رہیں گے تو
فیہ لاشتغلوا بنوم او حدیث پھر یہ سو کر وقت گنوائیں گے' یا بے نتیجہ لاحاصل
فیما لا یعنی۔ ص۹۵۔ گپ شپ میں وقت صرف کریں گے'

س قسم کے بطالین کے متعلق امام کی رائے ہے کہ مذکورہ بالا دینی تدقیقات ہی میں الجھے رہیں کیونکہ
س قسم کے دینی مشاغل (خواہ وہ غیر ضروری ہی کیوں نہ ہوں) اتنا تو ہوگا کہ اللہ کی یاد
ن کے دل میں تازہ ہوتی رہے گی اور نا کہ غیرہ کی طرف ان کا دھیان جانا رہے گا ص۹۵ ج۲

(باقی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دفع مصائب کا اصولی و روحانی طریقہ

از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب

اگر آپ کا کوئی عزیز، آپ کا محبوب آپ سے ہزاروں کوس دور غم والم میں مبتلا، بلا و مصیبت میں گرفتار ہو اور آپ سے دعا کا طالب ہو تو آپ جانتے ہیں کہ دعا کے ذریعہ اس کی تائید کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ جو طریقہ خود ہمیں اپنی بلا و مصیبت خوف و حزن کو دفع کرنے میں کام آتا ہے بالکل وہی اس محبوب کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے! اس کی تفصیلات اجمالی طور پر یہاں پیش کی جاتی ہیں، ممکن ہے کہ یہ آپ کی سمجھ میں آجائیں اور آپ کو اپنی ان باطنی ربانی قوتوں کا علم ہو جائے جن سے آپ اب تک بے خبر تھے، ان کے استعمال سے آپ خود کیف و سرور حاصل کریں اور دوسروں کی بھی راحت و آسائش کا باعث بن جائیں۔

زیں شہد یک انگشت بکام نہ بلیت — از لذت اگر محو نہ گردی تف کن

ایک نامعلوم خطۂ زمین میں ایک مکتشف مصروف تحقیق ہے اور یکایک راستہ بھٹک جاتا ہے! اب وہ پختہ کار خوب جانتا ہے کہ اس حالت میں اس کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ وہ حواس باختہ نہ ہو جائے، اس کے اوسان جاتے نہ رہیں، ہستی گم نہ ہو جائے! اس کو خوب معلوم ہے کہ اگر خوف کے مارے اب اس کی عقل جاتی رہے تو پھر اس کو کبھی راستہ نہیں ملتا اور وہ ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جاتا ہے! اور وہ یہی جانتا ہے کہ اگر اس نے اس وقت اپنے قلب کو سنبھال لیا، اس کو خوف و ہراس سے آزاد رکھا،

پرسکون، دل جمع اور مطمئن رہا تو ممکن ہے کہ اس کو راستہ مل جائے اور وہ ہلاکت سے بچ جائے۔

بالکل یہی حال تمام مصائب اور مشکلات کا ہے، سب سے پہلے ہمیں اپنے قلب کو خوف و پریشانی سے بچانا چاہئے! جب ہم پر بلاؤں کا نزول ہوتا ہے، درد اور غم کے بادل امڈ آتے ہیں تو سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ ہم حق تعالیٰ کی معیت کا احساس کر کے اپنے دل کو خوف سے محفوظ کریں! خوف دور ہوا اور ہم نے ذاتی نفع و ضرر کے خیال سے بلند ہو کر، اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ "حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں"! اور تاباں کے الفاظ میں دنیا کے اچھے اور برے کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر دیا کہ:۔

دنیا کے نیک و بد سے کچھ تاباں نہیں ہے ہم کو غم　　گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور یوں ہوا تو کیا ہوا

تو اب حالات میں تغیر ہو جاتا ہے، اور حیرتناک طریقہ سے ہمیں تمام بلاؤں سے نجات مل جاتی ہے اور من یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے! اسی طرح ہم اپنے محبوب کی خواہ وہ ہم سے قریب ہو یا دور ہو، اس کے بارے میں پریشان اور خوف زدہ ہو کر مدد نہیں کر سکتے! خوف و پریشانی سے بجائے اس کی معیت کم ہونے کے اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہم اپنی مسموم ذہنی فضا سے اس کو بھی متاثر کرتے ہیں کہ خوف و پریشانی میں اور اضافہ کر دیتے ہیں، اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ ہمیں اس کی طرف سے بے پرواہ ہو جانا چاہئے اور اس کا خدا مالک ہے، کہہ کر بے فکر نہیں، وہ درد و تکلیف میں مبتلا ہے اور ہمیں اس کی مدد کرنی ضروری ہے، وہ ہم سے کوسوں دور ہے اور جسمانی خدمت کا ہمیں کوئی موقع حاصل نہیں! اس کی خدمت کا روحانی طریقہ ہی اختیار کیا جا سکتا ہے اور وہ دعا اور تفویض ہے! ہم اس کے لئے اس طرح دعا کر سکتے ہیں کہ گویا وہ خود اپنے لئے دعا کر رہا ہے اور معیت و نصرت حق کا اس طرح ادراک کر سکتے ہیں کہ گویا وہ خود اس کا ادراک کر رہا ہے۔ اس طریقہ کے استعمال میں سب سے زیادہ اسی شخص کو کامیابی حاصل ہوتی ہے

جو متقی اور پرہیزگار ہے، توحید کے میدان کا مرد ہے، امتثال امور الٰہیہ میں اپنی زندگی بسر کر رہا ہے، نواہی سے مجتنب ہے اور فسق و فجور سے تائب! اس کی دعا میں بلا کا اثر ہوتا ہے اور حق تعالیٰ نے اسی کے متعلق تو فرمایا ہے کہ میں "اس کا ہاتھ، آنکھ، کان، پاؤں، ہو جاتا ہوں، کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بہا و رجلہ التی یمشی بہا (الحدیث رواہ البخاری)

بہرحال پہلی چیز یہ ہے کہ ہم خود اپنے خوف زدہ اور پریشان قلب کو سکون و جمعیت عطا کریں اور اس کے انتشار و پریشانی کو رفع کریں! جب ہمیں اپنے محبوب کے متعلق بری خبر پہنچے تو ہمیں چاہیئے کہ فوراً تفویض و الی اللہ حق تعالیٰ کی طرف گریز کریں کیونکہ تمام چیزوں کا اختیار ان ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہی پناہ دیتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا" قل من بیدہ ملکوت کل شی و ھو یجیر و لا یجار علیہ ان کنتم تعلمون (پ ع ۵) تمام اہل اللہ کو اس امر کا تجربہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی مصیبت کو ابتداءً حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے اور خلق کو اس کی اطلاع نہیں دیتا تو بہت جلد نصرت الٰہی اس کو دور کر دیتی ہے اور اس کے قلب کو سکون اور طمانیت عطا کرتی ہے۔

یہ شاید ابتدا میں ہمارے لئے آسان نہیں جب ہم پر کوئی مصیبت وارد ہوتی ہے تو ہمارے قلب کے تار ٹوٹنے لگتے ہیں، ہماری نبضیں چھوٹنے لگتی ہیں ہمارے خیالات میں بلا کا انتشار اور تشتت پیدا ہو جاتا ہے، خوف سے ہماری زبان سوکھنے لگتی ہے ہماری آنکھوں میں اندھیرا چھاتا ہے!

یاد رکھو یہی وقت ہے رجوع الی اللہ کا یہی وقت ہے قلب کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف رجوع کرنے کا! سلبی و تخریبی خیالات سے اس کو چھڑا کر ایجابی تصور کی طرف مائل کرنے کا اور حق تعالیٰ سے زیادہ کس کا خیال نورانی اور ایجابی ہو سکتا ہے اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت ان پاکیزہ الفاظ کو دہرانے کی تاکید فرمائی ہے:۔۔

لا الہ الا اللہ العلی العظیم لا الہ الا اللہ رب العرش العظیم لا الہ الا اللہ رب السمٰوات و رب العرش الکریم[1] تم چاہو تو ان الفاظ کی تکرار کرسکتے ہو جو تمہارے کرب کو رفع کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتے ہیں اللہ اللہ ربی لا اشرک بہ شیئا۔ یا پھر یہ الفاظ دہرائے جاسکتے ہیں:-
یا حی یا قیوم برحمتک استغیث۔

یہاں یہ نفسیاتی اصول یاد رکھنا چاہئے کہ خوف و غم کا مقابلہ ان کی سطح پر رہ کر نہیں کیا جاسکتا اس سطح میں ان کی قوت ناقابل مدافعت ہوتی ہے ہمیں ان سے نجات پانے کے لئے اس سطح سے بلند ہو جانے کی ضرورت ہے جب ہم حق تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ کرتے ہیں، ان کے اسماء و صفات کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارا قلب خوف کی سطح سے بلند ہو کر اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں شر کا گذر نہیں، جہاں سوائے ذات کے سرور و سکون کے کوئی اور چیز نہیں اور ہمیں ذات کے اس سرور میں کافی حصہ مل جاتا ہے۔ ؎

قطرہ نوری سراپا نور باش　　بگزر از غم دائما مسرور باش　(رومی)

ادعیۂ ماثورہ کی تکرار کے ساتھ تمہیں حق تعالیٰ کی معیت و احاطت کا ادراک بھی واضح طور پر کرنا چاہئے۔ حق تعالیٰ نے تمہیں اپنی معیت کا یقین دلایا ہے ھو معکم اینما کنتم جہاں کہیں تم ہو حق تعالیٰ تمہارے ساتھ ہیں، وہ تم پر محیط ہیں، ہر شے پر محیط ہیں، کوئی شئے ان کے احاطہ سے خارج نہیں - وکان اللہ بکل شیٔ محیطا (پ۵ ع ۱۵) الا انہ بکل شیٔ محیط (پ۲۵ ع۱) حق تعالیٰ ہر جا حاضر و موجود ہیں، تم اپنا

---

[1] رواہ بخاری و مسلم و ابو عونہ و نسائی والترمذی و ابن ماجہ وغیرہم ابن عوانہ نے اتنا اور زیادہ کیا کہ پھر اس کے بعد دعا کرتے [2] رواہ ابو داؤد والنسائی و ابن ماجہ طبرانی نے تین بار ان کا کہنا زیادہ کیا ہے واخرجہ ابن ماجہ ایضاً حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اپنے اہل بیت کو جمع کرکے فرمایا کہ تم میں جب کسی کو غم یا کرب پہنچے تو کہے۔ اللہ اللہ الخ۔ [3] ابن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت صلعم کو جب کوئی غم ہوتا تو یہ الفاظ پڑھتے

نہ جدھر پھرو وہیں ذات حق موجود ہے۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ

آنکھیں جو ہوں تو عین ہے مقصود ہر جگہ　　بالذات ہے جہاں میں وہ موجود ہر جگہ

حق تعالیٰ خود ہم سے بہت قریب ہیں، اقرب ہیں، ہرگز بعید نہیں، دور نہیں!
اس کا ہمیں پورا یقین دلا رہے ہیں نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔
یعنی ہم رگ جان سے زیادہ قریب ہیں ہمیں اپنے سے دور کیوں سمجھ رکھا ہے!
اپنے جہل کو دور کر اور ہم سے قریب ہو جا!

خواب جہل از وہم قرب مراد ور فگند　　ورنہ نزدیک تر از دست کسے ہیچ ندید

حق تعالیٰ کے ان ارشادات پر یقین و ایمان رکھکر خوف و غم، کرب و رنج کے وقت
ہمیں اپنے نفس کو یقین دلانا چاہئے کہ

حق تعالیٰ اس جگہ حاضر و موجود ہیں الا انہ بکل شیء محیط
حق تعالیٰ قطعاً میرے ساتھ ہیں ھو معکم اینما کنتم
حق تعالیٰ میرے قریب ہیں ان ربی قریب مجیب
حق تعالیٰ قطعاً ہر جہت میں موجود ہیں فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔

تواب

حضور حق رحمت ہے
حضور حق مسرت ہے
حضور حق امن و طمانیت ہے

اس مراقبہ و تدبر سے حق کا ادراک انفس و آفاق میں قائم ہونے لگتا ہے
اور ادراک حق کے قیام کے ساتھ خوف و حزن، ہم و غم، کرب والم سب غائب
ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قلب ان کی سطح سے بہت بلند ہو جاتا ہے اور سکون و مسرت
و امن و طمانیت کی لہریں اندر سے اٹھنے لگتی ہیں حق کو اپنے ساتھ پاکر وہ اندر سے مشغول
ہو جاتا ہے اور ان سے راضی اور جب وہ حق سے راضی ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ بھی
اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ العلی العظیم لا الٰہ الا اللہ رب العرش العظیم
لا الٰہ الا اللہ رب السموات ورب العرش الکریم[1] اگر تم چاہو تو
ان الفاظ کی تکرار کر سکتے ہو جو تمہارے کرب کو رفع کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتے ہیں
اللہ اللہ ربی لا اشرک بہ شیئاً۔ یا پھر یہ الفاظ دہرائے جا سکتے ہیں :-
یاحی یا قیوم برحمتک استغیث۔

یہاں یہ نفسیاتی اصول یاد رکھنا چاہئے کہ خوف و غم کا مقابلہ ان کی سطح پر رہ کر نہیں کیا جا سکتا اس سطح میں ان کی قوت ناقابل مدافعت ہوتی ہے ہمیں ان سے نجات پانے کے لئے اس سطح سے بلند ہو جانے کی ضرورت ہے جب ہم حق تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ کرتے ہیں، ان کے اسماء و صفات کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارا قلب خوف کی سطح سے بلند ہو کر اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں شر کا گذر نہیں، جہاں سوائے ذات کے سرور و سکون کے کوئی اور چیز نہیں اور ہمیں ذات کے اس سرور میں کافی حصہ مل جاتا ہے۔

قطرہ نوری سراپا نور باش ۔۔۔ بگزر از غم دائما مسرور باش (رومی)

ادعیۂ ماثورہ کی تکرار کے ساتھ تمہیں حق تعالیٰ کی معیت و احاطت کا ادراک ... واضح طور پر کرنا چاہئے۔ حق تعالیٰ نے تمہیں اپنی معیت کا یقین دلایا ہے ھو معکم اینما کنتم جہاں کہیں تم ہو حق تعالیٰ تمہارے ساتھ ہیں، وہ تم پر محیط ہیں، ہر شی پر محیط ہیں کوئی شئے ان کے احاطے سے خارج نہیں۔ وکان اللہ بکل شی محیطا (... ع ۱۵) الا انہ بکل شی محیط (... ۱۷) حق تعالیٰ ہر جا حاضر و موجود ہیں تم اپنا

... نے ... ابن ... نے ... تنا اور زیادہ کیا
... ان ... نے تین بار ان کا کہنا زیادہ
... ... کر کے فرمایا کہ تم میں
... ... کو ...

ید ہر پھیرو ویں ذات حق موجود ہے۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ
آنکھیں جو ہوں تو عین ہے مقصود ہر جگہ　　بالذات ہے جہاں میں وہ موجود ہر جگہ

حق تعالیٰ خود ہم سے بہت قریب ہیں، اقرب ہیں، ہرگز بعید نہیں، دور نہیں!
س کا ہمیں پورا یقین دلا رہے ہیں نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔
یں ہم رگ جان سے زیادہ قریب ہیں ہمیں اپنے سے دور کیوں سمجھ رکھا ہے!
پنے جہل کو دور کر اور ہم سے قریب ہو جا!

خواب جہل از حرم قرب مراد ور فگند　　ورنہ نزدیک بہت از دو کسے ہیچ ندید

ں تعالیٰ کے ان ارشادات پر یقین و ایمان رکھکر خوف و غم، کرب و رنج کے وقت
ں اپنے نفس کو یقین دلانا چاہیے کہ
حق تعالیٰ اس جگہ حاضر و موجود ہیں الا انہ بکل شیء محیط
حق تعالیٰ قطعاً میرے ساتھ ہیں　هو معکم اینما کنتم
حق تعالیٰ میرے قریب ہیں ان ربی قریب مجیب
حق تعالیٰ قطعاً ہر جہت میں موجود ہیں فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔
تواب

حضور حق رحمت ہے
حضور حق مسرت ہے
حضور حق امن و طمانیت ہے

اس مراقبہ و تدبر سے حق کا ادراک [illegible]
دراک حق کے قیام کے ساتھ خوف و حزن، ہم و غم [illegible]
تے ہیں کیونکہ قلب ان کی سطح سے بہت بلند [illegible]
طمانیت کی لہریں اندر سے [illegible]
ہے [illegible] ان سے راضی اور جب وہ حق سے [illegible]
راضی ہو جاتے ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ العلی العظیم لا الٰہ الا اللہ رب العرش العظیم
لا الٰہ الا اللہ رب السمٰوات و رب العرش الکریم[1] اگر تم چاہو تو
ان الفاظ کی تکرار کر سکتے ہو جو تمہارے کرب کو رفع کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتے ہیں
اللہ اللہ ربی لا اشرک بہ شیئاً۔ یا پھر یہ الفاظ دہرائے جا سکتے ہیں:۔
یاحی یا قیوم برحمتک استغیث۔

یہاں یہ نفسیاتی اصول یاد رکھنا چاہیئے کہ خوف و غم کا مقابلہ ان کی سطح پر رہ کر نہیں کیا جا سکتا اس سطح میں ان کی قوت ناقابل مدافعت ہوتی ہے ہمیں ان سے نجات پانے کے لئے اس سطح سے بلند ہو جانے کی ضرورت ہے جب ہم حق تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ کرتے ہیں، ان کے اسماء و صفات کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارا قلب خوف کی سطح سے بلند ہو کر اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں شر کا گذر نہیں، جہاں سوائے ذات کے سرور و سکون کے کوئی اور چیز نہیں اور ہمیں ذات کے اس سرور میں کافی حصہ مل جاتا ہے۔ ؎

قطرۂ نوری سراپا نور باش بگذر از غم دائماً مسرور باش (رومی)

ادعیۂ ماثورہ کی تکرار کے ساتھ تمہیں حق تعالیٰ کی معیت و احاطت کا ادراک بھی واضح طور پر کرنا چاہیئے۔ حق تعالیٰ نے تمہیں اپنی معیت کا یقین دلایا ہے ھو معکم اینما کنتم جہاں کہیں تم ہو حق تعالیٰ تمہارے ساتھ ہیں، وہ تم پر محیط ہیں، ہر شی پر محیط ہیں، کوئی شئے ان کے احاطہ سے خارج نہیں۔ وکان اللہ بکل شی محیطا (پ ۵ ع ۱۵) الا انہ بکل شی محیط (پ ۲۵ ع ۱) حق تعالیٰ ہر جا حاضر و موجود ہیں اگر تم اپنا

---

[1] رواہ بخاری و مسلم و ابو عونہ و نسائی والترمذی و ابن ماجہ وغیرہم ابن عوانہ نے اتنا اور زیادہ کیا کہ پھر اس کے بعد دعا کرتے [2] رواہ ابو داؤد والنسائی و ابن ماجہ و طبرانی نے تین بار ان کا کہنا زیادہ کیا ہے واخرجہ ابن ماجہ ایضاً حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اپنے اہل بیت کو جمع کر کے فرمایا کہ تم میں جب کسی کو غم یا کرب پہنچے تو کہے۔ اللہ اللہ الخ۔ [3] ابن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت صلعم کو جب کوئی غم ہوتا تو یہ الفاظ دہراتے

منہ جدھر پھیرو وہیں ذات حق موجود ہے۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ

آنکھیں جو ہوں تو عین ہے مشہود ہر جگہ بالذات ہے جہاں میں وہ موجود ہر جگہ

حق تعالیٰ خود ہم سے بہت قریب ہیں، اقرب ہیں، ہرگز بعید نہیں، دور نہیں! وہ اس کا ہمیں پورا یقین دلا رہے ہیں نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ یعنی ہم رگ جان سے زیادہ قریب ہیں ہمیں اپنے سے دور کیوں سمجھ رکھا ہے! اپنے جہل کو دور کر اور ہم سے قریب ہو جا!

خواب جہل از حرم قرب مرا دور فگند ورنہ نزدیک ترست از تو کسے ہیچ ندید

حق تعالیٰ کے ان ارشادات پر یقین و ایمان رکھکر خوف و غم، کرب و رنج کے وقت ہمیں اپنے نفس کو یقین دلانا چاہیے کہ

حق تعالیٰ اس جگہ حاضر و موجود ہیں الا انہ بکل شی محیط

حق تعالیٰ قطعاً میرے ساتھ ہیں ھو معکم اینما کنتم

حق تعالیٰ میرے قریب ہیں ان ربی قریب مجیب

حق تعالیٰ قطعاً ہر جہت میں موجود ہیں فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔

تو اب

حضور حق رحمت ہے

حضور حق مسرت ہے

حضور حق امن و طمانیت ہے

اس مراقبہ و تدبر سے حق کا ادراک انفس و آفاق میں قائم ہونے لگتا ہے اور ادراک حق کے قیام کے ساتھ خوف و حزن، ہم و غم، کرب و الم سب غائب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قلب ان کی سطح سے بہت بلند ہو جاتا ہے اور سکون و مسرت و امن و طمانیت کی لہریں اندر سے اٹھنے لگتی ہیں حق کو اپنے ساتھ پاکر وہ ان میں مشغول ہو جاتا ہے اور ان سے راضی اور جب وہ حق سے راضی ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

اس طرح جب ہم نے اپنے خوف وحزن کو دور کر لیا اور حق تعالیٰ کی نسبت وشہود کی بدولت قطرۂ نور بن گئے، ذاتِ الٰہی کے سرور سے لطف اندوز ہونے لگے تو ہم اب اپنے دور افتادہ مہجور محبوب کی دعا کے ذریعہ مدد کر سکتے ہیں! ذرا احتیاط کے ساتھ اس طریقہ پر غور کرو!

ہمیں اس کی جانب سے یافت قائم کرنا ہے! اگر اس کی جان خطرہ میں ہے اگر وہ بلاؤں میں گرفتار ہے تو جب ہم اس کا خیال کریں گے تو ہمارے قلب میں وہی تاریکی پیدا ہوگی جس میں وہ گھرا ہوا ہے۔ جب ہم نے اپنی تاریکی یافتِ حق کی وجہ سے دور کر لی تو اب ہمیں اس کی تاریکی اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے اور جس طرح اپنی تاریکی رفع کی تھی بالکل اسی طرح اس کے خیال سے پیدا ہونے والی تاریکی کو بھی دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے! یہ تو صاف ظاہر ہے کہ دوست کے غم سے ہمیں غم ہوتا ہے اس کی بے چینی ہمیں بے چین کرتی ہے۔ جب اس کے خطرے یا ضرر کا خیال قلب میں پیدا ہوا کہ قلب کی کیفیت بدلنے لگی اور اسی کیفیت کو حزن وخوف وکرب سے تعبیر کیا جاتا ہے! قلب کی کیفیت کو جب تم نے حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تذکرے سے حق تعالیٰ کی ذات کی یافت سے اس کے حضور ومعیت واحاطت وقرب اقربیت کے ادراک فی الانفس والآفاق سے دور کر لیا کہ تمہارے محبوب کا خوف وحزن خود اس کے قلب سے ہٹ گیا اور چین وسکون کی کیفیت کا ظہور ہونے لگا!

اپنے دور افتادہ محبوب کی مدد کرنے کا روحانی طریقہ بس یہی ہے کہ پہلے اس کے غم ومعیبت کے بوجھ کو اپنے کاندھوں پر اٹھانا چاہئے اور اس کا درد اپنے قلب میں پیدا کرنا چاہئے اور پھر حق تعالیٰ کے ذکر اور ان کی یافت کے ذریعہ امن وطمانیت اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے اور اس طرح یہ بوجھ خود بخود اٹھ جاتا ہے اور اس کو بلا ومصیبت سے نجات مل جاتی ہے

وما ذلک علی اللہ بعزیز!

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے محبوب کو حق تعالیٰ کے تفویض کر دینا چاہئے۔ ہمیں اس کی صورت کو ذہن میں مستحضر کر کے حق تعالیٰ سے یوں معروضہ کرنا چاہئے، حق تعالیٰ میں نے ان کو آپ کے سپرد کیا، تفویض کیا انہیں نور اور نورانی کر دیجئے، عافیت و امن عطا فرمائیے ان کی ضروریات کی تکمیل کیجئے، ربنا علیک توکلنا حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

ہمیں اس امر کا بھی شدت کے ساتھ استحضار کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ ہماری اور ان کی زندگی کے ہر واقعہ کا بذات خود تعین فرما رہے ہیں اور بشان رحمت تعین فرما رہے ہیں

اس استحضار ہی سے امر واقعہ کا تحقق ہوتا ہے ہمارے لئے اور ان کے لئے بھی انا عند ظن عبدی بی سے اس کی تائید ہوتی ہے! حالات میں آسانی اور سہولت پیدا ہونے لگتی ہے حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن تقویٰ ہے اور متقی کی مراد حق تعالیٰ قطعاً پوری کرتے ہیں ع می دہد یزداں مراد متقین! (رومی) من یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا سے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے اور من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا اس پر مزید روشنی ڈالتا ہے!

امداد کے اس روحانی طریقے کے متعلق یہ بات واضح طور پر یاد رکھنی چاہئے کہ کشف ضرر حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا! مخلوق میں نہ اس کی قوت ہے اور نہ طاقت لا قوۃ الا باللہ حق تعالیٰ ہی فاعل ہیں اور مخلوق محض آلات، مؤثر حقیقی صرف حق تعالیٰ ہی ہیں باقی اوہام و خیالات! وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ہو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ وھو الغفور الرحیم (پ۱۱ ع۱۶) یعنی اگر تم کو حق تعالیٰ کوئی تکلیف پہونچائیں تو بجز ان کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہونچانا چاہیں تو ان کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں مبذول فرمائیں اور وہ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والے ہیں" جامی نے اسی عقیدہ کے تحت فرمایا ہے!

حق فاعل و ہر چہ جز حق آلات بود — تاثیر ز آلت از محالات بود
ہستی کہ مؤثر حقیقی ست یکیست — باقی ہمہ اوہام و خیالات بود

جب ہم اپنے قلب میں اپنے محبوب کا درد لیکر مواجہ حق میں آجاتے ہیں تو حق ہی کے نور سے ہمارا اور ہمارے محبوب کا درد رفع ہو جاتا ہے، فاعل و مؤثر قطعاً حق تعالیٰ ہی ہوتے ہیں اور ہم محض وہ آلات جن کے ذریعہ ان کا فیض کرم جاری ہوتا ہے!

محروم ز درگاہ تو کے گردد باز — ہر کس کہ بدرگاہ تو آید بنیاز — پیوستہ در رحمت تو بر ہمہ باز — ز تو درسینہ ہر متاع ناز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قانون کا حقیقی تصور

اور

انسانی آزادی

از جناب مولوی جمیل الدین احمد صاحب متعلقہ اطراف بلدہ ۔

(سلسلہ)

آنحضرت صلعم نے ایک دوسرے ارشاد میں نماز کے ساتھ جو جامع لذت و نفع وغیرہ ہے غلامی کو بھی ایک ہی وصیت میں جمع فرمایا ہے اور یہ وصیت ایسے خاص وقت میں فرمائی ہے جبکہ حضور انور کی روح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ کے شوق لقا میں بے چین تھی ۔

عن علی رضؓ کان آخر کلام رسول اللہ صلعم الصلاۃ وما ملکت ایمانکم ۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت آخری کلام یہ تھا کہ نماز اور غلاموں کی حفاظت کرو ۔

(ابن ماجہ ابواب الوصایا هل اوصی رسول صلعم ص ۱۹۸)

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ادب المفرد میں اسی حدیث کو کچھ زیادتی کے ساتھ بروایت حضرت علیؓ نقل کیا ہے یعنی لفظ زکواۃ صلواۃ کے بعد زیادہ ہے اور شہادتین کا بھی تذکرہ اس وصیت کے بعد ہے (ملاحظہ ہو باب حسن الملکہ)

عام طور پر اس حدیث کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ عبادات میں نماز کے شرائط و آداب" تعدیل ارکان حضور قلب" اور جن چیزوں کو کتاب و سنت میں تفصیل کی گئی ہے اور معاملات میں غلاموں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے

احکام جو قانون فطرت نے مقرر کئے ہیں ان میں تغافل و تساہل روا نہ رکھا
میں سمجھتا ہوں کہ اگر اتنی ہی بات تھی تو آنحضرت صلعم کا اپنی پوری زندگی میں وقتاً فو
ان امور میں تاکیدی احکام کا صادر فرمانا اور کوئی ترغیب و ترہیب کا دقیقہ باقی
نہ چھوڑنا بہت کافی تھا لیکن حضرت مدینۃ العلم کا اپنی رحلت کے آخری گھڑیوں میں
نماز اور غلاموں کا یا اس دوسری روائت سے نماز اور زکاۃ اور غلاموں کا مخصوص
ذکر کرنا کوئی خاص عظیم الشان حکمت کا حامل ہے۔

یہ تو مسلمہ ہے کہ زکاۃ مالی عبادت ہے اور اس سے افراد انسانی میں انس
و محبت کی زیادتی ہوتی ہے لیکن نماز اور غلامی کو ایک حکم میں جمع کرنے کے اسرار و
حکم سے اعراض معمولی تسامح نہیں بلکہ ماقدروا الرسول حق قدرہٗ" کا
مصداق ہے اس لئے ان دونوں کے ایک حکم میں جمع کرنے کے علل و اسباب
روشنی ڈالنا بہت ضروری ہے۔

اجمالی طور پر تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نماز عبادت ہے اور عبادت انتہائی
تذلل کا اظہار ہے اور انتہائی تذلل کی وہی ذات مستحق ہے جس کا فضل و کمال
نامتناہی اور بے پایاں ہو اور یہ ذات بجز خدائے لایزال کے دوسری نہیں ہو سکتی۔

مجھے بھی ناز بجا ہے جو محو ناز ہے تو نیاز مند ہوں جتنا کہ بے نیاز ہے تو

اور غلامی کا اظہار ذلت ہے اپنے آقا کے روبرو جو حسب قانون شرع اس کا
مالک ہو اور اس کی بیع و شرا کا اختیار رکھتا ہو۔

لیکن اس اجمال سے وہ تمام تفصیلی مناسبتیں ذہن میں راسخ نہیں ہو سکتیں
جو ان دونوں میں ہیں اور نہ عبد و معبود اور آقا و غلام کے جن تعلقات پر روشنی پڑتی ہے
اس لئے ضرورت ہے کہ احکام صلواۃ پر بھی ایک نظر ڈالی جائے تاکہ مقام عبدیت
کے ساتھ غلامی کے مقام کا احساس بھی بصیرت محمدیہ صلعم سے بیدار ہو جائے۔

نماز میں فقیرانہ قیام ہے۔ عاجزانہ رکوع ہے اور نیاز مندانہ سجدہ۔ اور مؤد
نشست (قعدہ) بحالت قیام کلام اللہ کی قرات ہے اور رکوع و سجود میں تسبیحات

جن سے شاید ہی کوئی مسلمان واقف نہ ہو۔ متعنن فطرت نے حسب اقتضاء انسان کلام الٰہی کے بقدر امکان پڑھنے کا حکم دیا تھا

فاقرءوا ما تیسر من القرآن (المزمل) جسقدر ہو سکے نماز میں قرآن پڑھو۔

سورۂ فاتحہ کا لزوم نماز میں | لیکن فطرت انسانی کے نباض اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد سے سورہ فاتحہ کی قرات ہر نماز میں لازم قرار دی۔ اور اس لزوم سے گویا پورے قرآن کی اجمالی تلاوت انسان کے لئے ہر نماز کی ہر رکعت میں آسان فرما دی۔

لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب (مشکاۃ باب القرأۃ فی الصلاۃ) — اس شخص کی نماز نہیں ہوتی (یا نماز کامل نہیں ہوتی) جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی ہو

اور اسی سلسلہ میں یہ بھی واضح فرمایا کہ سورہ فاتحہ ام القرآن ہے۔

لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بام القرآن (مسلم باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ) — جس نے ام القرآن (سورہ فاتحہ) نہ پڑھی ہو اس کی نماز نہیں ہوتی (یا نماز کامل نہیں ہوتی)

کیونکہ یہ سورہ قرآن حکیم کے جمیع مطالب پر مشتمل ہے۔

اس سورت کی تلاوت کا وجوب یا فرضیت جو ائمہ فقہ کے درمیان مختلف فیہ مسئلہ ہے اس کی تفصیل کتب فقہی سے واضح ہو سکتی ہے۔ یہاں ہم صرف ان احادیث نبوی صلعم سے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ سورہ فاتحہ ام القرآن ہے اور تمام کتاب اللہ کی اجمالاً جامع۔

(۲) یہ کہ اس کی قرأت کم سے کم واجب ہے کہ اس کے بغیر نماز ناقص رہتی ہے۔

سورہ فاتحہ کے جامع القرآن ہونے کی نسبت بعض علمائے نے آیت ذیل سے بھی استدلال فرمایا ہے اور قرآن عظیم کا سبعاً من المثانی پر عطف تفسیری قرار دیا ہے۔

لقد اتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم۔ — ہم نے آپ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں (سورہ فاتحہ) اور قرآن عظیم عطا کیا ہے

آنحضرت صلعم نے یہ لزوم کیوں عائد فرمایا۔ اس کی تحقیقات کی بساط تو میں اپنے اندر نہیں پاتا اس کو تو اللہ و رسول صلعم ہی بہتر جانتے ہیں مگر کتاب و سنت کی روشنی میں

درویشان پاک باطن کے انوار و فیضان صحبت سے جو کچھ استفادہ ہوا ہے بطور تحدیث نعمت اس کے پیش کرنے میں دریغ بھی نہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ انسان فی الحقیقت اپنی ذات سے محبت رکھتا ہے اور بقیہ موجودات میں جس چیز سے بھی وہ محبت رکھتا ہے اپنے ذات کی بقا و دوام و کمال کے لئے ہی رکھتا ہے۔ نہ کہ اور کے لئے۔ اور جس ذات سے اپنا وجود اور کمال مستفاد جانتا ہے اس کو بھی محبوب رکھتا ہے کیونکہ وہ اپنے کو اپنے وجود اور کمالات وجود میں اسکا ذات کا محتاج پاتا ہے جس سے اس کو یہ چیزیں ملتی ہیں۔ لہذا وہ اپنی محبت اور اپنے ہی لئے اپنے محسن کی محبت بھی فطرۃً رکھتا ہے اور اس سلسلہ میں محبت کی قوت اور اس کا ضعف اس کے اپنی ذات کے عرفان کی مقدار پر منحصر ہے۔

من یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ (البقرہ)

ملت ابراہیمی (کتاب اللہ) سے وہی شخص روگرداں ہوگا جو اپنی ذات کا عرفان نہ رکھتا ہو یا بالفاظ دیگر اپنی ذات سے جاہل و بے خبر ہو

اس ارشاد سے ملت ابراہیمی اور نفس انسانی کے تعلقات کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے کہ گویا نفس انسانی ملت ابراہیمی کا آئینہ ہے یا یوں کہا جائے کہ ملت ابراہیمی کا آئینہ نفس انسانی ہے۔ اسی لئے حضرت عائشہؓ سے جب آنحضرت صلعم کے اخلاق کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "کان خلقہ القرآن" جس سے سائل کو اطمینان ہوگیا کہ اگر آنحضرت صلعم کو دیکھنا ہے تو قرآن حمید کے آئینہ میں ہی دیکھنا ہو

اس مسئلہ کے اثبات پر حضرت عائشہؓ کے ارشاد کے بعد کوئی اور دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں تھی لیکن منقش فطرت نے خود اس مسئلہ کو نہایت واضح طور پر اپنے الفاظ میں نمایاں فرما دیا ہے۔

لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم۔ (الانبیاء)

ہم نے کتاب (قرآن) نازل کیا ہے جس میں تمہارا ذکر ہے۔

کتاب اللہ کا موضوع

لہذا جس قدر بھی فکر و نظر سے کام لیا جائے ہم اسی نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ کتاب اللہ

موضوع انسان ہے جس میں اس کے ذاتیات "ظلمت وجہل" اور عوارضات "نور و علم" اور اخلاق واعمال حسنات وسیئات اس کی ابتدائے آفرینش سے اس کے غیر محدود ولامتناہی زندگی کے متعلق پائے جاتے ہیں اور دوسری مخلوق کا ذکر اگر آیا ہے تو انسان کے ہی ضمن میں اسی کے اغراض کے لئے آیا ہے خواہ وہ ارضیات ہوں یا فلکیات۔ ملائکہ ہوں یا جنہ کیونکہ انسان ہی تمام کمالات الٰہیہ کا مظہر واقع ہوا ہے۔ ع

مری روداد کیا ہے تذکرہ ہے حسن جاناں کا

ہمارے سلسلہ کے ایک روحانی دوست عارف باللہ حضرت مولنا سید حسن صاحب جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے خاص مناسبت ہے ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ "اگر انسان اپنے روزمرہ علم وعمل کی ڈائری مرتب کیا کرے تو اپنی پوری ڈائری کتاب وسنت میں بصورت امر و نہی معہ آثار ونتائج وثمرات کے پا سکتا ہے"

مثلاً ایک مومن اور ایک منکر کی زندگی پر غور فرمائیے کہ ہر دو طہارت جسمانی رکھتے ہیں لیکن مومن کی غرض ونیت یہ ہوتی ہے کہ اس کو بارگاہ رب العزت میں پنج وقتہ حاضری دینی ہے اس لئے وہ نجاست سے اپنے جسم کو آلودہ ہونے نہیں دیتا اور اس کی طبیعت کا اقتضا بھی یہی ہے۔ منکر حق کی کوئی نیت نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کی طبیعت بول وبراز کی نجاست کی آلودگی سے گریز کرتی ہے۔ کتاب اللہ میں ان ہر دو کے حالات واضح طور پر ملتے ہیں مومن طاہر کے متعلق یہ حکم بالصراحت آیا ہے

واللہ یحب المطہرین۔ (توبہ) اللہ تعالیٰ طہارت رکھنے والوں سے محبت رکھتے ہیں

اور منکرین حق کے متعلق یہ حکم ملتا ہے۔

انما المشرکون نجس۔ مشرکین نجس وناپاک ہیں

بظاہر وہ روزانہ ہی غسل کیوں نہ کرتے ہوں لیکن چونکہ ان کا یہ عمل اپنی نفسی خواہش پر مبنی ہے اس لئے اس کی کوئی جزا عند اللہ مقرر نہیں ہے اگرچہ کہ عملی زندگی میں مومن ومنکر دونوں مساوی ہوں گا۔

نظام الٰہی اور نظام مجوزہ انسانی میں تفاوت | بنظر اختصار یہ ایک ہی مثال ہم نے جسمانی نظام تربیت کی پیش کی ہے فطرت انسانی کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے انسان کا پورا جسمانی نظام تربیت اس کے طبعی اقتضاء کے مطابق قرآن حکیم پیش

کرتا ہے عام ازینکہ وہ اسکی غذا ولباس سے متعلق ہو یا اس کی منزلی ومدنی زندگی سے۔

الٰہی مجوزہ نظام اور انسانی مجوزہ نظام میں فرق صرف اسقدر ہوتا ہے کہ الٰہی مجوزہ نظام جس کی کتاب وسنت حامل ہے مفاسد ومضرات سے پاک وصاف ہوتا ہے اور انسان کا اپنا مجوزہ نظام کسی حال میں مضرات سے بری نہیں ہوسکتا۔

مثلاً شراب ہی کو لیجیے کہ نظام الٰہی اس کے استعمال کا مانع ہے باوجودیکہ وہ اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اس میں منافع ہیں لیکن چونکہ اس کا استعمال مورث جرائم ہے اس لیے نظام الٰہی کی رو سے اس کا ایک قطرہ بھی حلال نہیں ہے اور عقل انسانی کی یہ تجویز ہے کہ اس کی مقدار قلیل کا استعمال جس حد تک کہ افادیت کا پہلو رکھتی ہے جائز ہونی چاہیے اور اسی بنیاد پر غیر الٰہی قوانین میں اس کی حرمت کا کوئی حکم نہیں ملتا۔ بصیرت محمدی صلعم رکھنے والے جانتے ہیں کہ مقدار قلیل کا تعین بہت دشوار ہے اور پھر قلیل مقدار ہی کیوں نہ ہو استعمال کثیر کی طرف مائل کردیتی ہے اور اس کا ضبط ونظر طاقت انسانی سے باہر ہے۔ اسی لئے فقہا نے علت حرمت دریافت کرکے تمام مسکرات کی حرمت کا حکم جاری کردیا ہے۔

جس طرح جسمانی نظام ترتیب کی ایک مثال پیش کرکے ہم نے واضح کیا ہے کہ قانون الٰہی فطرت انسانی کے مطابق ہے اسی طرح انسان کی روحانی تربیت کا نظام الٰہی بھی بالکلیہ فطرت انسانی کے مطابق ہے یہاں جو کچھ جدوجہد ہے تصحیح علم ونیت کی ہے اور وہ روحانی نظام تربیت جو انسان کا مجوزہ ہے اور جو رہبانیت وجوگیت کے عنوان سے مشہور ہے اس کے ثمرات ونتائج کی پہلی منزل منزلی ومدنی زندگی کی بربادی وہلاکت ہے اور کون ہے جس نے راہب اور جوگی کو متاہل پایا ہو یا تمدن کے اغراض کے لئے اس کو خدمت خلق میں مصروف دیکھا ہو۔ قوائے غضبی وشہوی کا معطل کرنا ان شعبوں میں انسان کا فرض اولیں ہے۔ بہ اصطلاح کتاب وسنت ترک ہوا اور عرفان نفس کا جو مفہوم ہے اس کی تعبیر ان شعبہ جات میں ترک تعلقات منزلی ومدنی

...نفس کشی سے کی جاتی ہے اور تجرید وحی کے ذریعہ کمالات حاصل کرنے کے
سلسلہ میں قوائے جسمانی کو اس درجہ مضمحل کیا جاتا ہے کہ انسان

اعدوا لهم ما استطعتم من قوة (الخ) (سورہ انفال)
اور تیاری کرو ان (دشمن دین) کے مقابلہ کے لئے جو کچھ کر سکو تم قوت سے۔

...تکمیل سے محروم ہو جاتا ہے جس سے اس کی قومی حیات متاثر ہوتی ہے اس لئے اس عنوان میں بھی کتاب وسنت نے جو تفصیلات پیش کی ہیں نہ تو کسی اخلاقی فلسفی کی تربیت گاہ میں پائی جاتی ہیں نہ کسی راہب و پجاری کے معبد و مندر میں ملتی ہیں

جس طرح ذات الٰہیہ کا بے مثل و بے شبہ و بے نظیر ہونا مسلمہ عقیدہ ہے اسی طرح اس کے کلام کا بھی بے مثل و بے نظیر ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے

حاصل یہ کہ الٰہی نظام تربیت میں انسان کے ان اعمال کو جن پر وہ مخلوق ہوا ہے مسدود کرنے کی سعی نہیں کی جاتی بلکہ جس علم و نیت کے تحت وہ اعمال وقوع میں آتے ہیں اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ البتہ جہاں کہیں اعمال میں شخصی یا قومی مضرت ہو ان کو صرف امتناعی حکم سے مسدود ہی نہیں کیا جاتا بلکہ تعزیر کے ذریعہ بھی اصلاح کر دی جاتی ہے۔

مثلاً ایک سلیم الطبع ملازم کو لیجئے کہ وہ اپنے آقا کے احکام کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے اس کے احسانات پر ثنا خوانی اپنا وظیفہ بناتا ہے۔ اس کے بجزہ بدل خدمت پر ھل من مزید کی تمنا نہیں کرتا۔ اس کے مواعید پر اعتبار اور پورا بھروسہ رکھتا ہے اگر آقا سے ناقابل برداشت تکلیف محسوس کرتا ہے تو نہایت مودبانہ لہجہ میں اظہار حال کر کے اس کے دفعیہ کی سعی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ آقا کی خوشنودی کے لئے اپنی ہر خواہش کی مخالفت کرتا ہے۔

یہی حال ایک فہمیدہ غلام کا ہے کہ وہ بھی اپنے مولیٰ کے مقابلہ میں یہی تمام صورتیں اختیار کرتا ہے۔

اسی طرح ایک بندہ صالح کے حالات پر بھی آپ نظر فرمائیں تو جس نے

خدا تعالیٰ کے ہاتھ اپنی جان اور اپنا مال فروخت کیا ہے۔

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ (التوبہ) — اللہ نے مومنین سے ان کی جان اور اموال جنت کے معاوضہ میں خرید تے ہیں

ان سب میں یکساں حالات پائیں گے۔ فرق یہ ہے کہ ملازم اپنا کچھ وقت معین آقا کے لئے صرف کرتا ہے جان و مال سے اس کو کوئی علاقہ نہیں اور غلام اپنا پورا وقت مولیٰ کے لئے صرف کرتا ہے اور اپنی ذات و جائداد پر بھی عارضی تصرف رکھتا ہے مگر غلامی سے آزاد ہو سکتا ہے یہ بندہ خدا جو مقام صالحیت پر فائز ہے دائمی طور پر اپنی مالکیت و حاکمیت سے دستبردار ہو چکا اور کسی آن اپنے مالک حقیقی کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔

یہ تمام اعتبارات جو سلیم الطبع ملازم یا سنجیدہ غلام کے اعمال و کردار میں آپ پاتے ہیں نہ کسی درس گاہ سے اس ملازم یا غلام نے حاصل کئے تھے نہ کسی صوفی کی خانقاہ میں ان امور کی ریاضت کا موقع ان کو حاصل ہوا تھا لیکن اپنے اپنے محل اور موقع پر اس ملازم و غلام سے طبعی طور پر وہی اعمال و کردار ظہور میں آتے ہیں جو اس صالحیت کے ڈگری یافتہ مومن سے جس نے جامعہ نبوی صلعم میں تعلیم پائی ہے صادر ہوتے ہیں۔

اور جو قانون فطرت میں صبر و شکر۔ قناعت و توکل دعا۔ رضا سے موسوم ہیں۔

ملازم اور غلام کے یہ اعمال صرف اپنے آقا اور مولیٰ کی رضامندی کے لئے تھے امر الٰہی سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا اس لئے ان اعمال کی جزائے آخرت مفقود اور ان کی دنیاوی تمام کوششیں۔

الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا۔ (کہف) — یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ہی ضائع ہو گئی۔

کا مصداق بن کر رہ گئیں۔ لیکن اس بندہ مومن کے یہی اعمال بہ تصحیح علم و نیت تحت امر الٰہی واقع ہوئے تھے اس لئے ان کی جزا کا غیر محدود اور غیر منقطع ہونا مسلم۔

الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا اجر غیر منقطع یعنی دائم موقوف نہ ہوگا

اعمال حسنہ کے نتیجے کی توصیف ایک ہی صورت ہے [illegible] حق [illegible]
میں اکثر [illegible] اغراض نفسانی ہو تا ہے دنیا ہی کے لالچ [illegible] کرنے جاتے ہیں
تو ان کے [illegible] کا اثر تو زائل نہیں ہوتا لیکن قوت عمل مقدار [illegible] ہو جاتی ہے۔ اور
اخلاص کی تصحیح کے بعد علم و نیت کے مختلف اعتبارات ایک ہی صورت عمل کو مختلف مدارج و معیار [illegible]
تک پہونچانے میں قوت برقی کا اثر پیدا کرتے ہیں۔

خدا کا نام بھی نام خدا کیا راحت جاں ہے
عصائے پیر ہے تیغ جوان ہے ورز طفلاں ہے

مثلاً آپ دیکھتے ہیں کہ نماز روزہ حج و زکاۃ کی عملی صورت تمام پیروان صحیفۂ فطرت میں یکساں اور بالکل مساوی ہے کیونکہ کسی صالح و شہید و صدیق نبی وقت کے اعمال کی صورت میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا اگر فرق ہے تو صرف اس نیت و علم کا جو اس صاحب مقام کے سینے میں ہوتا ہے۔ صالح کا عمل صرف تعمیل امر الٰہی کے ادراک کے تحت رہتا ہے اور شہید کا عمل تعمیل امر کے ادراک کے ساتھ ہی تخلیق فعل الٰہی پر بھی نظر قائم کرتا ہے اور صدیق کا علم اور اس کی نگاہ اسمائے الٰہی کی تجلی پر ہوتی ہے اور صورکونی سے اس کی نظر اٹھ جاتی ہے۔

گر گزندت رسد ز خلق مرنج
کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج

سعدی

از خدا داں خلاف دشمن و دوست
کہ دل ہر دو در تصرف اوست

الحاصل ایک ہی صورت عمل اپنے اپنے عمل کرنے والوں میں سے کسی کے لئے صالحیت کی ڈگری کا سبب بنتی ہے کسی کو مقام شہادت پر پہونچاتی ہے کسی کو صدیقیت کا تمغہ دلاتی ہے۔ مقام نبوت تو زیر بحث نہیں ہے لیکن مجددیت کا منصب اب بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس لئے مقنن فطرت نے اس کے سہل الحصول ہونے کی ہر پہلو پر بشارت دی۔

اثباتاً بھی جیسے فرمایا
الدین یسر (حدیث)

نفیاً بھی جیسے واضح کر دیا
لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔ حق تعالیٰ کی جانب سے کسی متنفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیجاتی۔

ان تمام تفصیلات کے بعد اگر ہم یہ عرض کریں کہ آج جو یہ کہا جا رہا ہے کہ "دین الٰہی و اسلامی احکام اس ماحول میں مطابق مزاج انسانی نہیں ہے" یہ شیطان اور طاغوتی حکومتوں کا پروپیگنڈا نہیں تو اور کیا ہے۔ حکومتیں بن ہم کا نام لیکر مخلوق خدا کو بلا تفریق قوم و نسل و ملت و مذہب زیادہ سے زیادہ آرام پہونچانے اور ان کی آزادی کے قوانین وضع کرنے کا سریلا راگ گاتی ہیں لیکن علاً ہر قوم دوسرے اقوام کی غلامی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرتی جاتی ہے اور اقلیت و اکثریت اور جغرافی و تاریخی مواقعات پیش کرکے مالکیت و حاکمیت کی باگڈور اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی ہے۔

(باقی)

ALLAMA IQBAL HOSTEL

2010-11



Student ID 20105788
Name MD ZULKAR NAIN
Class M Phil-I
Father's Name Mr Md Hasnain
Date of Birth 20 12 1985
Permanent Address At & Post Dinara, Distt Rohtas
Bihar Pin 802213
Whom to contact in emergency
Ph 09931617868

Sign of Provost